تصوّف

مجموعہ

رسائل امام غزالی اردو

از حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد اوّل

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

ایّہا الولد ــــــ تربیت اولاد کے زرّیں اصول

شرح اسماء الحسنیٰ ــــــ مشکوٰۃ الانوار

حقیقت السماع ــــــ آداب الاخلاق

القسطاس المستقیم

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

فون ۲۱۳۷۶۸

طبع اول دارالاشاعت ۱۹۹۰ء
کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ کراچی

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

فہرست مضامین جلد اول

اس میں آٹھ رسائل شامل ہیں

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

ایہا الولد

تربیت اولاد کے زرّین اصول

فہرست مضامین حضرت امام غزالیؒ

فہرست مضامین
شرح اسماء الحسنیٰ

مشکوٰۃ الانوار

آداب الاخلاق

فہرست مضامین

قسطاس المستقیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں پانچویں صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمان علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے۔ ان کی کتابیں ہر خواص وعام کے زیر مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں جنہوں نے امام غزالیؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے برصغیر کے لوگ متعارف ہیں۔ دارالاشاعت کو بحمد اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیرِ نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ سے ہماری قلبی خواہش اور علمی حلقوں کا دلی تقاضہ تھا کہ امام غزالیؒ کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر مرور زمانہ سے اب وہ کتابیں ناپید ہوتی جارہی ہیں بحمد اللہ کہ زیرِ نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور رہتے ہیں۔ مگر گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈوکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کے بطورِ خاص ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی ہے امید ہے کہ اہلِ علم اور دینی ثقافت سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس مجموعہ کی خوب پذیرائی کی جائے گی۔

احقر کے والدؒ اور احقر کو حتی الامکان دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

خلیل اشرف عثمانی

بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ولی بنو

(یعنی ترجمہ اُردو کتاب)

سرّ العالمین و کشف ما فی الدارین

(الملقب بہ)

سرّ المکنون

فہرست مضامین

آغازِ کتاب

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ ملک ایک عظیم اور مقیم چیز ہے اور اسی کے واسطے ہر صالح اور طالع اور خاسر و رانع اور دینے والے میں قصے قضیے اور جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں انہی کے سبب سے آپس میں حسد و بغض اور عداوت کی آتش مشتعل ہوتی ہے اور اس کام کے واسطے اصل اور مرتبہ اور تحصیل اور صبر اور علم اور تحمل بہت ضروری چیزیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اصل اصول اس کام کے لئے بلند ہمتی کا ہونا ہے۔ جیسا کہ معاویہ کا قول ہے۔ هَمَمْتُ بِمَعَالِي الْأُمُورِ لِيَنَالَهَا وَلَوْهَا فَإِنِّي لَمْ أَكُنْ لِلْخِلَافَةِ أَهْلًا فَهَمَمْتُ بِهَا فَنِلْتُهَا ترجمہ: بڑے بڑے کاموں کا قصد کرو تاکہ وہ تم کو حاصل ہوں کیونکہ میں خلافت کا اہل نہ تھا مگر میں نے اس کا پورا قصد کیا لہٰذا وہ مجھ کو حاصل ہو گئی شاہان سلف کے واقعات بھی تم نے سنے ہوں گے کہ ان میں کسی کو ماں باپ سے سلطنت نہیں پہنچی تھی۔ بلکہ ہر ایک نے اپنی کوشش سے حاصل کی تھی۔ شعر

وَكَمْ نُزِعَ الْمُلْكُ مِنْ يَدِ وَارِثٍ مُسْتَحِقٍّ مِثْلُ أَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ وَسِوَاهُمْ

کتنی ہی سلطنتیں وارث مستحق کے ہاتھ سے نکل گئیں مثل اہل بیت محمد صلے اللہ علیہ وسلم وغیرہم کے۔ ہم ذوالقرنین کا مختصر قصہ تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں اصلی نام ان کا صعب بن جبل ہے اور باپ ان کے جولاہے تھے اور ماں کا ان کی ہیلانہ نام تھا۔ یمن کی قوم بنی حمیر میں یہ بحالت یتیمی گزران کرتے تھے ان کی ماں نے سنا کہ شہر قسطنطنیہ میں ایک کارخانہ ہے جس میں مختلف قسم کے کام لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں وہ ان کو لے کر اس کارخانہ میں پہنچی سکندر نے وہاں بادشاہ کی تصویر دیکھی۔ اور سب کاموں پر اس کو پسند کیا۔ پھر ان کی ماں نے ان سے پوچھا کہ بیٹا تم اس کارخانہ میں کونسا کام پسند کرتے ہو۔ سکندر نے شاہی تاج پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں ان کی ماں نے کئی بار ان کو دھوکا دیا۔ مگر یہ وہی کہے گئے۔ یونان نے ان کو غور سے دیکھا اور پھر ان کی ماں سے کہا کہ کیا تمہارا نام ہیلانہ ہے اور یہ تمہارا بیٹا صعب بن جبل ہے اس نے کہا ہاں۔ تب یونان نے ذوالقرنین سے اس مضمون کا عہد و پیمان لیا کہ میں اور میری آل اور اولاد اور سلطنت سب تمہاری امان میں ہے۔ کیونکہ تمہاری سلطنت کا سایہ شرق و

اور بار ہا ملک وارث مستحق کے ہاتھ سے چھینا گیا ہے مثل اہل بیت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وغیرہ کے

غرب پر محیط ہوگا۔ پھر ذوالقرنین کی ماں ان کو زمین بابل میں لائی اور کسی سے انکا حال بیان نہ کرتی تھی پھر ذوالقرنین نے تین خواب ایسے دیکھے جو خاص ان کے کام کی دلیل اور اُن کی سعادت کے گواہ تھے۔ پہلا خواب یہ دیکھا کہ زمین مثل روٹی کے ہے اور انہوں نے اس کو کھالیا ہے۔ اور دوسرا خواب یہ دیکھا کہ سمندر کو انہوں نے پی لیا ہے اور اس کی کیچڑ تک کھالی ہے۔ اور تیسرا خواب یہ دیکھا کہ آسمان میں چڑھے اور ستاروں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا ہے اور سورج پر سوار ہو کر چاند کی پیشانی پکڑلی ہے۔ پھر جب ذوالقرنین کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اور یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے ان کو بڑی مبارک باد اور عظیم الشان سلطنت کے حاصل ہونے کی خوشخبری دی اور کہا کہ ایک نبی اور ایک حکیم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے اسی طرح اگر تم خیال سے دیکھو تو بہت سی اسی قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ اس واسطے تم کو لازم ہے کہ بلند ہمتی کے پرندے پر سوار ہو کر آلاتِ سلطنت حاصل کرو تاکہ اس کی کیمیا تمہارے پاس موجود ہو جائے اور ایسے سچے اور صاحب علم و فضل دوست تمہارے پاس مجتمع ہوں جو تمہارا راز کسی کے سامنے فاش نہ کریں اور اس کتاب سر العالمین کے اسرار سے بخوبی واقف ہوں اور نیز کسی علم کیمیا کے واقف کو بھی اپنا دوست بناؤ جو سرخ و سفید رنگ بنا کر روپیہ کی امداد تم کو پہونچائے اور اگر ایسے دوست مہیا نہ ہوں اور ہر طرح سے تمہارا بازو کمزور ہو اور مال بھی پاس نہ رکھتے ہو پس تم کو چاہیے کہ خوب علم و فضل حاصل کرو اور ایک گوشہ خلوت اختیار کر کے زہد و تقویٰ کے راستہ پر چلو؛ اور شاگردوں کو سبق دینا اور مریدوں کو ارشاد و تلقین کرنا شروع کردو اور جہاں تک ہو سکے اُن کی تعداد کے بڑھانے میں کوشش کرو۔ اور وقتاً فوقتاً کرامتیں بھی ان کے سامنے ظاہر کرو تاکہ سچے دل سے وہ تمہارے معتقد اور غلام بے زر خرید ہو جائیں اور اصلاح و تقویٰ کا راستہ اُن کو تعلیم کرو اور اپنی عظمت بطریق حکمت اُن کے دل میں خوب بٹھادو۔ پھر جب وہ لوگ اس سبق کو خوب یاد کرلیں تب لوگوں کی بد اعتقادی اور فسق و فجور اور اپنے دشمن بادشاہ یا حکام کے ظلم و ستم پر اُن کی نظر دوڑانی شروع کرو اور مختصر طور سے ایسا وقتاً فوقتاً سمجھاؤ کہ وہ کل منکرات سے متنفر ہو کر ان کے قلع و قمع پر آمادہ ہو جائیں۔ اور پھر ان شاگردوں کو یہ سبق پڑھاؤ کہ وہ ہر جگہ تم کو شہرت دیں اور بڑے بڑے لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بٹھا کر اُن کو تمہاری

قلیل جماعت ہر طرح مطیع فرمان ہو جائے اور کچھ قوت پکڑ لے تب تم خاص لوگوں سے نرمی اور رفاقت اور نصیحت کا برتاؤ کرو اور جو لوگ تمہارے اعتقاد یا مقصد کے برخلاف ہوں ان سے مباحثہ اور مجادلہ کرتے رہو اور جو سخت طبیعت اور حاسد ہوں اُن سے سختی کے ساتھ پیش آؤ۔

دیکھو اسلام کی ابتدا کس طرح ہوئی ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے پہل یہ حکم ہوا قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تک یعنی کہہ دو اے کافرو میں ان کی عبادت نہ کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنیوالا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنیوالے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے واسطے تمہارا دین ہے اور میرے واسطے میرا دین ہے پھر جب اسلام کی ترقی ہوئی تب زبان شمشیر سے یہ آواز ظاہر ہوا فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ یعنی جب تم کافروں کے مقابل ہو تو ان کی گردنیں مارو اور کمزوری کے وقت صلح کر کے جزیہ لینے کا حکم ہوا وان جنحوا للسلم فاجنح لہا یعنے اگر وہ صلح کیطرف مائل ہوں تب تم بھی صلح کو اختیار کر لو۔ پھر جب اقبال اسلامی کی ہوا چلی اور ترقی کا خیمہ مسلمانوں پر سایہ افگن ہوا تو حکم پہونچا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ یعنی نبی کو یہ لائق نہیں ہے کہ اُن کے پاس قیدی ہوں اور وہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ زمین میں خوب خون بہا دیں۔ سلطنت کے طالب کو بھی یہی وتیرہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ہر شخص سے اس کی عقل کے موافق گفتگو کرے اور عدل و انصاف میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس و لحاظ نہ کرے۔ لشکر کو وقت پر تنخواہ بانٹے اور ہر مشکل کام کے وقت انعام و اکرام کا امیدوار کرے اور وعدے کا کسی ادنٰے شخص سے بھی خلاف نہ کرے اہل فضل کی تعلیم و تکریم بجالائے۔ مظلوم کے نقصان کی مکافات کرے اور انصاف میں اپنی ذات اور دوسرے کو برابر جانے اور اپنے ملازموں حاکموں یا عاملوں کی تنخواہیں اس قدر مقرر کرے کہ وہ خرچ کے محتاج نہ رہیں ورنہ رشوت کا سلسلہ ان کے اندر جاری ہو جائیگا۔ اور تمہارا ظلم رعایا میں ظاہر ہوگا اور لوگ تم سے بد دل ہو جائیں گے۔ اور ظاہر و باطن میں تمہارے خلاف کارروائیاں کریں گے۔ معلوم ہو کہ تمہارے اغراض

کے برخلاف مظلوم کی ہمت اور اس کے دل کی بددعا بہت کافی و وافی ہوتی ہے۔ جیسے کہ باران طلبی کے وقت اہل زمین کی دعا اور ان کی دلی خواہش کا اثر آسمان پر ہویدا ہوتا ہے۔ اور مینہ برسنے لگتا ہے۔ سلطان محمود بن سبکتگین نے اپنا ایک ایلچی ہندوستان کے راجہ کے پاس یہ بات دریافت کرنے بھیجا کہ باوجود اس بات کے کہ تم لوگ منکر صانع اور رسولوں کی تکذیب کرنے والے ہو پھر تمہاری عمریں اس قدر دراز کیوں ہوتی ہیں۔ اور ہم لوگ باوجودیکہ خدا پر ایمان رکھنے والے اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اور ہماری عمریں چھوٹی ہوتی ہیں اس کا کیا سبب ہے۔ راجہ نے سلطان کے ایلچی سے کہا کہ میں تم کو اس بات کا جواب اس وقت دونگا جب یہ پھلدار درخت جو تمہارے سامنے ہے خود بخود گر پڑے گا۔ پھر ایلچی کو ایک مکان میں فروکش کرکے بہت اچھی طرح سے ان کی دعوت اور مہمانی کا حکم دیا اب ایلچی صاحب منتظر ہیں کہ دیکھا چاہیئے کب یہ درخت گرتا ہے جو میں جواب لے کر واپس جاؤں اور خدا کرے کہ جلدی یہ درخت گرے پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے جو ایک روز اس درخت کے گرنے کی آواز آئی اور لوگ دوڑتے ہوئے اس درخت کے پاس گئے۔ راجہ صاحب بھی آئے اور ایلچی صاحب بھی تشریف لائے جس وقت راجہ نے ایلچی کو دیکھا کہا بس اب تشریف لے جایئے آپ کا یہی جواب ہے کہ یہ درخت گر پڑا اپنے سلطان سے کہنا کہ جب ایک شخص کی ہمت نے پھلدار درخت کو گرا دیا تو پھر مظلوموں کی ایک جماعت کی ہمت ظالموں کے قلع و قمع میں کیوں نہ اثر کریگی۔ اور نیز مظلوموں کی دعا ابر کے اوپر پہونچتی ہے۔

بعض قدیم کتابوں میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے اگر میں ظالم سے بدلہ نہ لوں تو میں خود ظالم ہوں اور بعض آثار میں وارد ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے اس شخص کی بددعا سے ڈرو جس کا میرے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اور اے طالب سلطنت تم کو معلوم ہو کہ عدل کرنا اور بوقت ضرورت لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت قائم کرنے کے واسطے دشمنوں کو قتل کرنا اور سولی دینا یا زخمی کرنا یا اور اقسام کی تکالیف سے ان کو ستانا ملک اور رعایا کا امن اور دلوں میں اطمینان پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ زمین میں خدا کا سایہ ہے ہر مظلوم اپنی دادرسی کے واسطے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ہر چیز کو

اس کے موقع پر کرنا نہایت موزوں اور مناسب بلکہ اکثر اوقات واجب ہوتا ہے اور مفسدوں کے قتل و غارت کرنے سے غریبوں کی جانیں بچتی ہیں خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یَّآ اُولِی الْاَلْبَابِ یعنے اے اہل عقل تمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ اپنے قتل ہونے کے سبب سے کوئی شخص دوسرے کو قتل نہ کریگا۔ اور یہی باعث زندگی ہے عمرو بن عاص جو بدری صحابی تھے معاویہ کو انہوں نے افعال قبیحہ پر اپنے عقاید لامیہ اور قو تیہ میں بہت زور شور سے آمادہ کیا ہے چنانچہ ایک جگہ کہا ہے ؎ مُعَاوِیَ فِی الْخَلْقِ کَانَ ۔۔۔ یعنے اے معاویہ خلقت میں عدل سے کام نہ لو: اور دوسری جگہ کہا ہے ؎ مُعَاوِیَ اِنِّی لَکُمْ اَنَا ۔۔۔ زمانہ میں دل کھول کر جس کام کو کرنا چاہتا ہے کرے چاہے ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور حصول سلطنت کا ایک اور طریق مال کا بکثرت خرچ کرنا ہے اور ایک طریق یہ ہے کہ خوب شمشیر زنی کرے مگر اس کے واسطے اپنے لشکر کا دل ہاتھ میں رکھنا اور مظلوم کی دادرسی کرنی بہت ضروری ہے۔ اور جو چیزیں اوقاف کی قسم سے ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت کی ہوں ان سے معترض نہ ہونا چاہیے اور یہ بات بھی تم کو لازم ہے کہ ایک وقت رعایا کی نگرانی کا اور ایک وقت لشکر کے معائنہ کا مقرر کرو۔ کیونکہ تمہاری غفلت سے رعایا کے اندر ظلم پھیل جائیگا۔ اور سب حکام و عمال حرام خور ہو جائیں گے۔ اور بچشم خود دفتروں کو دیکھا کرو اگر دن کو فرصت نہ ہو تو عشا کے وقت منشیوں نے جو کچھ دن کو لکھا ہے اس کو دیکھ لیا کرو تاکہ وہ تمہارے خوف سے کچھ تغیر و تبدل نہ کر سکیں کیونکہ بہت سے مظلوم بادشاہ کی غفلت کے باعث اپنے حق سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ کوئی حال تم سے پوشیدہ نہ رہے تب تم اپنی زندگانی اس طریقہ سے گذارا کرو جو دوسرے مقالہ میں مذکور ہے

دوسرا مقالہ طرز زندگانی کے بیان میں

اے بادشاہ تم کو لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو۔ اور پھر اشراق کی نماز کے بعد اپنے گھر کے لوگوں کو یا ملازموں کو یا جس جس کام کے واسطے کہنا سننا ہو کہہ سنکر گھوڑے پر ہتھیار لگا کر سوار ہو۔ اور خبر اخبار معلوم کرنے کے واسطے شہر میں گشت کرو تاکہ کوئی مظلوم یا پریشان حالت شخص تم کو ملے تو تم اس کی دادرسی کرو اور ہتھیار لگانے کی ضرورت یہ ہے کہ

کوئی دشمن تم پر حملہ نہ کر سکے۔ اور پھر اس گشت سے فارغ ہو کر اپنے دیوان عام میں بیٹھ کر مقدمات فیصل کرو۔ اور خط خطوط کے جواب لکھوا اور ایلچیوں سے گفتگو کرو اور دیوان عام میں اپنے سامنے لوگوں کی دو صفیں دائیں اور بائیں بٹھاؤ اور بیچ کا میدان کھلا رکھو تاکہ کوئی مظلوم یا دشمن وغیرہ تمہاری نظر سے پوشیدہ نہ رہے اور جس شخص پر تم کو شبہ ہو اُس کے حال کو خوب دریافت کرو اور ایسے شخص کو اپنی خدمت میں نہ رکھو جس کے حال سے تم واقف نہ ہو۔ بلکہ ایسے شخص سے خدمت لو جس کی نیک بختی تم کو معلوم ہو یا کوئی معتبر شخص اس کا ضامن ہو۔ یا وہ شخص تمہارا معتقد ہو۔ اور ایک گروہ اہل علم وفضل اور تجربہ کاروں اور متقی وزیروں اور اہل رائے کا تمہارے پاس رہنا چاہیے۔ نالائق اور خائن لوگوں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو شخص اپنی جان پر امین نہ ہوگا۔ وہ دوسرے کے حق میں کیا امانتداری کرے گا۔

پھر ظہر کے وقت سے پہلے دیوان عام سے اُٹھ کر محل میں جاؤ اور لشکر کے واسطے کھانا تقسیم کرنے کا حکم کرو اور اپنے اقربا اور عزیزوں کو بلوا کر ان کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھاؤ اور بادشاہوں کے واسطے باورچی بھی بہت امین ہونا چاہیے اور سب سے پہلے اُسی کو اس کھانے میں سے لقمہ کھلانا چاہیے پھر جو لوگ کھانا لائے ہوں اُن کو لقمے کھانے چاہییں۔ پھر جو شخص دستر خوان پر کھانا چنے وہ بھی لقمہ کھائے جب سب طرح سے اطمینان ہو جائے اس وقت بادشاہ کو ہاتھ ڈالنا چاہیے اور یہ احتیاط اس واسطے ہے کہ شہریار بن نادر آدھا سیب کھانے سے مر گیا تھا اور ساسان نے شراب کا آدھا پیالا پی کر جان دی۔ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کی دست میں زہر ملا کر کھلایا گیا۔ اور ابو لؤلؤ نے چھری کو زہر آلود کر کے حضرت عمرؓ کو اُس کے ساتھ شہید کیا۔ اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے تلوار کو زہر آلود کر کے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا۔ اور اسی سے آپ کی شہادت ہوئی اور حضار بنت جوجو بن کعب غسانی نے اپنے خاوند حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دیکر شہید کیا۔ اور یہ مکر زہر خورانی کا شامیوں کیطرف سے تھا جو دانہائے انگور میں دھلے ہوئے نہ تھے آمیز کر کے دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں اس قسم کی مثالیں زمانہ میں موجود ہیں لہٰذا بادشاہ کو لازم ہے کہ اپنے کھانے اور پینے اور پہننے اور سونے میں زہر کا بہت خیال اور احتیاط رکھے

یہاں تک کہ اپنی چھوٹی کا رومال بھی بہت احتیاط سے رکھے اور اپنی سلطنت میں اور دنیا کے غیر ممالک میں بھی مخبروں کو مختلف لباسوں اور طرز وروش کے ساتھ روانہ کرے۔ تاکہ ہر قسم کی خبریں ہر ملک سے ان کو پہونچتی رہیں مثلاً کوئی مخبر صوفی بنا ہوا ہے کوئی فقیہ ہے کوئی دکاندار ہے کوئی سوداگر ہے۔

ماموں رشید عباسی کے پاس بہت سے مخبر تھے۔ جو تمام ممالک دنیا سے اُس کو خبریں پہونچایا کرتے تھے اور کل بادشاہ ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

تیسرا مقالہ: بادشاہ کو چاہیے کہ پہلے نصف شب میں قضا سے مہمات اور پوشیدہ واقعات سننے کے واسطے بیدار رہے اور قدرے دن کو دوپہر کے وقت سو رہے کیونکہ اس سے رات کے جاگنے پر بہت بڑی مدد ملتی ہے۔ اور آخر رات میں سو رہنے سے پہلی رات میں جاگنے کی نقصان جاتی رہتی ہے۔ اور حمام سے جلد فارغ ہو جانا بہت بہتر ہے۔ اور موافق مزاج کے کسی شربت کا استعمال رکھنا بھی ضروری ہے۔ بادشاہ کو یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اپنے متعلق خطوط کے جواب یا فرمانات جو منشی سے لکھوائے ایک نظر خود بھی انکا ملاحظہ کر لیا کرے۔ کیونکہ کاتب کی بعض غلطیوں سے سخت فساد پیدا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ اسی قسم کی غلطی سے تھا یہ واقعہ بہت مشہور اور کتب سیر میں موجود ہے۔

بادشاہ کو لازم ہے کہ کسی لونڈی یا حرم کو اپنی بیوی پر فضیلت نہ دے کیونکہ اس سے حسد کی آگ بھڑکتی ہے۔ اور نتیجہ بد ظاہر ہوتا ہے۔ اور بغرضِ قیام امن میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس ولحاظ نہ کرے۔ بلکہ اپنی ذات کو بالکل تنہا سمجھے کہ کوئی اس کا نہیں ہے۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔ فَلَمْ نَزَلْ فَلَمَّا الْاِنْصَافَ قَاطِعَۃً بَیْنَ الْاَنَامِ وَاِنْ کَانُوْا ذَوِیْ رَحِیْم

اور جو اس کے باپ کے دوست آشنا ہیں ان کے واسطے تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اگرچہ غریب و فقیر ہوں اور اپنے اپنے ان دوستوں سے بھی جو سلطنت حاصل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ تعظیم اور محبت کا برتاؤ رکھے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک یہودیہ حاضر ہوتی تھی جب وہ آتی آپ اس کے واسطے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت

عائشہ صدیقہؓ نے ایک روز عرض کیا کہ آپ ایک یہودی عورت کے واسطے کیوں کھڑے ہوتے ہیں فرمایا یہ عورت خدیجہؓ کے وقت سے ہمارے پاس آتی ہے یعنی ظہور اسلام سے پہلے سے یہ بات حضور کے لطافت اخلاق سے ہے بادشاہ کو بھی اپنے اخلاق ایسے ہی رکھنے چاہئیں ۵
لَا تَلْقَ فِیْ بِئْرٍ شَرِبْتَ مِنْہَا اَجْنَۃً فَیُقَالُ اِنَّکَ غَادِرٌ

چوتھا مقالہ (ترتیب خلافت کے بیان میں)

خلافت نص کے ساتھ ثابت ہے اور دلیل اس کی یہ آیت ہے۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا عرب کے ان لوگوں سے جو پیچھے رہنے والے ہیں کہدو کہ عنقریب تم ایک خوف ناک قوم کے مقابلہ کی طرف بلائے جاؤ گے جن سے تم لڑو یا وہ صلح کریں۔ پس اگر تم نے اس حکم کے بجالانے میں اطاعت کی تو خدا تم کو اچھا ثواب دے گا۔ اور اگر تم نے اسی طرح پیٹھ پھیری جیسے کہ پہلے پھیر چکے ہو تب وہ تم کو سخت عذاب کرے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے اطاعت کی طرف بلایا اور لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی اور بعض مفسرین اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا یعنے جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے پوشیدہ بات کہی۔

حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ اے حمیرا تمہارا باپ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ اور ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ جب ہم آپ کو نہ پاویں تو کس کے پاس جاویں آپ نے ابوبکر صدیق کیطرف اشارہ فرمایا۔ اور نیز ابوبکرؓ نے حضور کی حیات میں مسلمانوں کی امامت کی۔ اور امامت دین کا ستون ہے یہ تو اُن لوگوں کا بیان ہے جو نص سے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی پہلے خلیفہ ہوتے تو ان تینوں خلفاء کو خلافت نصیب نہ ہوتی۔ اور نہ اُن کو فتوحات اور مناقب نصیب ہوتے اور حضرت علیؓ کے چوتھا خلیفہ ہونے سے اُن کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ حضور

ــــــــ
۵ جس کنوئیں کا تونے پانی پیا ہے اس میں اینٹ نہ ڈال نہ تجھ... کر... کہا جائے گا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے سے آپ کی شان میں فرق نہیں آیا اُن کے بعد بنی اُمیہ نے حکمت سے حکومت لے لی۔ اُن سے بزور بازو عباسیوں نے چھین لی۔

پس اے سلطنت کے طالب اپنا سامان درست کر اور اپنی حالت کو آراستہ بنا اور خوب مال خرچ کر اور صبر کے ساتھ کام لے اور لوگوں کو اپنی طرف منجذب کر اور جہاں تک ہو سکے صلاحیت سے کام لے۔

پانچواں مقالہ (امور سلطنت کی ترتیب و تدبیر میں)

جب تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اور مال و خزانہ کثرت کے ساتھ تمہارے تصرف میں آئے تب تم لوگوں سے اپنی اطاعت پر بیعت اور عہد واثق لو۔ اور خوش بیان لوگوں کو مقرر کرو کہ لوگوں کے سامنے تمہاری اطاعت کے وعظ کہیں اور ان کے دلوں کو تمہاری طرف راغب بنائیں

شعر: اِذَا هَبَّتْ رِیَاحُكَ فَاغْتَنِمْهَا ۔۔۔ فَإِنَّ لِكُلِّ خَافِقَةٍ سُكُونٌ

وَلَا تَغْفُلْ عَنِ الْإِحْسَانِ یَوْمًا ۔۔۔ فَمَا تَدْرِي السُّكُونُ مَتَى تَكُونُ

اور بہت جلد اپنی سلطنت میں رستے اور پل تیار کراؤ تاکہ ضرورت کے وقت تم کو اُن پر سے گذرنا آسان ہو اور اگر تم کسی زور دار شخص کو دیکھو تو طرح طرح کے معالجوں کے ساتھ اُس کا علاج کرو اور سب سے آخر وہ داغ دینا ہے۔ اور تم کو یہ بھی ضروری ہے کہ لشکر کی تعداد اور رعایا کی مردم شماری خوب معلوم رکھو اور آمد اور خرچ کا حساب سب تم کو معلوم رہنا چاہیے اور سال میں تین بار لشکر سے قواعد کی مشق کرایا کرو اور چار سو سپاہی بڑے جانباز اور خیر خواہ اپنی اردلی میں رکھو۔ اور اگر جنگ کا ارادہ ہو تو اپنے لشکر کو خوب شکم سیر ہو کر کھانے کو دو اور جب میدان جنگ میں دشمن کے مقابل جاؤ تو اپنے لشکر کی صفیں ایسی ترتیب سے باندھو کہ ایک صف کے پیچھے دوسری ہو اور اپنے خاص خاص سپاہیوں کو حکم کرو کہ تمہارے لشکر کی جو صف شکست کھا کر بھاگے اس کو تلواروں سے قتل کریں اور تم خود کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر جنگ کا معائنہ کرو اور تم خاص اپنے واسطے نہایت عمدہ گھوڑے اور بہادر سپاہی تیار کرو۔ اور یہ یاد

ؔ جب تیرے اقبال کی ہوا چلے تو اس کو غنیمت سمجھ کیونکہ ہر ایک چلنے والے کی آخر کو سکون ہوتا ہے اور کسی۔۔۔۔۔۔

رکھو کہ جو شخص ابتدا میں تمہارے ساتھ دھوکا کریگا۔ وہ آخر میں بھی دھوکا کریگا اور تمہارا اگلا یعنے ہراول تمہارے ساتھ رہنا چاہیے۔ اور اگر مناسب سمجھو تو ایک ہراول لشکر میں بھی رکھو اور ایک لشکر بہادر سپاہیوں کا کسی پوشیدہ جگہ کمین گاہ میں چھپا دو تاکہ جس وقت تمہارے لشکر میں کمزوری پیدا ہو تو دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر اس موقع پر لاؤ جہاں تمہارا لشکر پوشیدہ ہو اور اپنے لشکر کی ایک خاص علامت مقرر کرو تاکہ آپس میں ہر ایک دوسرے کو پہچان لے اور کسی قلعہ کے محاصرہ کرنے سے بددل نہ ہو۔ اور یہ نہ خیال کرو کہ لشکر کو تکلیف ہوگی بلکہ بغیر فتح کئے نہ چھوڑو اور اپنی مقتولوں کا قصاص لینے میں کمی نہ کرو۔ جیسا کہ ذوالقرنین نے دارا کے جنگ میں کیا تھا کہ ان کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ بزدل ہو کر ہمت ہار بیٹھے۔ پھر ان کو خوب قتل کیا۔ اور تم مال کے خرچ کرنے میں ہرگز کمی نہ کرو اور آمدنی کے دفتروں کو دیکھ کر جس میں مناسب سمجھو کمی یا زیادتی کرو اور تم کو جنگ کرنے والوں کا تجربہ ہونا بھی ضروری ہے جو سپاہی بہادری ظاہر کرے۔ اور بہت سے دشمنوں کو معرض قتل میں لائے۔ اس کو اس قدر انعام دینا چاہیے کہ وہ خوش ہو جائے۔ اور جو نامرد و بزدل ہو اس کو سزا دینی چاہیے اور اپنے خزانوں کی حالت سے بھی تم کو واقف ہونا چاہیے کہ کس قدر رقم خزانے میں بڑھی اور کس قدر کم ہوئی۔ اور اگر تم کو شادی کی ضرورت ہو تو ایسی عورت تلاش کرو جو مال و جمال اور دین و نسب سب باتیں رکھتی ہو۔ اور شارع علیہ السلام نے امر تزویج میں دین کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

جس بادشاہ کے مخبر نہیں ہیں وہ مثل جسم بلا روح کے ہے اس بات کو یاد رکھو اور قلعہ بندی کے جس قدر سامان کی ضرورت ہو اس کے مہیا کرنے میں بہت چستی سے کوشش کرو کیونکہ تم کو کچھ خبر نہیں کہ تمہاری اس کامیابی کے بعد کیا صورت ظاہر ہو اور وہ یا خصوصاً لشکر میں ایسا انتظام کرو کہ سپاہ میں باہم جنگ لڑائی نہ ہونے پائے۔ جو مولوی فتنے اور فساد اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازیوں کے وعظ کہتے ہیں ان کے منصوں میں خار دار لگامیں چڑھا دو تاکہ ایک حرف نہ بول سکیں اور اپنے حاکموں سے کہدو کہ وہ تمہارے ملک میں جو غلہ ہے اس کا انتظام کریں اور کسی سوداگر کو اس کی بھرتی سے نہ روکیں کیونکہ جو چیز تمہاری رعایا کے پاس ہے وہ بوقت ضرورت تمہارے ہی واسطے ہے اور ان لوگوں کی حالت پر غور کرو

جنہوں نے زراعت چھوڑ دی ہے اگر انہوں نے مفلسی اور سامان زراعت نہ ہونے کے سبب سے چھوڑ دی ہے تب تم کو ان کی امداد کرنی چاہیئے اور اگر ان پر کسی نے ظلم کیا ہے تب ان کی تب ان کی دادرسی کرو جیسا کہ ہندوستان

کے ایک راجہ کا قول ہے کہ میں گاؤں میں زیادہ مرغیاں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں کیونکہ ان سے آبادی کی علامت معلوم ہوتی ہے اور زیادہ کثرت کے ساتھ عورت پر پیغام دینے والوں کو دیکھ کر میں غمگین ہوتا ہوں کیونکہ اس سے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ذوالقرنین اپنی تمام رعایا کی مردم شماری کرتے تھے اور جب کوئی عورت دودھ کی ہنڈیا ان کے پاس سے گزرتی وہ اس کو دیکھتے اگر اس میں چکنائی پاتے تو خوش ہوتے اور اگر نہ پاتے تو غمگین ہوتے اور کہتے تھے میں کاشتکار کی مثال نہیں پاتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطنت کی بنیاد کاشتکاری پر ہے اگر کاشتکار نہ رہیں گے تو سلطنت کے خزانے میں کیا داخل ہوگا۔ اور لشکر اور اہل کاروں کی تنخواہ کہاں سے تقسیم ہوگی۔ غرض کہ ساری سلطنت کاشتکاری پر منحصر ہے۔ اور جب متغیر طعام کو تبدیل کر سکتا ہو تو ضرور کر دے۔

مامون عباسی ہتھیاروں اور دیگر آلات حرب اور خیمہ اور خرگاہ و منجنیق وغیرہ کو تھوڑے عرصہ کے بعد تبدیل کرا دیتا تھا اور اپنے داروغہ اصطبل سے کہتا تھا کہ کل اصطبل کی چیزوں کو اسی طرح تبدیل کیا کرو جیسے کہ باسی گھاس تبدیل کرتے ہو۔

چھٹا مقالہ (ترتیب حکام کے بیان میں)

حاکم ایسے شخص کو بنانا چاہیئے جو رعایا کے ساتھ شفیق مہربان منتظم باہیبت و باوقار ہو اور اس قدر کام اس کے سپرد نہ کئے جائیں جو اس کی طاقت سے باہر ہوں اور تنخواہ اس کی معقول مقرر کرنی چاہیے ایسے اپنے لشکر کو بھی پیٹ بھر کر کھانا دے اور اگر کسی وقت قلعہ بند ہونے کا موقعہ ہو تو اپنے لشکر کو نہایت ترتیب کے ساتھ قلعہ کی حفاظت پر مقرر کرے اور قلعہ کی فصیل کو پہلے ہی سے درست کرے اور پہرہ داروں کو بدلتا رہے تاکہ تھک نہ جائیں اور پانی اور غلہ کی خوب حفاظت کرے اور جس راہ سے یہ چیزیں قلعہ کے اندر آتی ہوں اس راہ کو بھی چوکی پہرہ سے محفوظ رکھنا چاہیے اور خود بنفس نفیس تمام

قلعہ اور برج و فصیل پر بادشاہ کو گشت کرنا ضروری ہے اور رات کے وقت اپنے لشکر سے لمبی پر خطر اور پر حذر رہنا چاہیے تاکہ کوئی ضرر نہ پہنچے اور دشمنوں کے حالات بخوبی معلوم کرے اور چھوٹے سے چھوٹے دشمن کو بھی حقیر نہ جانے کیونکہ مکھی اونٹ کو مار ڈالتی ہے اور بہت سے بچھو ایسے ہیں جن کے کاٹے سے انسان مر جاتا ہے۔ چنانچہ کسی کا قول ہے:

وَلَا تَحْقِرَنَّ عَدُوًّا صَغِيرًا فَرُبَّمَا تَمُوتُ الْأَفَاعِي مِنْ سُمُومِ الْعَقَارِبِ

یعنی کسی چھوٹی سی بات کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر مرتبہ افعی (سانپ) بچھوؤں کے زہر سے مر جاتے ہیں۔ اور دشمنوں کے مکر سے بھی ہر وقت ہشیار رہنا چاہیے۔ اور حاکم یا والی کو شراب نہ پینی چاہیے۔ کیونکہ شراب میں بہت سی آفتیں ہیں اور خصوصاً صاحب ملک سے بہت لوگ حسد کرتے ہیں۔

نجاشی حبش کے بادشاہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب سے سوال کیا کہ تمہارے نبی کا کھانے میں کیا طریقہ ہے جعفر نے فرمایا وہ زمین پر کھانا کھاتے ہیں نجاشی نے کہا یہ بات ان کی تواضع کے سبب سے ہے جس سے ان کے اصحاب کے دل اُن کی طرف مائل اور منجذب ہوتے ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمہارے نبی بادشاہ ہوتے ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمہارے نبی بادشاہ ہوتے تو خوان پر اپنے بھائیوں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے تنخواہ میں اگر کسی کو جاگیر دی ہو تو خیر اور اگر ماہوار از نقد مقرر ہو تو ہر مہینہ میں دینی چاہیے اور بادشاہ کو السلام علیکم کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور جو سفیر غیر ممالک سے اُس کے پاس آویں تو اُن کی خاطر و مدارات میں کمی نہ کرے۔ کیونکہ اس کے سبب سے بہت بڑی بدنامی ہوتی ہے اور شعرا اور عوام الناس ہجو کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہفتہ کے دنوں کو تقسیم کر رکھا تھا۔ بعض دن لشکر کی نگہداشت کے واسطے اور بعض دن فیصلوں کے واسطے اور بعض دن سفیروں کی ملاقات کے واسطے اور بعض دن عبادت اور ذکر کے واسطے اور فرماتے تھے اے ارکان سلطنت اہل علم و اصلاح کی صحبت اختیار کرو کیونکہ جب تم گمراہ ہو گے تو وہ تم کو ہدایت کریں گے۔ اور جس بات سے تم جاہل ہو گے وہ تم کو بتلائیں گے اور جب تم غضب میں ہو گے تو وہ تم

کو مہربان کریں گے اور جب تم محروم ہو گئے تو وہ تم کو نفع دیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وَلَا تَصْحَبْ اَخَا الْجَهْلِ وَاِيَّاكَ وَاِيَّاهُ   فَكَمْ مِنْ جَاهِلٍ اَرْدٰى حَلِيْمًا حِيْنَ اٰخَاهُ

یعنے جاہل کی صحبت میں نہ رہو اور اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کیونکہ بہت سے جاہلوں نے حکیموں سے بھائی چارہ کر کے ان کو دھکا دیدیا ہے۔

بادشاہ کو چاہیے کہ زیادہ لوگوں کو اپنا ہمنشین نہ بنائے۔ اور ہنسی مذاق بالکل چھوڑ دے ہیبت اور وقار کی عادت ڈالنے اور وزیر بھی نہایت قابل اور عالم تجربہ کار ہر شخص کے مرتبہ اور عزت سے واقف ہونا چاہیے۔ جو ہر شخص کے ساتھ اس کی عزت اور قابلیت کے موافق سلوک کرے۔ اور جاہل شخص کی خوش لباسی کچھ عزت نہیں رکھتی نقل ہے کہ بہلول دانا ایک روز ہارون رشید کے دربار میں آئے اور جہاں لوگ جوتیاں اتارتے تھے وہاں بیٹھ گئے ہارون رشید نے ان سے کہا کہ یہاں صدر مجلس میں تشریف رکھیئے بہلول نے کہا جو مجلس کہ فنا ہونے والی ہے اس کا صدر کہاں ہے اور پھر یہ شعر پڑھے۔

كُنْ رَجُلًا وَّارْضَ بِصَفِّ النِّعَالِ   وَلَا تَطْلُبِ الصَّدْرَ بِغَيْرِ الْكَمَالِ
فَاِنْ تَصَدَّرْتَ بِلَا اٰلَةٍ   جُعِلَتْ ذَاكَ الصَّدْرُ صَفَّ النِّعَالِ

یعنے تجھ کو چاہیے کہ ایک معمولی شخص بنے اور جوتیوں کی صف میں بیٹھنے کے ساتھ راضی ہو جائے اور بغیر کمال حاصل کئے صدر جگہ نہ تلاش کرے پھر اگر بغیر کمال کے صدر جگہ میں تو بیٹھا تو اس صدر جگہ کو تو نے جوتیوں کی صف بنا دیا بادشاہی کے لوازمات میں سے یہ بھی ایک بات ہے کہ بادشاہ ایک خاص کھانا اپنے واسطے پسند کرے جیسا کہ ماموں عباسی نے اپنے واسطے ایک کھانا تجویز کیا تھا جس کا نام مامونیہ تھا۔ ایسے مہلب عراق کے کھانے کا نام مہلبیہ تھا اور نبی امیہ ہریسہ اور زلابیہ بکثرت کھاتے تھے اور گوشت کو دھلواتے نہ تھے بلکہ صرف کھال اتار کر پکوا لیتے تھے۔ ابو طالب مکی نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے جبرائیل سے قوت جماعی کے ضعف کی شکایت کی انہوں نے ہریسہ کھانے کو کہا جس کے سبب سے میں اپنی پشت میں قوت پاتا ہوں اور حضرت سکندر ذوالقرنین چوزہ بائے مرغ کا شوربا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ یہ شوربا صفراوی کو تسکین دیتا ہے ایک

دفعہ بہ سبب غلبہ صفرا کے ذوالقرنین کی پیشانی میں درد ہوا تب انہوں نے سرکہ سکنجبین پی پھر کہا اس سے میری پیشانی کو تسکین ہوگئی۔

بادشاہ کے واسطے درمیانے درجہ کے آٹے کی روٹی پکنی چاہیے کیونکہ میدہ کی روٹی دیر ہضم ہوتی ہے اور کمزور معدہ کو نقصان پہونچاتی ہے۔ اور موٹے آٹے کی روٹی ضعیف معدہ اور بلغمی مزاج کو مفید ہے۔

ساتواں مقالہ (حاشیہ دولت کی ترتیب میں)

فراش کے واسطے ضروری ہے کہ پاکیزہ اور صاف طبیعت ہر چیز کو ستھرا رکھنے والا اور قوی شخص ہو اور کھانے اور میوہ جات اور ترکاریوں کی ترتیب اور دستر خوان پر لگانے سے خوب واقف ہو اور یہی باتیں باورچی اور آب دار کے واسطے ضروری ہیں اور آب دار خانہ میں سرد پانی اور ہر قسم کے شربت وغیرہ موجود رہنے چاہیئں۔ اور سکنجبین کا نہار منہ پینا بہت نافع ہے کھانا اس سے ہضم ہوتا اور معدہ کو قوت ہوتی ہے۔ مگر معدہ میں نفخ پیدا کرتی ہے۔

بادشاہوں کو کھانے پینے میں اہل تصوف کے آداب اختیار کرنے چاہئیں حضرت ابراہیم بن ادہم نے بادشاہوں کے تکبرانہ طریقہ کو چھوڑ کر اہل تصوف کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اور کھٹی چیز کے ساتھ کھانا شروع کرتے تھے کھانے کے وقت جو خدمت گار اور رکاب دار ہوں وہ نہایت چست اور چالاک اور جوان ہونے چاہیئں۔ اور لشکر کے سپاہی بھی ایسے ہی ہونے ضروری ہیں اور بوڑھے لوگ بھی ہیبت اور وقار اور مشورہ کے واسطے ساتھ ہونے ضروری ہیں اور لشکر کو دشمن کے مقابلہ پر اونچی جگہ اتارنا چاہیے۔ اور قلعہ کا محاصرہ کرنے کے واسطے جاڑے کا موسم بہتر ہے اور سامان سفر تیار کرنے اور جنگ پر جانے کے واسطے گرمی کا موسم ہونا چاہیے۔

بادشاہ کو سفر میں اس وقت جانا چاہیے جب شمس برج سرطان میں ہو۔ اور جب شمس برج قوس میں ہو اس وقت سفر کو نہ جائے کیونکہ سال کی چار فصلیں ہیں نصف حزیران سے نصف ایلول تک گرمی ہے اور نصف کانون اول تک خریف ہے پھر نصف اذار تک جاڑا ہے۔ اور نصف حزیران تک ربیع ہے حدیث میں وارد ہے کہ جب مہینے

آدھے ہوتے ہیں زمانہ کا حال بدلتا ہے پھر اگر سوار ہو تو عصر کی نماز کے بعد سوار ہو ورنہ مقدمات طے کرتے یا کتابوں کے مطالعہ کرنے یا خبروں اور قصوں کے سننے میں وقت صرف کرے اور یہ سب باتیں بادشاہ کو خلوت میں کرنی چاہییں۔ کیونکہ پہلے زمانہ کے بادشاہ جب سلام لینے کے لئے بیٹھتے تھے تو خلوت میں بیٹھتے تھے اور چوبدار ایک ایک شخص کو سلام کے واسطے لاتا تھا تاکہ زیادہ لوگ اکٹھے ہو کر بادشاہ کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچائیں۔

اور مجزوں سے ہر قسم کی ادنٰے ادنٰے باتیں دریافت کرنی چاہییں۔ اور کتب طب اور تواریخ خصوصاً شاہنامۂ عجم اور سکندر نامہ اور مجموعہ واقدی وغیرہ کا ضرور مطالعہ جاری رکھے اور بادشاہوں کے واقعات جیسا کہ شہریار و بلجی اور رستم زاد میں ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس زمانہ میں نبی تھے۔ پھر جو قضیے ان میں واقع ہوئے اور ایک نے دوسرے کو ہلاک کیا ان سب باتوں کو یاد رکھے تاکہ وقت پر کام آئیں۔

بادشاہ کے مصاحبوں کو چاہیے کہ اس کی حفاظت میں بہت کوشش کریں خصوصاً حمام میں کیونکہ اکثر بادشاہ حمام میں ہلاک ہوئے ہیں۔ اور بادشاہ کے ہر ایک راز کو نہایت پوشیدہ رکھیں اور اگر بادشاہ مر جائے تو اس کی موت کو بھی اس وقت تک پوشیدہ رکھیں کہ کوئی دوسرا قائم مقام ہو جائے پھر اس کی بیعت کے استحکام کے بعد اس کی موت کی خبر شائع کریں۔

اے بادشاہ جہاں تک تم سے ہو سکے ایسے کام کرو جن سے ہمیشہ تمہارا ذکر خیر کے ساتھ جاری رہے۔ اور ابن ابی الدنیا کی کتابوں اور تاریخ طبری کا ملاحظہ کرنا ضرور ہے اور حنفی یا شافعی جو مذہب رکھتا ہو اس کی کتابیں بھی ضرور دیکھتی چاہییں۔ اور کوئی فعل بدعت اختیار نہ کرے کیونکہ بنی بویہ وغیرہ کی سلطنت خواہش پرستی ہی کے سبب سے برباد ہو گئی۔ اور تم کو اپنے اور خدا کے درمیان میں صلاح اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حکایت ہے کہ ایک ظالم بادشاہ گھوڑے پر سوار کسی ضرورت کے واسطے جا رہا تھا۔ ملک الموت نے گھوڑے ہی پر اس کی روح قبض کر لی اور وہ اپنی خواہش کو پورا نہ کر سکا اور ایک نیک بادشاہ کے پاس ملک الموت نے آن کر کان میں کہا کہ میں ملک الموت

ہوں بادشاہ نے جواب دیا کہ مرحبا تم خوب آئے اور بہت اچھے آئے تمہارا مجھے بہت انتظار تھا اب تم جس کام کو آئے ہو اُس کو شروع کرو ملک الموت نے کہا میں یوں تمہاری روح قبض نہ کروں گا بلکہ جس حالت کو تم اختیار کرو اس میں تم کو قبض کروں بادشاہ نے اسی وقت وضو کر کے سجدہ میں سر رکھا اور سجدہ ہی میں ملک الموت نے روح قبض کی۔ اور ایک لطیف حکایت یہ ہے کہ جب محمود بن بوبہ ملک عراق کا مالک ہوا تو اُس نے اپنے غلام کو ایک ہزار اشرفیاں دیکر کہا کہ تو اصفہان میں جا اور وہاں شاہی سڑک کے قریب ایک مکان ہے اور اس میں ایک بڑھے بڑھیا رہتے ہیں اُن کے پاس جا کر سلام کر کے یہ اشرفیاں اُن کو دینا اور کہنا کہ تمہارے بیٹے نے پوچھا ہے کہ اس کے فراق میں تمہارا کیا حال ہے۔ جب یہ غلام وہاں پہنچا اور ان سے حال بیان کیا انہوں نے کہا یہ اشرفیاں تو واپس لے جا اُس نے کہا تم دونوں محتاج ہو بہتر ہے کہ یہ تمہارے کام آئیں گی انہوں نے کہا ہمارے دال کی تو نکری باقی ہے پھر یہ شعر پڑھا۔ لَا تَحْتَقِرْنِیْ وَلَا تُزْدَرِیْ خَلْقِیْ وَاِنَّمَا الدُّرُّ دَاخِلُ الصَّدَفِ مجھکو برا نہ کہہ بلکہ میرے اخلاق کو برا کہہ پس بے شک موتی سیپ کے اندر داخل ہوتا ہے۔ اور شافعی رحمۃ اللہ کے بھی دو شعر اسی مضمون میں ہیں۔

عَلَیَّ ثِیَابٌ لَوْ تُبَاعُ جَمِیْعُھَا بِفَلْسٍ لَکَانَ الْفَلْسُ مِنْھُنَّ اَکْثَرَا
وَفِیْھِنَّ نَفْسٌ لَوْ تُقَاسُ بِبَعْضِھَا نُفُوْسُ الْوَرٰی کَانَتْ اَجَلَّ وَاَکْبَرَا

یعنی میرے جسم پر ایسے کپڑے ہیں کہ وہ سب ایک پیسہ کو فروخت کئے جائیں تو ایک پیسہ بھی اُن سے بہت زیادہ ہے اور اُن کے اور یک ایسا نفس ہے کہ اگر مخلوق میں سے بہت سے نفوس کے ساتھ اُس کا مقابلہ کیا جائے تو اُن سے بزرگ اور بڑا ہے۔

اور بادشاہوں کے واسطے ایک گانا سنانے والے شخص کی بھی ضرورت ہے جو علم موسیقی سے خوب واقف ہو اور شاعر اور خوش آواز بھی ہو اور کتب موسیقی کا مطالعہ کرتا ہو خصوصاً شیخ الرئیس ابو علی بن سینا کی کتابیں ضرور دیکھتا ہو اور ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب سلسبیل الادبا سلسبیل میں بیان کی ہے اور ایک نکتہ یہاں بھی بیان کرتے ہیں نکتہ کہا گیا ہے کہ گردش افلاک سے ایسے نغمہائے خوش ظاہر ہوتے ہیں کہ اگر اُن کو کوئی غافل

سنے تو بیہوش ہو جائے اور اسی گردش افلاک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نغموں کی ترجیعات مثل مرلح اور مسدس اور مثمن کے جو ذوزوا یا ہے بطریق تلحیبن کے اخذ کی ہیں اور اسی گردش سے زردشت بنی مجوس نے زمزمہ مرتب کیا ہے اور نصاریٰ نے بھی اس میں سے کچھ لیا ہے چنانچہ الحان روم ہیں اور تجنیس عراق ہیں اور زقائق عجم ہیں اور طبل زنی حبشہ ہیں اور بوق یہودیوں میں ہے۔

اور یہ کل ستر داستانیں ہیں مثل دستان زجبل کے اس کے درن میں کہتے ہیں اُکْکُبُ فَاَنْتَ الْمظفر ، ارکب فاللہ اکبر اور باقی لڑائی کے وقت اور منزل پر اترنے کے وقت وغیرہ کی داستانیں ہیں۔ سقراط کا قول ہے کہ آواز کے نغموں کا مشتبک ہونا عبادات کی صورتوں سے ہے اور اصل اس کی گردش افلاک سے ہے اور اس کی تاثیر ایسی ہے جیسے نظر بد اور جادو کی ہم اس کے موقع بیان کریں گے۔

بادشاہوں کی خدمت میں حکما کے اس قول کے مطابق رہنا چاہیے کہ جب تو بادشاہ کی خدمت میں ہے تو ہر وقت خوف کا لباس پہنے رہ اور جب تو ان کے پاس جائے تو اندھا ہو کر جا یعنی ان کے کسی سبب پر نظر نہ کر اور جب ان کے پاس سے آئے تو گونگا ہو کر آ یعنی ان کی بات کسی سے نہ کہہ۔

آٹھواں مقالہ (چوبداروں اور وزیروں اور منشیوں کی ترتیب میں)

چوبدار پس پشت کھڑے ہوں اور وزیر دائیں ہاتھ کی طرف بیٹھے اور منشی بادشاہ کے تخت کے پاس زبردست بیٹھے اور تخت کے قریب کوئی شخص نہ بیٹھا اور دربار ہیبت و وقار سے پر ہو۔

بادشاہ کو جو کام ہو وہ چوبدار سے کرائے اور خطوط کے جواب منشی سے لکھوائے اور جو بات دریافت کرنی ہو وزیر سے دریافت کرے اور معاملات ملکی میں خود بادشاہ غور کرے اور ملازموں کی ترتیب ذناد بیب میں بادشاہ کے بعد وزیر خیال رکھے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ بادشاہ جمعہ کی نماز میں جائے تو ایک علیحدہ مسجد کے حجرہ میں نماز پڑھے جس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہو اور معتبر لوگ بادشاہ کے ساتھ

جس حجرہ میں موجود ہوں اور بادشاہ سب لوگوں کے بعد اپنے خاص دروازے سے مسجد میں داخل ہو۔

ہفتہ میں دو روز بادشاہ کو قرآن خوانی اور لوگوں سے ملاقات کرنے اور اہل علم سے صحبت رکھنے کے واسطے ہونے چاہئیں۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر بادشاہ قرآن شریف پڑھے۔ پھر قاری لوگ آن کر نوبت بنوبت قرآن سنائیں پھر واعظ وعظ کہیں۔ پھر شاعر شعر سنائیں۔ پھر قل ہو اللہ احد اور معوذتین اور فاتحہ اور الم مفلحون تک پڑھ کر امام ختم کرے اور بادشاہ اور مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرے اور ہفتہ میں ایک روز بادشاہ عبادت اور ذکر اور حساب کتاب دیکھنے میں صرف کرے۔

نواں مقالہ

(نان پز اور باورچی اور قصاب کی ترتیب کے بیان میں)

قصاب اور نان پز اور باورچی غیر مذہب نہ ہونا چاہیے کیونکہ غیر مذہب پاکی ناپاکی کی پرواہ نہیں کرتا ہے اور طعام پزی کا کل سامان باورچی خانہ میں موجود رہنا چاہیے اور گوشت کو زیادہ دھوتا اور ہاتھوں میں ملنا اچھا نہیں ہے باورچی نہایت تجربہ کار اور ہوشیار اپنے فن سے خوب واقف ہونا چاہئے اور کشاجم کی کتابیں جو اس فن میں ہیں اس کے مطالعہ میں رہیں اور شربت اور مربے اور روغن اور مٹھائیاں اور خوشبوئیات اور عجیب و غریب رنگ بادشاہوں کے واسطے ہر وقت موجود رہتے چاہئیں

جو مرغ یا پرندے گھروں میں بند رہتے ہیں ان کا گوشت کھانا مفید نہیں ہے بلکہ عمدہ اور مفید گوشت آزاد جانوروں کا ہے جن میں ترش پانی ڈال کر پکایا گیا ہو اور روٹی اس کے شوربے میں بھگو کر کھائی جائے۔ اور مٹھائی عمدہ وہ ہے جس میں آٹا زیادہ اور مٹھاس بقدر ضرورت ہو مفصل حال ان سب چیزوں کا اس فن کی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے مختصر طور پر اس کا بیان ہم نے اپنی کتاب سلسبیل میں کیا ہے۔

اور اگر اعلائے درجہ کی باتیں معلوم کرنی ہوں تب کتاب شفاء شیخ اور نجات کو دیکھنا چاہئے۔ اور اگر کتب اصول دبنیہ دیکھنی منظور ہوں تو شافعی مذہب میں امام الحرمین

کی کتاب اور ارشاد اور ہماری کتابوں میں سے الاقتصاد فی علم الاعتقاد اور کتاب قواعد العقاید جو احیاء علوم الدین کا پہلا حصّہ ہے اور رسالہ قدسیّہ وغیرہ کو دیکھو اور کتب طب کو بھی ضرور ملاحظہ کرو اور علوم شرعیہ کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ مولوی اور مفتی کی غلطی معلوم کر سکو اور علم حساب سے بھی واقف ہونا چاہیئے اور تحصیل دار بھی ایسے ہی لوگوں کو بناؤ جو حساب میں پورے مہارت رکھتے ہیں اور جب مقابلہ اور مساحت سے خوب واقف ہیں اور امتحان میں پورے اترتے ہیں جیسے کہ منشیوں سے رسائل اور جواب لکھوا کر امتحان لیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو کتب قوانین سے بھی آگاہ ہونا چاہیئے اس کام کے واسطے صاحب بن عباد بن اسحاق صابی کا رسالہ بہت مفید ہے اور منشی کو نہایت فاضل اور جلد لکھنے والا اور کتب دفاتر سے واقف ہونا چاہیئے۔

بادشاہ کو چاہیئے کہ اپنے کل حکام اور عمال سے ان کے کاموں کا حساب لے اور ہر شہر کے وکیلوں سے عدل یا ظلم کا حال دریافت کرے کہ وہاں کے حاکم نے کیا انتظام کر رکھا ہے اور بادشاہ کو بدمزاج یا کھلاڑی یا بدزبان نہ ہونا چاہیئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شطرنج کھیلنا بادشاہ کو جائز ہے مگر نرد یعنے چوسر نہ کھیلے کیونکہ یہ قمار بازی سے مشابہت رکھتی ہے جب اردشیر نے نرد کو ایجاد کیا ہے تو کسی نے اُس سے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں اردشیر نے کہا کہ میں اس کی طرف سے ہاتھ کاٹ لوں گا یعنے اس کے ساتھ نہ کھیلونگا ایسے ہی حجاج بن یوسف نے اپنے مٹی کھانے کی شکایت کی کسی نے کہا اپنی ہمت اور اپنا عزم مٹی پر ڈالدے پس حجاج نے پھر کبھی مٹی نہ کھائی۔

اے بادشاہ معلوم ہو کہ سب کام صبر ہمت کے ساتھ انجام کو پہنچتے ہیں دیکھو حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

بِقَدرِ الکَسبِ یکتَسَبُ المُعَالِی ۔ وَمَن طَلَبَ العُلٰی سَهِرَ اللَّيَالِی
تَرُومُ العِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَيلاً ۔ يَغُوصُ البَحرَ مَن طَلَبَ اللآلِی
لَنَقلُ الصَّخرِ مِن قُلَلِ الجِبَالِ ۔ اَحَبُّ اِلَیَّ مِن مِنَنِ الرِّجَالِ
وَقَالُوا فِی مَکسَبِ عَارٌ ۔ فَقُلتُ العَارُ فِی ذُلِّ السُّؤَالِ

اِذَا عَاشَ امْرَءٌ بِستِّیْنَ عَامًا　فَنِصْفُ الْعُمْرِ تَمْحَقُهُ اللَّیَالِیْ
وَنِصْفُ النِّصْفِ یَمْضِیْ لَیْسَ یَدْرِیْ　اَنْقَضٰی فِیْ یَمِیْنٍ اَوْ شِمَالِ
وَرُبْعُ الْعُمْرِ اَمْرَاضٌ وَشَیْبٌ　وَشُغْلٌ بِالتَّفَکُّرِ وَالْعِیَالِ
فَحُبُّ الْمَرْءِ طُوْلَ الْعُمْرِ قَبِیْحٌ　وَقِسْمَتُهٗ عَلٰی هٰذَا الْمِثَالِ

تکلیف کے برابر بلند مرتبے حاصل کئے جاتے ہیں اور جو شخص بلندی کا طالب ہوتا ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے تم عزت کا قصد کرتے ہو اور پھر رات کو سوتے ہو جو موتیوں کا طالب ہوتا ہے وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے میرے نزدیک پہاڑی کی چوٹی سے پتھر ڈھونا کسی کا احسان لینے سے بہتر ہیں جوان سے لوگ کہتے ہیں کہ کما کر کھانے میں بدنامی ہے میں کہتا ہوں کہ بدنامی اور ذلت سوال کرنے میں ہے اگر کوئی شخص ساٹھ برس زندہ رہا تو آدھی عمر اس کی راتیں مٹا دیتی ہے اور ایک چوتھائی عمر اس طرح گذر جاتی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ دائیں طرف گئی یا بائیں طرف اور ایک چوتھائی عمر بیماریوں اور بڑھاپے کا حصہ ہے اور اہل وعیال کے فکر و کاروبار کا۔ پس انسان کا درازی عمر کی خواہش کرنا بہت برا ہے کیونکہ عمر کی تقسیم اسی طرح ہے جو بیان ہوئی۔

دسواں مقالہ

اے بادشاہ اگر تمہارا ارادہ کسی بادشاہ سے جنگ کرنے کا ہو تو پہلے اپنے لشکر کو دیکھو کہ کس قدر ہے اور کیسی طاقت رکھتا ہے اور اہل لشکر کے دلوں کو نفاق سے پاک وصاف کرو پہلے اپنے دشمن کی قوت کو دیکھو اگر وہ تم سے زبردست ہو تو اس کی طرف رخ نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ محبت اور دوستانے کی راہ و رسم اختیار کرو اور اگر وہ خود تم سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے اور تم اس کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے ہو تو جہاں تک ہو سکے صلح کر لو کیونکہ زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے اگر تم اس وقت کمزور رہو اور ہمت سے کام لو گے تو امید ہے کہ تھوڑے عرصہ میں زبردست ہو جاؤ گے اور جہاں تک تم سے ممکن ہو اپنے دشمن کے مقربوں اور مصاحبوں اور سرداروں کو اپنے سے ملالو اگرچہ رشوت دینی پڑے اور جس طرح ہو سکے دشمن کے لوگوں میں عداوت ڈالو اور ایک کو دوسرے کی طرف سے بہکا دو اور خوب دھوکے دو مگر نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے کہ تمہارا راز فاش نہ ہو جائے اور اگر تمہاری سلطنت میں کوئی ایسا شخص ہو جس سے تم

اندیشہ رکھتے ہو اور اُس کو سزا دینے کا موقع نہ ہو تو حکمت اور تواضع کے ساتھ اس کو اپنے سے ملاؤ تاکہ تمہارا راز کسی سے ظاہر نہ کرے اور تمہارے دشمن سے نہ مل جائے اور پھر اس کی تاک میں رہو یقین ہے کہ تھوڑے عرصہ میں تمہارا قابو چل جائیگا اور تم بخوبی بدلہ لے لوگے اور اگر تم کسی قلعہ سے لڑو تو لازم ہے کہ ایسی ترکیب لڑاؤ جس سے قلعہ والوں میں اختلاف ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب رستم زاد پر لشکر کشی کی اور وہ قلعہ بند ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے رستم زاد کو لکھا کہ تمہارے ساتھی اور رفیق چاہتے ہیں کہ تم کو گرفتار کر کے تمہارے دشمنوں کے حوالہ کردیں اور ایک خط علیحدہ اس کے بڑے بڑے سرداروں کو اس مضمون کا لکھا کہ رستم تم لوگوں سے اندیشہ ناک ہے اور یہ خط اُس نے میرے پاس تمہارے مکرو فریب کے متعلق بھیجا ہے۔ پس اگر یہ قلعہ شہریار کے قبضہ میں گیا تو تم سب لوگ قتل ہو جاؤ گے پھر جب لڑائی ہوئی وہ سب لوگ بھاگ کر شہریار سے جا ملے اور رستم قتل ہو گیا۔ اور حضرت سلیمان نے نہایت اطمینان سے دونوں کو منگوا لیا یعنے رستم کو بھی اور شہریار کو بھی اور عجمیوں کے قتل و غارت کی وہ حالت ہوئی جو بنی اسرائیل کی بخت نصر کے زمانہ میں ہوئی تھی اور عورتوں کی حالت ایسی بیکسی کی تھی کہ جس کا جی چاہتا ان پر تصرف کرتا تھا۔

اور اے بادشاہ تم اس شخص کی طرح نہ ہو جس نے شہد کے قطروں کے چاٹنے پر اکتفا کرلی تھی اگر تو ایسا کروگے تب تینوں شخصوں میں سے زیادہ بدنصیب ہوگے مظلوم کو ثواب ہوتا ہے اور ظالم اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔ اور تم پر فقط حساب کی سختی باقی رہے گی اور حسرت سے یہ کہو گے کہ اے کوّے یہ ویرانہ کب آباد ہوگا اور جب تم قلعہ کا محاصرہ کرو تو قلعہ والوں کو پیغام بھیجو اگر آدمی کے ہاتھ نکل نہ ہو تو لکھ کر تیر میں باندھو اور قلعہ پر پہنچا دو کہ جو کوئی اپنی سلامتی چاہتا ہو وہ ہمارے پاس آجائے پھر جب قلعہ فتح ہو جائے تو ہر طرف اس میں محافظ مقرر کرو کہ کوئی شخص اس میں آنے جانے نہ پائے اور جو لوگ تمہارے مخالف ہوں جس طرح چاہو اُن سے سلوک کرو۔ اور شمشیر زنی شروع کرو اور لوٹ اور قتل کا چاروں طرف قلعہ میں حکم دے دو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب خیبر کا محاصرہ کیا ہے تو نکلنے والوں کو راستہ دے دیا تھا مگر کسی کو قلعہ میں جانے نہ دیتے تھے اور جو لوگ قلعہ سے نکلے تھے وہ بہت بھوکے تھے حضور نے ان کو کھانا کھلایا پھر اگر تم کو نقب زنی یا منجنیق لگانے کی ضرورت ہو تو فوراً ان کاموں کو کرو اور دشمن کو خوب خوف دلاؤ اور اپنا رعب ان پر بٹھاؤ اور اگر

قلعہ کی رعایا کسی طرف کو بھاگ رہی ہو تو اُن کو بھاگ جانے دو اور اُن کی طرف سے اپنے دل میں برائی کو راہ نہ دو۔

گیارھواں مقالہ

سفر میں جانے سے پہلے سامان سفر تیار کر لینا چاہیے۔ اور سفر میں جانے سے ایک مدت پہلے اپنے لشکر میں تیاری کا اعلان کر دو پھر جب تم سفر میں چلے جاؤ تو کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام کرو جو تمہارے پیچھے فوجیں تیار کر کے تمہارے پاس بھیجتا رہے اور جس قدر جس جس کام کے کاریگروں کی تم کو ضرورت ہو وہ سب تمہارے پاس موجود ہونے چاہئیں اور تمہارے لشکر کے بازار میں نہایت امن وانتظام ہونا چاہیے اور تمہارے وزیر کو کتب سیاست پر پورا عبور ہونا چاہیے مثلاً کتاب مسالک والممالک اور سیاسیات مغربی جس کو شیخ الرئیس نے اپنی کتاب ادویہ قلبیہ کے آخر میں لگا دیا ہے اور کتاب قوانین الملک ابن مرہ کی فن بیطرہ یعنی سلوتری کے فن کی کتابوں کو بھی دیکھنا ضروری ہے، مثلاً بیطرہ کشاجم اور بیطرہ ابن قتیبہ و کنبھل الرومی ان کتابوں میں چوپایوں کی بیماری اور اُن کے علاج وادویات کا مفصل ذکر ہے اور ان کی کل اقسام کا بھی بیان ہے چنانچہ گھوڑے کی ساٹھ قسمیں ہیں حضرت سکندر گھوڑے کو دیکھ کر اس کے مرض کو پہچان لیتے تھے۔ جانوروں کی طب نہایت مشکل ہے کیونکہ ان کے مرض کا حال کہنے سننے سے معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت سکندر ایک بلند جگہ خیمہ لگا کر اس میں بیٹھتے۔ اور جانوروں کا معائنہ کرتے کسی نے کہا کیا یہ کام آپ خود کرتے رہیں گے ہاں۔ کیونکہ یہ کام میری ذات کا ہے ایک گھوڑا ان کے سامنے بیمار ہو گیا فوراً انہوں نے اشنان کا پانی اس کو پلایا وہ اچھا ہو گیا اور چوپایوں کے واسطے ایک مجرب علاج یہ ہے کہ کفاروں کے قبرستان میں ان کو لیجایا جائے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جانور ان کی قبروں سے عذاب کی آوازیں سنتے ہیں اور خوف زدہ ہو کر اُن کو آرام ہو جاتا ہے حیوانات اور نباتات اور جمادات کے بہت خواص اسی قسم کے ہیں جن میں سے متفرق بعض اس کتاب کے بعض مقالوں میں بیان کئے ہیں۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شہر بیت المقدس کو فتح کر کے عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں کا امیر کیا تو میں ہجرت کر کے بیت المقدس پہنچا اور عبداللہ کے پاس گیا تو میں نے اُن کے ہاں نہ کوئی چوب دار دیکھا نہ دربان دیکھا میں نے اُس کا سبب ان سے دریافت کیا

انہوں نے کہا عنقریب عثمان اس کو حاصل کریں گے پھر تم سنو گے کہ اُن کے مکان میں کیا ہوگا۔
ابو ہریرہؓ کہتے ہیں پھر میں نے ابن مسعود کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے درست اور صاف کر رہے تھے میں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگے میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ فرماتے تھے جو شخص اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے صاف کریگا ہر دانہ کے بدلے اسکو دس نیکیاں ملینگی اب تم بتاؤ کہ میں اپنا یہ ثواب غیر کو کیوں کر دوں اور جو بات کہ تم کو نجات دے وہ تمہارے اس تکبر سے بہتر ہے جو تم کو سرکش بنادے۔

اور ایسے ہی ابو حازم سے منقول ہے کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس گیا رات کا وقت تھا چراغ خاموش ہونے لگا عمر خود چراغ کو درست کرنے کھڑے ہوگئے میں نے کہا میں تمہارے غلام کو جگا دیتا ہوں کہا نہیں میں نے کہا میں درست کر دوں کہا نہیں پھر خود ہی اس کو درست کیا اور کہا جب میں کھڑا ہوا تو میں عمر تھا اور جب میں بیٹھ گیا تو میں عمر تھا تکبر کرنے والوں کو خدا خوار کرے۔[1]

اِذَا عَظُمَ الْاِنْسَانُ زَادَ تَوَاضُعًا وَاِنْ لَؤُمَ الْاِنْسَانُ زَادَ تَرَفُّعًا
كَذَا الْغُصْنُ اِنْ تَعْوِيَ الثِّمَارَ نَتْلُهٗ وَاِنْ يَعْرُ عَنْ حِمْلِ الثِّمَارِ تَرَفَّعَا

بارہواں مقالہ

آداب سفر کے بیان میں

اے بادشاہ جب تم سفر میں جاؤ تو اپنے محافظ اور چوکیداروں کو خوب ہوشیار رکھو اور خود بھی ہر وقت ہوشیار رہا کرو دن کو پیٹ بھر کے کھایا کرو اور رات کو بیدار رہا کرو ادھر ادھر کی خبریں اور واقعات مخبروں سے سنا کرو اور جب گھر پر ہو تب بھی دروازہ کی وہ چوکی خوب مضبوط رکھو اور دربان نہایت خیر خواہ ہونا چاہیے اور محل میں ایک خاص کمرہ اپنے رہنے کے واسطے تیار کراؤ جس کی کنجی تمہارے ہی پاس رہے پھر اگر تم کو کسی وقت حرم کی ضرورت ہو تو سرد مزاج یعنی گوری عورت سے پرہیز کرو حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ سیاہ

[1] جب انسان بزرگ ہوتا ہے۔ تب تواضع زیادہ کرتا ہے اور اگر نالائق ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بلند سمجھتا ہے اسی طرح جو ٹہنی درخت کی پھلدار ہوتی ہے وہ جھکتی ہے اور جو خالی ہوتی ہے وہ اونچی رہتی ہے بدس
نہلاشاخ پر میوہ سر بر زمین۔

رنگ کو سفید رنگ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں فرمایا ایک سرد مزاج ہے اور ایک گرم مزاج ہے۔ اور سرد مزاج کام کی نہیں ہے کسی کا قول ہے کہ عمدہ جماع وہ ہے جو نہایت بیباکی کے ساتھ ہو ایک بادشاہ نے قوت جماعی کے ضعف کی شکایت کی اور یہ بادشاہ گرم دواؤں کے استعمال سے خوف کرتا تھا حکیموں نے اس کے واسطے ایک کتاب لکھی جس میں رطب حکایات کے لکھا تھا کہ فلاں عورت نے فلاں شخص کے ساتھ یہ کیا اور فلاں شخص نے فلاں عورت کے ساتھ اس طرح کیا بادشاہ کو اس کتاب کے پڑھنے سے آرام ہو گیا اور قوت اس کی از حد تیز ہو گئی حجاج نے اسی مضمون میں شعر کہا ہے ؎

وَاَكْرَهُنَّ النِّسَاءُ بِالشَّيْبِ اِلَّا اِنَّهُ مُؤْذِنٌ بِنَوْمِ الذُّكُورِ

عورتیں بڑھاپے کو اسی سبب سے برا سمجھتی ہیں کہ مرد بوڑھے ہو کر سو جاتے ہیں اور عورتوں کے کام کے نہیں رہتے۔

ماموں رشید کی دو لونڈیاں ایک سیاہ اور ایک سفید رہیں تکرار ہوئی سفید نے سفیدی کی تعریف کی اور کہا برف دوا میں کام آتی ہے اور سورج کی سفیدی نہایت عجیب ہے اور کپڑوں میں بہتر کپڑا سفید ہے سیاہ لونڈی نے جواب دیا کہ عنبر اشہب اور عود قماری گردنوں کے ہار میں خوشبو میں لگائے جاتے ہیں اور جاڑے میں کوئلے گرمی کے ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اور آنکھ میں سفیدی اندھا کر دیتی ہے۔ اور شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور جوانی کی سیاہی کو سب عورتیں تلاش کرتی ہیں بنی عباس کے قبوں کی سیاہی کیسی ہیبت ناک ہے پھر اُس نے یہ شعر پڑھا ؎

اُحِبُّ بِحُبِّهَا السُّوْدَانَ حَتّٰى اُحِبُّ لِحُبِّهَا سُوْدَ الْكِلَابِ

ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ منصور نے بہت سے سادات علویہ کو شہید کرایا چنانچہ بقیہ سادات یمن کی طرف ہجرت کر گئے جب ماموں بادشاہ ہوا تو اُس نے اہل بیت سے محبت اختیار کی اور ان کو تلاش کرنا شروع کیا چنانچہ معلوم ہوا کہ بہت سے سادات بنی فاطمہ یمن میں ہیں ماموں نے ان کے بلانے کو قاصد روانہ کئے جب ان سادات کو خبر ہوئی تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ ہم لوگ بذات خود تو نہیں جاتے بلکہ ہمارے وہ غلام

جو شکل و شمائل میں ہم سے مناسبت رکھتے ہیں اُن کو اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں پھر انہوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ مامون کی طرف سے سادات موصوفین مطمئن نہ تھے الغرض جب یہ سادات جو در اصل غلام تھے مامون کے پاس پہنچے تو اُس نے ان کی بہت خاطر کی اور یہ لوگ سادات ہی مشہور رہے اور انہوں نے شادیاں کیں اور اولاد بھی اُن کی سادات کہلانے لگی اسی سبب سے جب تم کسی سید کو بدصورت بدخلق بدماغ دیکھو تو جان لو کہ یہ انہیں غلام زادوں میں سے ہے کیونکہ سادات کا خاندان عالیشان ایسا نہیں ہے جس میں کمینوں کی گنجائش ہو سکے اور یہی حضور علیہ السلام کے اس قول کا مطلب ہے کہ ہم پاک گھرانے کے لوگ ہیں تو ہم خود فسق و فجور کرتے ہیں نہ ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے۔

تیرہواں مقالہ

(قسم کے متعلق حیلوں کے بیان میں)

شراب میں اگر لہسن ڈال کر جوش کریں تو قولنج بارد کے مریضوں کو نافع ہے اور ہمارے بہت سے اصحاب اس کو جائز کہتے ہیں جس اختلافی مسئلہ کی صحت کا حاکم حکم کر دے اس کا اختلاف زائل ہو جاتا ہے۔

قسم ایسے الفاظ کے ساتھ کھانی چاہیے جن سے اُس کے فسخ میں تاویل کر سکے اور قسم قسم کھانے والے کی نیت پر موقوف ہوتی ہے وکیل کی عقل سے پرہیز کرنا چاہیے اور الفاظ قسم کے محدود نہ ہونے چاہئیں۔

اور اے بادشاہ تم حکماء کے قول اور اُن کے ساتھ فتویٰ دینے کی مخالفت نہ کرو اور اگر تم ان کو اختیار کرو تو پوشیدہ رکھنا چاہیے اور خدائے تعالےٰ اور اس کی صفات و افعال کے ساتھ قسم کھانے سے بہت خوف رکھو اور دیگر بزرگ چیزوں کی قسم کھاتے ہیں علماء نے اختلاف کیا ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور جھوٹی قسم یہ ہے کہ جس بات کو جھوٹ جانتا ہو اُس کے صحیح ہونے کی قسم کھائے اے بادشاہ جب تم دربار میں بیٹھو تو نہایت ادب اور وقار کے ساتھ بیٹھو اور کلام بہت کم کرو کیونکہ بادشاہوں اور نہ ہی ان کو بہت کلام کرنا برا ہے اور علماء کو بہت سے فوائد کلام کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں اور خود بحث مباحثہ نہ کرو بلکہ مباحثہ

کہ بعض اوقات تم باہم مقابلہ کرو اور تم نے سنا ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ لوگ کچھ ہی فتوے دیں کیونکہ حلال اور حرام دونوں ظاہر ہیں اور ان کے درمیان میں امور متشابہات ہیں پس اس چیز کو چھوڑ دو جو تم کو شک میں ڈالے اور اس چیز کو اختیار کرو۔ اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور مروت اُس کے اندر آتی ہے اور اندرون اُس کا بہتر ہوتا ہے اور نام اس کا بلند ہوتا ہے اور امید اس کی حاصل ہوتی ہے اور موت اُس کی اچھی ہوتی ہے اور اولاد اس کی پاک ہوتی ہے اور نطفہ اُس کا نورانی ہوتا ہے اور آنسو اس کے رقیق ہوتے ہیں اور حکمت اُس کی ظاہر ہوتی ہے اور غصہ اس کا دور ہوتا ہے اور قلب اس کا نرم ہوتا ہے اور گناہ اُس کے ہلکے ہوتے ہیں۔ اور حضور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی ایک درہم مال حرام کا نہ لینا خدا کے نزدیک چالیس ہزار مقبول حجوں سے افضل ہے اے علی جس نے ناحق غصہ کیا اس پر غصہ کیا جائیگا اور جس نے ظلم کیا اس پر ظلم کیا جائیگا اور جس نے کثرت کے ساتھ صدقہ دیا اُس کی اولاد کی مدد کی جائے گی۔

حرام کے اندر راز یہ ہے کہ کل نفوس کی معاد ایک ہے اور کل نفوس کا قبض ہونیکے بعد مرجع اسی کی طرف ہے پس جب ایک شخص ظلم کرتا ہے وہ ظلم کل نفوس کے اندر سرایت کر جاتا ہے اور یہی اس کلام الٰہی کے معنے ہیں۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ .... فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ـــــ یعنے جس نے کسی نفس کو بغیر قصاص کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا یعنے قتل ہونے سے بچایا تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا اور جب تم کسی نیکی یا صدقہ کا ثواب کسی روح کو بخشتے ہو تو اس کا اثر سب روحوں کو پہنچتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے تیرا بعض حصہ طلاق والا ہے تو کس طرح طلاق ساری عورت پر واقع ہو جاتی ہے کیونکہ طلاق ایسی چیز نہیں ہے جس کے حصے ہو سکیں۔ اے بادشاہ تمہارے واسطے ایک امام ضرور ہونا چاہیے جو تم کو نماز پڑھایا کرے اور امام بوڑھا یا اندھا یا بدعتی نہ ہونا چاہیے اور تم اپنے غلاموں اور خدمتگاروں کو لکھنا پڑھنا اور رموز و اشارات خوب تعلیم کرو اور ان کا علم بھی پڑھا شخص ہونا چاہیے اور عورتوں کے

تعلیم دلوانے کو نیک بخت معلمہ تلاش کروانے بادشاہ زمانے کے لوگ بہت خراب ہیں مرد مردوں سے اور عورت عورتوں سے بدفعلی کرتی ہیں اور یہ بات نہایت غضب الٰہی کے نازل ہونے کی ہے اور ایسی ہی باتوں میں لوگوں نے غلو کرکے تحلیل و تحریم کو اڑا دیا ہے اور عقلی اور نقلی بیہودہ دلیلیں قائم کرلی ہیں مثلاً نقلی دلیل خدا تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا یعنے خدا کی وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کے اندر سب چیزیں تمہارے واسطے پیدا کی ہیں یہ لوگ کہتے ہیں پہلے زمانہ میں لوگ اسی طریقہ پر تھے کہ نہ کسی چیز کو حلال جانتے تھے نہ حرام انبیاء نے چیزوں میں حلال و حرام کی تفریق کی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ یعنی خرابی ہے ان مشرکوں کے واسطے جو زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں اور یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے اموال بنی حنیفہ[1] کو مباح کر لینے کی حجت لاتے ہیں کہتے ہیں کہ رسول کا خطاب موجود کے واسطے ہوتا ہے یا معدوم کے اگر معدوم کے واسطے ہے تو معدوم ایسی چیز نہیں ہے جس سے خطاب کیا جائے پس جو لوگ کہ ان کے زمانوں میں موجود تھے وہی ان کے مخاطب تھے اور اسی شبہ کے ہاتھ بصریہ وغیرہ فرقوں نے تمسک کیا ہے اور عنقریب ہم ان کے دلائل اُن کے مواقع میں بیان کریں گے۔

اے بادشاہ ہم تمہارے طریقہ کے متعلق تم سے پورا بیان کر چکے ہیں کہ تم کو زرہ اور نفیس کپڑا پہننا اور کم گفتگو کرنا اور اپنے دوستوں اور ملازموں کو مؤدب رکھنا چاہیئے اور یہ بات ضرور ہے کہ وہ لوگ تم سے قریب ہوں یا دور ہوں مگر مطمئن ہوں تمہاری طرف سے شک میں نہ ہوں جیسا کہ ایک حکیم کا قول ہے کہ تین شخص ہیں اگر تو اُن پر ظلم نہ بھی کریگا تو وہ تیرے اوپر ضرور ظلم کریں گے ایک اولاد دوسری بیوی تیسرے بادشاہ اور اے لوگو! تم کو بادشاہوں کے قرب سے دور رہنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ تم کو اپنے پاس رکھیں گے تو ضرور کسی وقت فتنہ میں ڈالیں گے اور اگر کہیں دور پہنچیں گے تو غمگین کریں گے۔

یہ سب وصیتیں حصول سلطنت کے متعلق ہیں اگر تم اس کے حاصل کرنیکا قصد کرو گے

---

[1] بنی حنیفہ ایک قوم کا نام ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر جہاد کیا تھا ۱۲۔

تو اُمید ہے کہ خدا تمہاری مدد کریگا اور جب خدا کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور ہر کام کے واسطے اسباب کا ہونا ضروری ہے دیکھو خدائے تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے واسطے خشک کھجوروں میں پھل لگائے پھر حضرت مریمؑ کو حکم کیا کہ اس کو اپنی طرف ہلاؤ تو تازہ بتازہ کھجوریں جھڑیں گی حالانکہ خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ بغیر مریم کے ہلائے ان پر کھجوریں جھاڑ دیتا اسی طرح ہر کام میں حرکت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فِی الْحَرَکَۃِ بَرَکَۃٌ یعنی حرکت میں برکت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ قَالَ لِمَرْیَمَ وَھُزِّیْ اِلَیْکِ الْجِذْعَ تُسَاقِطُ الرُّطَبْ
وَلَوْ شَآءَ اَجْنَی الْجِذْعَ مِنْ غَیْرِ ھَزِّھَا وَلٰکِنَّمَا الْاَشْیَاءُ تَجْرِیْ لَھَا سَبَبٌ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند تعالیٰ نے مریم سے فرمایا کہ کھجور کو اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ کھجوریں جھڑینگی۔ اور وہ چاہتا تو بغیر مریم کے ہلائے کھجوریں جھاڑ دیتا۔ مگر ہر چیز کے واسطے سبب ہونا ضروری ہے۔

اے طالب سلطنت اگر تم سے ہو سکے تو سرخ و سپید[1] بنانے کی ترکیب حاصل کرو مگر یہ کام تم سے ہونا مشکل ہے مگر جب ہمت سے کام لوگے تو کچھ نہ کچھ راستہ تم پر کھل جائیگا اور اگر تم یہ کہو کہ کیمیا نہیں بن سکتی تو اگر یہ بنتی تھی تو اب بھی بننی ممکن ہے کیا تم نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی رموز میں نہیں سنا کہ زیبق بوراج میں شب معتوب کے ساتھ بے انتہا مال ہے مگر کم ہمت لوگ تم کو تمہارے حصول مقصد سے باز رکھتے ہیں ورنہ جو شخص کوشش کے ساتھ تلاش کرتا ہوں کہ ایک درویش ذی علم نے اس حدیث کو سن کر کہا کہ میں اس کا تجربہ کرتا ہوں کہ بادشاہت مجھ کو حاصل ہوتی ہے یا نہیں اور یہ شخص لائق سلطنت بھی تھا کیونکہ ذی علم مہذب و مؤدب آدمی تھا بادشاہ کے ہاں جاکر فراشوں میں نوکر ہوا اور اپنی خوش اخلاقی اور قابلیت سے تھوڑے عرصہ میں مشہور ہو گیا اور فراشوں کے سردار کے مرتے ہی اس کی جگہ قائم کیا گیا پھر جب وہاں بھی اُس نے بڑی دیانت سے کام کیا تو اس کی اور ترقی ہوئی یہاں تک کہ وزیر نے اس کو اپنے خاص ہاتھ کے نیچے بلا لیا پھر یہ خود وزیر ہو گیا اور نہایت عدل و انصاف سے کام کرنا شروع کیا ظلم کے دروازے بند کر دیے۔ اور حساب کتاب صاف کر دیا لوگوں کو نہایت راحت نصیب ہوئی یہاں تک کہ

[1] یعنے کیمیا کے ذریعہ سے سونا چاندی بناؤ۔ کیمیا کی بحث کتاب کلید اسرار سے ملاحظہ فرمادیں ۱۲۔

بادشاہ بھی مرگیا اور بالاتفاق اس کو بادشاہ بنایا گیا اور اس نے اس بادشاہ کی لڑکی سے شادی کرلی۔

پس اسی طرح تم کو اپنا عزم بالجزم حصول عزت کے واسطے رکھنا چاہیے اور پہلے آلات، سلطنت کے حاصل ہونے کا فکر کرو جن کو ہم تمہارے تئیں خوب تبلا چکے ہیں اور تم نے حسن بن صباح کا قصہ سنا ہوگا۔ جب کہ یہ الموت کے قلعہ کے نیچے زاہد بن کر رہا ہے اور اس قدر لوگوں کو اس نے اپنا گرویدہ بنایا تھا کہ تمام اہل قلعہ یہ چاہتے تھے کہ یہ قلعہ کے اندر آئے مگر یہ اس میں نہ جاتا تھا اور رات دن لوگوں کے مرید کرنے میں مشغول تھا اور کچھ طریق ارادت اور عدل ان کو تعلیم کرتا تھا پھر اس کے بعد اپنے دل سے عجیب عجیب باتیں گھڑ کے ان کی عقلموں کے موافق ان کو سنانے مثلاً کہتا لا آلہ الا اللہ کہنے والے کے حق میں تم کیا کہتے ہو اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر ہے تو وہ کہتا کہ یہ بات تو یہودیوں اور نصرانیوں کی ہے اور اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر نہیں ہے تو وہ کہتا کہ پھر اس کو کیوں پڑھتے ہو پھر اس نے مریدوں کو خوب اپنا مطیع فرمان کیا اور ان سے کہنے لگا کہ دیکھو لوگوں نے کس طرح شریعت کو چھوڑ دیا ہے ان کی اصلاح کرنی ضروری ہے پھر جب مریدوں کی تعداد معقول ہوگئی تب یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا تب بہت مخلوق اس کے ساتھ جمع ہوگئی پھر ایک روز بادشاہ قلعہ سے نکل کر شکار کے واسطے گیا اور اکثر اہل قلعہ اسی کے مرید تھے اس نے جھٹ پٹ قلعہ پر قبضہ کرلیا اور بادشاہ کو شکار گاہ ہی میں پہنچ کر قتل کیا پھر دن بدن اس کے مذہب اور سلطنت کو ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ اس کے رد میں کتاب قواصم الباطنیہ لکھی گئی اور ضرور ایسے ہی لوگ آخر زمانہ میں دین کے طریقے چھوڑ دیں گے اور محرمات کو اختیار کریں گے۔

اب تم ان سب باتوں کو خوب غور کرو ہم نے اشارہ کے طور پر سب کچھ تم کو بتا دیا ہے۔ اور یہ ہمارا بیان تمہارے واسطے ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے مقاصد حاصل کرسکتے ہو۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے حطیہؓ کو عیش اور دنیا کے قصے جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا ایسی کتابوں کے جمع کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ بس تم کو ایسی ہی ہمت کرنی چاہیے کہ تم کل مراتب سے اعلیٰ اور اولیٰ مرتبہ حاصل کرو اور اگر تم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں دیکھو تو یہ بھی تمہاری ہمت بڑھانے کے واسطے بہت کافی ہیں کیونکہ تم کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تبلیغ احکام کے واسطے کس قدر مصائب سہے ہیں اور کیسی کیسی تکلیفیں اٹھا کر اپنے مطلب کو پہنچے

ہیں اور تم نے داؤد بن البنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد کا قصہ بھی سنا ہوگا کہ جب تائید غیبی ان کو مددگار ہوئی تو جالوت کو قتل کرکے انہوں نے طالوت بادشاہ وقت کی بیٹی سے شادی کی اور بادشاہ بن گئے اور اگر تم کو ضرورت ہو تو کتاب اسباب بدالعارف تصنیف ابن قتیبہ کا ملاحظہ کرو اور سفر کے خیال کو چھوڑ دو دیکھو حیوان جو بالکل بے زبان ہے مار پیٹ سے ادب اور تہذیب اور ناچنا اور کرتب و کھانا حاصل کر لیتا ہے ہارون رشید کے مرنے کے بعد جب امین خلیفہ ہوا تو مامون بھاگ کر شہر اصفہان میں پہنچا حسن بن سہل اس کے ساتھ تھا اور خود مامون ذی علم ادیب اور عقل مند شخص تھا جامع مسجد میں جا بیٹھا اور راد نے غالیچہ کا فرش اس میں بچھوا دیا لوگ علم تحصیل کرنے کے واسطے اس کے پاس دوڑنے لگے اور حسن بن سہل لوگوں سے کہتا تھا کہ کیا یہ خلیفہ حق نہیں ہیں ان کی بیعت کرو کیونکہ یہ بالکل اگلے بزرگوں کے طریق پر ہیں یہاں تک کہ اسی ہزار آدمیوں کا لشکر اس کے ساتھ جمع ہوگیا اور عجم کے جس قدر لوگ تھے وہ اس کی خراب حالت سن کر اُس سے بددل ہوگئے تھے سب بھاگ بھاگ کر مامون کے پاس جمع ہوگئے چنانچہ مامون نے طاہر بن حسین کو لشکر کا سردار کرکے امین کے مقابل روانہ کیا اور انہوں نے جاتے ہی اسکو قتل کر دیا پھر تو مامون کی سلطنت مستحکم ہوگئی.

اس قسم کی بہت سی حکایات منقول ہیں اور ہم نے تم کو یہ واقعات اس واسطے سنائے ہیں تاکہ تمہاری ہمت قوی ہو اور پہلی کتابیں مثل کلیلہ دمنہ اور کتاب المغازی اور عبدالوہاب کا قصہ وغیرہ کو ملاحظہ کرو اور ان کے غلط یا صحیح ہونے سے غرض نہ رکھو بلکہ ان حکمتوں پر غور کرو جو ان کے اندر مذکور ہیں شافعی فرماتے ہیں سر کا گرنا انسان کا گرانے والا ہے (یعنی بادشاہ کی تباہی رعیت کی بربادی ہے) اور تم کو عہد اور بات کا پورا ہونا چاہیے اور شہر میں ایک کوتوال مقرر کرو جو تمہارے محل اور تمام شہر کا انتظام کرے اور شہر کے راستوں اور ہر چیز کے نرخ مقرر کرنے کا بھی انتظام کرو اگرچہ نرخ مقرر کرنے کی ممانعت ہے مگر اس زمانہ میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ لوگوں کی حالت خراب ہوگئی ہے اور امانت جاتی رہی ہے.

جیسا کہ کتب ملاحم میں حضور کا خطبہ منقول ہے اور اس میں حضور نے آئندہ زمانہ کی حالت کا بیان فرمایا ہے۔ اقبال مندی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔

منقول ہے کہ جب خداوند تعالٰے نے حضرت موسٰے علیہ السلام کو مبعوث کیا تو کسی نے حکیم افلاطون سے کہا کہ تمہارا شاگرد موسٰے علۃ العلل سے خطاب کرتا ہے افلاطون نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو بلوایا حضرت موسٰیؑ اُس کے سامنے آئے تو پوچھا کہ اے فرزند کیا تم علۃ العلل سے خطاب کرتے ہو حضرت موسٰی نے کہا ہاں افلاطون نے کہا تم یہ بات کس دلیل سے کہتے ہو کہا ہم السعادت سے افلاطون نے کہا کس طرف سے تم اُس آواز کو سُنتے ہو موسٰی علیہ السلام نے فرمایا ہر طرف سے افلاطون نے کہا ہر نبی کا ایک معجزہ ہوتا ہے تمہارے پاس کیا معجزہ ہے حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالدیا۔ جو فوراً اژدہا بن گیا ایک حاسد بولا کہ جزیرہ سراندیپ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے کہ جب اس کو اس ملک میں لاتے ہیں تو وہ سانپ بنجایا کرتی ہے حضرت موسٰے نے فرمایا تو اس لکڑی کو لے آ اگر تیرا کہنا سچ ہے تو تیرے ہاتھ میں بھی یہ عصا سانپ بنجائیگا اس بات کو سنکر وہ شخص حیران ہو گیا۔ افلاطون نے کہا اے لوگو! موسٰیؑ کی پیروی کرو کیونکہ یہ شخص معجزہ اور سعادت کلیہ فیض اول سے لیکر آئے ہیں اور فیض اول علۃ اولٰے سے بطریق فیض فہمی کے جس کی حقیقت کے ادراک سے عقول عاجز رہیں جاری ہوتا ہے اور جو فیض اول علۃ العلل سے صادر ہوتا ہے وہ عقل فعال ہے۔ جو بالکلیہ اس سے صادر ہوتی ہے اور نفس کلیہ وہ ہے، جو فیض کو اُس سے حاصل کرتا ہے اور مخلوق میں عقل کی تجلی کی مثل ایسی ہے جیسے سورج کی شعاع روشندانوں اور سوراخوں اور مکانوں میں پہنچتی ہے اور انبیاء علیہ السلام کے اندر عقل کا ظہور ایسا ہے جیسے صاف چٹیل میدان میں دھوپ ہوتی ہے اور اس حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے کہ فرمایا ہے خداوند تعالٰے نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اُن پر اپنے نور میں سے نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہونچا اُس نے ہدایت پائی اور جس کو نہیں پہونچا وہ کافر رہا اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ اور فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔

اور یہی نور ابراہیم علیہ السلام پر ابتدا میں بقدر کواکب کے ظاہر ہوا تھا پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے مجاہدات میں ترقی کی انوار قدسیہ ان کے دل پر منکشف ہوئے اور شمس و قمر کا انہوں نے مشاہدہ فرمایا پھر جب علت صاف ہو گئی تو خلت خالص ہو گئی اور القیاس الخط کے ساتھ انہوں نے علت اولیٰ کی اصل کو جس کے اندر سعادت کا فیض ہے مشاہدہ فرمایا اور فہم سعادت کے

ساتھ کہنے لگے اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا یعنی میں نے اپنے چہرہ کو متوجہ کیا ہے اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اور جب نور الٰہی کے اشراق کو پایا تو مال اور اولاد کی طرف بالکل التفات چھوڑ دیا اور اس عالم ذوق وشوق میں اپنے کمال پر نظر کر کے کہنے لگے کہ میرا جسم آتش عشق کے واسطے ہے اور میری اولاد راہ خدا میں قربان ہیں اور میرا مال مہمانوں کے واسطے ہے۔

پس اے بادشاہ تم کو بھی طریق معدہ تیرہ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ باطن کا راز تم پر منکشف ہو اور تم تخت پر بیٹھ کر لوگوں کے احوال معلوم کرو اور اپنی فراست کے نور سے ظالم ومظلوم کو پہچان لو۔ معلوم ہو کہ مال واسباب حصول سلطنت دنیوی واخروی کا ذخیرہ ہیں پھر جب تم یہ طریقہ اختیار کرو گے تو نعیم السعادت کے ذریعہ سے اپنے کل مخالفوں پر غالب ہو جاؤ گے اور اسی سے تم کو عالم علویہ کی تسخیر حاصل ہوگی یعنی فرشتے تمہارے مطیع ہوں گے اور تم سے ملاقات کرنے آدیں گے اور یہ بات اس وقت ہوگی جب تم اپنی روح کو پاک کرو گے کیونکہ فرشتے ارواح مجردہ ہیں یعنی ان کی روح ہی ان کا جسم ہے خدا کی حمد وثنا کرنے سے ان کی تالیف قلوب ہوتی ہے الطائف حکایات میں وارد ہے کہ فرشتوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے پروردگار نے ناپاک نطفہ سے اپنا دوست پیدا کیا ہے اور بہت بڑا ملک اس کو عنایت فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ تم اپنے میں سے ایک بہت بڑا زاہد اور سردار فرشتہ چھانٹ لو پس سب فرشتوں کا اتفاق جبرائیلؑ اور میکائیلؑ پر ہوا یہ دونوں فرشتے بصورت انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئے حضرت ابراہیمؑ نے اس روز اپنے تمام جانوروں اور مال واسباب کو جمع کیا تھا اور آپ کے پاس چار ہزار کتے تھے جن میں سے ہر ایک کے گلے میں ایک طوق چاندی کا اور ایک سونے کا تھا اور چالیس ہزار بکریاں دودھ والی تھیں اور گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کا تو کچھ حساب ہی نہیں ہے یہ دونوں فرشتے راستہ کے دونوں طرف آن کر کھڑے ہوئے اور ایک نے نہایت خوش آواز سے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کہا دوسرے نے رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوْحِ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں پھر بھی کہو میں اپنا نصف مال تم کو دیدونگا انہوں نے دوبارہ کہا پھر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر اب کے پھر کہو تو میرا تمام مال و

اولاد اور میرا جسم تک تمہارا ہے پس اس وقت آسمان کے فرشتوں نے آواز دی کہ بخشش ہے اس کو دیکھو اور ایک منادی نے عرش کے نیچے سے آواز دی کہ خلیل دوست اپنے خلیل دوست سے اس موافق ہے۔ اور اے بادشاہ تم کو مال کے ہونے کی خوشی اور نہ ہونے کا کچھ غم نہ کرنا چاہیے اور جب پورے طور سے تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اس وقت کتاب سلسبیل اور احیاء علوم الدین میں سخاوت اور بخشش کے سبق پڑھو اور اگر تم پہلے بزرگان کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہو تو کتاب فتوح الدین کوفی میں لکھا ہے کہ جب بیت المقدس کے لوگ صحابہ کے حصار سے تنگ آئے تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ شہر خاص امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حوالہ کریں گے صحابہ کرام نے یہ حال حضرت عمرؓ کو لکھا حضرت عمرؓ جب اس سال سے واقف ہوئے تو ایک گھوڑا اور ایک گدھا آپ نے سواری کے واسطے تیار کیا اور ایک غلام ساتھ کیا۔ اہل مدینہ نے عرض کیا کہ اس طرح آپ کے تشریف لے جانے میں اسلامی سلطنت کی بدنامی ہے آپ نے فرمایا سلطنت کا دینے والا آسمان والا ہے تم اپنے دلوں کو صاف رکھو اور اپنی ہمتوں کو بلند کرو تاکہ سعادت کو تم نورانی عقل کے ساتھ افلاک کے اوپر سے دیکھ لو۔ پھر آپ ملک شام کیطرف روانہ ہوئے اور بحسب اتفاق ایسا موقع ہوا کہ جس روز آپ بیت المقدس میں پہنچے وہ دن آپ کے گدھے پر سوار ہونے اور غلام کے گھوڑے پر سوار ہونے کا تھا اور گدھا آپ کو لے کر ایک پانی کے گڑھے میں گر پڑا اور تمام کپڑے آپ کے کیچڑ میں تر ہو گئے ہر چند لوگوں نے آپ سے کہا کہ یہ کپڑے اتار دیجیے اور گھوڑے پر سوار ہو جائیے کیونکہ بیت المقدس کے سب لوگ آپ کو لینے اور دیکھنے آئے ہیں حضرت عمرؓ نے ان باتوں کیطرف کچھ التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ شامی لوگ اپنے تزک واحتشام کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ عمرؓ ہیں ہم آپ کو شہر تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے مطیع ہوتے ہیں اور آپ کا دین اختیار کرتے ہیں جیسا کہ مسیح ہم کو فرما گئے ہیں کہ جب تمہارے پاس کیچڑ پانی میں تر کپڑے پہنے ہوئے امیر آئیں تو ملک انکو تسلیم کر دینا پس یہ خبر رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسرار معارف کی ہے کہ آپ کا قلب کیسا صافی و وافی تھا خداوند تعالےٰ نے آپ کو تمام اسرار گذشتہ و آئندہ کے بتلا دیے تھے اور انہیں انوار نبوت سے لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق روشنی حاصل کی ہے خصوصاً حضور کے

کے بہر اور عزیز القدر حضرت علی مرتضٰے نے اسی نور سے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً حضرت جامع اور کتاب خطبۃ البیان جس میں اکثر واقعات آئندہ کا بیان ہے۔

اے بادشاہ اگر کوئی بادشاہ تم سے صلح کرنی چاہے تو اگر وہ مسلمان ہو تو اس سے صلح کر لو اور اگر کافر ہو اور اس پر قدرت رکھتے ہو تو صلح نہ کرو کیونکہ پھر شاید فرصت کا موقع نہ ملے اور اگر اس نے قوت حاصل کر لی تو پھر ضرور تم کو نقصان پہنچائیگا۔ اور صلح ایک مدت مقرر تک ہونی چاہئے جس کی میعاد کم از کم چار ماہ ہے۔ اور اگر صلح کرنے والوں میں سے ایک شخص مر جائے تو دوسرے کو فائدہ پہنچیگا۔ پھر اگر تمہاری ہمت صاف ہے اور تمہاری روح ملکوت اعلیٰ سے مجانست رکھتی ہے۔ پس تم اپنے ستارہ کی دعوت کرو جب کہ وہ تثلیث یا تسدیس کی تم سے نظر رکھتا ہو اور اس کا بخور روشن کرو اگر وہ تمہارا دوست ہو گیا تو گویا وہ تمہارا وزیر ہے اور ان اعمال کے واسطے بلند ہمتی اور تزکیہ نفس اور کم کھانا اور خلوت میں رہنا اور ہر وقت ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ ان باتوں سے غیب کا روزن کھل جاتا ہے اور عالم باطن سے مکاشفہ کے انوار ظاہر ہوتے ہیں اور تم فرشتوں اور دف تک کی باتیں سننے لگتے ہو اور تمہارا لاہوت وناسوت پر غالب ہوتا ہے پس تم مصباح مشکوۃ انوار الٰہیہ کے زینت بنجاتے ہو چنانچہ کسی کا قول ہے۔

ثَقُلَتْ زُجَاجَاتٌ اَتَتْنَا فُرَّغًا ۔۔۔ حَتّٰی اِذَا مُلِئَتْ بِصِرْفِ الرَّاحِ

خَفَّتْ وَكَادَتْ اَنْ تَطِيْرَ بِمَا حَوَتْ ۔۔۔ وَكَذَا الْجُسُوْمُ تَخِفُّ بِالْاَرْوَاحِ

جو شیشے ہمارے پاس خالی آئے وہ بھاری تھے یہاں تک کہ جب ان میں خالص شراب بھر گئی وہ اس قدر ہلکے ہوئے کہ قریب تھا ہوا کے زور سے اڑ جائیں اور ایسے ہی جسم روحوں کے ساتھ ہلکے ہوتے ہیں اور جب سعادت کا خمیر تم کو اس علت سے حاصل ہو جائے تو کل علتوں کی مبدا ہے اور اس کے حاصل کرنے میں تم پورے مجاہدہ سے کام لو تب تم پر انوار محبت نازل ہوں گے اور تمام مخلوق تمہاری بغیر شمشیر زنی اور ہیبت بٹھانے کے مطیع ہو جائیگی۔

اور اگر مجاہدہ تم سے نہ ہو سکے اور باب طلب کو مسدود پاؤ تب زہد اختیار کرو کیونکہ انسان دو قسم کے ہیں یا بادشاہ یا فقیر اور سب سے بدتر وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

لہ إِذَا مَا لَمْ تَكُنْ مَلِكًا مُطَاعًا — كَمَا تَرْضَى فَكُنْ عَبْدًا مُطِيعًا

فَإِنْ لَمْ تَمْلِكِ الدُّنْيَا جَمِيعًا — كَمَا تَخْتَارُ فَاتْرُكْهَا جَمِيعًا

هُمَا شَيْئَانِ مِنْ نُسُكٍ وَمُلْكٍ — يُنِيلَانِ الْفَتَى شَرَفًا رَفِيعًا

إِذَا مَا الْمَرْءُ عَاشَ بِكُلِّ شَيْءٍ — سِوَى هٰذَيْنِ عَاشَ بِهِ وَضِيعًا

معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو لکھا کہ اگر ملک تجھ سے جاتا رہا ہے تو محراب ہرگز نہ چھوڑیو یعنی عبادت اختیار کیجو! لوگوں نے اسی طریق سے اپنے مطالب حاصل کئے ہیں اور ہم نے بہت سے بادشاہوں کو فقیروں کے در پر حاضر دیکھا ہے چنانچہ قشیری فرماتے ہیں ؎

إِذَا أَمَّ الْفَقِيرُ لِبَابِ الْأَمِيرِ — فَبِئْسَ الْأَمِيرُ وَبِئْسَ الْفَقِيرُ

وَإِمَّا الْأَمِيرُ لِبَابِ الْفَقِيرِ — فَنِعْمَ الْأَمِيرُ وَنِعْمَ الْفَقِيرُ

معلوم ہوا کہ جب دل صاف ہو جاتے ہیں اور نور جلال براہین باطنہ کے ساتھ ان پر منکشف ہوتا ہے اور تخلیہ اور تصفیہ پورے طور سے حاصل ہو جاتا ہے تب عالم سفلی و علوی کے اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں اور کیمیا برابر کی معرفت نصیب ہوتی ہے فرشتے خدمت گار بنتے ہیں اور جنت اور انس کی نعمتوں کو وہ شخص اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔ جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث سے فرمایا اے حارث تم نے کس طرح صبح کی عرض کیا میں نے خدا کے ساتھ حق کے ایمان کی حالت میں صبح کی ہے حضور نے فرمایا ہر حق کی حقیقت ہے پس تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے عرض کیا حضور میں نے اپنے نفس کے آگے دنیا کو پیش کیا پس سونے اور مٹی کو یکساں پایا اور گویا کہ جنتی لوگ میرے سامنے باہم ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخیوں کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے۔ اور گویا خدائے تعالیٰ کا عرش میرے سامنے ہے حضور نے فرمایا) یہ شخص مومن ہے خدا نے اس کے دل کو منور کر دیا ہے۔

اے بادشاہ اب سب مراتب تم کو معلوم ہو گئے پس تم ان کو لازم پکڑو اور اپنی

لہ جب تک کہ تو بادشاہ نہ بن جائے اور لوگ تیری جس طرح تو چاہتا ہے اطاعت نہ کریں پس تو خدا کا عابد و زاہد بندہ بن جا۔ پس اگر تو ساری دنیا کا مالک ہو جیسا کہ تو چاہتا ہے پس اس کو بالکل۔۔۔ یہ دونوں چیزیں یعنی عبادت و سلطنت آدمی کو شرف اور بزرگی نصیب کرتی ہیں کہ سوا اور کسی چیز کے ساتھ زندگی بسر کرے تو زندگی اس کی ذلیل ہے ۱۲- حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحہ پر

عمر یعنی دونوں کے تین حصے کرو ایک حصہ اپنے نفس کے واسطے اور ایک حصہ اپنی رعایا کے واسطے اور ایک حصہ اپنے رب کے واسطے معلوم ہو کہ سب لوگ تم سے اپنے منافع چاہتے ہیں اور اسی واسطے تمہارے ساتھ ہوئے ہیں سوا خداوند تعالیٰ کے کہ وہ تم سے تمہارا فائدہ چاہتا ہے پس تم اسی کے ساتھ ہو اور اس کو لازم پکڑو کیونکہ سایہ کے واسطے زوال ضروری ہے اگرچہ عمر نوح بھی تم کو نصیب ہو گا آخر مرنا ہے استاد جوینی نے اپنے مشائخ سے روایت کی ہے کہ کسی نے محمود بن یزید سے پوچھا کہ تم نے طلب مملکت کا کیسے قصد کیا حالانکہ تم اس کے اہل نہ تھے کہا میں ایک عورت سے سنا کہ دف بجا کر یہ شعر گا رہی ہے

مَنْ هَابَ خَابَ مَنْ جَسَرَ نَالَ الْمُنَا وَالدَّهْرُ فِيهِ عُذُوبَةٌ وَعَذَابُ

جس نے خوف کیا وہ نقصان میں رہا اور جس نے بلند ہمتی کی وہ اپنی امید کو پہنچ گیا۔ زمانہ میں مٹھاس بھی ہے اور عذاب بھی ہے اور متنبی کہتا ہے۔

فَثِبْ وَاثِقًا بِاللّٰهِ وِثْبَةَ حَازِمٍ يَرَى الْمَوْتَ فِي الْهَيْجَا جَنَا النَّحْلِ فِي الْفَمِ

پس خدا پر بھروسہ کر کے ہوشیار آدمی کی طرح سے اٹھ کھڑا ہو جو موت کو جنگ میں کھجور کا منہ میں آنا سمجھتا ہے اور منصور حلاج کی بلند ہمتی کو دیکھ کر حاسدوں نے ان کو کیا کچھ کہا یہاں تک کہ سنگسار کر دیا اور حلول کی تہمت لگائی مگر انہوں نے کچھ خوف نہ کیا اور وہی بات کہے گئے جس کی حقیقت سے جاہل لوگ ناواقف تھے چنانچہ شیخ ابو العباس بن شریح سے پوچھا گیا کہ آپ حلاج کے حق میں کیا کہتے ہیں فرمایا میں ایسے شخص کے حق میں کیا کہوں جو مجھ سے زیادہ علم فقہ سے واقف تھے اور درحقیقت میں نہیں سمجھا کہ وہ کیا کہتے تھے کسی نے کہا کہ اگر آپ نے ان سے کوئی بات سنی ہو تو بیان کیجئے کہا کہ ایک روز میں نے ان سے سنا کہ وہ ہم حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرماتے تھے جو لوگ حاضر ہوتے ہیں ان کی گواہی طلب کی جاتی ہے اور جو غائب ہوتے ہیں وہ اس جھگڑے سے محفوظ رہتے ہیں۔

اور اسی مطلب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ یعنی

لہ جب فقیر امیر کے دروازے کا قصد کرے تو فقیر و امیر دونوں برے ہیں اور جب امیر فقیر کے دروازے کا قصد کرے پس امیر و فقیر دونوں اچھے ہیں۔

نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے گناہ ہیں کیونکہ یہ لوگ تجلی کی صف میں کھڑے ہونے والے ہیں پھر ان کو کسی بات کا کیا خوف ہے مجاہدہ کرتے کرتے ان کے احوال صاف ہو گئے ہیں اور اپنے علوم مجموعہ کے پردوں سے مجاہدہ اور تصفیہ اور تزکیہ میں انہوں نے خوب پرواز کی ہے اور حجاب نا سوتی کو توڑ کے مطلوب سے جا ملتے ہیں بندگی ان پر بہت تنگ ہوئی پس یہ چیز عالمین سے نکل گئی اور لاہوتیت صفات لاہوتیت کے ساتھ مل گئی اور نفوس طاہرہ اپنے معدن کی طرف رجوع کر گئے اور واجب الوجود کی رحمت کے جھونکے پر چلنے لگے پس یہ لوگ بعث کے بعد خیام راحت میں مقیم ہو گئے فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ جیسا کہ ایک عاشق مدہوش کا قول ہے ؎

إِنَّمَا الْحُبُّ فَنَاءٌ كُلُّهُ   رَحِمَ اللهُ الْمُحِبَّ قَالَ بِهِ

إِنَّ مَنْ أَضْحَى بِقَلْبِيْ سَالِمًا   لَمْ يَبِنْ رَمِنْهُ إِلَّا قَالِبَهُ

فِيْ ظِلَالِ الشَّوْقِ قَلْبِيْ وَاقِفٌ   مِنْ هَجْرِ الْهِجْرَةِ قَالَ بِهِ

اور اگر تم بلند ہمت نہیں رکھتے اور نہ قوت و حشمت رکھتے ہو تب تمہاری یہ مثال ہے

إِذَا كُنْتَ لَا تُرْجِيْ لِدَفْعِ مُلِمَّةٍ   وَلَا لِذَوِي الْحَاجَاتِ عِنْدَكَ مَطْمَعٌ

وَلَا أَنْتَ ذُوْ جَاهٍ يُعَاشُ بِجَاهِهِ   وَلَا أَنْتَ يَوْمَ الْحَشْرِ مِمَّنْ يَشْفَعُ

فَعَيْشُكَ فِي الدُّنْيَا وَمَوْتُكَ   وَعُوْدُ خِلَالٍ مِنْ حَيَاتِكَ أَنْفَعُ

جب تو ایسا شخص ہے کہ نہ کسی برائی کے دور کرنے کے وقت تجھ سے امید کیجاتی ہے اور نہ حاجتمندوں کی تجھ سے کچھ طمع ہے، اور نہ تو ایسا مالدار کہ جس کے مال سے گزارہ کیا جائے اور نہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو حشر کے روز شفاعت کریں گے پس ایسی حالت میں دنیا کے اندر تیری موت اور زندگی یکساں ہے اور تیری زندگی کی بہ نسبت خلال کا تنکا نافع ہے اور تم کو چاہیے کہ لوگوں کے دل اپنے ہاتھ میں رکھو کسی کو خط لکھ کر اور کسی کو ہدیہ بھیج کر اور بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ رکھو اور علما و مشائخ کی خدمت گذاری کرو اور اگر ان سے کوئی خطا یا قصور سرزد ہو تو ایک حد تک معاف کرو اور دیکھو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو کیسا ادب سکھایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں مجھکو حکم کیا گیا ہے کہ میں اس کو معاف کروں جو مجھ پر ظلم کرے اور اس سے ملوں جو مجھ سے جدائی کرے اور ان پر بخشش کروں جو مجھ کو محروم رکھے۔ اور اپنی خاموشی کو فکر اور اپنی بات کو عزت اور نصیحت بناؤ اے بادشاہ اگر تم کسی کو جواب دینا چاہو تو جلد ہی کرو۔ اور ایلچیوں سے جدا جدا گفتگو کرو ایک مجمع میں دو تین ایلچیوں کے ساتھ گفتگو نہ کرو اور خوب

نیک نامی ہے عرب کا ایک حکیم کسریٰ کے پاس گیا کسریٰ نے اس کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا بعض امیروں نے کسریٰ کو اس پر ملامت کی کسریٰ نے کہا ملک میں حکومت اور مال اور ملامت تین چیزیں ہیں دو ان میں سے دوا ہیں اور ایک بیماری ہے پس غلبہ اکثر کے واسطے ہے اور اس آیت سے بھی تمکو نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یعنے ان دنوں کو ہم لوگوں کے اندر گردش دیتے ہیں آج ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے اور کل دوسرے کے پاس ہے جیسا کہ یہ سلطنت تمہارے پاس آئی ہے ایسے ہی تم سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس جائیگی دیکھو امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اشعار

اَلنَّاسُ فِيْ زَمَنِ الْاِقْبَالِ كَالشَّجَرَةِ — وَحَوْلَهَا النَّاسُ مَا دَامَتْ لَهَا ثَمَرَةٌ

حَتّٰى اِذَا مَا عَرَتْ مِنْ حَمْلِهَا انْصَرَفُوْا — عَنْهَا عُقُوْقًا وَقَدْ كَانُوْا بِهَا بَرَرَةً

وَحَاوَلُوْا قَطْعَهَا مِنْ بَعْدِ مَا شَفِقُوْا — دَهْرًا عَلَيْهَا مِنَ الْاَرْيَاحِ وَالْغَبَرَةِ

قَلَّتْ مُرُوَّاتُ اَهْلِ الْاَرْضِ كُلِّهِمْ — اِلَّا الْاَقَلَّ فَلَيْسَ الْعُشْرُ مِنْ عَشَرَةٍ

لَا تَحْمَدَنَّ امْرَءًا حَتّٰى تُجَرِّبَهُ — فَرُبَّمَا لَمْ يُوَافِقْ خَبَرُهُ خَبَرَهُ

اقبال کے زمانہ میں انسان مثل درخت کے ہوتا ہے جب تک اس میں پھل رہتا ہے لوگ اس کے گرد پھرتے ہیں اور جب درخت پھل سے خالی ہوتا ہے تو سب اس کو چھوڑ کر چل دیتے ہیں حالانکہ پہلے اس کے ساتھ بہت نیک تھے اور اس درخت پر ایک مدت ہوا اور غبار سے حفاظت اور شفقت و مہربانی کرنے کے بعد اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اہل زمین کی مروتیں اسی قسم کی ہیں سوا چند لوگوں کے جو عشر عشیر سے بھی کم ہیں کسی شخص کی بغیر اس کے تجربہ کئے تعریف نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات اس کی تعریف اس کے حال کے موافق نہیں ہوتی ہے اور خاص خاص لوگ اپنے مصاحب اختیار کرو کیونکہ خداوند تعالےٰ نے ہی اپنی رسالت کے واسطے انسانوں اور فرشتوں میں سے خاص لوگوں کو اختیار کیا ہے اور جب تم حمام میں غسل کے واسطے جاؤ تو بدھ کا روز بہتر ہے۔ اثر میں وارد ہے کہ جو شخص چالیس غسل کرے گا فقر سے امن میں رہے گا اور شب پنجشنبہ و جمعہ کو خلوت کیا کرو اور خدا سے اپنی حاجات کیواسطے دعا مانگا کرو کیونکہ انہیں راتوں میں

انبیا و علما اور اہل مقاصد اپنے مطلب کو پہنچے ہیں جمعہ کے روز میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جو شخص اس میں دعا کرے قبول ہوتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ساعت شروع دن میں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں درمیان میں اور بعض کہتے ہیں آخر روز میں اور یہی حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا سے منقول ہے کہ وہ اپنی ایک لونڈی سے فرمایا کرتی تھیں کہ جمعہ کے روز غروب آفتاب کا وقت ان کو بتا دے۔

اور اس ساعت میں سورۂ انعام پڑھو اور درمیان میں کسی سے گفتگو نہ کرو اور جب اس آیت پر پہنچو رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اپنے حصول مقصد کی دعا مانگو کیونکہ خدا اس شخص کی دعا کو رد نہیں کرتا ہے جو اس اثنا کے درمیان میں دعا مانگتا ہے۔

ہر نبی کے واسطے ایک دن اس سے مخصوص تھا چنانچہ حضرت موسےؑ کے واسطے شنبہ اور حضرت عیسٰیؑ کے واسطے یک شنبہ اور حضرت ابراہیمؑ کے واسطے دو شنبہ اور سہ شنبہ کے روز حضرت نوحؑ کے پاس خدا کی طرف سے امداد کی بشارت آئی تھی اور بدھ کے روز زدشت نے اہل ارمینہ پر فتح پائی تھی اور پنجشنبہ اور جمعہ ہمارے حضورؐ کے واسطے مخصوص ہیں اور نجومی لوگ ہر دن کو ایک کوکب سے متعلق رکھتے ہیں چنانچہ شنبہ قمر سے اور سہ شنبہ مریخ سے اور چہار شنبہ عطارد سے اور پنجشنبہ مشتری سے اور جمعہ زہرہ سے متعلق ہے اور یہ لوگ اسرار سے واقف نہیں ہیں ہم ان اسرار کو تھوڑا سا بیان کرتے ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السلام نے مغرب کی طرف دعوت کی کیونکہ زحل کی اس طرف حکومت ہے اور عیسٰی علیہ السلام کا قبلہ مشرق کی طرف تھا بسبب آفتاب کے اور ہمارے حضورؐ کا قبلہ کعبہ کی طرف ہے اس راز سے کوئی آگاہ نہیں ہوا مگر جس کو خدا نے چاہا اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضورؐ غار حرا میں قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو زحل آپ کی دائیں طرف اور سورج بائیں طرف اور جدی سینہ کے مقابلہ میں اور نسر طائر اور سعد بلع سر کے اوپر ہوتے تھے اسی سبب سے جو کچھ سعادت آپ کو حاصل ہوتی تھی وہ حاصل ہوتی جو کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی اور اسی کا سبب ہے کہ آپ کی حجت سارے عالم میں پہنچ گئی اور آپ کا نام و نشان بلند ہوا اور آپ کی دولت ہمیشہ کے واسطے قائم ہوئی اور امت کو آپ کی سعادت نصیب ہوئی اور شریعت آپ کی مستحکم ہوئی کہ ترکوں نے مشرق سے اس

کی مدد کی اور اہل مغرب نے مغرب سے اور یہ سب لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے تلوار کا کچھ خوف اُن کو نہیں تھا:
عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جالینوس کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے جالینوس ممالک ساحل کا
بادشاہ تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شہرہ بلند ہوا تو اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو لکھا کہ ہم تم سے
مردہ کو زندہ کرانا نہیں چاہتے ہیں تم اس مریض کو جو مرض سل میں مبتلا ہے اسی مہینے میں آرام کر
اگر ایسا کرو گے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تربوز لاؤ اور اس مریض
کو کھلاؤ تربوز کھاتے ہی مریض نے قے کی اور ایک سیاہ چیز جیسے جلی ہوئی روٹی ہوتی ہے اس کے
پیٹ سے نکلی اور حکم الٰہی سے وہ بیمار بالکل تندرست ہو گیا پھر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جالینوس
مجھکو وہ جھلکاتا ہے میں اس کا علاج کرتا ہوں یہ کہ آپ اپنے عبادت خانہ میں داخل ہو گئے وہاں
جالینوس کو نصف شب کے وقت اسالو ریا اور کراثیہ کی بیماری شروع ہوئی اور صبح ہونے
سے پہلے مرگیا مجھ سے شیخ یوسف بن علی نے اپنے ملک بیر کا ذکر کیا ایک گھاس کے بہت خواص عجیبہ
بتلائے ہیں جن میں سے کچھ میں اس کتاب میں اور کچھ کتاب سلسبیل میں بیان کروں گا اور وہی
شیخ یوسف مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں شہر مکرمیں شیخ معری کے زمانے میں گیا اور ان
دنوں میں شیخ معری کی طرف سے لوگوں نے محمود بن صالح بادشاہ کے وزیر کو بہکا کر دشمن بنا
دیا تھا اور وزیر سے کہتے تھے کہ شیخ معری ہند کے برہمنوں میں سے ہے تصویروں کو بُرا
نہیں سمجھتا ہے اور جانور کا گوشت کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ رسالت قلب کے صاف کرنے سے
ہوتی ہے اور وزیر نے بادشاہ کو بہکایا یہاں تک کہ بادشاہ نے شیخ معری کے حاضر کرنے کے
واسطے پچاس سوار روانہ کئے شیخ کے دوستوں میں سے دو شخصوں نے جا کر شیخ کو خبر کی شیخ
تو مسجد میں چلے گئے اور شاہی سواروں کو دیوان خانہ میں ٹھیرا دیا پھر شیخ معری کے چچا شیخ
مسلم اُن کے پاس آئے اور کہا اے فرزند تم کو اس حادثہ کی خبر ہے جو ہم پر نازل ہوا ہے یعنی بادشاہ
نے تم کو طلب کرایا ہے اب اگر ہم تم کو جانے نہیں دیتے ہیں تو مخالفت شاہی کی ہم میں طاقت
نہیں ہے اور اگر ہم تم کو شاہی سواروں کے حوالے کر دیتے ہیں تو یہ ہمارے واسطے بڑی عار کی
بات ہے شیخ معری نے جواب دیا کہ آپ اپنے رنج و فکر کو دور کیجئے اور ان سواروں کی مہمانی
فرمایئے میرا ایک بادشاہ ہے جو میری اعانت و حفاظت کرے گا اور میرے دشمن سے بدلہ

لے گا پھر شیخ معری نے اپنے غلام قنبر سے کہا کہ لاؤ پانی۔ شیخ نے غسل کیا اور نصف شب تک نماز پڑھتے
رہے پھر اپنے غلام سے پوچھا کہ مریخ کہاں ہے اس نے کہا فلاں منزل میں ہے۔ شیخ نے کہا تو اس
کے نیچے گاڑ دے اور ایک رسی میخ کے متصل میرے ہاتھوں میں باندھ دے غلام نے ایسا ہی کیا
پھر اس کے بعد ہم نے سنا کہ شیخ نے یہ دعا پڑھی۔ يَا عِلَّةَ الْعِلَلِ يَا قَدِيمَ الْأَزَلِ يَا صَانِعَ
الْمَصْنُوعَاتِ أَنَا لِجَمَالِكَ الَّذِي لَا يُضَامُ —— پھر کہتے رہے وزیر وزیر وزیر
یہاں تک کہ صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور ایک بڑے غل و شور کی آواز ہمارے کان میں آئی
ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وزیر صاحب کا دیوان خانہ مع وزیر صاحب اڑتالیس آدمیوں پر
گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد شاہی پروانہ ان سواروں کے پاس آیا کہ شیخ کو ہرگز نہ ستانا کیوں
کہ وزیر دب کر مر گیا ہے۔ شیخ یوسف کہتے ہیں پھر شیخ معری نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے
ہو میں نے کہا خدا کی زمین سے کہا تم زمین ہرکان سے آئے ہو اور تمہارا نام یوسف ابن علی ہے
تم کو لوگوں نے میرے قتل پر آمادہ کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ میں زندیق (بے دین) ہوں۔

پس اے بادشاہ اگر تم یہ وصف رکھتے ہو تو مقاصد تمہارے حاصل ہو گئے اور بہت اعلیٰ
مقام تم نے حاصل کیا کل دشمن تمہارے زیر رہیں گے بے دردسر قلعے تم فتح کرو گے اور ملک و مال و زراعت
سب میں برکت ہوگی اور اگر تم نے کوشش کی تو ان ذرائع سے تم ان مقاصد کو حاصل کرو گے جو سکندر
نے حاصل کئے کیونکہ جو بات ہو چکی ہے وہ پھر بھی ہو سکتی ہے، اور خطبۃ البیان میں منقول ہے
کہ ایک بادشاہ عادل و زاہد کا دنیا میں پیدا ہونا ضروری ہے جو خدا سے خوف کرنے والا ہوگا ملکوں میں
انتظام کرے گا اور لوگوں کے ساتھ احسان فرمائیگا اور اس بادشاہ کا ظہور ستر برس کے بعد ہوگا۔

دیکھو کہ یہ غیبی خبریں کس طرح آئینۂ دل میں منکشف ہوئیں جب دل کا حجاب رقیق ہوتا
ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے اور لوح محفوظ پر نظر جا پہنچتی ہے۔ اس میں جو کچھ غیب کی باتیں لکھی
ہیں وہ یہ شخص لوگوں سے بیان کرتا ہے اور ان میں کچھ شک و شبہ نہیں ہوتا۔

بادشاہوں کو چاہئے کہ اپنا راز کسی سے بیان نہ کریں سوا اس کے جس سے محبت اور سچا
اخلاص رکھتے ہوں سلطان محمود کی ایاز کے ساتھ تم نے حکایت سنی ہوگی پس اے بادشاہ ان نکتوں
اور اشاروں کو معلوم کر کے جاگ اٹھو میں نے تم کو بہت اچھی نصیحت کی ہے اگر تم نصیحت کرنیوالوں

کو دوست رکھتے ہوئے، مقابلہ فساق و فجار کے سلطنت اہل علم کو زیادہ لائق ہے مگر خدائے تعالیٰ نے تقدیر میں جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے اور زمین کیواسطے وارث اور مالک ہونا ضروری ہے، اور وہ وہی ہوتا ہے جسکو خدا اپنے بندوں میں سے سرفراز کرنا چاہے۔

کتاب سر العالمین کا پہلا حصہ ختم ہوا

کتاب سر العالمین کا دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معلوم ہو کہ ناموس کی ہر زمانہ میں ایسی ضرورت ہوتی ہے جیسے دوا کی مگر ہم عوام الناس کے نزدیک شفقت احوال کی شرح بیان کرتے ہیں کیونکہ صاحب شرع نے لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کیا ہے اور خداوند کریم نے بھی ہر ایک سے ویسا ہی کلام کیا ہے جس کو وہ سمجھ سکتا ہے اور اس کا مستحق ہے چنانچہ ایک قوم کے واسطے فرماتا ہے وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ اور ایک قوم کے واسطے فرماتا ہے سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ۔ اور بلند ہمت لوگوں کے واسطے فرماتا ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ معلوم ہو کہ زمانہ اپنے لوگوں کو بہت پیارا ہوتا ہے اور ہر طائفہ اپنے واسطے ایک مذہب اختیار کر لیتا ہے اور زہد کا ایک خاص طریقہ ایجاد کرتا ہے مثلاً کسی نے تسبیح ایجاد کی اور کسی نے چغہ بنایا اور کسی نے کمبل پہنی اور کوئی ہرن کی اور کوئی شیر کی کھال پر بیٹھتا ہے اور کوئی جنگل میں اعتکاف کرتا ہے اور پھر لوگوں کے اعتقاد یہاں تک بڑھ گئے کہ کہتے ہیں میاں فلاں جگہ جاؤ وہاں ان جیرنگ کا چلہ ہے اور کوئی شخص نور دکھلاتا ہے اور کوئی قبروں میں بیٹھکر طرح طرح کے شعبدے اور نیرنجات ظاہر کرتا ہے اور ان کو کرامتیں بتلاتا ہے اور کوئی پیروں میں تیل لگا کر آگ میں کود پڑتا ہے۔ اور یہ شعبدہ سمندل چینی کی چربی لگا لینے سے ہوتا ہے کیونکہ اس کی چربی سے آگ اثر نہیں کرتی ہے اور کوئی اور طرح کے طلسمات دکھاتا ہے کوئی طلسمی جوتی بنا کر

پانی پر چلتا ہے کوئی ہوا میں جانماز بچھا کر نماز پڑھتا ہے کوئی...... پانی سے چراغ جلا کر دکھاتا ہے غرضیکہ اسی طرح کی باتوں کو لوگ کرامتیں سمجھتے ہیں۔

معجزہ اور سحر کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ اور کرامت ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور سحر اور شعبدہ قائم نہیں رہتا ہے مثلاً قرآن مجید معجزہ اکبر اور ناموس اعظم ہے اور اہل کرامت وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدمت کی ہے اور خدمت لی ہے اور عمل کیا ہے اور کرایا ہے پس عمل نے ان کے دل سے غفلت کے حجاب کو دور کر دیا اور ذکر نے ساری سیاہی اس کی دھو ڈالی پھر اس وقت ان کو مجاہدہ کے بعد مشاہدہ نصیب ہوا اور دل ان کے انوار صدق و تصدیق کے ساتھ منور ہوئے اور نفوس مقدسہ مقام صمانیت میں ترقی کر گئے لوح محفوظ کا راز دار دیمومیہ سے منکشف ہوا اجسام رذیلہ معلولہ کے غلاظت پاک وصاف ہو گئے اور کمال وجود کے قالب میں وصل کر اہل وجود کی صحبت میں جا پہنچے اور آسمان طرائق سے حقائق کے چاند اپر جلوہ گر ہوئے چنانچہ ابتدار حال میں ایک ستارہ دکھائی دیا پھر عرش ایمان کے نقش سے وہ نور پھیلنا شروع ہوا یہاں تک کہ ابراہیمی چاند بن گیا پھر محبت ربانی کے چشمے شمس حقیقت ربانی کے فیض سے جاری ہوئے پھر اس کے بعد طلب صادق صافی و وافی بلند ہمتی کے براق پر سوار ہو کر آسمان اور فرشتوں کی سیر کرنے لگا پھر میدان محبت میں اشتیاق کے پر کھول کر قرب کا شربت پینے لگا اور بشریت کے کپڑے پھاڑ کر عیش وطرب کی حالت میں بالکلیہ اس کے ساتھ جا ملا۔

جب مجالس طرب کے دروازے کھل جاتے ہیں عاشق صادق ہجر کے صدموں اور خلوت کی رحمت سے تاب نہ لا کر نعرہ ہائے شوق لگاتا پھرتا ہے پس یہ شخص ابتدائے حال میں مجنوں اور انتہائے میں ذی فنون ہو جاتا ہے۔ جب تم اُس کو ابتدا میں نغمات اور سماع کا شوقین دیکھو تو اگر اس نے اُسی کو اپنا وتیرہ اختیار کر لیا اور ترقی کے دروازہ سے روگرداں ہو گیا پس سمجھ لو کہ یہ شخص بدنصیب ہے اور اُس کے اور اس کے مقصد کے درمیان میں ایک دیوار حائل ہو گئی ہے اور اگر اس نے نغمات اور سماع کو عالم اصغر سے عالم اکبر میں ترقی کرنے کا ذریعہ بنایا ہے تب یہ شخص معارف سے واقف ہو کر عاشقین کے حالات اور صادقین کے مقامات میں داخل ہو گا پس رب العالمین کے پاس لاہوتی منوں کے سرسبز درخت کے نیچے آرام کرے گا اور جسمانیت کا شیشہ ٹوٹ جائیگا۔

اور اس کی سعادت کا زمانہ گردش کرنے لگیگا۔ پس اس وقت اُس کا اونے مقام کرامت کا ظاہر کرنا ہے اور جب یہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو دیکھیگا اپنے رخسارہ کو اس کے خاکپا کے نیچے رکھیگا جیسا کہ لیلےٰ مجنوں کی حکایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ مجنوں اپنے کندھے پر ایک کتے کو بیٹھائے ہوئے کھلائے چلے آرہے ہیں لوگوں نے ان کو ملامت کی انہوں نے کہا میں نے اس کتے کو لیلیٰ کے در پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے اس سبب سے اس کی یہ تعظیم و توقیر کرتا ہوں پھر مجنوں نے یہ اشعار پڑھے ؎

رَاٰی الْمَجْنُوْنُ فِی الْفَلَوَاتِ کَلْبًا فَضَمَّ اِلَیْہِ بِالْاِحْسَانِ ذَیْدًا
فَلَامُوْہُ عَلٰی مَاکَانَ مِنْہُ وَقَالُوْا لِمْ مَنَحْتَ الْکَلْبَ نَیْلًا
فَقَالَ دَعُوْا مَلَامَ مِنْکُمْ فَعَیْنِیْ وَاٰتَہُ مَرَّۃً فِیْ بَابِ لَیْلٰی

اور اسی کی تائید میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص مرگیا حضور سے عرض کیا گیا کہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھا دیں فرمایا میں ایسے شخص کی نماز نہیں پڑھتا جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں نے اس کو عید کی دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے حضور نے فرمایا میں اس شخص پر کیونکر نماز پڑھوں جس نے سوا نفل کے کوئی نماز نہیں پڑھی پس جبرائیل حضور کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمد خدا فرماتا ہے کہ کیا لوگوں نے اسکو ہمارے دروازہ پر ایک بار بھی نہیں دیکھا ہے اور جب تم اس کو میرے دروازے سے ہٹا دوگے تو پھر یہ کس کے دروازے پر کھڑا ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنے اس کو بخشدیا ہے اور میرے فرشتوں نے اس پر نماز پڑھی ہے اور بے شک خدا تمام عالم سے بے پروہ ہے۔

چودھواں مقالہ
چند نصائح میں

بادشاہوں کو چند ایسے اشخاص مہیا کرنے چاہئیں جو ان کی اطاعت کا لوگوں میں وعظ

کھیں اور لوگ خوشی سے ان کی فرمانبرداری کی طرف مائل ہوں ہم پہلے حصول سلطنت میں تین طریقے بیان کر چکے ہیں اور جو شخص بطریق طنز کے یہ کہے کہ فلاں شخص کیا حیثیت رکھتا ہے جو سلطنت اس کو حاصل ہوگی کیا اس کے پاس مال ہے یا کثرت سے اولاد ہے یا ماں باپ اس کے صاحب ملک تھے تو اس سے کہنا چاہیے کہ نمرود بن کنعان کون تھا اور شداد جس نے جنت بنائی کون تھا اور حضرت ادریس جو درزی کا کام کرتے تھے وہ کون تھے اور حضرت نوح نجاری کرتے تھے اور حضرت ابراہیم بھیڑ بکریاں چراتے تھے اور حضرت داؤد زرہ ساز تھے اور طالوت کھالوں کو دباغت دیا کرتے تھے اور حضرت صالح سوداگر تھے اور حضرت سلیمان غواص تھے اور حضرت عیسٰی سراج تھے اور حضرت آدم کاشتکاری کرتے تھے پھر ان لوگوں کو یہ سلطنت اور عظمت کیونکر نصیب ہوئی کیا تم کو اس فرمان الٰہی سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ معلوم ہو کہ لوگوں کے واسطے بادشاہ کی بہت بڑی ضرورت ہے، تاکہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی طرف مائل ہوں۔ دیکھو جانوروں میں بھی ایک سردار ہوتا ہے اور شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں وغیرہ میں سلطنت کا دستور ہے۔ اسی واسطے لوگوں کو بادشاہ کی اطاعت کرنی چاہیئے ورنہ پھر ان کی گردن ہے اور تلوار ہے کیا تم نے حضور علیہ السلام کا فرمان نہیں سنا کہ اطاعت کرو اپنے امیر کی اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور خدا تعالٰی فرماتا ہے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو بادشاہ ہو اس کی پس ان نصیحتوں کو تم غور سے سمجھو اور اگر پھر بھی حالت باقی رہے تو بازا ور عقاب کرگس اور مکھی کو خیال کرو اور جیسا کہ اہلِ عقل نے فرمایا ہے۔ یَا طَالِبَ الرِّزْقِ السَّنِیِّ بِقُوَّۃٍ هَیْهَاتَ اَنْتَ بِبَاطِلٍ مَشْغُوْفٌ

اے طالب کرنیوالے عمدہ رزق کے قوت کے ساتھ افسوس کہ تو بیکار کاموں کے درپے ہو رہا ہے

رَعَتِ النُّسُوْرُ بِقُوَّۃٍ جِیَفَ الْفَلَا وَرَعَی الذُّبَابُ الشَّهْدَ وَهُوَ ضَعِیْفٌ

گدھ وغیرہ مردار جانور قوت کے ساتھ جنگل کے مرداروں کو کھاتے ہیں۔ اور مکھی بھی قوت ہی کے ساتھ شہد کھاتی ہے حالانکہ نہایت ضعیف جانور ہے۔ اور اے عقل مند تم کو زمانہ کے اگلے قصوں سے کچھ بحث کرنی چاہیے اور جب اہلِ ریاضت تمہارے مخالف ہوں تو نہایت حکمت کے ساتھ ان پر ہاتھ ڈالو کیونکہ ریاضت کرنے والوں میں ایک مقناطیسی

قوت جذب ہوتی ہے کیا تم نے انہیں سنا کہ جب سکندر کو ہندوستان کے چالیس برہمنوں کا حال معلوم ہوا جو سکندر کے نہایت مخالف اور بڑے ریاضت کرنیوالے تھے سکندر نے حکمت کا ایسا پہلو اختیار کیا جس سے خود بخود وہ برہمن نہایت پریشان ہو گئے مساوی ہمتیں ان کی ٹوٹ گئیں اس وقت سکندر نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔

جو جو معانی اور مطالب اس کتاب میں ہم نے بیان کئے ہیں ان میں غور کرو کیونکہ یہ کافی ہیں اور ان کی تکذیب نہ کرو کیونکہ یہ مثل معجزات کے ہیں معلوم ہوا کہ جسم بغیر سر کے اور آسمان بغیر سورج کے اور زمین بغیر عبادت اور تجارت اور زراعت اور زندگانی اور موت اور غنا اور فقر اور ملک وسیاست اور امارت وزارت کے اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے غرضیکہ کل امور ایک دوسرے سے وابستہ ہیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

پندرھواں مقالہ

دلیل مستدل کے قطع کرنے میں

اے ناظرین تم میں سے ہر شخص نے ایک خاص ایک دلیل کے ساتھ تمسک کر رکھا ہے اور اپنے نزدیک اس کو کافی دلیل سمجھتا ہے پھر دوسرا مناظر اس سے ایسی دلیل کے ساتھ معارضہ کرتا ہے جس سے وہ دلیل ٹوٹ جاتی ہے اب بتاؤ کہ جو دلیل معارض ہو گئی وہ کیسے دلیل ہو سکتی ہے اور ناقص ہے جب اس کو کیا تو اس میں علت داخل ہوگی اور دلیل کے مرتبہ سے یہ دلیل ساقط ہو گئی اور علت نے نقض کے ساتھ اس کا معارضہ کیا پس دونوں دلیلیں متزلزل معلول غیر مقطوع ہو گئیں پھر یہ دلیل منقولی ہے اور نقض کے ساتھ اس کا معارضہ ہوا ہے تو اس کا حکم یا قول باطل ہوگا پس اگر تم یہ کہو کہ قول باطل ہوا تب تو شریعت بھی جاتی رہی کیونکہ حکم اور قول دونوں تابع ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ حکم باطل ہوا پس اس کے ساتھ عمل بھی باطل ہوا اور اگر تم یہ کہو کہ حکم اور قول دونوں باطل ہو گئے پس مستدل کی فتح کے آثار کہاں ہیں اور اگر تمہاری دلیل معقولی قیاسی ہے تو پھر کس طرح قیاس کے ساتھ منقول منقوض پر بلند ہو سکتی ہے اور اگر دلیل غیر قیاسی ہے پھر اس کے ساتھ سوال کیسے چل سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق کلام باطل ہوا اور جب تم نے یہ جان لیا کہ تمہارے کلام کے واسطے علت ومعلول کے نیچے مدخل ہے پس وہ علت ہی کیا

ہے جو معلول سے جدا ہو یا وہ معلول سے غیر منفصلہ ہے پس اگر علت معلول سے غیر منفصلہ ہے تو کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ دلیل ہو اور اگر معلول میں داخلہ ہے تو یا وہ جنسیہ ہو گی یا غیر جنسیہ ہو گی پھر اگر تم یہ کہو کہ غیر جنسیہ ہے تو قول کے ظاہر کرنے کی دلیلیں کہاں ہیں اور اگر یہ کہو جنسیہ ہے تو پھر ظاہر کے بعد بلا نتیجہ اس کے لانے سے کیا فائدہ کیونکہ وہی علت ہے اور وہی معلول ہے اور جس نے کسی چیز کی فقہ حاصل کی ہیں وہ قضیہ ہے پھر کیونکہ فقہ کی خصوصیت باقی رہی اور اس کے ساتھ تخصیص کے آثار اور اس کی دلیل مقطوع کہیں ہے اور نظر کہاں ہے اور مناظرہ اور محاورے کے معنے کیا ہیں اگر تم یہ کہو کہ محاورہ بطور بیان کے جہت سے اشکال کا دور کرنا ہے جیسا کہ کہا جاتا کہ فلاں شخص خوب عربی جانتا ہے یا فلاں شخص نے اپنا قصیدہ یا رسالہ پڑھا اب تبلاؤ کہ تمہاری حجت ظاہر ہونے کے آثار کہاں ہیں جب کہ دلیل اور برہان قطع ہو گئیں اور اگر تم کہو کہ جدل مشابکہ ہے یا اور کچھ معنے بیان کرو تو ان لغو باتوں سے کیا فائدہ کیونکہ تمہاری دلیل منقوض ہے اور مخالف کی طرف سے علت اس پر داخل ہے اس کے واسطے معقول جواب دینا چاہیے کیونکہ اس مقام اور اس گفتگو میں مغالطہ اور مدافعہ کی گنجائش نہیں ہے پس اگر تمہارا جواب سوال کے خلاف ہے تو یہ مداخلہ ضعیفہ ہے اور اگر نفس مسئلہ سے ہے تب برہان قاطع غیر منقوض معلول ہے جواب کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

جب تم سے کسی چیز کی بابت حجت یا معرفت کا سوال کیا جائے پس یا تو تمہاری معرفت برہان قاطع ہو گی عقلاً یا نقلاً غیر منقوض پس یہ دلیل مشتبہ ہے اس کے ساتھ حجت پکڑو۔

کسی چیز کی معرفت یا تو بنفسہ ہوتی ہے یا بغیرہ ہوتی ہے اگر بنفسہ ہے تو یہی برہان مقطوع یہ ہے جب کہ بعضیت کو اس کے اندر دخل نہیں ہے۔ چنانچہ براہین تصدیقیہ میں برہان اور تصدیق ایک ہے جیسا کہ تم کہو کہ یہ ایک مرد ہے یا کہو یہ رات یا یہ دن ہے یا دس پانچ سے زیادہ ہوتے ہیں پس ان کے واسطے برہان کی ضرورت نہیں ہے ایسی ہی دلیل تم کو بھی لانی چاہیے کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ علت اپنے معلول سے جدا نہیں ہوتی ہے۔ براہین یا تصدیقیہ ہوتے ہیں یا معقولہ یا منقولہ غیر منقوضہ اور جب نقض ان کے اندر داخل ہوتا ہے تو دلیل کا حکم زائل ہو جاتا ہے اور یہی ہمارے قول قطع دلیل کا مطلب ہے۔ پھر تو تم جو اخبار احاد اور مراسیل کو حجت لاتے ہو حالانکہ ان کے اندر طعن

اور شکار کے اترا ہوں کو تم جانتے ہو پھر تو اتر نفسہ ہی تمہارے نزدیک دلیل ہے اور تم علم کا اس کے اندر اعتبار نہیں کرتے ہو کیونکہ تم کو صرف خصومت اور جھگڑے سے مطلب ہے اور اظہار حق کے واسطے بحث کرنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

سولہواں مقالہ

طہارت اور اسکے آداب و اسباب کے بیان میں

معلوم ہو کہ طہارت فرض ہے ظاہری ہو یا باطنی باطنی طہارت قلب کا ہر چیز سے سوا اللہ کے پاک کرنا ہے جب یہ طہارت قلب کے اندر حاصل ہو جائے تو قلب فیض ربانی اور علوم لدنیہ الہٰیہ کا محل ہو جاتا ہے اسرار کے پردے اٹھ جاتے ہیں کرامات کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور عقل حضیض شہوات سے آسمان معارف کی طرف ترقی کرتی ہے پھر کشف اسرار ربوبیت کے آسمان پر پہنچتی ہے پھر یہ عقل کامل کرسی مراقبہ کی طرف ترقی کرتی ہے پھر عرش حضرۃ القدس میں جا پہنچتی ہے پھر طعام محبت کے تحفے اس کے سامنے آتے ہیں اور ان کا نور طبائع مظلمہ کے اجسام کو روشن کرتا ہے اور تائید کے طور پر توجہ کے قلم لوح تمجید پر جاری ہوتی ہے پس کوئی ان میں سے نیک بخت ہے اور کوئی بدبخت ہے جب یہ باطنی سلطنت تم کو حاصل ہوگی تو موت کی طرف تم کچھ التفات نہ کرو گے کیونکہ موت دوستوں کے جمع کرنے والی اور متنافر طبیعتوں کی متفرق کرنے والی ہے۔

جب مقام تخلیہ میں وصال کے پیالے تمہارے سامنے آوینگے اور صبح کی ٹھنڈی ہوا تم پر چلے گی منادی تقدیم ندا کریگا کہ اسی میں کوشش کرنیوالوں کو چاہیے کہ کوشش کریں اور اس وقت تمہاری روح خوب روشن ہو جائیگی معلوم ہو کہ خداوند تعالٰے نے حیوان کو پیدا کر کے اس کی تین قسمیں کی ہیں ایک قسم عقل مجرد ہیں بغیر شہوت کے یعنے فرشتہ اور ایک قسم شہوت مجرد ہیں بغیر عقل کے یعنے بہائم اور ایک قسم شہوت اور عقل سے مرکب ہیں یعنے انسان۔ پس جس انسان کی عقل شہوت پر غالب ہوئی وہ ملائکہ سے مل جاتا ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب ہوتی ہے وہ بہائم سے مل جاتا ہے خدا تعالے فرماتا ہے فاستقم کما امرت یعنے جیسا کہ تم کو حکم کیا گیا ہے اُس کے موافق قائم ہو۔

اب ہم طہارت ظاہری کا بیان کرتے ہیں برتن میں پانی لے کر وضو سے پہلے تین بار ہاتھ دھو ڈالو اور قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرو اور یہ خیال رکھو کہ تمہارے کپڑوں پر چھینٹیں نہ پڑیں اور پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر مسواک شروع کرو اور وضو کی نیت بھی کرو۔ وضو کے اندر فرض چھ یا تین ہیں ایک تو وضو کا فرض رکن یعنی منہ دھونے سے پہلے نیت کر لینا پھر منہ دھونا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھونے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کرنا پھر دونوں پیروں دھونا مع ٹخنوں کے اور ترتیب اور موالاۃ بھی دو قولوں میں سے صحیح قول کے موافق فرض ہے اور حیض اور جنابت کے غسل میں وضو کر کے تین تین بار تمام اعضاء کو دھونا چاہیے اور جنابت یا حیض کے غسل کی نیت جدا گانہ کرنے وضو کے توڑنے والی یہ باتیں ہیں لیٹ کر آرام سے سو جانا یا عقل کا کسی سبب سے دور ہونا یا مرد عورت کو بغیر حائل کے ہاتھ لگائے اس سے ہاتھ لگانے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے عورت کا نہیں ٹوٹتا اور فرج کو ہاتھ لگانے استنجے کو جب جائے تو قبلہ اور چاند اور سورج کی طرف منہ یا پشت نہ کرے مگر جب کہ درمیان میں حائل ہو اور داخل ہونے کے وقت بایاں پیر اندر رکھے اور نکلنے کے وقت دایاں پیر باہر نکالے اور اسم الٰہی لکھے ہوئے کوئی چیز پاس ہو تو اس کو باہر رکھا جائے استنجا ہر ایک پاک چیز کے ساتھ جائز ہے مگر جس میں بزرگی ہے جیسے کھانے کی چیز وغیرہ اور ہڈی یا شیشہ یا ایسی چیز سے جو نحل کو تکلیف پہونچانے والی ہو استنجا کرنا جائز نہیں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے ہڈی کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائی جناتوں کا کھانا ہے اور خداوند تعالیٰ ہڈی پر گوشت پیدا کرتا ہے جس کو وہ کھا لیتے ہیں اور افضل یہ ہے کہ ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرے اور یہی اہل فنا کی طہارت ہے پاخانہ میں جانے کے وقت یہ کہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ وَمِنَ الشَّيْطَانِ الرِّجْسِ النَّجِسِ[1] اور جب پاخانہ سے باہر آئے یہ کہے غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْرَجَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِیْ[2] ——— بند پانی میں پیشاب نہ کرنا چاہیے اور نہ زمین کے سوراخ میں نہ

[1] اے اللہ میں تیرے ساتھ کل خبیث باتوں سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان نجس و ناپاک ہے۔
[2] شکر ہے اس خدا کا جس نے اذیت کو میرے اندر سے نکالا اور مجھ کو عافیت دی۔

راستہ کے درمیان میں نہ پھلدار درخت کے سایہ میں یا ایسے درخت کے نیچے جس کے سایہ میں لوگ آرام پاتے ہوں اور بیماری یا سخت سردی کے عذر سے تیمم کرنا جائز ہے مٹی یا غبار جو کچھ ہاتھ میں لگ جائے اور جنابت سے بھی خوفناک عذر کے وقت تیمم کے واسطے دو ضربیں لگائے ایک منہ پر ملے اور ایک دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اور علماء کہتے ہیں کہ جو چیز زمین سے نکلے مثلاً پتھر وغیرہ اس کے ساتھ بھی تیمم جائز ہے مگر تیمم نماز کے وقت داخل ہونے کے بعد کرے اور انگوٹھی اتارے تیمم کرنے والے کو وضو کرنے والوں کی امامت کرنی جائز ہے اور صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے زخم کے پٹیوں پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ پاک ہوں۔

سترھواں مقالہ

کم سے کم حیض کی مدت ایک شبانہ روز ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں پھر ان کے بعد جو خون آئے وہ استحاضہ ہے اور کم سے کم مدت طہر یعنی باقی کے جو حیضوں کے درمیان میں ہوتی ہے پندرہ دن ہیں حیض والی روزہ اور نماز کو چھوڑ دے پھر روزوں کی قضا رکھے اور نماز کی قضا نہ کرے معلوم ہو کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے پھر سرخی اور زردی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب موقوف ہونے کو ہوتا ہے تب سفیدی ظاہر ہوتی ہے حیض یا نفاس والی پہلے نماز کے وضو کی طرح سے وضو کرے پھر تین بار تمام اعضا کو دھوئے اور حیض یا نفاس کے غسل کی نیت کرے۔ نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز اور کم سے کم ایک ہی بار خون کا آنا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرزند پیدا ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دیتی تھیں اور اسی سبب سے بتول آپ کا نام ہوا ہے کیونکہ نفاس کا خون اور دنیا کی محبت آپ سے منقطع ہو گئے تھے۔

معلوم ہو کہ نجاست کی یہ چیزیں ہیں خون بہت کچھ لہو خنزیر کا گوشت اور اس کی چربی اور کتے کے منہ کا لعاب اور وہ کتا جس کا جسم تر ہو اور چوہا اور شراب اور پیشاب اور پاخانہ اور جو پاک چیز کہ سڑ کر بدبودار ہو گئی ہو اور مردار سب چیزیں ناپاک ہیں احکام طہارت

کا یہ مختصر بیان بطور اشارات کے ہے اور اگر تم کو مفصل دیکھنا ہو تو بڑی بڑی کتابیں دیکھو جیسے
ہماری کتاب بسیط اور وسیط اور وجیز ہیں اور اگر علم خلاف حاصل کرنا ہو تو ہماری کتاب تحصین
اور کتاب الاشراف فی مسائل الخلاف دیکھو اور اگر انتہا کی واقفیت چاہو تو ہمارے امام اور
ابو المعالی الجوینی الحرمین کی کتاب نہایت المطلب فی الخلاف والمذہب دیکھو اور اگر علم اصول
دین کی کتابیں چاہو تو ہمارے استاد کی کتاب ارشاد اور محیط اور مفید کو ملاحظہ کرو اور ہماری
کتاب الاقتصاد فی علم الاعتقاد کو دیکھو اور اگر اصول فقہ کا ارادہ ہو تو کتاب منخول فی علم الاصول
اور کتاب المنتحل فی علم الجدل اور کتاب تبصرہ ابو اسحاق اور حل افعال الانفعال اور شفا العین کو دیکھو اور اگر فلاسفہ کی کتابیں چاہو
تو کتابیں چاہو تو کتاب شفا ابو الی بن سینا اور کتاب اشارئیں اور کتاب النجات اور کتاب اشارات اور تنبیہات اور ہماری کتاب
تہافتہ الفلاسفہ اور مقاصد کو دیکھو اور تفاسیر میں تفسیر حضرت علیؓ اور تفسیر ابن عباس اور
تفسیر سدی اور تفسیر کلبی اور ثعلبی اور رمانی اور تفسیر خلف الخراسانی اور علی الواحدی کی بسیط
اور وسیط اور وجیز وغیرہ کو دیکھو۔ اور معلوم ہو کہ تصانیف بہت کثرت سے ہیں مگر
سب میں بہتر وہ ہے، جو آخرت کا راستہ دکھائے جیسے قوت القلوب شیخ ابو طالب مکی کی
اور ہماری کتاب احیاء علوم الدین وغیرہ۔ ان سب کتابوں کو دیکھ کر ان علوم میں قوت حاصل
کرو اور ہماری اس کتاب کو خوب یاد کر لو تاکہ لوگوں سے ہر قسم کی گفتگو کر سکو اور قصص
وحکایات کی کتابیں دیکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے دامعانی کی کتاب مجرو الحکایات اور
حلیتہ الاولیا قاضی ابو نعیم کی ہے اور طبقات مشائخ کی کتابیں بھی ملاحظہ کرو کیونکہ چھوٹے سے
نالہ ندیاں مل کر بڑا دریا بنجاتے ہیں۔ جو علم کہ معنے معلوم کرنے کے واسطے حاصل کیا جاتا ہے
جیسے علم الغیب اس سے اسماء مشتقہ اور اصطلاحات کا جاننا مراد ہوتا ہے اور نحو سے اعراب
کی حالت یعنی زبر زیر پیش اور سکون کا معلوم کرنا مراد ہے، مثلاً اِنَّ وغیرہ اسماء کے نصب کرنے
والے حروف اور کانَ وغیرہ اسماء کے رفع کرنیوالے حروف اور حروف ظرف اور حروف جارہ اور
اسماء مدح و ذم مثل حَبَّذَا وَنِعْمَ وَبِئْسَ وَسَآءَ اور حروف شرط اور اِنَّ ثقیلہ اور اِن خفیفہ
وغیرہ کے عمل معلوم کرنے۔ الفاظ شرط میں سب سے زیادہ عام کُلَّمَا کا لفظ ہے اور ابن شریح
کے نزدیک دور کے مسئلہ کی بنا اسی پر ہے، پس جب اس مسئلہ کی دلیل نحوی اور اس کا معنی

انطباق ما صول پر ظاہر ہو گیا تو کوئی نقص اس میں باقی نہ رہا اور بہت قوت اسکو حاصل ہو گئی اور مسئلہ کی صحت میں قرآن کا مضمون روشن ہوا لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ اس دلیل کی قوت نے مجھکو اس بات پر آمادہ کیا کہ مسائل دور کے اندر میں پورا غور کروں علم فقہ سے مراد ان آداب اور احکام کا معلوم کرنا ہے جو دوزخ سے نجات دینے والے اور جنت میں پہنچانیوالے ہیں اور علم منطق گویا عقل کی نحو ہے یعنے معانی کو اس کے ساتھ اس طرح قید کیا جاتا ہے جیسے علم نحو کے ساتھ الفاظ کو قید کیا جاتا ہے اور خطائیات اور ظنیات اور اوزان معانی قطعیہ کی پہچان ہوتی ہے مثلاً شک اور ظن اور یقین میں فرق کو معلوم کرنا - اَوزانِ لفظیہ میں سے الفاظ قرآنی کا جو وزن ہے وہ نہ شعر کے مشابہ ہے نہ خطبے کے نہ فصول کے عقلا اس معجزہ میں حیران ہو گئے اور فصحا کو اس کی آیات نے گونگا کر دیا اور متکلمین کی زبان درازی اس کی فصاحت نے قطع کر دی پس یہ معجزہ ہمیشہ رہنے والا ہے جس نے بولنے والوں کا بولنا بند کر دیا - وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ اور علم طب کی بنا علت اور معلول اور دوا پر ہے۔

اب ہم ایک ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں جس کے جواب سے اطبا عاجز ہیں ہم کہتے ہیں جب یہ بات ثابت ہے کہ حرارت غالبہ اور برودت غالبہ دونوں قاتل ہیں پس جب دوا ہی مریض ہوئی تو پھر شفا کہاں ہے اگر حکیم نے کہا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے تو پھر یہ کہا جاتا ہے کہ دوا کی کیا ضرورت رہی اور اگر حکیم نے کہا کہ دوا کے اتحاد اجزا اور کے ساتھ علاج کرتے ہیں۔ جس سے اعتدال پیدا ہوتا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مثلاً گرم دوا مرض کے واسطے مفید ہے۔ تو پھر سرد دوا نقصان کریگی پس شفا جو مطلوب ہے کیونکر حاصل ہو گی اور اگر شفا کو تعدیل کے ساتھ رکھا جائے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ تعدیل سے اجزاء کا وزن مراد ہے یا تعدیل کے ساتھ

---

[۱] اور بیشک البتہ یہ کتاب عزیز ہے نہ اس میں باطل اس کے آگے سے آتا ہے نہ اس کے پیچھے سے نازل ہے یہ حکمتوں والے حمد والے کے پاس سے ۱۲۔

[۲] نہ نکالو تم ان عورتوں کو ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں مگر اس صورت میں کہ علانیہ کوئی فحش حرکت کریں

کوئی اور خاصیت اس کے اندر آجاتی ہے پھر اے حکیم بہ مزاج جو ایک چراغ مجسمہ ہے بطریق کمال کے جب اس کو اسکا روشن کرنیوالا گل کر دیتا ہے تب اُس کا نور کہاں چلا جاتا ہے۔ اور پھر اُس قول کے کیا معنے ہیں کہ پنیر کا کھانا بیماری ہے اور اخروٹ کے ساتھ اس کو کھانا دوا ہے حالانکہ یہ دونوں گرم خشک ہیں اور ہر ایک ان میں سے فی نفسہ نقصان دہ ہے پھر دوا کا وجود کہاں رہا معلوم ہو کہ نجومی کہتے ہیں جب دو ستارے منحوس ایک برج میں جمع ہوتے ہیں ضرور کوئی منقعب ظلہ ہوتی ہے ایسی ہی پنیر جب اخروٹ کے ساتھ جمع ہوا تو یہ دو غلطین شک ہو گیئں اور ایک بخار لطیف ان سے ظاہر ہوا جس میں بہت سی اچھی تاثیریں ہیں اب تم نے سمجھ لیا کہ علموں کے حاصل کرنے سے کیا کیا فوائد ہیں اور معلوم ہو کہ سب علموں سے افضل علم وہ ہے جو تمہارے ساتھ تمہاری قبر میں جائے اور وہ علم توحید اور معرفت الہی کا ہے اس کو عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ معلوم کرو اور یہ جان لو کہ کشف حاصل نہیں ہو سکتا ہے مگر علم پر عمل کرنے سے اور جب کشف حاصل ہو جاتا ہے اس وقت مراقبوں کے چشموں سے محبت کی حلاوت ظاہر ہوتی ہے۔

جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ علم بالکل حماقت ہے اور ایسا عالم مغز کو چھوڑ چھلکے کے ساتھ راضی ہو گیا ہے ایسے لوگ بہت برے علما ہیں ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس تلوار ہے مگر وہ لڑائی کا فن نہیں جانتا ہے ایسے شخص کو چاہیئے کہ تلوار سے چاندی سونا اتار کر اس کا زیور بنا کر عورتوں کی طرح سے پہن لے کیا تم نے ایک طویل حدیث میں جو ابو ذر ... رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نہیں سنا کہ فرمایا ہے بے شک خداوند تعالےٰ برے علماء کو قبیح صورتوں میں مسخ کر دیگا اور ریشمی کپڑے جو وہ پہنتے ہیں وہ ان کی گردنوں میں سانپ بن جائیں گے یہ وہ علما ہیں جنہوں نے علم نظر پر قناعت کر لی ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنی شہرت چاہتے ہیں ان لوگوں کے واسطے بہت بڑی خرابی ہے۔ دنیا اور آخرت میں ان کے واسطے کوئی عذر نہیں ہے۔ اور بہت سی حدیثیں ان ناپاک علماء کی شان میں وارد ہیں حضرت ابو سعید خدری صحابی رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے پاس سے گذرے جن کے اندر بحث ہو رہی تھی حضرت ابو سعید نے فرمایا یہ کیا بدعت ہے اور

کیا شامت اور نفاق کا فعل ہے پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مجادلہ سیکھیں گے اور رشوت کھاویں گے اور لوگوں کے سامنے شیخی اور تکبر کریں گے اور باریک کپڑے پہنینگے اور میدہ کی روٹی کھائیں گے اور بادشاہوں کی صحبت پسند کریں گے اور یہ سمجھینگے کہ ہم علماء ہیں اور ان کا فتوےٰ لیا جاۓ بگا افسوس ہے اس امت پر جس کے علماء ایسے ہوں۔
حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں توبہ کرنی چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کس گناہ سے اُس نے کہا زنا اور شراب سے آپ نے فرمایا جھوٹ اور مناظرہ سے پہلے توبہ کرے تاکہ تیرے اندر خلوص آجائے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ مناظرہ کرنیوالا اپنے ہاتھ پر حق کو ظاہر کرنا چاہتا ہے یا اپنے بھائی مقابل کے ہاتھ پر اگر وہ اپنے بھائی کے ہاتھ پر چاہتا ہے تب وہ سلف صالحین کے ساتھ پہلی صف میں جنتوں کے اندر خدا کے پاس رہے گا اور اگر اس مناظرہ کرنے والے نے غلبہ اور قہر اور جھگڑے کا ارادہ کیا ہے تب یہ دوزخی ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

کتاب الصلوٰۃ

اس کے اندر دو مقالہ ہیں ایک مقابلہ احکام ظاہرہ میں اور دوسرا احکام باطنہ میں۔

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور ان کی کل سترہ رکعتیں ہیں اور کل سنتوں کی گیارہ رکعتیں ہیں اور نماز کے واسطے یہ احکام ظاہری ہیں جیسے پاک پانی سے وضو کرنا کپڑے اور بدن کا پاک ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اور سورہ فاتحہ پڑھنی اور رکوع و سجود اطمینان کے ساتھ کرنا اور دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا اور رکوع میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهٖ کہے اور سجدہ میں تین بار کہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ اور تین بار کہنا ادنیٰ درجہ ہے اور نماز کے وقتوں کا بیان یہ ہے کہ صبح کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج کے

ؔ اور عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کونسا پہلو بدلتے ہیں۔!

ڈھلنے سے عصر کے وقت تک ہے اور عصر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ سے علاوہ سایہ اصلی کے اس برابر ہو جاتے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت سرخ شفق کے غائب ہونے سے طلوع فجر تک ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور مزنی کے نزدیک سفید شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور یہ وقت نیک لوگوں کی نماز کا ہے نماز کے واسطے اذان کہنا شرط علی الکفایہ ہے فرض نہیں ہے اب نماز کے آداب بھی تم کو معلوم کرنے چاہئیں کم سے کم خدا سے اتنا تو خوف رکھو جیسا کہ اپنے بادشاہ سے ڈرتے ہو خدا تعالےٰ فرماتا ہے اے آدمی تو مجھکو اپنی طرف او نا ظر کرنے والا نہ سمجھ اور فرماتا ہے اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَہٗ اَحَدٌ یعنے کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُس کو کسی نے نہیں دیکھا اور احکام الٰہی کی تم کو ان کے وقت میں پابندی کرنی چاہیے مگر جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور فجر کی نماز بھی روشن وقت میں پڑھو اور عصر کی نماز میں بھی دیر کرو اور نوافل کی پابندی بھی بجا لاؤ جیسے نماز اشراق و چاشت و نماز ۔ میں اور عشاء کے بعد کے نفل اور نماز تہجد اور جمعہ کی دس سنیتیں ۔ اور جمعہ کے آداب یہ ہیں کہ غسل کر کے پہلے پہونچنے کی کوشش کرے اور سورہ کہف پڑھے اور کثرت کے ساتھ حضور پر درود بھیجے اور زوال سے پہلے ورود سبعینہ پڑھے جو ہماری کتاب احیا العلوم میں مرقوم ہے اور بارہ رکعتیں نماز حاجت کی پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے آیۃ الکرسی ایک بار اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تین بار پڑھے نماز سے فارغ ہو کر سجدہ میں یہ دعا پڑھے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ لَیْسَ الْعِسْھَایُ لَہٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا یَنْبَغِیْ التَّسْبِیْحُ اِلَّا لَہٗ سُبْحَانَ ذِی الْعِزِّ وَالْکَرَمِ سُبْحَانَ ذِی الطَّوْلِ وَالرَّحْمَۃِ اَسْاَلُکَ اَللّٰھُمَّ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِکَ وَمُنْتَھَی الرَّحْمَۃِ مِنْ کِتَابِکَ وَبِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَجَدِّکَ الْاَعْلٰی وَبِکَلِمَاتِکَ التَّامَّاتِ کُلِّھَا الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

پھر اس کے بعد اپنی حاجت مانگو۔

نجس اور غصب کی ہوئی زمین میں نماز نہ پڑھنی چاہئے نہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ کے ساتھ نہایت عاجزی اور ذلت کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہو اور جب لوگ جمع ہوں

تو یہ سمجھو کہ قیامت کے میدان میں جمع ہیں
اور مؤذن کی اذان کو صور کی آواز تصور کرو پھر امام کے خطبہ پڑھنے کو حق تعالیٰ کی تجلی
خیال کرو کہ نہایت عظمت اور جلال و ہیبت کے ساتھ موجود ہے اور جب لوگ نماز میں کھڑے
ہوں تو اس کو خدا کے آگے حاضر ہونا سمجھو پھر مسجد سے باہر جانے کے وقت یہ خیال کرو کہ حساب
وکتاب کے بعد کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جا رہے ہیں۔

وضو کے اندر حکمت یہ ہے کہ ایک تو اعضا پاک ہوتے ہیں دوسرے ان کو تنبیہ ہوتی
ہے انسان بھی مثل درختوں کے ایک درخت ہے اس کی خدمت بھی اس طرح کرنی چاہیئے
جیسا کہ درخت کی خدمت کی جاتی ہے یعنے جمعہ کے روز ناخن کترنے اور زیر ناف کے بال لے
یہ درخت کو چھانٹنا ہے اور وضو و غسل کرے یہ درخت کو پانی دینا ہے اور اس باغ میں دنیاوی
گھاس پھوس کو نکال کر علوم کے پھل پھول لگائے اور خدمت کی نہروں سے پانی دے اور افعال
قبیحہ سے باز رہے تاکہ فضل کا پانی عقل کی نہروں میں جاری ہو اور بلبل توحید و معرفت بر شاخ
درخت پر نغمہ سنجی کرے یقین کے انوار و برکات نازل ہوں اور صدق کی نسیم باغ معرفت
کی خوشبو لائے اور ازل کا منادی مریدوں کے دلوں میں آواز دے اور ایسے باغ کی سیر کرو
جہاں زیتون کا وہ مبارک درخت ہے جو شرقی ہے نہ غربی ہے روغن اس کا قریب ہے کہ
بغیر آگ کے لگے روشن ہو جائے اور یہی مطلب اس حدیث قدسی ہے کہ خدا فرماتا ہے میرا
مومن بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسکو دوست
رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس
سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس وہ میرے ہی
ساتھ سنتا ہے اور میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے اور کم سے کم چیز جو میں اس کو عنایت کرتا
ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے اور اس کے درمیان میں ایک روزن کر دیتا ہوں جس میں سے
وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور مجھ کو بغیر مثال کے دیکھتا ہے اور میں اس کو ایک ایسا نور دیتا ہوں
جس کے ساتھ وہ حقائق معلومات میں تفریق کرتا ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مقرب لوگوں کے دل میں نماز میں خطیرہ قدس کی طرف

رجوع کرتے ہیں اور جلال ربوبیت کا دیمومیت سے مشاہدہ کرتے ہیں اور آسمانی دل کے صاف ہونے سے معرفت کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے آخرت کے حالات منکشف ہوتے ہیں میزان عقل اور صراط الیقین سب ظاہر ہو جاتے ہیں یہی اس آیت کے معنے ہیں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنے سجدہ کرو اور اس میں خدا کی قربت چاہو حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں جب عارف سجدہ کرتا ہے حجاب اٹھ جاتا ہے اور قلوب طاہرہ سدرۃ المنتہی کیطرف ترقی کرتے ہیں اور انوار قدس ان پر متجلی ہو جاتے ہیں۔ حرم حق کی جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جو کچھ یہ چاہتا ہے اسکو دیا جاتا ہے۔ جب نماز میں دل وسوسوں سے صاف ہوتے ہیں اس وقت افلاک و املاک کا مشاہدہ انکو نصیب ہوتا ہے اور ایک اور مثال تمہارے سمجھانے کے واسطے بیان کرتا ہوں سنو دل ایک میدان ہے اور اس کے اندر ایک درخت ہے جس پر پرندے بسیرا لیتے ہیں اور تم اس درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے ہو پرندے تم پر بیٹ کرتے ہیں اور اڑانے سے نہیں اڑتے ہیں اب اگر تم آسائش سے نماز پڑھنی چاہتے ہو تو اس درخت کو کٹوا ڈالو ایسے ہی تم نے اپنے دل میں حب دنیا کا درخت لگایا ہے اور تمہارے دنیاوی تفکرات کے پرندے اس پر بیٹھے ہیں اگر تم اس درخت کو کاٹ ڈالوگے تو دل تمہارا صاف ہوگا اور زندگی تمہاری بڑھ جائیگی اور جلال الہی کی تم پر تجلی ہوگی جیسا کہ حضرت جنید نے فرمایا ہے

تَرَکْتُ ھَمَّ الدُّنْیَا فَصَفٰی عَیْشِیْ وَتَرَکْتُ ھَمَّ الْاٰخِرَۃِ فَصَفٰی قَلْبِیْ

دنیا کا فکر میں نے چھوڑ دیا لہذا میری زندگانی صاف و پاک ہوگئی اور آخرت کا فکر جو میں نے چھوڑ دیا تو میرا دل خراب ہو گیا۔

نماز میں لازبہ ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جیسے خادم کا اپنے مخدوم سے مقرب ہونیکا وقت ہوتا ہے اور جب مخدوم اپنے خادم کو عجز و انکساری کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس پر مہربان ہو جاتا ہے۔

بعض اہل نجوم بیان کرتے ہیں کہ پانچوں نمازیں پانچ ستاروں سے متعلق ہیں اور چھٹے ستارہ سے سنتیں اور ساتویں سے وتر متعلق ہیں۔ نماز ہی سے غرض حاصل ہوتی ہے اور اسی کے متعلق خداتعالے نے فرمایا ہے۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

اور یہی معنے سقراط کے اس قول کے ہیں کہ آوازوں کے نغمے عبادت کی صورتوں سے پیدا ہوئے ہیں اور ان سے وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جو گردش کرنے والے افلاک میں پوشیدہ ہیں۔ اس لئے کہ خواص ادعیہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ[1]۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کا مزامیر کے ساتھ شوق و ذوق حاصل ہونا مشہور ہے۔ جب ان کو کوئی حاجت درپیش ہوتی تھی تمام زاہدوں کو مسجد میں کھڑا کر کے ہر زاہد کے پاس ایک باجا بجانیوالا مقرر کرتے تھے تاکہ باجے کی آواز سے زاہد یکسو ہو کر حضرت داؤدؑ کی حاجت کیواسطے دعا کرے چنانچہ اس ترکیب سے دعا بہت جلد قبول ہوتی تھی۔

اور اسی طرح یکسوئی کے ہونے سے استسقاء اور سحر میں اثر ہوتا ہے۔ معلوم ہو کہ اوزان قلبیہ بغیر طہارت محل کے پاک نہیں ہوتے ہیں پھر جب دل سے حجاب دور ہو جاتا ہے معارف اُس کے اندر حاصل ہوتے ہیں اور حق کا راستہ ظاہر ہوتا ہے معرفت الٰہی کے باغ کا دروازہ کھل جاتا ہے جب دنیا کی ناپاکی دور ہوتی ہے۔

جب تم یہ طریقہ اختیار کرو تو اپنی کل حاجات اپنے مولا سے طلب کرو اور معرفت کی خوشبوئیں لگا کر ندامت کے کپڑے پہنو اور اپنا رخسارہ تواضع کی خاک پر رکھ دو اور جان لو کہ ہر چیز کا وزن ہوتا ہے شعر کا وزن عروض سے معلوم ہوتا ہے اور ضمیر کا نظر سے اور ماکول و مشروب کا ترازو اور سونے و جواہرات کا کانٹے سے اور صوفیہ دن کی اوقات کا وزن کرتے ہیں اور خطبوں کا وزن تعدیل کلام سے معلوم ہوتا ہے اور قیامت کا وزن قصاص افعال سے ایک پلہ میں تمہارے ظلم کی ظلمت ہوگی اور ایک پلہ میں تمہارے پاک اعمال کا نور ہوگا اب تم کو اختیار ہے کہ اپنے حال کو معلوم کرو اور ہدایت پر قائم ہو حضرت ابراہیمؑ کو دیکھو کہ جب ان کو حیران نظر سے ظاہر ہوا تو بطریق تشکیک کے کہنے لگے ھٰذَا رَبِّیْ یعنے کیا یہ ہے میرا رب پھر جب ترازو کے دونوں پلوں میں قائم ہوئے تو فرمایا وَجَّھْتُ وَجْھِیَ۔ یعنے میں نے اپنا منہ خدا کی طرف کر لیا۔

[1] اسی کی طرف پاک کلمے جاتے ہیں اور عمل صالح کو۔ کر لیتا ہے ۱۲۔

اٹھارہواں مقالہ

خواص کے بیان اور تحقیق میں

معلوم ہو کہ خواص غیر محصورہ ہیں اور ان کے اندر تاویل نہیں ہے لہذا وہ بندوا تنہا اخذ کئے جاتے ہیں مثلاً ایلوا اور سقمونیا مسہل ہیں اور ہم یہ سوال نہیں کرسکتے ہیں کہ یہ کیوں مسہل ہیں اور قبض کرنے والی چیزیں کیوں قبض کرتی ہیں پھر ہم طبیب شرع سے کیونکہ دریافت کرسکتے ہیں کہ یہ چیز حلال کیوں ہے اور یہ حرام کیوں ہے اور ہم کیسے خواص قرآن سے شفا حاصل ہونے میں شک کرسکتے ہیں اور میں بھی ہر سورہ اور آیت کے مختلف خواص ہیں مثلاً سورہ واقعہ حصول غنا اور مال کے واسطے ہے اور غم دور کرنے کے واسطے سورہ دخان ہے اور بلا کے دور کرنے اور اس سے محفوظ رہنے کے واسطے سورہ کہف ہے اور اس سورہ کے اندر جو یہ آیت ہے۔ فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا اس آیت کو بغیر سورہ کے پڑھنا نہ چاہیئے جیسا کہ تم کہتے ہو کہ مفرد دوا استعمال کرنی نہ چاہیے مسئلہ نجومی کے عاجز کرنے کے واسطے کیوں حکیم صاحب آپ کیا فرماتے ہیں کہ ستارہ جوزہن پر پیدا ہونے والے آدمی پر تصرف کرتا ہے کہ تصرف اس کا بجنسہ ہے یا بالطبعہ ہے یا بخاصیت ہے اگر تم یہ کہو کہ بالطبعہ ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ طبائع مختلفہ ہیں پھر اگر تم یہ کہو کہ بجنسہ ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ سماوی ہے اور یہ ارضی ہے اور اگر تم یہ کہو کہ بالخاصیت ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خاصیت عرض ہے اس کے واسطے بقا نہیں ہے اور اگر ہم بالفرض بالخاصیت کو تسلیم بھی کرلیں تب تم یہ بتاؤ کہ خاصیت نفس ستارہ میں ہے یا نفس شخص میں ہے اسکو تمہارے تئیں ظاہر کرنا اور اس پر دلیل و حجت قائم کرنا لازم ہے۔

سحر عمل اور کلام دونوں سے مرکب ہے جسکو اوقات معلومہ اور طوالع معینہ میں طلسمات کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب تم یہ چاہو کہ اپنے مطلب کے واسطے کوئی طلسم تیار کرو تو ہر تین حرفوں میں سے ایک حرف لینا شروع کرو پس جب محبت کے واسطے نو حرفوں میں سے تین حرف جمع کرلو تو یہ طلسم ہر ایک کام کے واسطے مفید ہے اور محبت کی ساعت کو اس طرلاب یا ساعت نامہ سے معلوم کرو کیونکہ یہ ساعت اس کام کے واسطے بہتر ہے مثال اس کی ا ب ت ث جیم کو لے لو اور جیم کے بدلے ثا کا لینا بہتر ہے ج ح خ صاد کو لو ص ط ظ عین کو لو پس تدویر حروف کے حساب سے

عقرب ہو اور اسکے طلسم کی یہ ترکیب ہے کہ جب قمر عقرب میں ہو تو ایک انگوٹھی پر اسکی صورت بناؤ اور ہاتھ میں پہن لو اس کی خاصیت یہ ہے کہ عورتوں کی جانب سے کوئی مضرت تمکو نہ پہنچے گی اور اگر پانی میں دھو کر بھیڑ کے کاٹے ہوئے کو پلاؤ گے تو اس کو آرام ہوگا اور اگر یہ پانی دشمن کی چھت پر یا اُس کے گھر میں چھڑک دوگے تو اسی سال میں اُس کا گھر تباہ ہوگا جب قمر برج اسد میں ہو تو انگوٹھی پر سیاہی سے شیر کی صورت اور یہ کلمہ نقش کرو لَتَنْبُؤٌا مَا نُعِيْتُ پھر بادشاہ کے پاس جاؤ بادشاہ تمہارا مسخر ہوگا بادشاہوں کو تابعدار کرنے کے کلمات یہ ہیں۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ذَلَّ الْجَرُّ لِبَنِيْ اِسْرَائِيْلَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ وَلَا يَعْقِلُوْنَ وَلَا يَسْمَعُوْنَ وہ کلمات جن کے کہنے سے وہ شخص امن میں رہتا ہے جو بادشاہ سے خوف رکھتا ہو جس وقت اس کے سامنے جائے یہ کہتا رہے۔ يَا قَدِيْمَ الْاِحْسَانِ بِلُطْفِكَ الْقَدِيْمِ وہ کلمات جن کے پڑھنے سے بادشاہ کی زبان بری بات کہنے سے بند ہو جاتی ہے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ وَلَا يَعْقِلُوْنَ وہ کلمات جن کے پڑھنے سے مفسدوں کی جماعت متفرق ہو جاتی ہے چند جو کے دانے لیکر چار بار یہ کلمات پڑھکر دم کرے اور ان کے مکان میں ڈالدے ھا طاش ناطاس ھطاشر وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کیا کرتا ہے۔

دو شخصوں کے درمیان عداوت ڈالنے کے واسطے ایک انڈے پر یہ کلمات لکھکر بھون کر کھلا دو مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ وَجَعَلَ بَيْنَهُمْ قَطْعًا بُغْضًا دیگر۔ ایک انڈے پر سات حرف صاد لکھکر ایک کپڑا لپیٹ کر سی دیں اور کوئلوں پر رکھیں انڈا بریان ہوگا اور کپڑا نہ جلے گا وہ انڈا بخار والے کو کھلائیں اس قسم کی بہت سی ترکیبیں ہیں جنکو ہمنے کتاب عین الحیات میں بیان کیا ہے یہ کتاب اگرچہ چھوٹے حجم کی ہے مگر فوائد اس میں بہت ہیں اور اس کے ایک مقالہ میں اجساد اور ارواح کے جمع ہونے کا سبب بھی بیان کیا ہے اور یہی طریقہ اکسیر کا ہے۔

معلوم ہو کہ علم صناعت الٰہیہ یعنے علم کیمیا اگر پہلے تھا تو اب بھی ہو سکتا ہے اور سب لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ علم پہلے تھا لہذا اب بھی ہو سکتا ہے اور منقول کے دلائل بھی اس کے جواز پر ثابت ہیں منقولی دلائل یہ ہیں۔ وَمِمَّا تُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ

حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ اور فرماتا ہے إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ....
اور معقود پر صابون کامل دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ اضداد کے درمیان میں جامع ہے یعنے دہنی اور مائی اور ناری طبیعتوں کو روکتا ہے پس یہ منجمد ہو گیا تو اس کی تمیمہ نے کیمیا کی تجمید پر دلالت کی ہے اور اگر یہ صفات نہ ہوتی تو اس کثرت سے سونا دستیاب نہ ہوتا کیونکہ اس کی کانیں بہت کم اور دور ہیں اور یہ صنعت بھی مثل اور صنعتوں کے ہے بہت لوگ اس کے حاصل کرنے کے پیچھے گمراہ ہو گئے ہیں اور تمام مال اپنا برباد کر دیا ہے، مگر یہ صنعت انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو نباتات اور حیوانات کے خواص سے خوب واقف ہیں مگر اے موسے تمہارے واسطے ایک خضر کی صورت ہے جو کشتی کے توڑنے اور لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار کو سیدھا کرنے کا مطلب سمجھائے جس کے نیچے خزانہ تھا جب تم نے اس صنعت کی کشتی کو توڑا رفیق کو جو بھاگنے والا غلام ہے حل کر پانی بنا دیا پھر اس میں تصعید زرنیخ کی جو ہوا ہے اضافہ کی تو بس اس کا توام درست ہو گیا اور تم اس اکسیر کے مالک ہو گئے یہ چاندی بنانے کی ترکیب ہوئی مگر اس اکسیر کو تانبے پر ڈالکر کشتہ کرو پھر ہموزن تانبے کے ساتھ خوب گلاؤ چاندی تیار ہو گی۔

معلوم ہو کہ زرنیخ ایک مرکب نام ہے زر سونے کو عجمی زبان میں کہتے ہیں اور نیخ سے یہ مراد ہے کہ تونگری حاصل کرنے کے واسطے اپنے استاد کے دروازہ پر حاضر ہو اور اپنی عقل کے ذوالقرنین کے ساتھ مغرب شمس ... کے پاس جو چشمہ حیوان کے پاس ہے جا پہونچو چشمہ حیوان سے بیضہ مرغ مراد ہے سفیدی اس کی سفید کام کے واسطے اور زردی زرد کام کے واسطے ہے پھر مطلع شمس حرارت زیبق کی سیر کرو اور اس کو قبضہ میں لاؤ اور پھر جب تم دونوں سیدوں کے درمیان میں پہونچو تو نرم آتش اس کے نیچے جلاؤ پس اگر یہ اکسیر تمسے صحیح ہو جائے تو بہت بہتر ہے ورنہ ابرک حل کرو یہ اکسیر بہت عمدہ اور نایاب ہے اور موجود ہے اور اس کا پورا عمل ہم نے کتاب علیق الحیات میں لکھا ہے اس میں دیکھ لو۔

معلوم ہو کہ یہ صناعت ربانی ہے اور وہی لوگ اس پر مطلع ہوتے ہیں جن کے دلوں سے خدا نے شک کو دور کر دیا ہے اور ابدالوں کے مقام میں پہنچ گئے ہیں اور کام اسی شخص سے ہوتا ہے جو اس کے ذریعہ سے اثرت کے کام کرنے چاہتا ہے یا فرض کا ادا کرنا یا کسی

بہ رعایت اس ... [illegible]

اس کام سے پہلے چالیس کام سیکھنے چاہئیں تاکہ یہ کام درست ہو مثلاً سرمہ بنانا اور برادہ کرنا اور دوائیں بنانی ہم یہاں چند عجیب وغریب صناعتیں بیان کریں گے مگر اصل صناعت کا مفصل بیان بعض الجیات میں ہے اور اس صناعت میں سب سے بڑا کام زرنیخ کی تصعید اور اس کے اجزا اور معتدل وقت کا معلوم کرنا ہے کہ نہ زیادہ سردی ہو نہ گرمی۔

چاندی بنانے کو اس فن کے لوگ صناعت قمری کہتے ہیں اور اس کی اکسیر انڈے کی سفیدی اور زرنیخ مصعد سے جو معتدل القوام اور موزون ہو بنتی ہے اس بات کو غور کرو اور معتدل زمانہ میں اس کام کو بجا لاؤ نہ اس قدر گرمی پر پہنچاؤ کہ جلا دے نہ اس قدر سردی پہنچاؤ کہ اس کے اجزا کو متفرق کردے اکسیر کی تربیت اسی طرح کی جاتی ہے جیسے بچوں کی سردی گرمی کا لحاظ رکھا جاتا ہے اب پہلے تم کو صنعت ابرار اور سرموں کا بنانا سیکھو جیسا کہ عزیزی صغیر اور کبیر اور جلا صدفی کے نسخے ہیں۔ ترکیب اس کی یہ ہے کہ عرق سیب و مرم و انار و عرق مامیروں و عرق زریح و داؤدی جعفران و بہمنی سرو عرق رازیانج و عرق حسک و توتیائے اخضر رقیق ان سب کو ملا کر دھوپ یا سایہ میں رکھو تاکہ خشک ہو جائے پھر اس کے قرص بنالو یہ توتیا ہندی تیار ہو گیا ایک مثقال اس کی ایک مثقال کو کافی ہے اور اگر اس میں عرق مامیشا اور عرق حی العالم ملاویں تو بہتر ہے کیونکہ یہ بھی سردی جامع اور جلا نافع اور توتیا سے ہندی قاطع ہے اور یہ بھی کیمیائے ابرار ہے اور اسی قسم کو ایسا کسب حاصل ہو سکتا ہے جس سے تم راحت کے ساتھ گذران کر سکتے ہو اور کوئی مشقت تم کو نہ پہونچے گی اور اگر تم لادن[1] بنانا چاہو تو ایک تولہ خالص لاذن لیکر تین تولہ صاف موم اس میں ملا کر نرم آگ پر پگھلاؤ اور نیچے اتارلو۔ ہر مصنوع چیز میں اصلی چیز ملانی ضرور ہے کیونکہ اس کی اکسیر وہی ہے۔

زعفران بنانے کی ترکیب

گائے کے گوشت کی بوٹیاں سرکہ میں زعفران حل کرکے اس کے اندر جوش کرے اور پھر دھو کر اس کے ریشہ جدا جدا کرکے زعفران حل شدہ میں ملا کر خشک کرے ایک چوتھائی زعفران اصلی اس کے اندر ملانی چاہیے۔ اور گوشت لال کا ہونا چاہیے۔

---

[1] ایک رطوبت ہے جو بھیڑ یا بکری کے سم پر نکل کر جم جاتی ہے اور دوائیں کام آتی ہے ۱۲۔

مشک بنانے کی ترکیب

مشک اصلی میں ہم وزن اس کے کلیجی سوختہ ملائے مصنوعی مشک تیار ہو گی بہت سی صنائع پردہ کے اندر پوشیدہ ہیں جب ان کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ راز ظاہر ہوتا ہے اور اس قسم کے بہت سے عجائبات نسخے عین الحیات میں مذکور ہیں۔

معلوم ہو کہ مشک ہرن کا منجمد خون ہے اور یہ ہرن جنگل کی خوشبودار گھاس کھاتا ہے جس کے سبب سے یہ خوشبو اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور عنبر کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ شہر عنصوریا کے ایک چشمہ سے اس کو نکالتے ہیں اور کافور بھی ایک چشمہ سے نکلتا ہے اور عنبرو کے اندر مختلف رنگ کے پتوں میں چپک جاتا ہے آسمان سے دس چیزیں نازل ہوتی ہیں جیسے شیر خشت اور ترنجبین اور لادن وغیرہ اور بعض کا قول ہے کہ لادن شہر مرعش کے پہاڑ کے ایک چشمہ سے نکلتا ہے اور مینہ بھی آسمان سے برستا ہے اس میں تھوڑا ازروانڈ سے ملا کر آب جو میں جوش کرے اور ان عورتوں کو پلائے جن کو دودھ یا حیض نہ آتا ہو فوراً جاری ہو جائیگا اور کبھی آسمان سے سبز مینڈک گرتے ہیں یہ بواسیر کے واسطے بہت مفید ہیں اور کبھی ملک سقسین میں آسمان سے سرخ رنگ کے نرم اور ٹھنڈے گیہوں برستے ہیں مزہ انکا گھی اور شہد کا ہوتا ہے اور مثل برف کے ٹھنڈے ہوتے ہیں اگر ان کو حل کر کے عیب دار پر لگائیں تو عیب اسکا جاتا رہیگا اور اگر کوئی شخص ان کی دھونی سے فرشتوں کو دیکھنے لگے اور انہیں گیہوں کے ساتھ عطارد کے عمل کے وقت دھونی روشن کی جاتی ہے انبیا علیہم السلام بھی اس دھونی کی پابندی کرتے تھے چنانچہ حضرت کلیم اللہ نے زحل کے واسطے ہفتہ کے روز دھونی روشن کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے مشتری کے واسطے پنجشنبہ کے روز اور ابراہیم علیہ السلام نے شمس کے واسطے یکشنبہ کے روز اور آتش کے واسطے منگل کے روز دھونی روشن کی تھی اور زردشت نے مریخ اور عطارد کے واسطے اور ہمارے حضور نے زہرہ کے واسطے جمعہ کے روز دھونی روشن کی تھی اور اسی واسطے غار حرا میں خلوت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جبرائیل وحیہ کلبی کی صورت میں آپ پر ظاہر ہوئے جو شخص جنوں سے ملاقات کرنی اور اُن سے کلام کرنا اور ان کا کلام سننا چاہے اس کو لازم ہے کہ ایک خالی مکان میں یکشنبہ یا چہار شنبہ کو بیٹھ کر لوبان کی دھونی روشن کرے اور عمل کے ختم ہونے تک برابر روشن کرتا رہے۔ پھر ایک کنڈل کھینچکر

اُس کے اندر بیٹھ جائے اور چالیس بار سورہ جن پڑھے جنوں کا لشکر حاضر ہوگا ان میں سے جسکو چاہے اپنی خدمت کے واسطے مخصوص کرے اور ان سے کچھ خوف نہ کرے اور پھر اس جن سے تسخیر یا طلسم بنانے یا خزانہ نکالنے یا بعث بغض کا کام لے۔

معلوم ہو کہ خواص نباتیہ بہت کثرت سے ہیں ہم چند خواص ان میں سے بطور اختصار کے بیان کرتے ہیں جو شخص یہ چاہے کہ سب کو دیکھے اور کوئی اسکو نہ دیکھے اسکو لازم ہے کہ سیاہ بلی کی کھوپڑی میں اندر کا بیج بوئے پھر جب اس درخت میں پھل آنے شروع ہوں تو اس پر ایک کپڑا لپیٹ دے تاکہ کوئی ارنڈی ضائع نہ ہو پھر جب ارنڈ با پختہ ہو جائیں سب پھلوں کو توڑ کر ایک ایک پھل منہ میں رکھے اور آئینہ میں صورت دیکھے جس پھل کے منہ میں رکھنے سے صورت نہ دکھائی دے وہی کام کا ہے۔

ایک بوٹی ہے جسکو امر کہتے ہیں یہ بوٹی انسان کی صورت ہوتی ہے جو شخص اسکو اپنے پاس رکھے اگر پتھر کی طرف اشارہ کرے وہ بھی اس کے ساتھ ہو لے۔

اور ایک بوٹی ہے جسکو یاسمین کہتے ہیں اس کے پتوں کی دھونی جس شخص کا نام لے لیکر روشن کریگا وہ شخص اس کے پاس آجائیگا اور دھونی کے وقت کلمات پڑھے۔ یاجامع یاجن اجمعوا وقن موالی نکالی علیجلا علیجلا اشرهیات شکلیہا نفنی ایتا مخنی فاذکره اذا در یہ عمل تو اربا بر ہ کے روز کرنا چاہیے اس گھاس کی ایک شراب بھی بنتی ہے جسکو شراب ملائکہ کہتے ہیں سوداوی مزاج والوں کے واسطے مفید ہے اور عورتوں کے امراض حرارت کے واسطے بھی مفید ہے اور اگر اس کے پتوں کو خشک کر کے پیسکر آنکھ میں لگائیں تو پپوٹوں کے جھک جانے کو مفید ہے اور حلق میں کوئے کے جھک جانے کو بھی اس کی دوا نیتی ہے اور بخار والے کو اس کی دھونی دینے سے بخار جاتا رہتا ہے اور جس عورت کے حمل میں کچھ کی بھلی بوقت پیدائش رہ گئی ہو یا اور کچھ رہ گیا ہو اس کی دھونی دیں نکل آئیگی اور اس کے پتے زیتون کے پتوں کیساتھ سرکہ میں جوش دیکر پیس لیں اور درد والے دانت پر لیپ کریں تو بہت مفید ہوگا

ایک گھاس ہے جسکی جڑ زمین پر نہیں ہوتی بلکہ درخت بطم وبلوط پر بکثرت ہوتی ہے۔ اور حب العصفور اس کو کہتے ہیں کیونکہ چڑیا نہایت رغبت کے ساتھ اس کو کھاتی ہے اُس کی دھونی گھروں میں شیطان اور جادو کا اثر دور کرنے کے واسطے حضور نے فرمایا ہے اترے ہوئے بالوں

کو ضائع نہ کرو کیونکہ جادوگر اکثر انہیں پر جادو کرتے ہیں اور جادو باطل کرنے کے وقت سورۂ رعد کی آخر کی دس آیتیں پڑھنی چاہئیں۔

اس بوٹی کے دانوں سے تدا سوو جو ایک خوشبودار چیز سے بنتا ہے کستوری اور زعفران اور عود قماری کا برادہ پیس کر یہ دانے اس میں ملائیں اور عرق گلاب نہایت عمدہ ڈال کر جوش کریں جب خوب گاڑھا ہو جائے اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے کے بعد قرص تیار کریں۔

تریاق نافع بندق مدقوق کو اخروٹ اور بادام اور تل اور پستہ کے ساتھ پیس کر شہد اور قند سے گلاب ملا کر دکھو لیں بچھو کے کاٹے کے واسطے بہت مفید ہے اور قوت جماعی کو بے حد زیادہ کرتا ہے اور مغز اخروٹ کا گیہوں کے آٹے کے ساتھ حریرہ بنا کر کھانا کمر کے درد اور قوت جماع کو مفید ہے اور زرباج باروم کے مریض کو نفع کرتا ہے اور تریاق اکبر کا نسخہ جس کے اندر چالیس اجزا ہیں علیق الحیات میں مذکور ہے معلوم ہو کہ حیوانات اور نباتات اور روغنوں میں اس قدر تاثیریں ہیں جن کا بیان بہت طویل ہے ہم صرف ایک روغن کے عمل کا ذکر کرتے ہیں اچھی ساعت دیکھ کر جس شخص پر عمل کرنا ہو اس کے نام کے ساتھ موسم ربیع کے بعد اس لے لو اور اس کو ایک شیشی میں روغن زیت کے اندر ڈال دو اگر بغض کا عمل کرنا ہو تو طینوب حبشی لو اور اگر محبت کا عمل کرنا ہے تو قرشی لو اور بادشاہ کی تسخیر کرنی ہے تو فارسی لو اور بیماری یا نقصان سے نکلنے کے واسطے کرمانی لو اور دھوپ میں رکھ دو اور جس قدر روغن کم ہو اسی قدر بڑھا دو اور روز اس کی خدمت کرتے رہو ہر روز دھونی دو اور یہ کلمات کہو اَیُّهَا الطَّبُوْتُ الطَّاهِرَ تَكُوْنِيْ لِمَا اُرِيْدُ اور پاک حالت میں دھونی دو۔ یہ روغن چاند کی کمی میں کم ہو گا اور زیادہ میں زیادہ ہو گا اگر اس روغن کو جسم پر مل لیں آگ اثر نہ کرے گی۔

بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا ہتھوڑا یا کلہاڑا بنائیں اور اس سے کام لیں تو بالکل آواز نہیں ہوتی اور ایک پتھر ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو تنور میں ڈال دیں تو کوئی روٹی سالم نہ نکلے تنور میں گر پڑے گی۔ اور مقناطیس کے خواص بھی تم کو معلوم ہیں اور حیوانات کے خواص کتاب الحیوان میں تلاش کرو۔

بیسواں مقالہ

علم عزائم و تسخیر کواکب کے بیان میں

ہفتہ کے روز صبح کے وقت سیاہ یا نیلگوں لباس پہنکر مغرب کی طرف منہ کر کے یہ بخور روشن کرو لوبان سیاہ دانہ انار کے چھلکے لاکھ اور زحل کی تسخیر کے واسطے یہ عمل پڑھو مگر تسدیس یا تثلیث کا وقت ہونا ضروری ہے۔ عزیمت یہ ہے۔ اَیُّهَا السُّلْطَانُ الْاَعْظَمُ وَالْمَلِكُ الْعَزْمُ مَالِكُ الْفَلَكِ السَّابِعِ مُمْلِكُهٗ النُّجُوْمُ الْخَاسِفُ الْمُنَزَّلُ زُحَلُ اَنْتَ اَشْرَفُ الْكَوَاكِبِ وَسَيِّدُهَا وَمُؤَيِّدُهَا اَسْأَلُكَ اَنْ تُعْطِيَنِيْ وَاَنْ تَمْنَحَنِيْ وَيَصْلُحُ مِنْكَ لِيْ۔

اور ایک شنبہ کے روز طلوع آفتاب کیوقت اس کی طرف منہ کر کے حضور قلب کے ساتھ یہ عزیمت پڑھو۔ اَیَّتُهَا السَّیِّدَةُ الرَّفِیْعَةُ وَالْمَلِكَةُ الْمُطِیْعَةُ وَالْمَتِیْرَةُ الْكَبِیْرَةُ الَّتِیْ جَاءَتْ بِفَیْضِهَا عَلَى الْعُلُوِّ فَصَارَتْ اَنْوَارُ ذَلِّنْهَا ظَاهِرَةً وَسَلْطَنَتُهَا قَاهِرَةً اَسْأَلُكِ اَنْ تُعْطِیَنِیْ مَا یَصْلُحُ مِنْكِ لِیْ وَاصْرِفِیْ حِمَّتَكِ اِلَیَّ وَاَنْتِ الْمَلِكَةُ الْعَزِیْزَةُ وَالسُّلْطَانَةُ الْجَهِیْرَةُ بِحَقِّ مَنْ سَخَّرَكِ وَهُوَ الْمَلِكُ الْعَظِیْمُ۔

اور پیر کے روز پہلی ساعت میں قمر کا یہ عمل پڑھو اَیُّهَا الْكَوْكَبُ الْاَطْهَرُ وَالْقَمَرُ الْاَبْهَرُ الْبَارِدُ الرَّطْبُ الْحَالُّ فِی الْفَلَكِ الْمُعْتَدِلِ الْبَارِدِ اللَّطِیْفِ اَسْأَلُكَ بِحَقِّكَ وَبِحَقِّ الْمَلِكِ الْمُعْطِیْكَ مِنْ نُوْرِهٖ اَسْأَلُكَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ مَا یَصْلُحُ مِنْكَ لِیْ۔

اور سہ شنبہ کے روز مریخ کے واسطے یہ عمل پڑھے۔ اَیُّهَا السُّلْطَانُ الْحَارُّ النُّوْرِیُّ النَّارِیُّ الْمُزَعِّجُ الْمُدْهِشُ اَنْتَ بَهْرَامُ السُّلْطَانِ صَاحِبُ السَّیْفِ وَالسَّفْكِ ذُو الْحَرْبَةِ الدَّائِبَةِ الْفِتَرِ الْاَرْضِیَّةِ صَاحِبُ الْحَرْبِ وَالصَّلَاحِ وَالدَّمِ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ سَلْطَنَتِكَ وَدَوْلَتِكَ وَقَهْرِكَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ مَا یَصْلُحُ

اور چہار شنبہ کے روز عطارد کے واسطے یہ عمل پڑھو۔

اَیُّهَا الْكَوْكَبُ النَّطِیْفُ الشَّرِیْفُ وَالْكَوْكَبُ الْكَاتِبُ الْحَاسِبُ الْعَالِمُ

لہ اے بڑے بادشاہ سخت لشکر والے آسمان کے مالک جس کے ستارے تابع ہیں اور وہی دھنسانے اور اترنے والا ہے کون یعنی زحل تو سب کواکب سے اشرف اور وہ سردار اور رہبر اور ان کی تائید کرنے والا ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھکو اپنے پاس سے ایسی چیز عنایت اور بخشش کر جو میرے واسطے درست ہو۔ اس طرح کل عزیمتوں کے معنے قیاس کر لینے چاہئیں۔

مُمَازِجُ الْفَلَكِ وَوَزِيرُهُ وَمُلَاطِفُهُ وَمُشِيرُهُ بِلَطَافَةِ اَخْلَاقِكَ وَطِيبِ عِرَاقِكَ وَحُسْنِ سَمْتِكَ وَصِفَاتِكَ الْحَمِيدَةِ وَاَخْلَاقِكَ الْمَجِيدَةِ الْحَسَنَةِ الطَّيِّبَةِ اَنْ تُعْطِيَنِي مَا يُصْلِحُ لِي مِنْكَ

اس عمل کے وقت خوش طبیعت رہنا اور منشیوں کی حالت بنانا ضرور ہے۔

اور پنجشنبہ کے روز یہ دعا مشتری کے واسطے پڑھے اَيُّهَا الْكَوْكَبُ الدِّيْنُ الصَّالِحُ التَّقِيُّ الرَّفِيعُ الْبَدِيعُ الْمُطِيعُ السَّمِيعُ الضَّرِيعُ الذَّاكِرُ الشَّاكِرُ الْعَاشِرُ وَالْحَامِدُ الْبَاهِرُ الْخَائِفُ الْمُسْتَغْفِرُ عِنْدَكَ اَكْثَرُ اَحْيَاءِ الْاَمْوَاتِ وَالَّذِي يَبْرَءُ مِنْ كُلِّ دَاءٍ اَسْاَلُكَ بِحَقِّ دِينِكَ وَاَمَانَتِكَ وَمُوَدَّتِكَ وَمُرُوَّاتِكَ وَطَاعَتِكَ اَنْ تُعْطِيَنِي مَا يُصْلِحُ لِي مِنْكَ۔

اور جمعہ کے روز زہرہ سے مخاطب ہو کر یہ وظیفہ پڑھو۔ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّاهِرَةُ الزَّهْرَةُ الْبَاهِرَةُ ذَاتُ اللَّهْوِ وَالنَّطْرَبِ وَالرَّقْصِ وَاللَّعْبِ وَالشُّرْبِ وَالْاَكْلِ الْفَرِحَةُ النَّزِهَةُ النَّاظِرَةُ الْمُرَبِّيَةُ الطَّائِعَةُ لِرَبِّهَا الْحُرَّةُ الطَّاهِرَةُ اَسْاَلُكَ اَنْ تُعْطِيَنِي مَا يَصْلُحُ مِنْكَ لِي۔

اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ ہفتہ کا روز حضرت موسیٰ کے واسطے مخصوص تھا اور اتوار حضرت سلیمان کے واسطے اور بہت سے نبی بھی اس میں شریک تھے اور بہت سے بادشاہ بھی اس روز میں شمس کے واسطے بخور روشن کرتے تھے اور پیر کا روز قمر سے متعلق ہے اور وزیروں کے واسطے مناسب ہے اور اسی دن میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی دھونی روشن کی تھی اور بدھ کا روز عطارد سے متعلق ہے اس میں زردشت مجوسیوں کے نبی نے دھونی روشن کی تھی اور جمعرات کا روز عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے مخصوص تھا اور جمعہ کا روز ہمارے حضور کے واسطے مخصوص ہے زحل کی تسخیر سے اس قسم کے منافع پہونچ سکتے ہیں خزانوں کا نکالنا نہروں کا کھودنا درختوں کا لگانا وغیرہ اور شمس سے ملک و سلطنت کے فوائد پہونچتے ہیں اور قمر سے وزارت کے اور مریخ سے لڑائی جھگڑے کے اور عطارد سے کتابت اور حساب اور نقاشی و ہندسہ وغیرہ کے اور اعمال عزائم بھی اس سے متعلق ہیں اور مشتری زہد اور دیانت اور زحل طلسمات سماویہ کے واسطے ہے اور جمعہ زہرہ کے واسطے ہے علمائے فن کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو بعد زوال کے لوگوں

کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اس وقت خواص حصول مطالب میں اثر کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

معلوم ہو کہ لوگوں نے خاصیت کے اندر بہت اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم اول کتاب میں ذکر کر چکے ہیں حیوانات و نباتات کے خواص بہت ہیں جن کے متعلق ہم نے ایک طویل فصل حاجت سے زائد بیان کر دی ہے۔

اکیسواں مقالہ (گفتگو کے بیان میں)

جبکہ کلام کی حد یہ ہے کہ سننے والے کو فائدہ پہونچائے لازم ہوا کہ ہم تم ہی سے تمہارے عقائد کے موافق تمہارے قول کی حقیقت معلوم کریں تم جو کہتے ہو کہ کلام فی النفس قائم ہے اور پھر کہتے ہو کہ کلام کرنے والا یا حکم کرنے والا ہوتا ہے یا منع کرنے والا اور حکم یا منع از کافی نفسہ ہوتا ہے۔ اب بتاؤ کہ جو بات اس کے نفس میں ہے اسکو وہ ہمارے تئیں کیسے سنا سکتا ہے اور کس طریق سے وہ ہم تک پہونچ سکتی ہے اگر تم کہو کہ الہام کے ذریعہ سے تو وہ ایک مخلوق ہے جسکو اس واسطے پیدا کیا ہے تاکہ تم اس بات کو سمجھو جس کو نہیں سمجھتے تھے اور اگر تم کہو کہ کتابت کے ذریعہ سے تو یہ ایک قسم کا مفاعلت ہے اور نیز تمہارے مقابل نے تم کو حرف اور آواز کے اقرار کرنے سے اور بھی تنگ کیا ہے اس کے متعلق اس قدر بیان کافی ہے۔

اور چونکہ علم توحید کا طلب کرنا فرض ہے ہم پر واجب ہوا کہ اس کی طرف بھی ہم اشارہ کریں اور جو بیان اسکا ہم نے اپنی اور کتابوں میں کیا ہے اس میں سے کچھ یہاں بھی نقل کر دیں پس سب سے پہلے ہم صانع کا ذکر کرتے ہیں معلوم ہو کہ کوئی صانع سے خدا نہیں ہے اس صورت انسانیہ کو دیکھو جو الف کی شکل رکھتی ہے کہ اس کے صانع نے اس کے اندر کیا کیا بدائع اور عجائب رکھے ہیں دیکھو اس کا سر اس کے جسم کا آسمان ہے اور دونوں آنکھیں ستارے ہیں اور چہرہ شمس و قمر ہے فرمایا ہے خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ پھر پانی کو دیکھو کہ پانی کے مختلف رنگ اور مختلف مزے ہیں کوئی کڑوا ہے کوئی نمکین ہے اور کوئی میٹھا اور کوئی بدبو دار ہے۔

زمین میں جو جو چیزیں ہیں وہ سب جسم انسانی میں موجود ہیں۔ دونوں مونڈھے پہاڑ ہیں اور دونوں بازو اور کلائیاں درخت ہیں۔ اور انگلیاں شاخیں اور ناخن پھل ہیں اور بال گھاس ہے اور دانت اور زبان اس کی بادشاہ کا ترجمان ہے اور معدہ اس کا باورچی ہے۔ اور ایک قوت اس کے اندر ایسی ہے جو غذا کو رگوں اور پٹھوں اور بالوں اور کھال اور گوشت پر تقسیم کرتی ہے جو خون غلیظ ہوتا ہے

اس کے ساتھ جسم کی تربیت ہوتی ہے اور جو رقیق ہوتا ہے وہ باریک مقاموں میں پہنچتا ہے پھر بھی
خون پشت میں پہونچکر حرارت عزیزی کے اثر سے پختہ ہو کر ایک گاڑھا سفید پانی بن جاتا ہے جیسا کہ فقہا
بیان کرتے ہیں پھر وکیل حرارت اس کو خصیوں کے خزانہ میں پہونچاتا ہے اور خصیوں کی رگیں اس
سے پھولکر مرد کے دل میں عورت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور ایک گرم بخار قضیب کی رگوں میں پہنچ
کر اس کے اندر استادگی پیدا کرتا ہے اور شہوت کی قوت قضیب کے منہ سے خزانہ تصویر میں جو اسکا
محل قابل ہے اس پانی یعنے منی کو رحم میں داخل کرتی ہے پھر قدرت کا ہاتھ بواسطہ حرارت کے
اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے زمین میں دانہ کی پرورش ہوتی ہے اور یہ پرورش اس
کی طرح ہے جو سونے یا چاندی کی اکسیر کے واسطے کی جاتی ہے اور سلطنت یا فقر کی سعادت
یا نحوست نطفہ کے رحم میں آنے کے وقت لکھی جاتی ہے پھر یہ نطفہ علقہ یعنے خون منجمد ہو جاتا
ہے پھر قدرت اس کو بواسطہ حرارت عزیزی کے تربیت کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک جسم
پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں خطوط مثل تصویر کے پیدا ہوتے ہیں اور اندر پیٹ و سینہ میں
تجویف پیدا ہوتی ہے اور قلب وغیرہ اعضا پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں پھر اس کے بعد روح
کے انوار بطریق بخار صاعد کے مکشوف ہونے میں طبیبوں کے نزدیک یہی بخار روح ہے، اور
یہی بخار خون سے پیدا ہوتا ہے اس روح ہی کے ساتھ جسم حرکت کرتا ہے اور وہ نفس لطیفہ عزیزہ
جو کلمہ کن سے پیدا ہوتا ہے وہ ان مجازات مذکورہ لطیفہ اور اجزء مصورہ سے علاوہ ہے وہ نفس عالمہ محققہ مدرکہ
لطیفہ ربانیہ حساسہ متکلمہ عالمہ موت کے بعد باقی رہنے والا ہے جیسا کہ جسم سے پہلے اپنے مبدء میں موجود تھا
پھر جب یہ بچہ اپنے وقت مقررہ کو پورا کرتا ہے اپنی ماں کے پیٹ سے بغیر اختیار کے نکل آتا ہے جیسے
کہ اس کا مرنا اور پھر قیامت کو اٹھنا اس کے اختیار میں نہیں ہے مثل نیند اور بیداری کے یہی نفس
ناطقہ جسم کے اندر بادشاہ ہے جو قلب کے تخت پر متمکن ہوتا ہے اور یہی امر نہی کرنے والا ہے عقل اس کی
حاجب ہے اور علم وزیر ہے اور نفس چراغ ہے اور تصدیق منہاج ہے اور قلب دریا اور حکمتیں
موتی اور یاقوت ہیں اور جسم ایک شہر ہے اور اعضا لشکر ہیں اور وسوسے دشمن ہیں اور حسن اقوال و
افعال فرشتے ہیں اور خیر سے روکنے والے خیالات شیاطین ہیں۔

عارفوں کے نزدیک قلب ہی عرش ہے سینہ لوح ہے اور امر و نہی کا الہام قلم ہے جو خیر و شر کو

لوح پر لکھتا ہے اور زبان ترجمان ہے اور آٹھ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں وہ یہ چار حواس ظاہری سننا دیکھنا سونگھنا چکھنا اور چار باطنی علم اور عقل اور تصدیق اور یقین ہیں اور خوف رجا کے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

جب یہ قلب کا عرش جو خدا کا گھر ہے وسوسوں اور رذائل سے پاک ہوتا ہے اور ذکر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور فکر کی خوشبو اس میں روشن ہوتی ہے اس وقت وہ تجلی الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور انوار کمال قلب پر نازل ہوتے ہیں اور محبت کا سائبان طہارت قلب کی کرسی پر قائم ہوتا ہے اور معشوق سدرہ وصال کی سرحد پر جلوہ فرماتا ہے اور مجاہدہ کرنیوالا مجاہدہ کی حکمتوں کے درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور تشریح صدر کے حوض سے توحید کا نور پیتا ہے اور خصال حمد کے خاص کپڑے دیدیہ کے خزانہ سے زیب بدن فرماتا ہے اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کا مشاہدہ غافل لوگ نہیں کرتے بیشک یہی بڑی کامیابی ہے اور اسی کے واسطے چاہیئے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔

پھر اے وہ شخص جو علم و عمل کے ساتھ کامل اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ متصف اور اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہے جب تم کرسی کمال پر متمکن ہو گے اعضاء کے فرشتے تمہارے مطیع ہو کر سجدہ کریں گے اور مہربانی کا ہاتھ تمہارے دل کی جنت کے دروازے کھولدینگے اور تمہارے احسان کی خوب صورت حور جلوہ کریگی اور محبت دنیا سے پیچھے رہنے اور ہٹ جانے کے محل تیار ہونگے اور اپنی ہمت کے موافق تم اپنی تمنا کو پہونچو گے۔

پھر تمہارے بدن کا آدم اور محبت حق میں رونے کا نوح اور تمہارے خلوص و عشق کا خلیل تمہارے حسن جمال کے ساتھ جلوہ کرے گا اور یعقوب تمہارے عقوبت نفس اور دفع شہوات کا اور موسیٰ تمہارے استغفار حال کا اور داؤد تمہارے دعا کا اور سلیمان تمہاری سلامتی کا تمہارے بساط انبساط پر جلوہ فرمائے گا اور تمہارے اعضاء کے جنات اور تمہارے مجاہدہ کی خوشبو ہوا تمہارے مسخر ہوگی پھر تمہارا خضر ایمان تمہارے چشمۂ حیات کے قریب ابرار کے ساتھ ظاہر ہوگا اور تمہارے عقل کا ذوالقرنین تمہارے بلند ہمتی کی لگام پکڑ کر تمہیں شہوات کے دریا سے نکالے گا اور تمہارے مغرب شمس ایمان کے پاس پہنچا دیگا پھر وہاں سے مطلع شمس عقل کی طرف لے آئیگا پھر تمہارے غفلت اور شہوت کی دونوں سدوں کے درمیان میں کھڑا کریگا تم کو چاہیئے کہ اپنی جہالت

کے لوہے کو مجاہدہ بھٹی میں لگاؤ اور اس وقت تم اپنے اعضاء نفس اور قلب کو توجہ میں ملا ہوا دیکھو گے اور عذاب و عقاب سے بے خوف ہو کر قرب کی چھپر کھٹ میں بعیش بہ آرام ہو گے ھٰذَا اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ۔ یہ نصیحت ہے اور بے شک متقیوں کے واسطے اچھا ٹھکانا ہے پھر تمہاری لذت عیش و زندگانی کا اعلیٰ اور تمہارے لطائف اعمال کی مدد کا محمد تم پر منجلی ہو گا اور یہی اس حدیث کے معنے ہیں کہ تم میں اپنے رب کا زیادہ پہچاننے والا وہی ہے جو اپنے نفس کو زیادہ پہچانتا ہے دیکھو کہ بزرگ دلو نیز روح کے اسرار کس طرح منکشف ہوتے ہیں جو اسرار کہ جاہل اور عوام لوگوں سے پوشیدہ ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ عاشقان خدا عشق الٰہی کو دوسروں کا نام لیکر کس طرح چھپاتے ہیں مجنوں کو دیکھو کہ اس نے لیلیٰ کا نام لیکر کس طرح عشق الٰہی کو پوشیدہ کیا جس کی دلیل اسکے اشعار میں موجود ہے۔

لَمَّا رَاَیْتُ الْحُبَّ یَسْعُیْ ھُعْنِیُ ۔۔۔ وَنَمَتْ عَلٰے شَوَاھِدُ الصَّبِّ
اَوْقَعْتُ غَیْرَكَ فِی ظُنُوْنِهِمْ ۔۔۔ فَسَتَرْتُ وَجْهَ الْحُبِّ بِالْحُبِّ [۱]

مجنوں سے کسی نے پوچھا کہ تم کو کونسا وقت پسند ہے کہا لیل یعنے رات پوچھا کہ قرآن میں سے کون سی آیت تم کو محبوب ہے کہا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ مجنوں کا قاعدہ تھا کہ ملاحوں کی خدمت کیا کرتے تھے کیونکہ ملاح جب رسی کو کھینچتے ہیں تو لیلا لیلا کہتے ہیں اے بھائی یہ اصول اس خلعت کا فیہ کے ہیں کیا اس میں صانع قدیم کے وجود پر دلیل نہیں ہے اور پھر بھی اگر تم شک میں ہو تو شہد کی مکھی کو غور کرو کہ کس طرح پھولوں کو لا کر مسدس اور مثمن خانے بناتی ہے اور موم سے شہد کے خانوں کے بیچ میں دیوار کھڑا کرتی ہے اور ان خانوں کے منہ کو اس ترکیب سے بند کرتی ہے۔ کہ چاہے کس قدر بارش ہو مگر شہد تر نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ کہ یہ الہام اس کو خدا کیطرف سے نہیں ہوا ہے۔ تو کسی کی طرف سے ہوا ہے اور اگر یہ کہو کہ یہ الہام اسی کے نفس کی طرف سے ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اور کسی حیوان کے نفس نے ایسا کیوں نہیں کیا اور چیونٹی کی عقل کو دیکھو کہ جب وہ غلہ جمع کرتی ہے تو دانوں کو بیچ میں سے کتر کر دو حصہ کر دیتی ہے تا کہ بارش ہونے سے دانہ پھوٹ نہ آئے اور مکڑی کو دیکھو کہ شکار پکڑنے کے واسطے کیسے جال پھندے تیار کرتی ہے پس کیا جس نے ان سب کو یہ باتیں سکھائی ہیں وہ صانع نہیں ہے۔

---

[۱] جب میں نے دیکھا کہ محبت مجھکو دہشت دلاتی ہے اور عشق کی گواہیاں میری چغلخوری کرتی ہیں پس میں نے تیرے غیر کو ان کے گمانوں میں ڈال دیا اور محبت کے چہرے کو محبت کے ساتھ پوشیدہ کیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ معبود کی نافرمانی کی جائے یا کوئی اس کا انکار کرے ہر ایک حرکت و سکون میں توحید خداوندی کی گواہی موجود ہے اور ہر شے میں اس بات کی نشانی ہے کہ وہ واحد اور یکتا ہے اے شخص سننے اور دیکھنے اور پڑھنے اور لکھنے وغیرہ میں وجود صانع کی نشانیاں ہیں اس کے متعلق سورہ نمل اور شروع سورہ ذاریات اور مرسلات اور سورہ نبا کی آیات دیکھو اور سورہ حشر اور حدید کے توحید ملاحظہ کرو پس پاکی ہے اس ذات کو جو قدیم باقی یکتا ہے اپنی کل مصنوعات میں اس کے ارادہ میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے زندہ ہے علم والا ہے غالب حکمتوں والا ہے سننے دیکھنے ارادہ کرنے والا ہے اپنے کلام قدیم کے ساتھ متکلم ہے جو کچھ ہوا یا ہوگا سب اس کی لوح میں موجود ہے اور سب کو وہ جانتا ہے پس اے بھائی اسی کو اعتبار کرو اور جس اسی کو کافی سمجھو تم کو راحت اور فلاح نصیب ہوگی۔ اور اس کے ساتھ تجارت کرنے سے تم کو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

بائیسواں مقالہ (وجود عالم کے بیان میں)

معلوم ہو کہ عالم مخلوق ہے خدا نے اسکو بغیر کسی ضرورت کے اس واسطے پیدا کیا ہے کہ آپ اپنے خالق کو پہچانے اور خالق کی سلطنت اور قدرت ظاہر ہو پس سب سے پہلے جو چیز خدا نے پیدا کی وہ عرش ہے پھر کرسی پھر آسمان پھر دوزخ و جنت پھر زمین اور کل کائنات کی اصل ایک جوہر ہے جسکو فلاسفہ عقل فعال اور نفس کلیہ کہتے ہیں پھر اس جوہر کے بخار سے آسمان اور اس کے جھاگوں سے زمین پیدا کی اور ہوا کے سبب سے زمین پانی پر منجمد ہوگئی فلاسفہ کہا کرتے ہیں یہ فیض اس چیز کو عقل فعال اور نفس کلیہ سے ہوتا ہے پس عقل ہمارے نزدیک عرش ہے اور نفس کلیہ لوح ہے اور نفس فیض مقادیر کا جاری ہونا ہے سب عبارات و اصطلاحات ہیں کیونکہ فیض کے اندر مرجع ایک ہے اور عبارات مثل روزہ کے کہ اس میں کھانے پینے سے رکنا ہوتا ہے بے کار نہیں ہے بلکہ ان کے اندر بہت سے اسرار ہیں چنانچہ ہمارے سر کے اوپر کرۂ نار و کرۂ ہوا ہیں جس شخص کو عبادت کی عادت ہوگی وہ اپنے صبر کے ساتھ ان کو طے کر جائیگا اور اس معتدل مکان میں جا پہنچیگا جہاں نہ سردی ہے نہ گرمی یعنی جنت میں فرشتوں کے ساتھ رہیگا اور اہل معارف سے نہایت خوشحالی کی حالت میں ملاقات کریگا اس مکان یعنی جنت میں نہریں جاری ہیں ہوا وہاں کی معتدل و مفرح ہے اور اس کے رہنے والوں کے واسطے ہمیشہ کی زندگا ہے اور خدا کا پڑوس ہے اور یہ سب نعمتیں ان لوگوں کے واسطے ہیں

جنہوں نے اس دارِ غرور یعنے دنیا میں عبادت کی محنتیں کی ہیں اور دار ثابت و سرور کی طرف راغب ہوئے ہیں۔

جس شخص کا نفیس مرتے وقت اپنے پس ماندہ مال و اسباب میں پھنسا ہوا ہوگا اس کی مثال پر قینچ پرند کی سی ہے یعنے یہ شخص حجاب شرک کے سبب ہے۔ آسمان پر نہ پہنچ سکے گا۔

اور جس نے دنیا کو اپنے پیر کے نیچے ڈالدیا اور کسی چیز میں دل نہ لگایا وہ معظم و محترم رہیگا فرشتے اس کے استقبال کو بشارتیں لے کر آوینگے اور اپنے خالق کے دیدار سے مشرف ہوگا اور مشاہدہ کے ہوتے ہی اس دور دراز سفر کی تھکان بالکل جاتی رہے گی اور راحت کے سارے مقصد حاصل ہونگے اور اس کے گھر بار اہل و عیال کے بدلے نہایت عمدہ گھر بار اور نیک اہل و عیال اس کو ملیں گے اور اس کے اور اس کے دنیاوی دوستوں کے درمیان میں بھول کا پردہ ڈالدیا جائیگا یہ حالات اُن لوگوں کے ہیں جو کھانے پینے کی خواہشوں سے بالکل منزہ ہیں اور نیند بھی ان کو نہیں آتی ہے یہ حالات ان پاک نفسوں کے ہیں جو مجاہدہ کی آگ میں پگھل چکے ہیں اور علوم و اعمال کے ساتھ اغیار کی کدورت سے صاف ہو چکے ہیں اور جو نفس کہ خبیث اور جب دنیا میں مقید ہے وہ اس عالم سے جدا ہو کر اپنی طبیعت کی ظلمت میں گرفتار ہو جاتا ہے جو اس نے اعمال کئے ہیں ان کے سبب سے محجوب اور جو اُس نے چھوڑا ہے اس کے خیال میں مقید رہتا ہے اور یہ قید اس کو عروج سے مانع ہوتی ہے کیونکہ وہ نفس اپنے مظالم کے ساتھ مرہون ہے کُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ اور دونوں سرد و گرم کرّوں کے درمیان میں اسکو عذاب ہوتا ہے اور جس قدر زمانہ اسکو عذاب میں گذرتا ہے اپنی رستگاری کے ذریعے ڈھونڈھتا رہتا ہے مگر ان کا ملنا دشوار ہے پس اس عذاب سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں ہے اس کے افعال ناپاک سے بچھو اور اس کی جہالت کے افعی اسکو کاٹتے ہیں کیونکہ یہ جہالت کے سبب سے نور عقل سے محجوب تھا اور اس وقت رب الارباب کی طرف سے یہ خطاب سنتا ہے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ باوجود ان باتوں کے پھر تم دنیاوی عیش و طرب میں مشغول ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کون مل گیا ہے جو تم اس قدر خوش ہوتے پھرتے ہو نصیحت سے تم کو کچھ اثر نہیں ہوتا ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ لہذا تم کو اپنی خلاصی کے فکر میں مشغول رہنا چاہیے ؎

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَمْهَدْ لِنَفْسِكَ مَوْضِعًا ۔۔۔ فَاَنْتَ عَلَيْهِ بِالنَّجَاةِ بَخِيلٌ[1]

---

[1] جب کہ تم نے اپنے نفس کے واسطے کوئی جگہ تیار نہیں کی پس تم اس پر نجات کے ساتھ قبول ہو

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا عبادت میں مشغول ہونا بھی عین عبادت ہے، غیر تمہارا راستہ تم چلتے ہو اور پھر یہ کہتے ہو کہ تم نیک ہو بیہودہ باتوں میں مشغول ہو کر ان کو سچا سمجھنے اور اپنے نفس کے خواص کی معرفت سے جاہل رہتے ہو تم کو خبر نہیں ہے کہ تمہارے بالوں پر جادو ہوتا ہے اور تمہارا اپنے دانت سے کاٹنا دیوانہ کتے کے کاٹنے سے بڑھ کر ہے اور تمہارے منہ کی بھاپ لڑائی پیدا کرتی ہے اور تمہارے کٹے ہوئے ناخن ہلاک کرتے ہیں اور اسی قسم کے بہت سے خواص حیوانات کے اندر ہیں جن کو تم نہیں جانتے ہو مثلاً ریچھ کلیجہ اور چربی فربہ کرتا ہے اور گوشت اس کا باوجود حرام ہونے کے ریاحوں کو دور کرتا ہے خرگوش کا جگر جگر کو فائدہ کرتا ہے اور اس کی آنکھیں آنکھوں کو مفید ہیں اور چربی اس کی ریاحوں کو فائدہ کرتی ہے خنزیر کی چربی جانوروں کے چارہ میں ملا کر دینی ان کو فائدہ کرتی ہے۔ انڈے کا تیل بالوں کے واسطے مفید ہے اور کانٹوں اور گیہوں کا تیل مسوں کے واسطے نافع ہے۔

اودبلاؤ سی کی چربی ریاحوں کو نافع ہے اور گنٹھیا کو دفع کرتا ہے۔ گدھے کا دماغ قاتل ہے اور ہر ہر میں بہت سے منافع ہیں جن کو کتاب الحیوان کے مصنف نے وضاحت سے لکھا ہے اور جوز ہندی یعنی اخروٹ سرلیس کے اندر جماع کے واسطے نافع ہے اور بہت سی معجونیں اور روغن ایستادگی کو فائدہ کرتے ہیں غالب سردی اور غالب گرمی دونوں قاتل ہیں کھانے کے بعد پانی پینا نقصان کرتا ہے اور پیشاب کا رکنا بہت ضرر پہنچاتا ہے فصد بہت اچھی ہے اور پچھنے لگانے اور بھی زیادہ مفید ہیں قے معدہ کو پاک و صاف کر دیتی ہے قدرے ککڑی کا گودا نافع ہے اور مرغ کا شوربا سرد مزاج والے کو فائدہ کرتا ہے گیہوں کے پراٹھے جماع کرنیوالے کے واسطے بہتر غذا ہیں ہر پسوں کا کھانا بہت افضل ہے۔ شربت انار معدہ میں کمزوری کرتا ہے تربوز میں دس فائدے ہیں کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے اور ٹھنڈا خوشبودار بھی ہے پیشاب کو جاری کرتا ہے اور مثانہ کو دھوڈالتا ہے اور اس کو کھا کر قے کرنے سے غلط فاسد نکل جاتی ہے اور اس کے اندر چار مضرتیں ہیں حلق کو نقصان کرتا ہے صفرا کو زیادہ کرتا ہے اور کھجلی پیدا کرتا ہے اور سکنجبین اس کی مصلح ہے۔ بہتر میوہ وہ ہے جو پختہ اور تازہ ہوتا ہے کھانے سے پہلے کھانا چاہیے سوا امرود کے کہ اس کو کھانے کے بعد تھوڑا سا کھا لینا نافع ہے۔

خواہش سے کم کھانا کھانا آنکھوں کو مفید ہے کیونکہ بعض اوقات بدہضمی کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ کھانے کے بعد جلد پانی پینا نہ چاہئے اور نوالہ کو چبا کر اور ہڈی کو چوس کر کھانا بہتر ہے اور بغیر چبائے نوالہ

کھانا بہت برا ہے گرمی کے موسم میں ترش چیز نفع کرتی ہے اور جاڑے کے موسم میں میٹھی چیز مفید ہے کل میووں میں بہتر انجیر اور انگور ہے اور انار ملاسی قسم کا عمدہ ہوتا ہے کھانا کھانے کے بعد یا سونے کیوقت قدرے کھالینا چاہئے جماع کرنے والوں کو نقصان کرتا ہے خصوصاً ترش انار۔

تیسواں مقالہ (شربتوں کے بیان میں)

سکنجبین کو سب سے پہلے ذوالقرنین نے ایجاد کیا ہے صفرا اور بدہضمی کو مفید ہے شربت انار معدہ کو کمزور کرتا ہے اور جگر میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے شربت خشخاش و بنفشہ و نیلوفر سب سر کے واسطے مفید ہیں شربت ورد اس خلط سوداوی کو دور کرتا ہے یہانتک کہ ابونصر فارابی کا قول ہے کہ اس شربت کے آگے معرج صغیر کی ضرورت نہیں ہے شربت سیب میں قلب کے واسطے فوائد ہیں۔ شربت گلاب خلط صفراوی کو دور کرتا ہے اور اگر پانچ ماشہ تربد اور سات ماشہ سورنجان کا سفوف بنا کر اس شربت سے پہلے یا اس کے بعد پھانک لیا کرو تو بہت بہتر ہے۔

مربوں کا بیان

بہی کا مربہ گرم مزاجوں کو نفع کرتا ہے سیب کا مربہ ضعف قلب کو جو گرمی سے ہو مفید ہے شہتوت کا رب حلق کے دکھنے کو آرام کرتا ہے کل شربت اور مربے اور دوائیں اس وقت فائدہ کرتی ہیں جب کہ پرہیز کیا جائے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ معدہ مکان دوا کا ہے اور پرہیز دواؤں کا سردار ہے اور جس بدن کو جس چیز کی عادت ہو وہ اس کو کھلاؤ جس شخص کو جس شربت کی عادت ہو اس کے واسطے کچھ حرج نہیں ہے کہ ہر وقت ضرورت اس کو پابندی کے ساتھ نوش کرے ابوطالب مکیؒ فرماتے ہیں تندرستی کے وقت دوا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ اس سے بھی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

موسم خریف میں دوا کا استعمال بہ نسبت ربیع کے بہتر ہے کیونکہ اس میں کھانے کی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو سہولت پیدا کرتی ہیں ساگوں میں بہتر ساگ ملیوں اور پالک کا ہے ابن قتیبہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا چار ساگ جنت کے ہیں اور شب میں ہر ایک قطرہ جنت کے پانی کا برستا ہے پالک اور کاسنی اور ملیوں اور کاہو کاسنی میں تبرید ہے اور پالک اور ملیون میں ترتیب ہے اور کاہو خون صالح پیدا کرتا ہے ملیوں کے ساگ کھانے کی بہتر ترکیب یہ ہے کہ زردہ بیضہ مرغ کے ساتھ کھایا جائے اور عمدہ لکڑی وہ ہے جس کے اندر خالی جگہ کم ہو کریس کا قلیل استعمال

سدے کھل جاتے ہیں اور بعض شہروں میں لوگ اسکو تبرک سمجھتے ہیں سداب کے استعمال جذام
پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کی اصلی مکھیوں کے گو میں سے ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے انجیر تر کھایا جائے
یا خشک جذام اور نقرس اور برص کو فائدہ کرتا ہے۔ بعض اطبا کا قول ہے کہ انجیر میں ناسور کے آرام کرنے
کی خاصیت ہے۔ خون حیض کو یہ جاری کرتا ہے بہتر انجیر وہ ہے جو چھوٹا نیلگوں اور تر پختہ ہو نہار منہ
اسکا نوش کرنا بہت مفید ہے اور آخر فصل کا انجیر شروع فصل کے انجیر سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور تربوز
شروع فصل کا آخر فصل کے تربوز سے بہتر ہوتا ہے موسم خریف میں ککڑی کا کھانا بخار پیدا کرتا ہے
اور تخم ریحان کے اس موسم میں پینے سے زکام ہوتا ہے عام گلاس میں پانی پینا طرح طرح کے دکھ
پیدا کرتا ہے کیونکہ ایک شخص کے منہ کے انجیرے دوسرے کے منہ میں سرایت کرتے ہیں اور پیشاب کے
روکنے سے سنگ مثانہ یعنے پتھری پیدا ہوتی ہے پیشاب کی تکلیف کے ساتھ آنے کو مغز تربوز کا پینا
فائدہ کرتا ہے اور اسکو کوٹ کر اور مسور کے ساتھ استعمال کرنا بدن کو نرم اور عمدہ بناتا ہے اور اس کے
عیب دور کرتا ہے مسور مل کر حمام میں نہانا نقصان کرتا ہے مگر کھلی جگہ نہانا نقصان نہیں کرتا اشنان
کے ساتھ نہانے سے بدن کی رطوبت اور میل صاف ہو کر رنگ نکھرتا ہے معجون سمسم کے استعمال سے
بالوں میں طراوت اور بدن میں قوت پیدا ہوتی ہے اور شقاق القدم میں جذام سے امان ہے دراز گھیا
یعنے کدو خلط سوداوی کو فائدہ کرتا ہے اور اس کا حلوا بھی بہت مفید اور دماغ کو نافع ہے اور بدن
کے رنگ کو نکھارتا ہے بشرطیکہ خشخاش و بادام کو بیدہ دار چینی و زعفران گلاب میں حل شدہ اس کے اندر
اضافہ کی جائیں اور شہد ملا کر تربوز کے سر میں رکھ دیا جائے اور یہی ترکیب سکنجبین میں کی جاتی
ہے عمدہ حلوہ وہ ہے جس کے اندر آٹا زیادہ ہو اور زیادہ تراوت والا حلوا بیضہ مرغ کا ہے اور
قطائف سب کھانوں کی سردار ہے اور سیر معدہ میں ثقیل ہے اور بہتر وہ حلوا ہے جو جلد ہضم اور نرم
ہو جیسے صابونیہ اور کافوریہ بادام کا حلوا ثقیل ہے مگر وہ بہتر ہے جس میں بہت سی خشخاش ڈالی
گئی ہو اور عمدہ ہریسہ تازہ اور خوب بھنا ہوا ہوتا ہے اور گوشت بکری اور بھیڑ کا عمدہ ہوتا ہے۔
مرغ کا گوشت اطراف میں حرارت پیدا کرتا ہے یہ تھوڑا اشارہ ادویہ اور اطعمہ کے بیان میں کافی ہے
یہ کھانے دولت مند لوگوں کے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رض نے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت
میں قطائف قند اور پستہ اور روغن کدو کے ساتھ بھیجے حضور کا چہرہ اس کو دیکھ کر متغیر ہو گیا اور

حضور نے دیکھ کر فرمایا آہ یہ کھانا دولتمندوں کا ہے افسوس دولتمندوں کو بڑا احساب دینا ہوگا اور پھر ایک دودھ کا پیالہ اور کھجوریں حضور کی خدمت میں آئیں آپ نے فرمایا اے عائشہ اس کو نوش کرو کیونکہ تم عورتوں کو جسم کی فربہی زیادہ لائق ہے اور حضور اکثر اوقات صرف شہد سے روٹی نوش فرماتے تھے۔

پس جس شخص نے باوجود قدرت کے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ دیا اس کو بے حساب ثواب ملیگا اور اس میں راز یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کا خلاف کیا اور نفس لذتوں اور شہوتوں کے ترک کرنے کا عادی ہوگیا پھر جب اس نفس نے دنیا سے جو نہایت ذلت کا ظلماتی قید خانہ ہے مفارقت کی تو ان حقیر چیزوں کی جدائی پر غم نہیں کرتا ہے بلکہ عالم اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے اور جو علم کہ اس کے اندر منتقش ہیں مثلاً علم توحید جو اسنے براہین عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ حاصل کیا ہے اس کے سبب سے شرف حاصل کرتا ہے اور ایسے بازو اسکو حاصل ہوتے ہیں جن کے ساتھ یہ عالم ملکوت میں اڑتا ہے کیونکہ روحیں تین قسم کی ہیں ایک روح عارف کی ہے ایک ناسک کی اور ایک زاہد کی اور جس شخص میں یہ تینوں باتیں جمع ہونگی اس کو موت و فوت سے کچھ ضرر نہ پہونچیگا کیونکہ یہ روح کامل ہے عالم کمال کی طرف اسے ترقی کی ہے پس یہ روح جنت میں مقامات علیہ اور انوار قدسیہ کے اندر حضور خداوندی میں پھرتی ہے روحانی فرشتے اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور جو علوم کہ اس کے پاس ہیں ان کو سنتے ہیں پس یہ روح اس عالم کون و فساد سے جدا ہو کر عالم بقا میں پہونچتی ہے جس کے واسطے فنا نہیں ہے خدا تعالےٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت میں وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی انسان کے اوپر اس کا خطرہ گذرا معلوم ہوا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کی نعمتوں کے علاوہ ایک اور نعمت ہے جسکو کوئی نفس ادراک نہیں کر سکتا ہے مگر مشاہدہ کے ساتھ اور مشاہدہ کی بات بیان نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ یہ لذت ذاتی ہے اس کا بیان اور تفسیر نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ اگر مرد سے لذت جماع کا بیان کیا جائے تو وہ ہرگز اسکو نہ سمجھ سکیگا اور جو شخص کسی لذت کا ادراک کرتا ہے اس کو بیان نہیں کر سکتا اسی طرح یہ مشاہدہ کی لذت ہے کہ مشاہدہ کرنیوالے کے سوا کوئی اس کو ادراک نہیں کر سکتا ہے اور اس مشاہدہ سے مراد خدا کریم کی طرف نظر کرنا ہے تم یہ چاہتے ہو کہ بغیر دیکھے مشاہدہ کی لذت معلوم کرو سو یہ معلوم نہیں ہوسکتی۔ جیسے کہ بزدل کو جنگ کا ذکر سننے سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا ہے جب تک کہ اپنی آنکھ سے مشاہدہ نہ کرے اس غفلت کے ساتھ تم کیسے حجاب کے اٹھنے کی طمع کرتے ہو میں نے سنا ہے کہ

حضرت زین العابدین علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو خدا کے اور ان کے درمیان کا حجاب اٹھ جاتا تھا اور وہ اپنے قلب کے ساتھ ملکوت اعلیٰ کا طواف کرتے تھے اور یہی مطلب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس فرمان کا ہے کہ سے آسمان کے راستے دریافت کرو میں تم کو بتاؤنگا اور تو اے غافل باطل پرست اپنے نفس کا غلام اور اپنی خواہش کا قیدی ہے اور پھر تو ابرار اور مقربین سے ملنا چاہتا ہے اور اپنی محبت اور جہالت سے صالحین کی کرامات میں طعن کرتا ہے پس تم کو چاہئے کہ مجاہدہ کرو اور انکار کو چھوڑ دو اور حسن ظن کے گھوڑے پر سوار ہو کر مسافت طے کرنی شروع کرو یہانتک کہ تم ایک نشانی بنجاؤ اور اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو تو شفا کے کپڑے پہن کر مختصر عیش کے ساتھ راضی ہوجاؤ اگر بزرگ عالم میں مقام ملکوت کے اندر ترقی کرنی چاہتے ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے زاہدوں نے دنیاوی عزت اور نعیم آخرت کے ساتھ کامیابی حاصل کی ہے ایک دفعہ مجنوں نے لیلیٰ کو سلام کیا لیلیٰ نے جواب نہ دیا مجنوں نے سبب پوچھا لیلیٰ نے کہا میں نے سنا ہے کہ تورات کو ایک لحظہ بھر سوتا تھا اگر مجھ کو سچا عشق ہوتا تو کیوں سوتا مجنوں نے کہا چونکہ تمہاری ملاقات کی امید تک نہ تھی اس واسطے میں نے چاہا کہ خواب ہی میں تم کو دیکھ لوں اور میں سو رہا لیلیٰ نے کہا معلوم ہوا کہ میری صورت مثالی تیرے دل سے زائل ہو گئی مجنوں نے کہا مثال تو میں خوب پہچانتا ہوں مگر مثال کے دیدار کا بہت مشتاق ہوں۔ لیلا نے یہ شعر پڑھے ؎

لَمْ یَکُنِ الْمَجْنُوْنُ فِیْ حَالَۃٍ ... اِلَّا وَقَدْ کُنْتُ کَمَا کَانَ
بَاحَ لِیْ عَلَیْہِ الْفَضْلُ مِنَ الْحُبِّ مَا ... بَاحَ وَاَنِّیْ مِتُّ کِتْمَانَا[1]

مجنوں کسی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اسی کے مثل اس حالت میں مبتلا تھی بلکہ مجھ کو اس پر اس سبب سے فضیلت ہے کہ اس نے اپنے عشق کو ظاہر کر دیا۔ اور میں پوشیدہ کرتے سے رہ گئی صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لبشر اور ہند باہم محبت میں مرگئے ہیں فرمایا یہ دونوں محبت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہو کر مرگئے پھر فرمایا اے عائشہ میرے بعد تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہوگا عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کے بعد باقی رہونگی فرمایا ہاں تم باقی رہوگی مگر جب تک مجھ سے نہ ملوگی بےچین رہوگی حضور نے فرمایا اے عائشہ جب دو میاں بیوی مرتے ہیں اور انکی باہم محبت ہوتی ہے تو ان میں سے ایک دوسرے کا اس طرح انتظار کرتا ہے جیسے سفر سے آنیوالے کا انتظار کرتے ہیں

[1] مجنوں کسی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اس میں اسی کی مثل تھی بلکہ مجھ کو اس پر اس بات میں فضیلت ہے کہ اپنے عشق کو ظاہر کر دیا اور میں اس کے پوشیدہ کرنے ہی میں مر گئی۔

جب حضرت صدیق کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو انکی بیوی کہنے لگیں ہائے جدائی۔ حضرت صدیق نے کہا نہیں بلکہ مجھکو بہت خوشی ہے کیونکہ میں اپنے دوستوں سے ملونگا اس واسطے تمکو بھی موت سے نہ ڈرنا چاہیے اگر تم اپنے دوستوں سے ملنے کی مشتاق ہو اور ملاقات دارالبقا میں ضروری ہے پس تم ہاتھ میں اپنی لکڑی لے کر شاشب چالاکی کے ساتھ منزل پر جا پہونچو کیونکہ جو شخص راتوں رات چلتا ہے وہ جلد منزل پر پہونچ جاتا ہے اور جو رات کو آرام کرنا مقدم سمجھتا ہے اس کو دن کے وقت دھوپ میں ہولناک جنگل طے کرنا ہوتا ہے پس تم کو چاہیے کہ خدا پر بھروسا کر کے جھٹ پٹ اٹھ کھڑے ہو حضرت جنید نے جب ایک بچہ کو یہ کہتے سنا اپنا گریبان چاک کیا وہ بچہ یہ کہتا تھا میں اپنے زمانہ کو دیکھتا ہوں کہ بیکاری اور مغالطہ میں گذرا جاتا ہے اور میرے زمانہ نے مجھکو ایسے حال میں کر دیا کہ میرا کچھ حال نہ رہا جب اعمال درست اور اجسام پاک ہوتے ہیں اور عاشق شب بیداری کرتے ہیں اور کھانا اور سونا کم کر دیتے ہیں باغہائے اشتیاق کے دروازے کھلجاتے ہیں اور معرفت کے سورج طلوع کرتے ہیں اور قرب کے پھول پردوں کے نیچے سے ظاہر ہو جاتے ہیں تمنائیں منقطع ہو جاتی ہیں اور انوار جمال کے ساتھ قلب روشن ہو جاتا ہے اور عاشق اپنے معشوق کو آواز دیتا ہے کائنات سب اسپر منکشف ہو جاتے ہیں حقائق موجودات مشاہدہ کرتا ہے اور انواع مکاشفات کے ساتھ محظوظ ہوتا ہے کرامات اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اعلٰے مقامات کی انکو بشارت ملتی ہے۔

ابوالحسن نوری فرماتے ہیں ہم ابو یزید بسطامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس ہم نے کھجوریں رکھی ہوئی دیکھیں انہوں نے ہم سے فرمایا کہ ان کھجوروں کو کھاؤ۔ حضرت خضر علیہ السلام کا ہدیہ ہے جسکو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے ہیں اور میں نے ان کو خاص خداوند تعالٰے سے مانگا تھا خضر کے واسطے سے نہیں مانگا تھا اور خضر نے ان میں سو میرے سامنے کھائی ہیں۔ ابوالحسن نوری فرماتے ہیں پھر ہم دوسرے جمعہ کو حضرت جنید کی خدمت میں گئے تو ایک سونے کے طباق میں ہم نے تر کھجوریں رکھی دیکھیں ہمنے کہا اس میں سے ہم کو نہیں کھلاتے ہو انہوں نے کہا نہ یہ میرے واسطے ہے نہ تمہارے واسطے ہے ہم نے کہا اس کا قصہ ہم سے بیان کیجئے فرمایا میں رات کو بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ میں نے سنا یہ ہمارا ہدیہ بغیر واسطہ خضر کے لو۔

اے غافل جو لغت معرفت سے محجوب ہے تجھ کو معلوم ہو کہ خدا کے دوست خدا کے ساتھ

ایسے انداز کرتے ہیں جیسے معشوق اپنے عاشق کے ساتھ انداز کرتا ہے چنانچہ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصریہ نے دعا کی کہ اے خدا بطفیل اس معاملہ کے جو میرے اور تیرے درمیان میں ہے آج شب کو میرے پاس میرے مرشد یونس بن عبیدہ کو پہونچا دے۔ یونس بن عبیدہ آئے اور کہا اے رابعہ تو نے ایسے کام کے واسطے اپنی دعا کو کیوں ضائع کیا جو ضروری ہونیوالا تھا رابعہ نے کہا اے شیخ اس خیال کو چھوڑ دو اگر یہ بات ہو تو دوستوں کے انداز کہاں رہیں اور تم سبب بغیر شے جانتے ہو پس یہ اد باشوں کی خواہش ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے جو ابرت معمولی بانٹ رہا تھا فرمایا کہ صاحب آپ انکے ساتھ ہم کو کیوں نہیں دیتے ہیں اس شخص نے کہا اے احمق تیرے نفس کی یہ تمنا کرنا بالکل فضول ہے اگر تو بھی یہ کام کرتا تو اس کی اجرت لیتا شبلی ایک مکان میں جا کر سنا کہ بیوی میاں سے کر رہی ہے تو اپنے کام سے زیادہ اور امید نہ رکھیو تو بغیر کسی چیز کے عناق اور زفاق چاہتا ہے خاوند نے کہا میری سستی اس سے زیادہ کام کرتی ہے پھر حسرت سے کہنے لگا کہ اگر میں کچھ کام کرتا تو میرے دوست مجھ سے راضی ہوتے

چوبیسواں مقالہ (کھانے پینے کے آداب میں)

معلوم ہو کہ خداوند تعالےٰ نے آدمی کو پیدا کر کے اس کی زندگی کا سبب غذا کو بنایا ہے پھر اس غذا میں آدمیوں کی بہت قسمیں ہیں بعض ایسے ہیں جو تھوڑی غذا پر قناعت کرتے ہیں عابد لوگ ہیں جو اپنی خصائل و عادات کے ساتھ فرشتوں مشابہت رکھتے ہیں اور کھانا اور سونا ان کا بہت کم ہوتا ہے جس قدر غذا کم ہوگی اسیقدر اہل آسمان سے مشابہت زیادہ ہوگی اور کم کھانے کا ایک ظاہری ثمرہ یہ ہے کہ عافیت حاصل ہو کر طبیب کی ضرورت نہیں رہتی ہے اور کم کھانے سے ہی قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور پاخانہ کم آتا ہے جو شخص اپنی ہمت کو اپنے پیٹ کے اندر داخل کرنے میں مصروف کریگا اس کی قیمت وہی ہے جو پیٹ سے نکلتا زیادہ سالنوں اور میووں کا نہ کھانا سلامتی پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہو کہ زیادہ کھانا وہی نقصان پہنچاتا ہے جو نقصان اونٹ کو اس رسی کے کس کر باندھنے سے پہنچتا ہے جو اس کی رفتار کم کرنے کو باندھتے ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم کبھی دو طرح کے سالن نہ کھاتے تھے اس بات میں زہد بھی ہے اور طب بھی ہے پیٹ کے اندر ایک آتشی قوت ہے جو غذا کو کھا لیتی ہے۔ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور پیٹ کے اندر بھی سات دروازے ہیں جیسے حرص اور لالچ اور چغلخوری اور زیادہ بھوک اور خطاؤں سے پروا نہ کرنی وغیرہ دروازے ہیں اور سب سے بڑھ کر گناہ مال حرام کھانا ہے اور ایسے ہی جہنم کے دروازوں کی مثل جسم کے اندر بھی دروازے ہیں کان۔ آنکھ۔ پیٹ اور فرج اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر یہ سب دروازے قبائح کی طرف راہبری کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر برا پیٹ ہے اور افعال قبیحہ میں سب سے برا فعل بندوں پر ظلم کرنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے دو لقمے حرام کے کھائے چالیس روز تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے اور جس شخص نے اپنے پیٹ کو مال حرام سے بھر لیا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے اور حرام مال غصب اور چوری اور ٹکس لینے اور قزاقی اور رشوت وغیرہ کا ہے جس کی تفصیل ہم نے کتاب احیاء علوم الدین میں لکھدی ہے اور حلال مال وہ ہے جو آدمی اپنی محنت مزدوری یا تجارت سے جس میں دھوکا نہ ہو حاصل کرے شکار کے متعلق علما نے اختلاف کیا ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے اور خصوصاً جو کام کر تم اپنے ہاتھ سے کرو وہ سب سے بہتر کسب ہے ایک دفعہ ابوالحسن نوری اور ابو یزید اور سفیان بن عیینہ نے جمع ہو کر اپنی اجرتوں میں سے تھوڑی اجرت کی روٹی خریدی اور باقی اجرت کا صدقہ دیدیا پھر جب یہ لوگ کھانے بیٹھے تو سفیان بن عیینہ نے کہا تم جانتے ہو کہ تمنے کھیت کاٹنے میں مالک کی کچھ خیر خواہی کی تھی سب نے کہا اس بات کا ہم کو کچھ خیال نہیں ہے پھر یہ سب روٹی کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے معلوم ہو کہ حرام کا راز نہایت باریک ہے ہم تھوڑا سا ظاہر کرتے ہیں معلوم ہو کہ صانع ایک ہے اور کل مخلوق اس کے فیض سے ہے پس جب کوئی شخص ظلم کرتا ہے اس کے ظلم کا اثر ساری مخلوق میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ خداوند تعالے نے فرمایا ہے فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا اور قیاسی دلیل یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرے بالوں پر طلاق ہے پس اس کہنے سے تمام جسم پر طلاق ہو جائیگی اور جب تم صدقہ دوگے تو خالق اور مخلوق دونوں کو راضی کروگے حلال روزی کا ایک نوالہ خدا کے نزدیک بڑے صدقوں سے افضل ہے جب کھانے بیٹھو تو اپنے آگے سے تین انگلیوں کے ساتھ کھاؤ بہت بھوک

کے وقت کھانا چاہیے اور اتنا کھائے کہ پھر بھوک باقی رہے اور کھانے کے وقت اس طرح بیٹھو جیسے استاد کے سامنے سبق پڑھنے بیٹھتے ہو معلوم ہو کہ خداوند تعالٰی نے حرام اور گرم کھانے سے برکت اٹھالی ہے اور گرم کھانے میں بار نقصان ہیں دانتوں کو گراتا ہے اور رنگ کو زرد کرتا اور جگر کو بھی ضرر پہونچاتا ہے اور بعض اوقات اور خرابیاں بھی گرم کھانے سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ ضرور دھونے چاہئیں اور بدبودار چیز کو میاں بی بی کے نہیں کھانا چاہئے مگر جب ایک دوسرے کو اجازت دیدیں کیونکہ اس کے کھانے سے باہم نفرت پیدا ہوتی ہے اور خوشبو کی چیزوں سے محبت ہوتی ہے کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھونے سے ہوئیں اور بدبو پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ بھی وارد ہے کہ جھوٹے ہاتھ کو شیطان چوس لیتا ہے اور ایسا آدمی سے

اور چونکہ حلال روزی کھانے سے مقصود تصفیہ قلب اور تقلیل ذنوب ہے .. طلب کرنا فرض ہوا جیسے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کیونکہ علم جب تک کہ خیر کی طرف راہبری نہ کرے تو وہ علم نقصان دہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے ایک سال تک مال حلال کھایا اس پر عرش منکشف ہوتا ہے اور اس کی خواطر کے انوار صاف ہو جاتے ہیں حلال روزی کا کھانا کیمیا سعادت ہے سینہ اس سے کھل جاتا ہے اور معرفت کے انوار صاف ہوتے ہیں اور قلب سے حکمت کی نہریں بہتی ہیں اور غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور غرور کی دیوار دور ہوتی ہے پھر آسمان توحید صاف ہو کر لوح مجید منکشف ہو جاتی ہے اور اپنی صفا خاطر کے کان لے ساتھ ملائکہ مقربین کی تسبیح سنتا ہے۔

معلوم ہو کہ روحیں مرنے کے بعد کسی گناہ کے سبب سے رہن نہیں ہوتی ہیں مگر بندوں پر ظلم کرنے سے رہن ہو جاتی ہیں کیونکہ اس کا مطالبہ خدا کے سامنے ہوتا ہے جو نہایت عادل حاکم علیم باقی ہے اور اس کے بندوں میں برابری ہونی ضروری ہے اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ اور جو روح کہ مظالم مذمت سے پاک ہوتی ہے وہ قید نفوس سے چھٹ جاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں اگر اپنے لوگوں کو بخیر دیکھتی ہیں شکر کرتی ہیں ورنہ نفرت کرتی ہیں اور کہتی ہیں اے ہمارے لوگو دنیا سے بچو اور اس کے فریب میں نہ آؤ جیسا کہ ہم اس کے فریب میں آگئے یہ ندامت کی خوشبو ہے اور جو روحیں کہ گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہوتی ہیں وہ جہاں چاہتی ہیں اڑتی

پھرتی ہیں اور روحیں جوہر ہوں یا ہیئت ملکوتی یا جسم لطیف ہوں جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کچھ بھی ہوں ادراک کرنیوالے احساس اور اپنے جسم کی مفارقت سے خبردار ہوتی ہیں اور علم والا جاہل پر ترقی کر جاتا ہے حدیث میں لکھا ہے کہ ظلم سے ایک درہم کو روکنا خدا کے نزدیک چار ہزار مقبول حجوں سے بہتر ہے پھر جب کہ تم حج اور جہاد گناہوں کے خوف سے کرتے ہو تو۔ پہلے تم کو گناہوں کی جڑ قطع کرنی چاہیئے۔

پچیسواں مقالہ (تہذیب نفوس کے بیان میں)

معلوم ہو کہ تمہارا نفس تمہارا سخت دشمن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تیرا نفس جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے تیرا سب دشمنوں سے بڑھکر دشمن ہے وبال کی طرف تجھ کو بلاتا ہے اور گمراہی کا راستہ تجھ کو دکھاتا ہے اور ذلت و ناپاکی میں تجھکو گرا دیتا ہے اور نفس خواہش کو تیرے اوپر سوار کر کے تجھ کو طرح طرح کی طمع اور آرزو دلا کر ہلاک کرتا ہے، پس لازم ہے کہ اسکی خصلتیں اور عادتیں ترک کرو اور اس کے شر اور شرک کو چھوڑ دو اور اس کی طمع اور آرزو اور ہوا و ہوس سے:

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ خداوند تعالےٰ نے جب نفس کو پیدا کیا تو فرمایا کہ میں کون ہوں اُس نے عرض کیا کہ اور میں کون ہوں پس خداوند تعالےٰ نے اسکو طرح طرح کے عذاب میں بتلا کیا اور پھر جب اس سے فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے یہی کہا کہ اور میں کون ہوں یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو بھوک کے عذاب میں بتلا کیا تب اسے کہا کہ تو وہ خدا ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تیرا نفس نرچی خصلت ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو یہ طمع کرتا ہے اور نافرمانی کر کے رقص کرتا ہے یہی بلاؤں میں پھنسانیوالا اور کل برائیوں کا مخزن ہے اس کو ایک نہایت مکار بھیڑیا اور سخت دشمن سمجھو اسکی دوا قلیل اور مرض کثیر ہے ؎

إِذَا طَلَبَتْكَ النَّفْسُ يَوْمًا بِشَهْوَةٍ ... عَلَيْهَا إِلَى الْهَوَى طَرِيقٌ
فَخَالِفْ هَوَاهَا مَا اسْتَطَعْتَ فَإِنَّمَا ... هَوَاهَا عَدُوٌّ وَالْخِلَافُ صَدِيقٌ

جب تک مریض دوا کی تلخی پر صبر نہ کرے صحت کی خوبی نہ پا سکیگا پس نفس کو اس قدر تکلیف پہونچانی چاہیئے کہ وہ مہذب ہو جائے اور اس کے اخلاق و آداب درست ہوں۔

اور جب تم اس کے مہذب بنانے کا پورا ارادہ کرو تو ایسے تازیانے اُس کے لگاؤ جن سے اُسکو

سخت تکلیف پہنچے اور تواضع کے ساتھ اس کے تکبر کو نکالو اور امتحان کی آگ پر اسکو خوب جوش کرو اور علم کو اس کا دوست اور عمل کو اس کا رفیق بناؤ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر اعمال صالحہ کی مشق کراؤ اور لطائف و ظرائف اور عقل و کیاست سے اسکو آراستہ کرو۔

معلوم ہو کہ خداوند تعالےٰ لطیف ہے اور لطیف کو یہ لائق نہیں ہے کہ لطیف کو غذا کرے اور لطافت اس میں اسوقت پیدا ہوتی ہے جب یہ مجاہدہ کی آگ میں عذاب کیا جاتا ہے اور یہی اس کی تہذیب ہے۔

معلوم ہو کہ شر سے بچا کر خیر کی عادت نفس کے اندر پیدا کرو اور نوافل کے ساتھ اس کی پرورش کرکے اپنے شیخ یعنے مرشد کے سامنے ان کی اطاعت کے ساتھ اس کو مہذب بناؤ۔

معلوم ہو کہ شیخ کی حرمت سے زیادہ ہے اور شیخ ہی حقیقی والد اور طریقت کا راہبر اور مرید کو جہالت کی تاریکی سے معرفت کے نور اور سعادت ابدی اور نجات سرمدی کی طرف نکالنے اور فرشتوں کے ساتھ ملانیوالا ہے کیونکہ شیخ ہی گناہوں کا طبیب ہے اور والدین صرف اپنی حاجت شہوانی کو پورا کرکے تیری پیدائش اور عدم سے وجود میں آنے کے سبب ہوئے اور ان کی اس نیت سے جو وہ تیرے ایجاد سے پہلے وطی یعنے صحبت کے وقت رکھتے تھے تو تو شہوت کے پھل ہے۔ پس انہوں نے تجھکو عدم سے وجود میں نقل کرنے کا تو اچھا کام کیا مگر شہوت کے سبب سے عقل میں قاصر رہ گئے اور تمہارے علم کی علامت یہ ہے کہ اگر لوگ تم سے تمسخر کریں تم کچھ پرواہ نہ کرو اور اگر وہ تمہارے کام میں خلل ڈالیں تم ان کی طرف متوجہ نہ ہو غرضیکہ ان کے افعال و حرکات سے تمہارے دل میں اثر پڑنا موقوف ہو جائے اور جہانتک ہوسکے تکبر سے پرہیز کرو اور جب تم تہذیب نفس کا اعلےٰ درجہ حاصل کرنا چاہو تو لازم ہے کہ ایک تنگ و تاریک مکان میں چالیس شبانہ روز خلوت کرو اور اگر پورے چار مہینے خلوت میں رہو تو بہت بہتر ہے اور لوگوں سے ترک تعلق میں میت کی مثل ہو جاؤ اور مہینے کے لائق کھانے کا سامان اپنے پاس رکھو گویا کہ تم[1] کا سفر کر رہے ہو اور متابعت شریعت کو سواری بنا کر منزل مقصود کی

---

[1] جب کسی روز نفس تجھ سے کوئی خواہش کرے اور نفس پر خواہش کا طریق ہو۔ پس تو اس کی خواہش کی جہانتک ہوسکے مخالفت کر کیونکہ نفس کی خواہش تیری دشمن اور اُس کا خلاف تیرا دوست؛

راہ لو اور نفس کشی کے جنگل و بیابان طے کرنے شروع کرو۔

اس خلوت کے واسطے جاڑے کا موسم بہت مناسب ہے اور سوا فرض کے زیادہ نوافل نہ پڑھو صرف یہ ذکر دل اور زبان سے ہمیشہ جاری رکھو لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ[1] اور بغیر نیند کے غلبہ کئے نہ سوؤ اور جب زبان ذکر سے تھک جائے تو فقط دل ہی سے جاری رکھو اور جس قدر بھوک ہو اس سے ایک تہائی کم کھانا کھاؤ اور بہت مدہوش رہو۔ اثنائے چلہ کشی میں تم کو نظر آئیں ان سے خوف نہ کرنا بعض جنات اور شیاطین تم کو وسوسے دیں گے ان کے وسوسے میں ہرگز نہ آنا کوئی کہے گا کہ میں کیمیا سکھاتا ہوں اور کوئی کہے گا کہ میں خزانہ بتاتا ہوں اور کوئی ڈرائیگا اور کوئی خوشی کی باتیں سنائیگا ان سب کی طرف تم کو توجہ ہونا نہ چاہئے اور اسی اثنا میں تم پر عجائب علوم و فنون منکشف ہونگے اور دل کی کثافت دور ہو کر قلب اور لوح محفوظ کے درمیان سے حجاب اٹھ جائیگا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے سب تم مشاہدہ کر لوگے اور لوگوں کے سامنے بیان کر سکو گے اور بیداری میں تم پر وہ حالات منکشف ہوں گے جنکو تم خواب میں دیکھا کرتے تھے پس قلب تمہارا منور ہوگا اور سینہ انوار جمال کے ساتھ کشادہ ہو جائیگا کل کائنات اور موجودات پیش نظر آجائینگے اور ایسی کرامتیں ظاہر ہوں گی جو معجزات کی ہم پلہ ہیں اور صرف اظہار و استتار اور تحدی کے اندر ان میں اور معجزات میں فرق ہے بلکہ جب یہ خلوت نشین مقام تمکین میں پہونچے گا کل اشیا اس کے زیر حکم ہوں گے جو کچھ یہ چاہے کر سکیگا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور جو بات خلوت میں تمہارے سامنے پیش یا کوئی شک و شبہ واقع ہو اس کو فوراً اپنے مرشد سے بیان کرو کیونکہ شیخ اپنی قوم میں مثل نبی کے ہے اپنی امت میں اور جس شخص کا شیخ نہیں ہے اس کا شیخ شیطان ہے، اور جو بغیر شیخ کے مرا وہ جاہلیت کی موت مرا شیخ اس کو تعلیم و تلقین کرتا اور خدا کی معرفت کا راستہ بتاتا ہے۔

خلوت نشین پر قرب کی نسیم حجابات کے اندر سے چلتی ہے اور دلوں کے راز اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ابدال اس کی ملاقات کو تشریف لاتے ہیں پس تم اس کو ہمیشہ خوش و خرم دیکھتے ہو اخلاق و معیشت اس کی نہایت پاکیزہ ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس کے قلب پر تجلی فرماتا ہے اور وہ کلام الٰہی کو سنکر اپنے مقصد کو پہنچ جاتا ہے مشاہدہ کے آفتاب کا شاذ ... ہر

---

[1] کوئی معبود نہیں مگر اللہ جو زندہ اور قائم ہے ۱۲

اور مخفیات کو معلوم کرتا ہے اور کائنات پر مطلع ہوتا ہے واصل بحق کی علامت یہ ہے کہ حسن خلق، کثرت علم، حلاوت کلام اور تواضع سے آراستہ ہو اور باوجود ان سب خوبیوں کے نراس کے اندر حسد اور بخل ہو نہ تکبر ہو اور نہ وہ ظالم متیر اور زیادہ کھانے پینے والا ہو اور نہ زیادہ بیند اس کو آتی ہو نفس اسکا ملکوتی ہو جبرئیل علیہ السلام اس کی ہمت کو قوی کرتے ہیں اور اسرافیل اس کی ہمت کے صور میں سعادت کو پھونک دیتے ہیں پس وہ اسی ہمت کے ساتھ محبت کی راہ کو طے کرتا ہے اور معرفت کے میدان میں قدم اٹھاتا ہے یہانتک کہ ہیبت الجلال کی اس پر تجلی ہوتی ہے اور پانی پر چلنے اور ہوا پر اڑنے کی خاصیت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہر دور دراز کے راستہ اس کے لئے نزدیک ہوتے ہیں۔

اے لوگو ایسے شخص کو تلاش کر کے اس کی نزدیکی اختیار کرو اسکی خدمت سے تم کو وہی فیض پہونچے گا جو ماہتاب کو آفتاب سے پہنچتا ہے اور اکثر اوقات ابدال کے مریدوں اور شاگردوں کو حاصل ہوئے ہیں جیساکہ حضرت موسٰے علیہ السلام سے انکے شاگرد یوشع بن نون کو نبوت مل گئی تھی اور معلوم ہو کہ احوال و مقامات کی تصدیق وہی شخص کریگا جو تھوڑا یا بہت ان کو جانتا ہوگا جیساکہ علم کیمیا کی تصدیق وہی شخص کرتا ہے جو اس کو معلوم کر چکا، پس بے جو شخص کہ جاننے والے کے سامنے بیان کریگا تو بیشک اُسکو ہدایت ہوگی کیونکہ اندھا چاند و سورج کو نہیں دیکھتا ہے اور نہ لنگڑا شکار کے پیچھے دوڑ سکتا ہے، اور جب کہ تم نہ اس علم سے واقف ہو نہ تم کو اس کا شوق ہو پس تم اس سے بے نصیب ہو پیٹ تمہارا پر ہے اور آنکھیں اور زبان گنگ اور علم قلیل اور امید طویل اور گناہ کثیر ہیں اور پروردگار دانا اور بینا ہے۔ پس تم اپنے گمان کو نیک کرو کیونکہ تمنے گرایا پس تم گر گئے اور تم نے زخمی کیا پس تم زخمی ہوئے اور اگر تم میل جول کرتے تو ملجاتے اور خدمت بجالاتے سے مخدوم بنتے مگر تم لالچی ہو طمع تمنے اختیار کی ہے جس کے تینوں حروف نقطہ سے خالی ہیں اسی سبب سے تم ہلاک ہوئے اور جو کچھ کمایا تھا سب کھو دیا اور آخری وقت بجز ندامت کے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

تمکو معلوم ہو کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ یعنے خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقوے کرتے ہیں اور جو نیکی کار ہیں

چھبیسواں ۲۶ مقالہ

نبوت اور سعادات کے بیان میں

علما نے اس کے اندر اختلاف کیا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ سعادت اور نبوّت کیسی چیز ہے کیونکہ خداوند تعالٰے فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] یعنے جو لوگ ہماری راہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے بتلاتے ہیں اس آیت میں خداوند تعالٰے مجاہدہ کو ہدایت پر مقدم کیا ہے اور اسکو ابواب ہدایت کی کنجی گردانا ہے اور حرکات کو اسباب اکتساب قرار دیا ہے اور اس میں کسی منافعت اور مشابکت نہیں ہے اور ایک شخص یہ کہتا ہے کہ افعال خدا کی طرف سے ہیں جسکام میں چاہتا ہے ان کو مسخر کرتا ہے اور ایک شخص کا یہ قول ہے کہ افعال بندوں کے ہیں۔ اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال بندوں کے ہیں۔ اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال مخلوقہ ہیں مگر بندہ کے ارادہ پر ان کو موقوف کیا گیا ہے اور بندہ کو ان میں تصرف اور اختیار اور اکتساب ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ[2] چنانچہ کسی شخص نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور کہا حرکت دینے والے کی بیوی کو طلاق ہے تو کل اہل فتاوٰے کے نزدیک اس کی بیوی پر طلاق ہو جاویگی۔

معلوم ہو کہ ہر چیز علم الٰہی کے ساتھ ہے یعنے مخلوقات میں سے جو کچھ ہوا ہے اور ہوگا سب خدا کے علم اور اسکی تقدیر کے ساتھ ہے مگر یہاں گفتگو نفس کے کسب میں ہے کہ نفس جو برائی کا کسب یعنے برا فعل کرتا ہے جب وہ خدا کی طرف ہے تو پھر خدا اپنے فعل پر ہم کو کیوں عذاب کرتا ہے اور اگر یہ برا فعل ہماری اور اس کی دونوں کیطرف سے ہے تب دونوں پر اس کی جنابت ہونی چاہیے اور اگر صرف ہم ہی سے وہ فعل صادر ہوتا ہے تب ہم ہی اس کی سزا کے مستحق ہیں کیا تم اس آیت کے معنوں میں غور نہیں کرتے؛ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ[3] اور اس آیت میں وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ[4] آیات میں بندہ کے فعل کو اس نے فاعل کی طرف اضافت

---

[1] اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ضرور ان کو اپنے راستے بتائیں گے ۱۲

[2] اور خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اس کو بھی ۱۲

[3] بے شک نفس البتہ برائی کا حکم کرنے والا ہے ۱۲۔

[4] اور جو شخص مومن کو قصداً قتل کریگا پس وہ دوزخ کا سزاوار ہے ۱۲۔

کیا ہے اور لعنت اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی سزا کا اسکو سزاوار بنایا ہے جیسا کہ متقیوں سے خطاب فرمایا ہے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اور آسمانی امور مثل بجلیوں اور زلزلوں اور بارش اور ہوا اور ... برق اور موت و زندگی اور فقر و غنا اور مرض و صحت وغیرہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں کسی بندہ کا ان میں کچھ دخل نہیں ہے یہاں کلام صرف کسب نفس کے متعلق ہے جس کی شان میں خدا تعالے فرماتا ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اس آیت میں بھی فعل کو نفس ہی کی طرف اضافت کیا ہے جیسا کہ اس کی سزا کو نفس پر مقرر فرمایا ہے کیونکہ سزا عمل کے ساتھ ہے پس سمجھو کہ زنا کو زانی کی طرف اور چوری کو چور کی طرف کس طرح اضافت کیا ہے حالانکہ وہ ان دونوں کے فعل سے بالجبر اور انکا جاننے والا ہے تفصیل اس کی بہت طویل ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدہ اختیار کرکے کسب معالی میں کوشش کرو حصول مقصد سے خالی نہ رہو گے دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار حرا میں دس برس یا سات برس یا تین برس تک مجاہدہ کیا ہے حضرت ام المومنین خدیجہ کے پاس آکر کھانے کا سامان کئی روز کے واسطے لے جایا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگے کہ محمد اپنے رب کے عاشق ہو گئے ہیں اور حضور نے اس قدر مجاہدہ کیا کہ جسم مبارک بالکل لطیف ہو گیا اور ذکر کے صیقل نے قلب مطہر کے آئینہ کو روشن کر دیا یہاں تک کہ حضرت کو ربوبیت کی تجلی ہوئی اور غفلت کے پردے اٹھ گئے اور نفس مبارک اجرام فلک اعلے اور ملائکہ سے متصل ہو گیا اور عالم غیب کی باتیں منکشف ہونے لگیں جب دنیا کی جوتی اتار ڈالی اور بیت الرب میں داخل ہو گئے وسوسوں کا تمام کوڑا کرکٹ نکال کر پھینک دیا۔

چونکہ شرع شریف نے اُنپردوں کے لٹکانے سے ممانعت کی ہے جن پر تصویر بنی ہوئی ہو اور کتے کے گھر میں رکھنے سے بھی منع کیا ہے اور فرمایا ہے جس گھر میں یہ دونوں چیزیں ہونگی اس میں فرشتہ نہ داخل ہوگا پس ہم نے قلب کی طرف جو نظر کی تو اُس کے اندر دس کتے دولت ایمان کے تخت کے پاس بیٹھے ہوئے ہم کو نظر آئے جو اس کے اور اس کے رب اور فرشتوں کے درمیان میں حائل ہیں کیونکہ جب کتا ایک وسیع مکان میں فرشتوں کے داخل ہونے کو مانع ہوتا ہے تو پھر قلب جیسے تنگ مکان میں کیوں نہ مانع ہوگا حالانکہ اس کے اندر تو دس کتے ہیں ایک کتا حرص کا دوسرا کتا طمع کا اور ایک لالچ کا اور ایک چغلخوری کا اور ایک حسد کا اور ایک بخل کا

اور ایک ریا کا اور ایک نفاق کا اور ان سب کتوں کا باپ حب دنیا کا کتا ہے باقی یہ سب اس کے توابع ہیں پس جب قلب ان سب کتوں کی نجاست سے پاک اور وسوسوں سے صاف ہوتا ہے اس وقت اسکا غبار دور ہو کر اس کی روشنی ظاہر ہوتی ہے اور اسکا رب اسپر تجلی کرتا ہے کیونکہ قلب رب کا مکان ہے اور قلب فرشتوں سے متصل ہو کر ان کا خطاب بغیر واسطہ کے سنتا ہے اور غیب کے اسرار پردہ غفلت کے پیچھے سے اسپر منکشف ہوتے ہیں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام جب خدا تعالٰے سے کلام کرنا چاہتے تو چار مہینے خلوت میں گزارتے تھے مگر قرآن شریف میں بغیر چار مہینے کے چالیس روز فرمائے ہیں فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً[1] اور حدیث شریف بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ جس نے چالیس روز خدا کے واسطے خالص کئے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اسی کی زبان پر جاری ہوتے ہیں امیہ بن صلت کا قصہ تم نے سنا ہو گا ہم اس کو ذکر کر کے مقالہ میں بیان کریں گے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فضول نہیں ہے کہ جو تلاش کوشش کے ساتھ کرتا ہے وہ ضرور پا لیتا ہے اور اون اور ریشم کی قیمتوں میں کسقدر فرق ہو جاتا ہے وہی روئی ہے جو ارزاں بکتی ہے اور اسی روئی کا کپڑا کس قدر گراں بکتا ہے پس یہ سارے فرق خدمت سے ہوتے ہیں یعنے جس قدر خدمت زیادہ کی جاتی ہے اسیقدر قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اور بغیر محنت کے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی سوا چند مخصوص آدمیوں کے پس اسکو کیمیا کی مثل سمجھنا چاہئے کیونکہ تمام لوگ کیمیا کے شوق میں اپنے کاروبار چھوڑ نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنے حرکات کے ذریعہ سے رزق کو تلاش کرتے ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ اور فرماتا ہے۔ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا اور کاشتکار کا رزق بہ مثل متوکل کے رزق کے نہیں ہے جس نے محض خدا ہی پر بھروسہ کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم خدا پر پورا بھروسہ کرتے تو تم بھی پرندوں کے مثل ہوتے جو صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے سوتے ہیں

لہذا تم کو خدمت اختیار کرنی چاہئے تاکہ بزرگوں کا درجہ تم کو نصیب ہو دیکھو ریشم جو ایک کیڑے کا جالا ہے خدمت کے بعد بادشاہ کا لباس بنتا ہے اور بلغار کے دریاؤں میں ایک جانور ہوتا ہے جس کی عادت یہ ہے کہ سب جانوروں سے بالکل علیحدہ رہتا ہے اس کی کھال کو خدمت کے بعد شاہی تاج بنایا جاتا ہے۔

[1] پورا ہوا وعدہ اس کے رب کا چالیس رات یعنے ایک چلہ

یہ اشارات تمہارے واسطے کافی ہیں اور انہی سے تم ولایت اور نبوت میں ظہور معجزات کے ساتھ اندازہ کر سکتے ہو اور یہ دونوں طبعاً غالب اور اکسیر جاذب ہیں جو شخص معجزات اور کرامات کا انکار کرتا ہے ہم اس سے بحث نہیں کرتے کیونکہ اسکو حسن ظن نہیں ہے کاش وہ دریا سے مجاہدہ میں غوطہ لگاتا تو مشاہدہ کی صورتیں اس کے اندر مرتسم ہو جاتیں اور وہ سارا اکسیر فرہی بنجاتا کسی ناظم نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَا تَيْئَسَنْ إِذَا سَكَنْتَ ذَا أَدَبٍ مَعَ الْخُمُولِ بِأَنْ تَرْقَى إِلَى الْفَلَكِ

بَيْنَا تَرَى الذَّهَبَ الْإِبْرِيزَ مُطَّرَحًا فِي الْأَرْضِ إِذْ صَارَ إِكْلِيلًا عَلَى الْمَلِكِ

ہر شخص کے ارادہ کے موافق اُس کی ہمت ہوتی ہے جو شخص ان نصائح پر عمل کریگا ضرور یہ اسکے واسطے حصول مقصد کے سبب ہوں گے کیونکہ مجاہدہ کے ذریعہ سے طبیعت اکسیر بنجاتی ہے اور بغیر مشقت کے مرتبہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ جو ہمنے بیان کیا ہے اس عمل کا نسخہ ہے جس کے ساتھ بلند منزلیں طے کی جاتی ہیں لہٰذا تم کو اعلیٰ مقامات کا شوق کرنا چاہئے اور اگر یہ شوق تمہارے اندر نہیں ہے تب تم ایک جسم مردار ہو تمہاری ناپاک اور سڑی ہوئی بدبو کے خوف سے تم کو زمین کے اندر پوشیدہ کردیا جائیگا اور یہ بدبو تمہارے اندر تمہاری کمزور اور رذیل ہمت کی ہے پس تم خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اگر تم اس راستہ کے اندر گرے تب بھی تمہارا ثواب خدا کے ذمہ میں واجب ہو گیا اور اگر تم اپنے مقصد کو پہنچ گئے تب تم کو دروازے پر ٹھیرنا چاہیئے چنانچہ کسی کا قول ہے کہ میرے ذمہ میں آپ کے در پر حاضر ہونا ہے اور آپ سے ملنا میرے ذمہ میں نہیں ہے ملنے کا آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ملیں یا نہ ملیں یہ آپکا فعل ہے ہمارا کام یہی ہے کہ ہم حاضر ہو جائیں۔

خواب میں معصیت اور طاعت کے پھل کا مزہ تم چکھ چکے ہو پس رات اور دن وہ خزانے ہیں انکو تم ایسی چیزوں سے پر کرو جو تم کو نفع پہنچائیں اور ایسی چیزوں سے پر نہ کرو جو تم کو نقصان پہونچائیں ضرور ہے کہ ایک روز تمہارا سامان بادشاہ کے حضور میں پیش ہوگا پس یا تم انعام کے مستحق ہوئے اور یا تم کو سزا سخت ملی۔ اس مقالہ کے متعلق یہ اشارات کافی ہیں۔

لہ جبکہ تم صاحب ادب ہو تو حالت گمنامی میں اپنی ترقی کو فلک پر پہنچانے سے ناامید مت ہو سونے کو تم دیکھتے ہو کہ زمین میں پڑا رہتا ہے اور پھر یکایک تاج شاہی بن جاتا ہے سید یٰسین علی مترجم۔

ستائیسواں مقالہ

اذکار کے بیان میں

معلوم ہو کہ ذکر کے متعلق بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں چنانچہ آیت فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ[1] اور اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا[2] اور وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ[3] وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ[4] آیات میں ذکر کے مراتب اور اوقات سب بیان کر دیئے ہیں اور ذکر خفی بہت بہتر ہے کیونکہ اس کے ساتھ سننے والوں کو تکلیف نہیں پہنچتی اور ریا و نفاق سے بالکل خالص ہوتا ہے مثل پوشیدہ روزے اور پوشیدہ صدقہ کے اور فضائل اس کے بے شمار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص تو اپنے حلال طیب مال سے صدقہ دیتا ہے اور دوسرا صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک خدا کا ذکر کرتا ہے ان دونوں میں کون افضل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا ذکر بہت بڑا ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص طلوع فجر سے طلوع شمس تک خدا کا ذکر کرتا ہے اسکو سو سرخ اونٹنیاں صدقہ دینے کا ثواب ہوتا ہے جن پر سونا لدا ہوا ور گویا اس نے آٹھ غلام بنی عبد المطلب سے آزاد کئے پھر ذکر کی تین قسمیں ہیں ایک تو ذکر ظاہر یعنے ذکر جلی ہر اسکو عبادات اور تلاوت میں کرنا بہتر ہے اور ایک ذکر خفی ہے جو چپکے چپکے کیا جائے اس کو عبادات اور صدقات میں بجالانا بہتر ہے اور ایک ذکر قلب ہے اس کے ساتھ تمام عالم سے بے پروائی اور محبوب کے ساتھ مشغولی پیدا ہوتی ہے فرماتا ہے میں اُسی کا ذکر کرتا ہوں جو میرا ذکر کرے اور میں اس کا ہمنشین ہوں جو میرا شکر کرے اور جو مجھ سے محبت کرے میں اسکا حبیب ہوں جو اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے میں بھی اپنے دل میں اُسکا ذکر کرتا ہوں اور جو اپنی قوم کے لوگوں میں میرا ذکر کرتا ہے میں اپنے فرشتوں میں اُسکا ذکر کرتا ہوں پھر اس بے پروائی کے بعد فنا حاصل ہوتی ہے یعنے حضرت قدس کے مشاہدہ کے باعث نفس کے سامنے سے غائب ہو جاتا ہے اور ذکر کی عادت ذکر کو ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد اس ذکر کی بدولت ملائکہ ذاکرین میں اُس کا شمار ہوتا ہے اور حظیرۂ قدس کے گرد

---

[1] پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرونگا [2] خدا تعالےٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو [3] اور البتہ خدا کا ذکر بہت بڑا ہے۔
[4] اور اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں تضرع و زاری کے ساتھ آہستہ طور سے صبح شام بجالاؤ اور غافلوں میں سے نہ ہوا۔

ملوک اور امراء کا مرتبہ اسکو حاصل ہوتا ہے اور جس کا اسنے ذکر کیا ہے اس کے قریب کی سرفرازی پاتا ہے جو بڑے اکرام و احتشام کا مرتبہ ہے ۔

اور یہ ذکر قرآن شریف ہے پھر اسکے بعد تسبیح پھر درود شریف پھر استغفار اور دعا ئیں اور وظائف کی پابندی تم کو لازم کرنی چاہئے اگر ایسا کروگے تو ربوبیت کا راز تم پر منکشف ہوگا اور ملائکہ تمہاری ملاقات کو آویں گے اور مسلمان جنات تمہاری خدمتگزاری کریں گے جمادات کی تسبیح تمکو سنائی دیگی وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ۔[1]

اور ذکر کے ثمرہ سے بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جنکا تہذیب نفس میں بیان ہوا ہے اور بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جو سیدنا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو حاصل تھیں آپ ہر شبانہ روز میں ایکہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کل کائنات آپ کے سامنے ہوتی تھی اور خطیرۂ قدس آپ کے پیش نظر ہوتا تھا۔ ذکر ہی کی بدولت اصحاب مقامات درجات مکاشفات میں پہنچے ہیں ۔ اور پانی پر چلنے اور ہوا پر اڑنے کی قدرت پائی ہے اور ذکر ہی کی بدولت ملائکہ شرف کے اعلےٰ مقام پر پہنچے ہیں اور دوام بقا کے مستحق ہوئے ہیں کیونکہ وہ ذکر کی مداومت کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ ضرورت سے بھی منزہ ہیں اور یہ ذکر ہی کا طفیل ہے کہ ملوک و سلاطین زاہدوں کے وزیر حاضر رہتے ہیں اور ذکر ہی کے بدولت عاشقوں کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور جذب قلوب کی خاصیت پیدا ہوجاتی ہے اور ذکر کے سبب سے بعض اوقات ذاکر پر ایسا حال طاری ہوتا ہے کہ تمام وسوسے اسکے ویسے دور جاتے ہیں اور جب دنیا سے نکلکر اپنے مقصد اصلی کو پہونچ جاتا ہے اور صفائے قلب کے طور پر کھڑا ہو کر اپنی پاکیزہ عقل کی وادی میں اپنے رب کا کلام سنتا ہے اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ[2] اور امیہ بن صلت ثقفی کا یہ قصہ سن لینا تم کو کافی ہے اس شخص کو نبوت کی ازحد تمنا تھی اور اسی کے خیال میں ہر وقت گھسا رہتا تھا ایک روز اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ میں تو سوتا ہوں تم میرے واسطے کھانا تیار کرلو اس کا بھائی کہتا ہے کہ جب یہ سو گیا تو میں نے دیکھا کہ دو پرند آسمان سے اترے اور ان میں سے ایک نے اسکا سینہ چاک کرکے ایک سیاہ نقطہ نکالا دوسرے نے کہا کہ کیا اس نے یاد کرلیا اس نے کہا ہاں علوم اولین سب

---

[1] اور نہیں ہے کوئی چیز مگر یہ کہ تسبیح کرتی ہے خدا کی اسکی حمد کے ساتھ مگر لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو ۱۲۔

[2] بے شک میں ہوں خدا پرور دگار تمام عالم کا ۱۲۔

اس کو یاد ہو گئے پھر اس نے پوچھا کہ کیا یہ پاک بھی ہو گیا اس نے کہا پاک نہیں ہوا تب اس نے کہا کہ اسکے دل کو اس کی جگہ پر واپس کر دو کیونکہ یہ نبوت کے لائق نہیں ہے نبوت خلاصۂ آل عبدالمطلب کے واسطے ہے امیہ کا بھائی کہتا ہے کہ جب امیہ بیدار ہوا اور یہ واقعہ میں نے اس سے بیان کیا تو وہ اس کے رنج و صدمہ سے بہت رویا اور آخر کار اسی حسرت و افسوس میں مرگیا اور اس کے شرک نے اس کے مقصد کو حاصل ہونے نہ دیا کیونکہ شہوات قطع کرنیوالی اور لذت باز رکھنے والی ہیں جو شخص پانی کا قصد کرتا ہے وہ گدلے پانی پر بھی صبر کر لیتا ہے اور جو راتوں رات راستہ طے کرتا ہے وہ راستہ کی دھوپ سے محفوظ رہتا ہے اور جو اپنے نفس کو سراپا شہوت بناتا ہے آخر کار کسی نجاست کے کھڈے میں گر پڑتا ہے اور جو شخص مصائب و نوائب پر صبر کر کے مجاہدہ کی ہمت کے ساتھ بلندی کو طے کرتا ہے وہ بلند مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص زیادہ کھاتا اور نفس کو پالتا ہے کبھی بری تدبیر سے خطا نہیں کرتا اور کبھی فلاحیت پاتا ہے۔

اٹھائیسواں مقالہ

جہاد نفس اور اس کی تدبیر کے بیان میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمنے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا نفس کا مجاہدہ اور فرمایا ہے کہ سب سے بڑا تیرا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے اور فرمایا میں بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو پورا کروں۔

معلوم ہو کہ نفس کے اخلاق ذمیمہ اور غیر مستقیم ہیں کیونکہ اس کے اندر باوجود اس کے جسم کے صغیر ہونے کے آسمان و زمین کی تمام چیزیں ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور یہ نفس نار موصدہ ہے اور اسی کے اندر غیبت کے بھیڑیے اور شہوت کے کتے اور غضب کے درندے مخالفت کے چیتے اور حیلہ کی لومڑیاں اور لشکر شیاطین کی کمین گاہیں ہیں خواہش ہے اور منجنیق اور وساوس تبیعہ غرضیکہ یہ سب قلعہ نفس کے گرد اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

معلوم ہو کہ قلب ایک شہر ہے اور نفس لطیف اس کا بادشاہ ہے جو ادراک کرنیوالا اور عالم اور پاکیزہ اور پانی اور اس نفخہ کی صفت سے خارج ہے جسکے ساتھ روح کی طرف اشارہ کیا

نے نار موصدہ یعنے چاروں طرف سے گھیرنے والی آگ ۱۲-

جاتا ہے اور یہ نفس ان انجروں کے ساتھ پوشیدہ ہے جو قلب کے خون سے پیدا ہوتے ہیں اور قلب صنوبری شکل گوشت سے مجوف بنا ہوا ہے اور یہ وہ قلب نہیں ہے جس کی طرف خطاب کیا جاتا ہے اور روح وہ چیز ہے جس کی طرف خطاب ہوتا ہے۔ فَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ[1] اور فرماتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ[2] اور یہی اس آیت کے معنے ہیں اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ[3] اور نفس جسکی طرف اشارہ کیا گیا یہی شہوتوں کا اسیر اور غفلتوں کا قیدی ہے مختلف خیالات میں پھنسا ہوا اور دنیا کا عاشق ہے اس کی نجاست اُس نے نوش کی اور اس کے نشہ ڈالنے میں خبط الحواس ہوگیا جسد خاکی خدمت میں مشغول ہے اور مزبلہ میں ڈالنے کے واسطے اس کو لئے پھرتا ہے اور ہمیشہ ترتیب اور تغذیہ میں مشغول ہے پھر جب موت کے ساتھ ان دونوں میں تفریق ہوگی اس وقت نفس افسوس کریگا اور ایک عرصے کے بعد جسم کو بالکل بھول جائے گا جیسے کہ کبھی اس نے اسکو دیکھا ہی نہ تھا اور پھر جب جسم میں قیامت کے روز دوبارہ داخل کیا جائیگا تو اس سو نفرت کریگا یہانتک کہ قدس کا اشارہ سنیگا یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰى رَبِّكِ یہ خطاب موجود کے واسطے ہے نہ مفقود کے واسطے کیونکہ معدوم کے واسطے خطاب کرنا صحیح نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے اعمال میرے سامنے ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پیش کئے جاتے ہیں پس جو نیکی ہوتی ہے اس کو میں دیکھکر خوش ہوتا ہوں اور جو برائی ہوتی ہے اس کے واسطے میں مغفرت مانگتا ہوں۔ خدا کا غضب زنا کاروں پر سخت ہوا اور فرماتا ہے کہ میرے اوپر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے پس اے مکذب مذہب غافل تاویل کرنے والے میں دیکھتا ہوں کہ تو صانع قادر کو عاجز سمجھتا ہے اور اے مسکین تو یہ کہتا ہے کہ اجسام و ارواح بمانع قدیم قلوب کی طرف واپس نہیں ہوتے اور تو اس کو اس کی قدرت اور آیت او نبوت میں عاجز سمجھتا ہے کیا جس ذات پاک نے تجھ کو تیری ماں کے پیٹ میں پرورش کیا ہے وہ تجھکو تیری قبر پر پرورش نہیں کر سکتا پھر تو جو یہ کہتا ہے کہ ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوکر خاک میں ملجاتی ہیں پھر وہ کیسے خالص ہو سکتی ہیں اس کا جواب

---

[1] اے اہل عقل مجھ سے ڈرو۔ ۱۲ [2] بیشک اس میں نصیحت اس شخص کے واسطے ہے

[3] یعنے اسکی حفاظت کریں کان حفاظت کرنے والے جو سنتے ہیں۔

یہ ہے کہ دیکھو سونے چاندی اور تانبے ولوہے وغیرہ کے ذرے خاک میں ملے ہوئے ہوتے ہیں اور تمہارے نزدیک ان کا باہم متصل ہونا کس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے مگر سنار کے نزدیک کچھ دشوار نہیں ہے وہ فوراً ان اجزا کو مٹی سے بالکل پاک اور خالص کر لیتا ہے اور چونکہ تو خود عاجز ہے اس سبب سے تو قدرت والے کو بھی عاجز سمجھتا ہے اور ابو علی بن سینا کے مقالات کے فریب میں آگیا ہے کیا ابو علی سینا تیرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ راست گو ہے تجھ کو لازم ہے کہ ابو علی کے مقالات اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے میں خوب غور سے نظر کر کے اپنی عقل سے فیصلہ کرے اور یہ نقل ہے تب ہم تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب تو بیمار ہو کر طبیب سے علاج کراتا ہے اور طبیب تیرے واسطے نسخہ لکھتا ہے تب تو اس سے یہ سوال کیوں نہیں کرتا کہ یہ دوا قبض کیوں کرتی ہے اور یہ اسہال کریگا تو تجھ کو یہ جواب دیں گے کہ تو مریض ہے یا معارض ہے پس جب یہ بات ہے تو اب تو اپنی آخرت کے طبیب سے کیوں معارضہ کرتا ہے اور ان کے بتائے ہوئے نسخہ پر کیوں حجت و برہان تلاش کرتا ہے اور تو نہیں جانتا کہ تجھ سے پہلے جو لوگ تھے وہ تجھ سے زیادہ عقل کی روشنی رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اعتراض اور تجویز کفر ہے پس وہ اس کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے اور ایمان کو انہوں نے اختیار کیا پس تجھ کو لازم ہے کہ اپنے کتاب کی جو قرآن شریف ہے تعظیم و تکریم بجالائے کیونکہ یہ کتاب تیری طرف خدا کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے اور وہ شخص نہایت نالائق ہوتا ہے جو اپنے بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہدیہ کی اہانت کرے اور تھوڑے ہی عرصہ میں تو اس بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اس وقت تجھ کو شرمندہ ہونا پڑیگا اور اگر روح اپنے مبادی کی طرف اپنے خالق کے پاس رجوع کرنیوالی ہے پس اگر شریعت کی تصدیق کی تو وہیں غلیظ تو بیخ ظاہر ہوگی اور حماقت تجھے زیادہ ہیں کیونکہ تو تنہا لوگوں کے شمار میں ہے اور اجماع تیرے برخلاف ہے تو نے اپنے نفس کی پیروی کی ہے اور اس نے تجھ کو بلاؤں اور مصیبتوں میں پھنسا دیا ہے تجھ کو رات اور دن اور گرمی اور جاڑے اور ربیع و خریف اور ان کے تغیر اور انقلاب احوال میں نظر کرنی چاہئے کہ خداوند تعالےٰ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور تیرا سونا اور جاگنا تیرے اختیار سے باہر ہے اور ان کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ایسی ہیں جن سے تو غافل ہے اگر تو اپنے نفس کا مجاہدہ اختیار کریگا تو تیرے نفس کی کل صفات ذمیمہ دور ہو جائیں گی اور تو اخلاق حمیدہ سے آراستہ

ہو گا پس تجھ کو لازم ہے کہ غضب کو رضا کے ساتھ اور بڑائی کو تواضع کے ساتھ اور بخل کو سخاوت کے ساتھ اور امساک کو صدقہ کے ساتھ اور خاموشی کو ذکر کے ساتھ اور مخالطت کو خلوت اور نیند کو بیداری اور کم سیری کو بھوک اور غفلت کو ہشیاری اور شرکت کو عزلت اور مداہنت کو صدق و صفا کے ساتھ دور کرو اور شہوت اور باطل کو حق کے ساتھ نکال کر باہر کرو اور جب تم اپنی صفا نالائقہ کو دور کر کے نیک صفات سے آراستہ ہو جاؤ گے اس وقت غفلت کا پردہ تمہارے دل سے دور ہو گا اور تم دیکھ لو گے کہ کس طرح مردے زندہ ہو جاتے ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ تم سرکش شیطان بن کر یہ سمجھتے ہو کہ خدا کے مرید ہو پس اس کی توحید کی حلاوت کے آثار کہاں ہیں حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے اور پھر میرے ذکر کے وقت سو رہے وہ جھوٹا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں آپ کے فرزند حضرت اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے والد[1] صاحب یہ اس شخص کی جزا ہے جو اپنے دوست سے سو رہے اور آدم علیہ السلام جب سو رہے تو حوا پیدا ہوئیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎ عَجَبًا لِلْمُحِبِّ کَیْفَ یَنَامُ[2] کُلُّ نَوْمٍ عَلَی الْمُحِبِّ حَرَامٌ

معلوم ہو کہ تیرا قلب وہی شہر ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں پس تیرے نفس کا شیطان خواہشوں کے رسالے اور حب دنیا کی پلٹنیں اور وسوسوں کے نقاب اور بدگمانیوں کے پٹھی اور مخالفت کی منجنیق اور تکبر کا بوق یعنے بگل اور سمعت کے نقارے اور لالچ کی شمشیر بازاور مکر کے نیزہ باز لے کر اس شہر پر حملہ کرتا ہے اور چاروں طرف سے اسکو محصور کر لیتا ہے پھر اگر اس شہر میں اخلاق حمیدہ کے بہادر اور صفات حسنہ کا توشہ وغیرہ نہیں ہوتا تو یہ شہر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس بادشاہ کی سلطنت چھین کر صدق کے برج منہدم ہوتے ہیں اور ذکر کا نگہبان سو جاتا ہے اور اسرار قلب کے تخت پر شیطان جلوس کرتا ہے اعمال کے خزانے اکھڑے جاتے ہیں اور شکوک و شبہات تمام شہر میں چکر لگاتے پھرتے ہیں معاملہ کے درخت کاٹے جاتے ہیں اور اعمال کے اموال لٹتے ہیں اور امیدوں کے پھل توڑ کر کھائے جاتے ہیں کتاب الٰہی میں شک واقع ہوتا ہے اور اصحاب کی مصاحبت سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور ہر ایک اپنے آقا اور مولا کی نافرمانی کرتا ہے اور خواہش کا مطیع ہو جاتا

[1] یعنے آپ جو سو رہے اس کے بدلے میں آپ کو یہ حکم ہوا کہ اپنے فرزند کو ذبح کرو ۱۲۔
[2] عاشق پہ تعجب ہے کہ کیونکر سوئے کیونکہ عاشق پر بالکل نیند حرام ہے۔

ہے پس انجام یہ ہوتا ہے کہ سب کے سب ناک کے بل دوزخ میں ڈالے جاتے ہیں اور اس وقت حسرت وافسوس کے ساتھ کہتے ہیں ؎ وَمَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ شبہ اور حرام سے پرہیز کر کے تم کو اپنا توشہ صاف اور پاکیزہ کرنا چاہئے اور پھر تم اپنے دل میں نور ایمان کو ملاحظہ کرو گے اور روز قیامت کا سامان تم پر منکشف ہو گا اور تم اپنے نفس کے ساتھ روحانی فرشتہ بن جاؤ گے اور خواہش و غفلت کے ساتھ شیطان رجیم بنو گے پس تم کو نفس امارہ پر جہاد کرنا لازم ہے تاکہ اس کی صفات مذمومہ دور ہو کر وہ نفس لوامہ بنے اور پھر لوامہ سے ترقی کر کے مطمئنہ ہو جائے جیسا کہ بادشاہ اپنے فراش کو ترقی دیکر منشی بناتا ہے اور پھر وزیر کر لیتا ہے اور اس وقت یہ وزیر بادشاہ کی سلطنت میں ہر طرح کے تصرف کرتا ہے اور بادشاہ کے نزدیک اس کی نیکیاں بھی برائیاں ہوتی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ اور خدا کی طرف راستہ انفاس خلائق کے شمار کے ساتھ ہے اور مقامات بھی انفاس کے ساتھ بلند ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سانس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتے تھے اور یہ مقامات کشف اور معارف کے ہیں اور اسی کی نسبت فرمایا ہے کہ جب تک میں روز و شب میں سو بار استغفار نہیں پڑھتا تو میرے قلب کو غین رہتا ہے اور رین غین سے بھی سخت تر ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظم سنو جو آپ نے نفس کے متعلق فرمائی ہے۔

صَبَرْتُ لِنَفْسِيْ عَنِ اللَّذَّاتِ لَمَّا تَوَلَّتْ ۔۔۔ وَاَلْزَمْتُ نَفْسِيْ صَبْرَهَا فَا

وَكَانَتْ عَلَى الْاَيَّامِ نَفْسِيْ عَزِيْزَةً ۔۔۔ فَلَمَّا رَاَتْ عَزْمِيْ عَلَى الذُّلِّ ذَلَّتِ

لَهَا يَا نَفْسُ يُؤْتِيْ تُؤْتِيْ تَوِيْمَةً ۔۔۔ فَقَدْ كَانَتِ الدُّنْيَا لَنَا ثُمَّ وَلَّتِ

؎ یہ بات ہے کہ ہم جن لوگوں کو شریروں میں شمار کرتے تھے ان کو یہاں دوزخ میں نہیں ... اسکا مسخرہ اڑایا تھا ہماری نظر انپر نہیں جمتی ہے ؎ یعنی ہر سانس کے ساتھ راہ خدا میں سالک کو ترقی ہوتی ہے اور یہ ترقی کبھی ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ خو

؎ دنیاوی لذتیں جب کہ چلی گئیں تو ان کی طرف سے میں نے نفس کو صبر دیا اور انکا صبر اپنے نفس پر ہمیشہ لازم رکھا اور میرا نفس زمانہ میں بڑا اونکا عزت تھا مگر جب اس نے ذلت کی طرف میرا قصد دیکھا تو وہ بھی ذلیل ہو گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اے نفس عزت کے ساتھ مر کیونکہ دنیا ہمارے پاس تھی مگر پھر بیوفائی کر کے چلی گئی جب دنیا آتی ہے تو عادت سکونا نہیں کر سکتی اور جب وہ جاتی ہے تو بخل اس کو باقی نہیں رکھ سکتا ۱۲۔

فَلَا مُجُوْدُ فِيْهِمَا اِذَا هِيَ اَقْبَلَتْ وَلَا الْبُخْلُ يُبْقِيْهَا اِذَا مَا تَوَلَّتْ

پس تم نفس کو مہذب بناؤ اور مجاہدہ کی تکلیف دیکر دروازے سو اسکو قریب کرو اور انبیاء اولیاء کے مقام کو دیکھو اور ثواب سو ثنا کو غنیمت سمجھکر ساقطین کا ذکر فاسقین کے ذکر کی مثل نہیں ہے اور اس کی خبر تم کو موت کے بعد معلوم ہوگی اور تم نے جو لغو مقالات سنے ہیں انہیں کے سبب سے یہ تم سستی کرتے ہو ورنہ میں بارہا تم کو سمجھا چکا ہوں تھوڑے عرصہ میں تمکو خود معلوم ہو جائیگا دنیا میں لوگ سوتے ہیں مرنے کے بعد بیدار ہونگے اور تمہاری مثال اس درخت کی سی ہے جس میں نہ پھل آتا ہے اور نہ سایہ اسکا اس قابل ہوتا ہے کہ کوئی اس میں بیٹھ سکے یا تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جس کے سر میں گنج ہو اور مصنوعی بال لگا کر اصلی بال والی عورتوں پر فخر کرے اور جب اس کا سر کھول دیا جائے تو اپنے ہم نشینوں میں ذلیل اور شرمندہ ہو اے شخص تو اپنے لباس کی آرائش پر پھولا ہوا ہے کل قافلہ کوچ کریگا اور اسے غافل تو راستہ پر پڑا رہجائیگا اور بے توشہ و سامان بیٹھا رہیگا اور قافلہ باشی سے کہیگا کہ مجھ کو واپس کردو تاکہ میں نیک عمل کروں مگر پھر اس کی اجازت نہ ملے گی صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میت کے آنسو رخسار پر بہنے میں کیا حکمت ہے فرمایا چھوٹا بچہ تو اپنے والدین کا حال لوح محفوظ میں دیکھتا ہے اور بڑا آدمی اپنے اعمال اور اپنی بیوی اور اپنے مال کے منتقل ہونے کو دیکھکر روتا ہے پس اے شخص تو اسی حال میں ہے اور میں تجھ کو بلند کرنا چاہتا ہوں اور تیری ہمت تجھ کو پست کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ تیری ہمت ہی غالب ہے پس جس کی ہمت ان چیزوں کی طرف ہوگی جو اس کے پیٹ میں داخل ہوں تو اس کی قیمت وہ چیز ہوگی جو اس کے پیٹ سے خارج ہوتی ہے اگر تم اس مطلب کو سمجھ گئے ہو تو ہوشیار ہو جاؤ ورنہ تم جانو اور تمہارا نفس جانے ہم نے نصیحت کردی مگر تم نصیحت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتے ہو۔

انتیسواں مقالہ

محبت اور شوق اور مشاہدہ و مکاشفہ اور مواعظ و زواجر عقلیہ و نقلیہ کے بیان میں معلوم ہو کہ محبت جائز ہے اور سب سے پہلے محبت خدا اور اس کے اولیاء کے درمیان میں جاری ہے چنانچہ قرآن شریف اسی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے ؎ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور فرماتا ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اگر تمہارا نفس خبیث یہ وسوسہ پیدا کرے کہ اس ذات پاک سے کیسے محبت ہو سکتی ہے جسکو دیکھا نہیں ہے اور نہ وہ ہماری جنس سے ہے تو اس کی مصنوعات کو دیکھنا اور عجائب و غرائب اور حسن و جمال میں غور کرنے سے

؎ اور وہ لوگ ایمان لائے ہیں اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔

اس کی محبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہی انکا صانع ہے اور اسی کی قدرت و کمال سے یہ سب چیزیں پیدا ہوئی ہیں اور زمین کا فرش اور ہری گھاس کا سبز رنگ اور درختوں کے پھول بوٹے اور پھل اور دریاؤں کی لہریں اور آسمان اور رات دن اور چاند اور سورج اور چھوٹے بڑے ستارے یہ سب اس کی صنعت اور قدرت کی دلیلیں ہیں اور اسکے استمرار وجود پر گواہی دیتے ہیں پس پاکی ہے اس ذات کو جو کل مخلوقات کا خالق اور کل مصنوعات کا صانع ہے اے شخص اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو تمہارے نفس کی تربیت ہیں ان سب چیزوں سے بڑھکر عجائب و غرائب ہیں جو تم نے دیکھی اور سنی ہیں اور ان سب دلائل سے بڑھکر جو دلیل کہ تم کو اس کی طرف راہبری کرتی ہے اور اسکی محبت دلاتی ہے وہ اس کا کلام معجز نظام ہے پس اسی کے ساتھ اس کے متکلم کی محبت پر دلیل بجاتی ہے اس کے متعلق بہت سی حدیثیں ہمنے اپنی کتاب احیا علوم الدین میں بیان کی ہیں اور یہاں صرف ان کی طرف اشارہ کافی ہے چنانچہ خداوند تعالے فرماتا ہے کہ وہ شخص جھوٹا ہے جو میری محبت کا دعوی کرتا ہے اور رات کو سورہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہمیشہ مومن بندہ میری طرف نوافل سے تقرب حاصل کیا کرتا ہے یہانتک کہ مجھکو اس سے محبت ہوجاتی ہے پس جب مجھکو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اسکے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے آخر حدیث تک۔

معلوم ہو کہ محبت اور عشق دونوں ایک ہیں اور اصل عشق کی یہ ہے کہ پسندیدگی کی نظر سے شوق کے ساتھ کسی صورت کو دیکھے اور اس شوق کا بخار جو نہایت گرم ہے تیز اور ذکی خاطر سے مجاہدہ کی آتش کے سبب سے اٹھتا ہے اور اس آگ کے ابخرے دماغ کے پیچھے سے ظاہر ہوتے ہیں اور فکر کی حکمت باتیں دماغ کے اگلے حصہ میں پیدا ہوتی ہیں اور قلب کی خلوت کے دوار سے لجاتے ہیں یہ معشوق کا خیال عین یقین کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور نفس کا آئینہ مجاہدہ سے مصقل و مجلا ہو کر جمال محبوب کی تجلی کے لائق بنتا ہے محبت کے اندر اصل بات سنا درا در الفت اور معشوق کے کلام کو بہتر اور خوب سمجھنا ہے جب یہ بات ہوتی ہے تب پھر معشوق کی تلاش میں ہمت ابھارتی ہے اور شوق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے پس اس وقت عشق غالب ہوتا ہے اور عاشق راستوں میں مثل دیوانوں کے پھرتا ہے اور اسی آتش شوق سے بلغم وغیرہ اخلاط فاسدہ جل کر آسمان قلب صاف ہو جاتا ہے اور معشوق کا چاند اس میں تجلی کرتا ہے اور معشوق کی تجلی جلال سے عاشق والہ و شیدا ہو کر از خود فرشتہ ہو جاتا ہے اور اس عالم بے خودی میں نہ

نیند ہوتی ہے نہ قرار ہوتا ہے عشق کی آگ لحظہ بلحظہ تیز کے شعلہ مارتی ہے اور بدن کی قوتوں کو کمزور کر کے نحیف وضعیف اور زار و نزار بنا دیتی ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے ؎

بنواں داشت نہاں عشق ز مردم لیکن   زردی رنگ رخ و خشکی لب را چہ علاج

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر شب کو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اے لوگو خدائے تعالیٰ زیادہ کھانیوالے اور زیادہ سونیوالے کو لعنت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے ابن آدم اس واسطے تو پیدا کیا گیا ہے۔ قناعت کرتا کہ تیرا حساب ہلکا ہو اور کم سویا کرتا کہ تجھ سے ذکر زیادہ ہو سکے اگر تو ایسا کریگا تو پس تیرا محبوب تجھ کو اپنی طرف کھینچ لیگا اور اپنی طاعت کی تجھ کو توفیق دیگا اور اپنے گناہ سے محفوظ رکھیگا پس نوافل زیادہ پڑھا کرو۔

فصل (شوق اور مکاشفہ کے بیان میں)

معلوم ہو کہ شوق ہی سے مکاشفہ کی حالت پیدا ہوتی ہے اور شوق یہ ہے کہ لقائے معشوق کی تمنا ہو اور معشوق کی ملاقات بغیر مکاشفہ کے حاصل نہیں ہوتی اور مکاشفہ یا تو عیاناً ہوتا ہے اور یا قلبی ہوتا ہے اور یہ معشوق کے ایسے حال کے ساتھ تجلی ہے جسکو عاشق کا دل تحمل کر لیتا ہے مگر عیانی مکاشفہ قلبی مکاشفہ سے افضل ہے اور جو مکاشفہ کہ عیانی اور قلبی دونوں طور سے ہو وہ دونوں سے افضل ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ہوا اور حضرت ام المومنین عائشہ اور حضرت امیر المومنین علی اور حضرت ابن عباس کی روایتوں کے جمع کرنے سے ثابت ہے اور معلوم ہو کہ حقیقت مکاشفہ کی یہ ہے کہ محبوب کی طرف نظر کرے اور پھر یہ نظر عاشقوں کے درجوں کے حساب متفاوت ہوتی ہے کیونکہ کل مخلوق کی نظر یکساں نہیں ہے اور ادنیٰ درجہ اُسکا قلب کی نظر ہے اور آنکھ کی نظر بعض لوگوں کے نزدیک عرض غیر دائمی ہے اور سب سے بڑا مرتبہ یہی ہے کہ قلب اور آنکھ دونوں کی نظر سے مکاشفہ ہو۔ پھر جس وقت غفلت کا پردہ دور ہو کر محبوب تجلی کرتا ہے تو حجب بشریہ پردوں اور جسمانی حجاب سے نکلکر خطاب کو سنتا ہے اور حجاب کو دیکھتا ہے ؎ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اور اس وقت کل جہات سے خطاب اسکو سنائی دیتا ہے اور یہ شخص عیسوی حال ہو جاتا ہے ؎ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ اور ملائکہ اور جنات مومنین اس کے

؎ اور کوئی انسان اس لائق نہیں ہے کہ خدا اس سے بالمشافہ ہمکلام ہو مگر بطور وحی کے پردے کے پیچھے ؎ اور میں تم کو ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو ۱۲۔

مطیع حکم ہوتے ہیں اور خدا کے اور اس کے درمیان میں ایک روزن کھل جاتا ہے جس کے سبب سے کل کائنات کے اسرار اسکو معلوم ہو جاتے ہیں مگر اس مرتبہ کا حاصل ہونا علم و عمل پر موقوف ہے اور جب لطف کی نسیم غفلت کا حجاب دور کرتی ہے تو کائنات میں یہ شخص جو کچھ تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے جو کچھ یہ چاہیگا وہی ہو جائیگا کیونکہ دونوں ارادے ایک ہو جاتے ہیں جیسا کہ احوال صوفیہ میں بیان کیا گیا ہے فَاِذَا اَبْصَرْتَنِیْ اَبْصَرْتَنَا وَاِذَا اَبْصَرْتُہٗ اَبْصَرْتَنَا ناسوت ایک لطیف معنے بن جاتا ہے اور غیب سے اسکو ایسی قوت بہم پہونچتی ہے کہ اس کے ساتھ وہ ان باتوں کو جو اس پر وارد ہوتی ہیں قبول کر لیتا ہے اور یہی کرامتوں کے ظہور اور غیب کی خبریں بیان کرنے کا باعث ہے اور نفس اغراض فاسدہ کے دور ہونے سے جوہر قدسی بنجاتا ہے اور غیبی اس پر پوشیدہ نہیں رہتے اور اگر تم یہ کہو کہ ان باتوں کے ساتھ ایک قسم کی انبیاء علیہم السلام سے مشارکت ہوتی ہے پھر انکو اولیاء کیسے حاصل کر سکتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ غیب کی اصل خداوند تعالٰی سے ہے اور یہ اسکا احسان ہے کہ وہ اپنے علم غیب میں سے کچھ ان پر ظاہر کر دیتا ہے تمنے اسکا یہ فرمان نہیں سنا اور من رسول کا لفظ صرف اس واسطے فرمایا ہے تاکہ عالم لوگ اسکو غیبی مشارکت نہ سمجھیں اور یہ بات یعنے غیبی امور سے مطلع ہونا کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ شاہی خزانوں سے شاہی غلام آگاہ ہوتے ہیں اور معشوق کی خوبصورتی کو دیکھکر عاشق صادق اسکی بہت سی پوشیدہ باتوں کو اس کے حسن پر قیاس کر کے معلوم کر لیتا ہے اور حالانکہ اور لوگوں سے وہ باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔
وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ حضرت جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ہر ایک شخص علاج تو ہے مگر خراج نہیں ہے اور ابو یزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ جو شخص تمکین کے درجہ میں پہنچا پس وہ طبیب ہے اسرار خلق کے تخت پر بیٹھکر اپنے مالک کے حکم سے بادشاہوں کے راز پر مطلع ہوتا ہے جیسا کہ تمہارا پیارا غلام تمہارے بہت سے پوشیدہ حالات سے واقف ہو جاتا ہے۔

فاطمہ سلماسیہ جو ایک بزرگ عورت تھیں اس وقت شہر سلماس سے نکلتیں جب موذن ظہر کی اذان کہہ دیتا تھا اور بسطام میں آنکر جماعت سے نماز پڑھتی تھیں پھر اگر تم یہ کہو کہ یہ بات غیر ممکن ہے اور ایسی حالت انبیا کی بھی نہیں ہوئی تو پھر اور کسی کی کب ہو سکتی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم تم خدا تعالٰے پر لگاتے ہو یا اپنے نفس پر اگر اپنے نفس پر لگاتے ہو تو تم جانو اور تمہارا نفس جانے اور اگر

ل جاننے والا ہے غیب کا پس اپنے غیب پر کسیکو آگاہ نہیں کرتا ہے مگر رسولوں میں سے جسکو برگزیدہ کرتا ہے۔
ل ان مثالوں کو ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں ان کو مگر عالم لوگ ۱۲۔

تم خدا تعالیٰ پر یہ حکم لگاتے ہو تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جب تم اپنے بدن کی رگیں اور پٹھے شمار نہیں کر سکتے اور تم کو اتنی خبر نہیں کہ تمہارا سر پر جو امامہ ہے اس میں کس قدر پیچ ہیں پھر ایسی بے خبری کے ساتھ تم خدا اور اس کے غلام کے درمیان میں کیوں دخل دیتے ہو اور پھر تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اپنے انبیا کو کیا اختیار اور مقام عنایت کئے تھے اور اگر ایسے بعض علوم تم کو بطریق نقل کے معلوم ہو گئے تو پس معجزہ عقل کی تکذیب کرتا ہے اور جب کہ تمہارے خاص اسرار سے تمہارا بیٹا تک واقف نہیں ہوتا ہے تو پھر تم کیسے اپنے مالک اور خالق کے اسرار سے واقف ہو سکتے ہو جب تک کہ تم اس سے واصل نہیں ہوئے اور جب وصول کا پردہ اٹھ جائیگا اس وقت تم پر وہ معاملہ منکشف ہو گا جو خدا اور رسول کے درمیان میں ہے اور اس واسطے ہم تم سے پہلے ہی کہ چکے ہیں کہ تم مجاہدہ کرو مجاہدہ کرو مجاہدہ مشاہدہ کے ساتھ شکوک کا غبار دور کر دیتا ہے اور تم نے جو اپنی آنکھ پر حب دنیا کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ہمت تمہاری نہایت ضعیف اور خسیس ہے تو پھر ایسی ناپاکی کے ساتھ تم شریف مقام میں کب پہونچ سکتے ہو حسن ظن وہ اکسیر اعظم ہے جو تمہاری ہر ایک جہالت کو علم سے بدل دے سکتا ہے اور جو شخص اسکو مضبوط کر لیتا ہے وہ راحت پاتا ہے مجاہدہ اور شوق و مکاشفہ کا یہ مختصر بیان تھا جو کیا گیا۔

فصل (وعظ و نصیحت کے بیان میں)

جن آیات و اخبار میں کہ وعدہ و وعید کا مضمون ہے اور جو حکایات و اشعار جاذب و مخوف ہیں ان کے ساتھ مبتدی کو خوف دلانا اور منتہی کا شوق بڑھانا چاہیئے کیونکہ مبتدی کے گمراہ ہونے اور جہالت کی طرف میل کرنیکا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے اسواسطے اسکو ڈرانا چاہیئے تاکہ وہ راستہ پر قائم رہے اور منتہی نے چونکہ گناہوں کو ترک کر دیا ہے اور اس کا قلب رقیق ہو گیا ہے اور مجاہدہ کی مشقیں اٹھا چکا ہے اسواسطے اسکو شوق دلانا چاہیئے جب اونٹ کو گیت سنائے جاتے ہیں تو بھاری بوجھ کو لیکر وہ بہت سہولت سے منزل قطع کرتا ہے پس گویا مجاہدہ کی مشقت نغمات کی بدولت اس پر آسان ہو جاتی ہے جیسا کہ خشک زمین پر جہاں مینہ برسا اور وہ ہری بھری ہو گئی یہی حال مرید کا ہوتا ہے ابو توحیدی فرماتے ہیں کہ اگر تو نغمات کے فوائد و منافع کا منکر ہے تو اونٹ کو دیکھ جو تجھ سے زیادہ غلیظ طبیعت رکھتا ہے اور گیت کو سنکر بے تکان منزل طے کرتا ہے پس اے طالب تجھکو چالیس دن کا چلہ کرنا ضرور ہے اور اس چلہ میں ہر روز تم کو اپنی خوراک ایک لقمہ کم کرنی چاہیئے یا پہلے روز ایک تر لکڑی سے اپنے کھانے کو وزن کر کے کھاؤ

اور پھر اسی لکڑی سے روزہ افطار کیا کرو جس قدر وہ خشک ہوگی کھانا کم ہوگا اور اس ترکیب و تدبیر سے تم عالم ملکوت میں داخل ہوگے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اے لوگو تم میں جو شخص دنیا کے اندر بڑا شکم سیر ہے وہ قیامت کے روز سب سے زیادہ بھوکا ہوگا اور جب تم ایسا کرو گے تو تمہارا نفس قدسی ہو جائیگا اور عالم قدس کے ساتھ تمکو انس ہوگا پس تم دنیا کی محبت کی طرف مائل نہ ہو پس حالت محمدی تمہاری طرف منتقل ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے کہ میں تم جیسا نہیں ہوں میرا رب مجھکو کھلا پلا دیتا ہے پس یہ حالت صادقین کے ہیں اور یہ منزلیں متقیوں کی ہیں پس تم تکذیب کرنے والوں میں سے نہ بنو اور اگر تم مقربوں میں سے نہ بن سکو تو اصحاب الیمین ہی سے بنجاؤ

تیسواں مقالہ (علم و عمل کے بیان میں)

معلوم ہو کہ مخلوق الٰہی میں سے تین شخص مخصوص ہیں عالم اور عارف اور ناسک عالم تو وہ شخص ہے جو علم ظاہری حاصل کرکے اسپر عمل کیا اور اس کے سبب سے خداوند تعالیٰ نے علم باطنی اسکو عنایت کیا جیسے کہ علم محبت اور علم شوق و رضا و علم قدر اور علم مکاشفہ اور مراقبہ اور علم قبض و بسط وغیرہ ہیں اور یہی صوفیہ صافیہ کے علوم کہلاتے ہیں اور صوفیہ یہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان ثوری ابو یزید بسطامی ابوالحسین نوری حبیب عجمی معروف کرخی شقیق بلخی محمد بن حنیف بشر بن سعید حافی احمد خوارزمی احمد دارانی حارث محاسبی سری سقطی ابوالحسین بن منصور حلاج جنید بغدادی ابو بکر شبلی ابو نعیم قاضی پس یہ طائفہ الٰہیہ وہ لوگ تھے جنکا ذکر جاری ہے اور یہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو علوم اور شہوات میں مشغول ہوتے ہیں اور دھوکا بازی اور مکر و دغا کو انہوں نے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ان لوگوں نے تو واحد شاہد کو مضبوط پکڑا ہے اور یہ لوگ شاہد کی محبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں نے تو مناسب کو چھوڑا اور ترک کیا ہے اور یہ لوگ ان کے فکر میں رہتے ہیں اکثر کلام انکا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کو بچاؤ یہانتک کہ بچا جائے اور علم خلاف ان کے نزدیک مثل برگ خلاف کے ہے اور علم اصول ان کے نزدیک بالکل فضول ہے اور نحو محو ہے پس کل علوم ان کے گانے بجانے اور رقص و سرود پر منحصر ہیں قرابت اور صحابت میں یہ لوگ تفریق نہیں کرتے ہیں پس ان کے عیوب کس قدر کثیر ہیں اپنے محبوب کو یہ لوگ بھول گئے ہیں۔ اور طاعت کی مدارج کو چھوڑ کر کھانے کے مشغلوں میں صرف ہیں خلق کے واسطے سجاوے پھیلائے ہیں اور خدا اور حق کو بالکل فراموش کیا ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی

شان میں یہ حدیث وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کے کپڑوں کو اتار کر جنت کے دروازوں پر لٹکا دیگا اور ان پر لکھ دیگا کہ یہ گرد و روغن کے کپڑے ہیں پس یہ لوگ دنیا کے صوفی ہیں اور وہ لوگ آخرت کے صوفی ہیں انہوں نے علم و عمل کو جمع کیا ہے اور اسقدر شب بیداری کی ہے کہ کامیاب ہو گئے ہیں اپنے قول کی بدولت انہوں نے پالیا اور صدق اختیار کیا پس تحقیق کو پہنچ گئے علم حاصل کیا پھر عمل کیا پس حال و قال کے جامع ہوئے اور یہی لوگ علم اور معرفت اور نسک اور زہد والے ہیں اور ان کل حالات نے ان کے اندر قوت الٰہی پیدا کی جس کے سبب سے وہ اشتیاق کے پر و بازو کے ساتھ ریاض قدس کی طرف پرواز کر گئے اور علوم غیبی کے پھل و میوے چننے لگے پس یہ لوگ فقراء آخرت ہیں اور صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ جانا کہ نعمت منعم کی طرف سے ہے اور پھر انہوں نے اسباب کو ترک کر کے صرف منعم پر بھروسا کیا۔

اور علماء آخرت یہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان بن عیینہ سفیان ثوری۔ داؤد طائی ظاہری۔ ابو سعید بن مبارک مخزومی۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطا الکوفی مالک بن انس المدنی۔ محمد بن ادریس الشافعی المطلبی۔ احمد بن حنبل الشیبانی۔ مزنی ابن شریح۔ حداد۔ قفال ابو الطیب۔ ابو حامد اور ہمارے استاد امام الحرمین ابو المعالی الجوینی اور شیخ امام ابو اسحاق ابراہیم فیروز آبادی المعروف بہ شیرازی الکا ہمارے استاد امام الحرمین سے بادشاہ کے سامنے مناظرہ ہوا تھا اور میں بھی اسوقت موجود تھا میں نے دیکھا کہ اس مناظرہ میں ان کی غرض سوائے اظہار حق کے اور کچھ نہ تھی نہ اس میں کسی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے اور نہ خبر نبوی میں نقص نکالتے تھے نہ کلام میں ان کے سختی تھی غرضیکہ یہ لوگ ایک دوسرے کے پاس فتوے بھیجنے میں صحابہ کرام کے مشابہ تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا اکبر تقلید کا زیادہ حقدار ہے اور ہم لوگ تو بڑے علماء ہیں دنیا کی آرائش و زینت اور ساز و سامان میں مشغول ہیں۔

پس اب تم خود ان طائفوں میں فرق کو دیکھ لو حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جھگڑے کو ترک کیا حالانکہ وہ حق پر ہے پس اس کے واسطے جنت کے بلند حصے میں ایک محل سونے کا تیار ہوگا پس ہمارے واسطے نہ تو محل ہیں نہ تخت ہیں نہ حوریں ہیں۔

شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا اور اس سے پہلے ابو یوسف کے ساتھ ایک مسئلہ

ہیں انکا جھگڑا طے ہو چکا تھا دیکھا کہ گویا یہ جنت میں داخل ہو گئے ہیں اور وہاں ایک حور بیٹھی ہے جس کے چہرہ کی روشنی سے تمام مکان روشن و منور ہو رہا ہے انہوں نے حور سے دریافت کیا کہ تم کس کے واسطے ہو اس نے کہا جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اور پھر اس نے کہا کہ اے شافعی قیل وقال اور گفتگو سے تم کو یہ لباس اور زیور حاصل نہ ہوگا اگر تم سچے ہو اور جنت کا مالک بننا چاہتے ہو تو مثل مالک کے علم و عمل اختیار کرو کیونکہ ملک سلطنت کا ارادہ کرنیوالا ملکوں پر صبر کرتا ہے شافعی کہتے ہیں پھر جب میں بیدار ہوا تو میں نے جان لیا کہ یہ لوگ خواہش کی طرف لیجانے والے ہیں اور آخرت خدا کے پاس متقیوں ہی کے واسطے ہے حدیث شریف میں ہے کہ علم عمل کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اگر عمل نہ ہو تو علم چلا جاتا ہے پس یہ لوگ دنیا و آخرت کے علما اور دنیا اور آخرت کے فقراء ہیں اور تم ادنےٰ چیزوں کے لالچ میں اعلےٰ مقامات سے محروم ہو گئے ہو تم مثل بھیڑیے کے ہو اور تشکیک و تکذیب میں تمہارا قصد ہے ؎

فَسَوْفَ تَرَىٰ اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ　　اَفَرَسٌ تَحْتَكَ اَمْ حِمَارٌ

اور علوم کثرت کے ساتھ ہیں مگر ان میں آخرت کو تبلانے والا علم شریعت کا ہے اور کتابیں اسکی مثل تفاسیر واحدی اور صحاح ستہ اور قرأت قرآن اور وہ اوراد اور وظائف جو کتاب احیاء میں مذکور ہیں اور اگر علم عقائد میں مختصر کتاب دیکھنی چاہو تو لوامع الادلہ ہمارے شیخ امام الحرمین کی دیکھو یا قواعد العقائد کو ملاحظہ کرو اور اگر سلف صالحین کا طریقہ تم کو اختیار کرنا ہے تو کتاب نجات الابرار کا ملاحظہ کرو جو اصول دین میں ہماری آخری تصنیف ہے اور اس کتاب کے اندر ہم بہت سی کتابیں تم کو تبلا چکے ہیں ان میں سے جو ممکن ہو پڑھو اور جو چاہو عمل کرو کیونکہ ملاقات عنقریب ہے۔

معلوم ہو کہ سال کے اندر چار فصلیں ہیں حمل سے جوزا تک ربیع اور سرطان سے آخر سنبلہ تک گرمی اور میزان سے آخر قوس تک خریف اور جدی سے آخر حوت تک جاڑا ؎ وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ و　اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہوا جب آوے تو اسکو بخوشی قبول کرو اور جب یہ جاوے تو اس سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تمہارے جسم کے ساتھ وہی سلوک کریگی جو تمہارے درختوں کے ساتھ کرتی ہے۔

اور بعض ایسے ہیں جو نقصان پہنچانیوالے ہیں مثل علم سحر و کہانت و کیمیا کے کہ تانبے کو سفید کرکے

؎ عنقریب جب غبار صاف ہوگا تو تم دیکھ لوگے کہ تمہارے پیچھے گھوڑا ہے یا گدھا ہے ؎ اور اس کی منزلیں بنائی ہیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کرو

چاندی بنا کر فروخت کرتے ہیں حالانکہ وہ چاندی نہیں بنتا اور بعض مکاسب ایسے حسین ہیں کہ نفس انکو قبول نہیں کرتا ہے مثلاً غسال اور حجام اور بھنگی و چمار وغیرہ کے کام پس جو منافع ہمنے بیان کی ہیں ان میں سے کسی صنعت کو اختیار کرو اور عالم و عامل بن کر اپنے مقصد کو حاصل کرو خدا ہی کے فارحسنی ہیں تمہارے نفس کو قرار پہونچیگا اور وہیں تم جنتوں اور نہروں میں خدا کے پاس آرام سے رہو گے۔

فصل (عجائب اسفار کے بیان میں)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاف کے پیچھے مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے آفتاب اسکو چالیس برس میں قطع کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس زمین میں مخلوق رہتی ہے فرمایا ہاں مومن لوگ ہیں جو ایک پلک زدن بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور آدمؑ اور ابلیس کو مطلق نہیں جانتے فرشتے انکو ہماری شریعت کے موافق تعلیم دیتے ہیں اور قرآن شریف ان کو پڑھاتے اور انکے باہم فیصلہ کرتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ زیادہ بیان فرمایئے فرمایا مسلمان جنوں میں سے ایک عورت میری واقف ہے وہ کئی سال غائب رہی جب وہ آئی تو میں نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں گئی تھی اس نے کہا میں اپنی بہن کے پاس اس سفید زمین میں تھی جو قاف کی پرلی طرف ہے میں نے کہا کیا وہ لوگ مومن ہیں اس نے کہا ہاں میں نے آپکی کتاب ان کے سامنے پڑھی پس ہماری قوم کے سب لوگ ایمان لے آئے ہیں نے پوچھا کہ اس زمین کے پرے کیا چیز ہے اس نے کہا برف کے پہاڑ ہیں اور پانی اور ہوا اور اندھیرا ہے اور پھر اسکے پرلی طرف جہنم ہے میں نے کہا کہ کیا ان شہروں میں بھی سورج پہنچتا ہے اس نے کہا ہاں۔

اور تمیم بن حبیب داری کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے کہ جب ان کو جنات راستہ گم کرا کر ایک جزیرہ میں لے گئے اور وہاں انہوں نے وہ محل دیکھا جس میں دجال مقید ہے اور اس نے ان سے پوچھا کہ تم کس امت میں سے ہو انہوں نے کہا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی دجال نے کہا کیا وہ مبعوث ہو گئے تمیم نے کہا ہاں اس نے کہا تو اب میرے نکلنے کا وقت آگیا اور لیلۃ الجن کا واقعہ بھی نہایت تعجب خیز ہے عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں میں اور علی بن ابی طالب اندھیری رات میں حضور کے ساتھ چلے یہانتک کہ حضور ایک سوراخ پر پہنچ کر کھڑے ہوئے اس سوراخ میں سے ایک شخص نکلا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اندر تشریف لایئے پس حضور اور علی تو اندر تشریف لے گئے اور مجھکو اپنے نام کپڑے دیکر وہیں بٹھا دیا اور جب صبح کی نمود شروع ہوئی تو حضور اور چند لوگ آپکے ساتھ تشریف لائے اور حضور نے مجھ سے فرمایا کہ یہ تمہارے مسلمان بھائی جنات ہیں اور پھر میرے پاس نیند

تھی اسکو آپ نے نوش فرمایا اور باقی سے وضو کیا پس نیند سے وضو کرنا بلا نزاع صحیح ہو مگر بعض اہل خواہش نے اپنی مرضی کے موافق اسکو تاویل کی ہے جسکو اسکی تحقیق منظور ہو وہ ہماری کتاب منائب المذاہب میں ملاحظہ کرے اور زہیم بن بلعام کا قصہ بھی نہایت عجیب ہے اسنے یہ چاہا تھا کہ دریائے نیل کا منبع دریافت کرے اور چلنا شروع کیا یہانتک کہ حضرت خضر سے اُس کی ملاقات ہوئی اور خضر نے اُس سے کہا کہ اب عنقریب تم ایسے اور ایسے مقام میں پہنچو گے چنانچہ زہیم ایک پہاڑ کے پاس پہنچا جس میں ایک برج یاقوت کا چار ستونوں پر کھڑا تھا اور دریائے نیل اس برج کے اندر سے آرہا تھا اور اس پہاڑ میں ایسے میوے تھے جو کبھی خراب ہوتے تھے زہیم کہتے ہیں پھر میں اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اسکی پرلی طرف میں نے بڑے بڑے عالی شان محل اور باغ دیکھے اور کہتے ہیں میں ایک بوڑھا شخص تھا اور بال میرے سفید تھے پس ایک ہوا اس طرف سے ایسی آئی کہ میرے تمام بال سیاہ ہوگئے اور میں نئے سرے سے جوان ہوگیا پھر اس باغ میں سے آواز آئی کہ اے زہیم یہاں ہمارے پاس آجاؤ کیونکہ یہ متقیوں کا مکان ہے کہتے ہیں میں نے اس آواز پر جانے کا قصد کیا مگر خضر نے مجھکو پکڑ لیا اور یہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ کے اس فرمان کا راز ہے کہ سات نہریں جنت میں سے ہیں جیحون اور سیحون اور دجلہ اور فراط اور نیل اور ایک چشمہ روم میں اور مقدس میں چشمہ سلوان کیونکہ اسی سے زمزم کا پانی ہے۔

اور اس سے بھی تعجب خیز بلوقیا اور عفان کا واقعہ ہے اور یہ بہت طول طویل واقعہ ہے ہم اسکی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں یہ دونوں سفر کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تابوت رکھا تھا پس اسکو دیکھتے ہی بلوقیا نے دوڑ کر ہاتھ بڑھایا کہ حضرت سلیمان کے ہاتھ میں سے انگوٹھی اتار لے اور جو سانپ کہ اس انگوٹھی پر موکل تھا اس نے اسپر ایسی پھونک ماری کہ وہ جل کر راکھ ہوگیا عفان نے ایک قارورہ مار کر اسکو زندہ کیا اور اس نے تین بار اسی طرح کیا کہ جب یہ ہاتھ بڑھاتے تو سانپ پھونک مارے اور یہ جل کر راکھ ہو جائے یہانتک کہ جب چوتھی مرتبہ بھی یہ راکھ ہوگیا تب عفان وہاں سے یہ کہتا ہوا نکلا کہ شیطان نے ہلاک کر دیا شیطان نے ہلاک کر دیا سانپ نے اسکو آواز دی اور کہا کہ تو یہاں آ اور تجربہ کرے یہ انگوٹھی سوا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کے ہاتھ میں نہ جاویگی اور ان سے تو کہہ دیجو کہ فرشتوں نے تمہاری اور تم سے پہلے انبیاء کی فضیلت میں اختلاف کیا تھا پس خدا نے تم کو اور انبیا پر اختیار کیا پھر عفان نے کہا کہ اس سانپ نے مجھکو حکم کیا اور میں وہ انگوٹھی اتار کر لے آیا اور آپ کی نذر کی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی لیکر حضرت علی کو دی حضرت علی نے اسکو اپنی کن انگلیوں میں پہنا اسی وقت پرندے اور جنات اور آدمی سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دمریاط جنی بھی آیا اس کا قصہ بہت طویل ہے پھر جب نماز

صف کے اندر چلے گئے لوگ اسوقت رکوع میں تھے اور حضرت علی نے انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً اتر کر جبرئیل کے ہاتھ میں چلی گئی تمام فرشتوں میں حضرت علی کی اس سخاوت سے شور برپا ہوگیا اور جبرئیل نے شکر میارکباد دی اور کہا اے اہل بیت رسول خدا نے تم پر انعام کیا تم وہ لوگ ہو کر خدا نے تم سے ناپاکی دور کر کے تم کو بالکل پاک کر دیا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر حضرت علی کو دی انہوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ہم دنیا کی اس فانی نعمت کو لیکر کیا کریں گے جس کے حلال کا حساب ہے اور حرام کا عذاب ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ پھر حضرت علی معاویہ سے دنیا کیواسطے کیوں لڑے اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت علی معاویہ سے حق پر لڑے جو آپ کے واسطے تھا اور لیکن تحکیم پس باطل اور غیر صحیح ہے کیونکہ تحکیم موجود اور محدود اور معروف اور معلوم غیر مجہول پر ہوتی ہے عقلاً اور شرعاً ہے پھر تم جو کچھ چاہو کہو اور اگر اس معاملہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہماری کتاب نسیم التسنیم میں دیکھو اور قصص ذی القرنین کا دیکھنا بھی کافی ہے اور ابن ابی الدنیا کی کتاب مدح باخن الندیم بھی بہتر ہے اور کتاب الاقالیم اور کتاب مسالک والممالک اور کتاب مادری . . . سب اچھی ہیں اور اگر تم کو افلاک کی وسعت اور ایک کا دوسرے سے تفاوت معلوم کرنا ہو تو جانو کہ زمین کی وسعت کو کیسے ایک شب میں قطع کرتا ہے اور فلک ہوائی کو قمر ایک مہینہ میں قطع کرتا ہے پس دیکھو کہ ایک مہینہ اور ایک شب میں کیا فرق ہے پھر اس کے اوپر فلک زحل ہے جسکو ۲۶ سال میں قطع کرتا ہے پھر اسکے اوپر کرسی اور عرش ہے اور یہ آٹھوں جنتوں کی سقف ہے جن میں سے ہر ایک جنّت کا عرض آسمان اور زمین کی برابر ہے پس تم اپنی دلیل کو اس مساحت مذکورہ سے حاصل کرو۔ اور تیری ناقص ہمت کو کیا ہوگیا ہے کہ کسی طرح بلند ہی نہیں ہوتی اور نہ تو اس کو سعادت کا لباس پہناتا ہے بلکہ تو اپنے نفس کی پرورش میں ہمہ تن مشغول ہے پس تو اس شخص کی مثال ہے جو ایک گدھے کے عشق میں قافلہ سے پیچھے رہ گیا اور قزاقوں نے اسکو لوٹ لیا۔

یہ دنیا عالم خواب ہے اور انبیا علیہم السلام اس خواب کی تعبیر دینے والے ہیں اور اس تعبیر کا راست و دروغ تم کو بیدار ہونے کے بعد معلوم ہوگا کیا تم نے یہ اشارہ نہیں سنا کہ لوگ سوتے ہیں پس جس وقت مریں گے تو بیدار ہوں گے پھر جسوقت مرتے ہیں تو بیدار ہو جاتے ہیں اور دنیا میں تیری مثال ان دو بچوں کی سی ہے جو ایک پیٹ میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اے ہم عنقریب یہاں سے نکلکر ایک دوسرے عالم میں پہنچیں گے اور جب یہ تولد ہو جاتا ہے اور دنیا کی کشادگی کو دیکھتا ہے تو کیا یہ اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ پھر ماں کے پیٹ کی تنگی میں واپس جائے ہرگز نہیں اور اسیطرح جب تو آخرت

اور وہ بھوکا ہے پھر اس نے بادشاہ کے دروازے پر گیا اور وہاں دیکھیں اور کتا اس کو اندر جانے سے روکتا ہے پس اگر اس شخص کی ہمت بلند ہے تو یہ روٹی کا خیال چھوڑ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جس وقت کتا روٹی کھانے میں مصروف ہوتا ہے فوراً یہ شخص اندر داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی ہمت اپنے پیٹ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو یہ روٹی کھانے کی طرف سبقت کرتا ہے اور پھر کتا اس کو اندر داخل ہونے نہیں دیتا اور روٹی اس کے پیٹ میں متعفن ہو کر تجھکو بادشاہ کی حضوری سے روکتا ہے پس تجھ کو لازم ہے کہ روٹی کتے کی طرف پھینک دے اور خود آرام سے بیٹھکر اعلیٰ درجہ کے اعمال میں مصروف ہو تاکہ انکا نیک بدلہ قیامت کے روز تم کو ملے اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک جماعت ظلمات میں داخل ہوئی اور وہاں کے حال سے واقف شخص نے کہا کہ یہاں کے کنکر پتھر لیلو تم کو فائدہ ہوگا پس جس شخص نے اسکی بات پر یقین کیا اس نے پتھر اٹھالئے اور جس نے یقین نہ کیا اس نے نہ اٹھائے یہاں تک کہ جب لوگ ظلمات سے باہر آئے اور ان کنکروں کو دیکھا تو سب کے سب جواہرات اور موتی تھے پس جنہوں نے لئے تھے وہ تو خوش ہوئے اور جنہوں نے نہیں لئے تھے وہ حسرت میں رہگئے پس یہی صورت دنیا میں تیرے اعمال کی ہے کہ یا تو غفلت کر کے تو غلام ہو جائیگا اور یا عمل کرنے سے تجھ کو خدا کی طرف سے سلام اور ملیگا پس لازم ہے کہ تو اپنا تکبر چھوڑ دے اور کم کھانا اختیار کرے اور پیٹ کو پاک صاف بنائے اور نیند سے آنکھوں کی حفاظت کرے اُمید ہے کہ جب تو ایسا کریگا تو تیری برائی ہوگی دور اور دین تیرا پورا ہوگا اور قیامت کے روز ہر ایک نعمت کا تم سے حساب لیا جائیگا کیا تم نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے ایکبار جو کی روٹی اور کھجوروں کے پیٹ بھر کر کھانے کا حساب لیا ہے اور انکو تنبیہ کی ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔

فصل (بلند ہمتی کے بیان میں)

معلوم ہو کہ ہمت والے کا اپنے دل کو حصول مقصد کے واسطے جمع کرنا اور خاص اسی کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ہمت والا اپنے حصول مقصد میں اغراض متفرقہ کا ارادہ نہیں کرتا ہے اور جو ایسا کرتا بھی ہے سو اس سے ایک کام کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

ہمتیں نفس کی شاخیں ہیں جسکا نفس بلند ہوتا ہے اس کی ہمت بھی بلند ہوتی ہے اور جسکا نفس پست ہوتا ہے اس کی ہمت بھی پست ہوتی ہے دیکھو رذیل لوگوں کی ہمتیں جیسے بھنگی چمار وغیرہ ہیں ان کے حیثیت کے موافق ہوتی ہیں اور جو بات کہ ازل میں ان کے واسطے ہو مقدر ہو چکی اور ان کے خمیر میں پڑ چکی

ؔ البتہ اس دن تم سے نعمتوں کی بابت سوال کیا جائیگا ۱۲۔

ہے اس سے تجاوز نہیں کرتیں اور یہ سب کہ تمہارا معشوق ملک ہے پس تم کو ہرگز خسیس اور ذلیل باتوں سے الفت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ ملک و سلطنت نام و نسب پر موقوف نہیں ہے بلکہ بلند ہمتی پر موقوف ہے چنانچہ جو فیض کہ سب سے پہلے نفس کلی سے صادر ہوا ہے وہ علماء اور بادشاہوں کی ہمتیں ہیں اور پھر جوں جوں فیض دور ہوتا گیا ہمتیں رذیل ہوتی گئیں جیسا کہ انسان کے بعد حیوانات رذالت میں ایک دوسرے سے بڑھتے چلے گئے ہیں اور ہر ایک نے اپنی ہمت کے موافق اپنا کھانا پینا اور طرز روش پسند کیا ہے چنانچہ کوئی اناج و غلہ وغیرہ سے پیٹ بھرتا ہے اور کوئی گھاس کھاتا ہے اور کوئی نجاست پر قناعت کرتا ہے۔ ذوالقرنین کے قصہ میں غور کرو کہ یہ سیلانہ کے بیٹے اور باپ انکا جولاہا تھا اپنی بلند ہمتی سے یہ سلطنت کے فکر میں مصروف ہوئے اور صنعت وغیرہ کے کاموں کو پسند نہ کیا اور ان جیسے دنیا میں بہت لوگ ہوئے ہیں اور متقدمین نے اپنی بلند ہمتی سے علم موسیقی ایجاد کیا ہے کہتے ہیں کہ اس کا الحان افلاک کی گردش کے الحان سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ گردش افلاک سے عجیب غریب نغمے اور آوازیں پیدا ہوتے ہیں اور موسیٰ و داؤد و ادریس اور دیگر لوگوں سے منقول ہے کہ عود باجا اس پرندہ کی شبیہ بنایا گیا ہے جو پہاڑ میں معلق رہتا ہے اور اسکی ناک میں اسقدر سوراخ ہیں جیسے عود میں ہوتے ہیں۔ اور یہ باتیں ہمت کی درجات سے متعلق ہیں اور بغیر ہمت کے مقصد کا حاصل ہونا دشوار ہے علماء کے مقصد کا حاصل ہونا درس و تدریس کی مواظبت اور فاقہ و صبر کے ساتھ ہے اور سلطنت کے مقصد کا حاصل ہونا ان باتوں کے ساتھ ہے جو سلطنت کو جذب کریں اور اگر تم یہ کہو کہ یہ سب امور تقدیر سے متعلق ہیں جسکی تقدیر میں ہوتا ہے وہی پاتا ہے ورنہ ہزار کوشش کرے کچھ نہیں ہوتا بندہ کی پیشانی پر جو کچھ لکھا ہے وہ مٹ نہیں سکتا۔ بیشک یہ تمہاری بات سچی ہے کہ جو کچھ مقدر میں ہے وہی پیش آئیگا پس اسواسطے تم کو چاہیئے کہ عزت کی تلاش میں جان دو ذلت کے ساتھ نہ مرو معاویہ کا قول تمنے سنا ہوگا کہتا ہے بلند کاموں کا ارادہ کرو تاکہ ان کو پاسکو دیکھو میں خلافت کے لائق نہ تھا مگر میں نے اس کی ہمت کی پس اسکو

ہمنے کتاب ستر خزانۃ الہدی میں ایک حکایت نقل کی ہے اور یہاں بھی اس کو بیان کرتے ہیں کہ کسی شہر کا بادشاہ مرگیا اس کے امیروں وزیروں نے شہر کو دروازہ سے بند کرلیا اور کہا ہم اس شخص کو بادشاہ بنائیں گے جس کی کلائی میں چمکدار نور کی علامت ہو چنانچہ ایک فقیر انکے پاس آیا اور اس کی کلائی میں نور کی ویسی ہی نشانی تھی جو پہلے بادشاہ کی کلائی میں تھی وزیر نے اس فقیر کو خوب غور سے دیکھا اور اپنا بادشاہ بنالیا پھر ایک روز وزیر اسی بادشاہ کے پاس عود قماری کی لکڑی کے برتن میں کچھ چیز رکھ کر لے گیا بادشاہ

نے پوچھا کہ اسے وزیر یہ بکریاں کہاں سے آتی ہے وزیر نے کہا حضور ایسی بکریاں کثرت کے ساتھ ہمارے دیہات میں کہیں سے بہہ کر آجاتی ہیں بادشاہ نے کہا تم جلد اس بات کو تحقیق کرو کہ یہ بکریاں کہاں سے آتی ہیں ورنہ تم کو وزارت سے معزول کیا جائیگا وزیر اسی وقت کشتی میں بیٹھکر دریا میں روانہ ہوا اور پھر ایک پہاڑ پر چڑھکر اس کے پرلی طرف اترا اور دیکھا کہ بہت سے لوگ اس پہاڑ میں گوشہ نشین اور عبادت میں معروف ہیں وزیر نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کس واسطے اس قدر مجاہدہ و ریاضت کر رہے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ سب سلطنت کے طالب اور ایک سال کامل اس کے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اور جو ان میں سے ترقی کرتا ہے۔ اس کی کلائی پر ایک نورانی داغ ہو جاتا ہے پس وہی سلطنت کا مستحق ہے وزیر اس حال کو دریافت کر کے بادشاہ کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کیا بادشاہ نے کہا اے وزیر کسی کو حقیر نہ سمجھیو ورنہ تو خود حقیر ہوگا بلکہ تجھکو سفر اور عمل کرنا چاہیئے تاکہ تیرا ذکر خیر کیا جائے پس یہ مجاہدہ کرنا اور بھوکے رہنا بلند ہمتی کی بات ہے پھر کہا کہ تو جوش اور خود کو دیکھکر خوش نہ ہو جیسا اس کے اندر لڑکیوں کے سے دل ہوتے ہیں۔ اور خود تمنے اپنی آنکھ سے استقار اور جادو اور کہانت میں بلند ہمتی کا کرشمہ دیکھ لیا ہوگا اور اگر تم کرامات کا ظاہر کرنا چاہو تو فاقہ اور علم اور خلوت اختیار کرو اسرار کائنات کی علامات تم پر منکشف ہونگی مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان جنوں کو عزائم کے زور سے مسخر کر لیتے ہیں اور اس کے متعلق مفصل بیان ہم نے کتاب خزانہ سر الہدای میں کیا ہے اس میں تلاش کر کے حصول مقصد میں کوشش کرے۔ کتاب سر العالمین کا یہ حصہ ختم ہوا اب اسکے آگے دوسرا حصہ شروع ہوگا اور وہ بھی امام حجۃ الاسلام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ کی تصنیف سے ہے۔

مقالہ ابن سینا پر رد کے بیان میں

اور جب یہ خیال ابن سینا کے دل میں سمایا با ایں طور کہ اس نے کہا کہ شمس اور کل کواکب جماد ہیں اور ان کا قیاس ہے نہایت شوق سے اس خیال کو اس نے مضبوط پکڑا اور بغیر برہان کے اس کا کلام ہرگز نہ چلا اندر عقلی اور نقلی دلائل اس کے خلاف میں واضح طور سے موجود ہیں چنانچہ نقلی دلائل یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ [1] اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ الخ اور خسوف قمر کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے [2] اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْہُ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر اسوقت تنگی میں ہوتا ہے اور

---

[1] کیا تمنے نہیں دیکھا کہ خدا کو سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ [2] یعنے اللہ اس کی سختی کو کھولدے ۱۲۔

اس کے الم کو محسوس کرتا ہے اسی واسطے اس کے لئے کشادگی کی دعا فرمائی ہے۔

پھر ابن سینا اسکی تعلیل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بیان شمس و قمر وغیرہ کے سجدہ کا اق سے زبان حال کے طور پر ہے اور یہ وجہ دلیل کی نہیں ہے کیونکہ سجدہ خلاف کلام کے ہے اور پہاڑ کا سجدہ اس کا سایہ ہے۔

اور یہ آیت فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا اس میں فَالْمُدَبَّرَات نہیں فرمایا ہے فاعل اور مفعول میں فرق کے واسطے اور اگر مفعول ہوتا تو مرکز یا محل قابل اس کے واسطے نہ ہوتا پھر خداوند تعالےٰ نے قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ بروج مقامات ہیں جس میں فاعل واقع ہوتا ہے نہ مفعول کیونکہ فاعل وہ معنے ہیں جن سے ان کے مفعول کی توجیہ ہوتی ہے صحیح احیاء ما عادیں وارد ہے کہ فرشتے سورج کو برف کے پہاڑوں میں کھینچتے ہیں اور اس کی تقدیس اور تمجید سنتے ہیں

اور اگر سورج جماد ہوتا تو خداوند تعالےٰ قرآن شریف میں اسقدر اس کی قسمیں نہ کھاتا اب ہم عقلی دلائل بیان کرتے ہیں ارباب نقل اور اہل نجوم کا اس بات پر اجماع ہے کہ شمس فلک کا حاجب ہے کیونکہ اس کی امر و نہی مشاہدہ کی جاتی ہے اور یہ ذات فلک میں انخراق کرنے والا ہے اور پھر کرہ سفلی پر بھی اس کی حکومت ہے اور ہر ایک عارف و عالم اس کے آثار و افعال کو مشاہدہ کرتا ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ جاہل ہے اور دلیل و برہان حقیقت خوف پر قطعی حکم لگا چکی ہے پس نقض ایک چیز کا مستدل ہے اور جملہ کے اور جب کہ اعتراض واقع ہو روحانیات اور جسمانیات میں مجانست کہاں رہی یہاں تک کہ وہ اپنی طبیعتوں سے اہل کون و فساد کے علم میں اثر کریں پس جواب کو اس کے ارباب کے واسطے ظاہر کیا ہے اور دوا اور اسکے پینے والے میں کیا مناسبت ہے جس کے سبب سے وہ تاثیر کرتی اور اسہال ہوتی ہے کہتا ہے اس لئے کہ سب چار طبائع سے مرکب ہیں پس جواب صحیح ہوا کہ عناصر اصلیہ نے اثر کیا ہے حال یہ میں بالکلیہ اور ایسے ہی نفس جو بدن سے خارج اور منفصل ہے اس کا نفس اس ہوا سے ماخوذ ہے جو دورہ فلاکیہ سے جرم متحلل کے ساتھ متصل تھی پس یہ نتیجہ دور کا ہے جیسا کہ پنکھے کے ساتھ ہوا چلی جاتی ہے پس اگر ہوا پنکھے سے ہو تو یہ باطل ہے اور اگر تم سے ہو تو پھر جو چیز تم سے ہے وہ تمہارے ساتھ کیسے متصل ہو سکتی ہے بلکہ اس کے اندر راز یہ ہے کہ ٹھیری ہوئی ہے اور پنکھا اس کو ہلاتا اور جدا کرتا ہے اور جب ہوا تم سے جدا ہو کر ٹھنڈک باقی ہے تو پھر اسکو تمہاری طرف پہنچاتی ہے اور اسیطرح کل مقامات اور حمام میں ہوتا ہے۔

پس جب کہ نسبت صحیح ہوئی تو بغض و محبت کا تصور ہوا جیسا کہ ایک قوم سے خیال کو قوی کیا پس وہ اس سے مخاطب ہوئے اور قرآن شریف سے اجسام روحانیہ کا مقابلہ مشاہدہ کیا گیا ہے اور برہان

اس کی اہل خبر کے نزدیک موجود ہے اور اے منطقیو تم یہ کہتے ہو کہ فلک اچھے اچھے نغموں کے ساتھ تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ پس کو اکب تمہارے نزدیک فلک کی روح ہیں پھر جب کہ زندگی بدن کے اندر موجود ہوئی تو روح کے بطریق اولیٰ موجود ہونی چاہیے یہ توضیح کافی ہے جیسے کہ لطیف شربت خلط کے شروع میں عمل کرتا ہے اور جب خلط زیادہ ہوتی ہے دوا کی بھی زیادہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر جب کہ دونوں عالموں کے درمیان میں نسبت کا سبب ہوا کے ساتھ صحیح ہوا تو عشق اور بغض اور امر و نہی اور وصل و فصل مالک سے واسطے مملوک کے صحیح ہوا کیونکہ اعلیٰ جانب اسفل سے زیادہ کشادہ ہوتی ہے اور اعلیٰ جانب کے رہنے والے روحانی عالم اسفل کے حاکم ہیں کیونکہ بادشاہ کی نزدیکی کے سبب سے پہلے فیض انہیں کو پہنچتا ہے اور اس کے متعلق دفع دخل کے واسطے قرآن نے توضیح فرمائی ہے عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ - عند کا لفظ تو قرب کا ہے اور اہل لغت اس عندیت کے معنے انتہا شنوں کے لیتے ہیں۔ پس جب یہ بات تمہارے نزدیک صحیح طور سے ثابت ہو گئی تو اب تم کو اس عالم اعلیٰ کی تمنا کرنی چاہیے اور مشغلات فاسدہ کو ترک کر کے مجاہدہ کے ذریعہ سے ترقی کرو اور جب تک کہ تم اسی عالم اسی اسفل میں مقید ہو اپنے نفس کو کیسے عزت کی نظر سے دیکھ سکتے ہو پس تمکو لازم ہے کہ عالم بالا کی طرف توجہ کرو اور اپنی ہمت کے ساتھ جسم کے مرکب کو قطع کرو تاکہ روح اپنے عالم سے متصل ہو جائے بہ سبب اس قدیم عشق کے جو اس کے اندر موجود ہے۔

فصل زہد کے بیان میں

چونکہ لغت میں زہد کے معنے کسی چیز کے واسطے ترک کرنے کے ہیں اس نے تو آخرت کے واسطے زہد کیا اور ایک گروہ نے دنیا کے واسطے زہد کیا اور ایک گروہ نے نہ آخرت کے واسطے کیا نہ دنیا کے واسطے بلکہ ان دونوں کے مالک یعنی خدا تعالےٰ کے واسطے زہد کرتے ہیں اور یہ تیسرا طریقہ نہایت سخت و دشوار ہے کیونکہ نفس آخرت کا بیان سنکر خوش ہوتا ہے اور راحت پاتا ہے اور جس نے سب کو ترک کیا اور یہ بھی نہ جانا کہ کس چیز میں اس نے رغبت کی ہے پس وہ زہنیب ہوا اور یہ مرض بالکلیہ ہے اس کی دوا ضرور چاہیے اور دوا اس کی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جب نفوس نے اس بات کو جان لیا کہ زمین پر جو چیز ہے ضرور وہ زائل ہونے والی ہے پس پاکیزہ نفوس نے ان چیزوں کو اپنے اختیار سے بغیر کسی مجبوری کے ترک کر دیا اور مجبوراً ترک کرنا ایسا ہے جیسے فقیر یا بوڑھا آدمی ایسے گناہوں کو ترک کرے جنکو کر نہ سکتا ہو اور یہ طلاق مکرہ سے مشابہ ہے اور جب کہ عقلا نے اس بات کی طرف نظر کی کہ جو عمر گذر گئی اس میں کچھ مزہ نہ رہا اور جو باقی ہے اس کو دوام اور ہمیشگی نہیں ہے تب یہ لوگ بطریق منازعہ کلیہ کے ترک دنیا کی طرف رجوع ہوئے اور اس شخص کی مثل بن گئے جس نے دوا کی تلخی پر جلد صحت پانے کی اُمید میں صبر کیا اور اسکی اغراض فاسدہ مثل اس مکان کے ہیں جس کے اوپر دھواں محیط ہو اور

اس کی اغراض فاسدہ مثل اس مکان کے ہیں جسکے اوپر دھواں محیط ہوا ور اسکے اندر موذی جانور اور گزندے بھری ہوئی ہوں پس اس کے مالک اسکی صفائی اور ستھرائی کرنے اور اس کے ضرر دور کرنے کی طرف متوجہ ہو سچنانچہ آنکھ کا دھونا اور پاک کرنا اسکو جھکانے اور ادھر ادھر نہ ڈالنے اور رونے کے ساتھ ہے اور زبان کے اندر ہونا پایا کی ہے اسکو ذکر اور استغفار اور ندامت اور اعتذار کے ساتھ دھونا اور پاک کرنا چاہیئے اور جب کہ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ لشکر بادشاہ کا مطیع حکم ہوتا ہے پس نفرت کے بعد فوراً ہی وہ واپس بھی آجاتا ہے مگر سارا خوف اور اندیشہ بادشاہ کی طرف سے ہے کیونکہ جب فساد اس کے اندر پیدا ہوجاتا ہے تو پھر رعیت کا ٹھکانا نہیں رہتا اسکی خرابی سے ساری رعیت خراب و برباد ہوجاتی ہے اور جب تک عقیدہ سالم ہے تو اعضا کا علاج نہایت قریب اور سہل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ابن آدم کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو سارا بدن فاسد رہتا ہے پس سب سے بڑا تمہارا زد یہ ہے کہ جب تم اس فریق طریقہ میں قدم رکھو تو نفس طاہرہ اور جسم کے درمیان میں شہوتوں اور لذتوں کا ترک واقع کرو اور جب نفس ان کو اپنے معشوق کی خاطر ترک کردیگا تو ان سے جدا ہوکر ان کی طرف سے صبر کریگا اور اپنے معشوق سے جدا نہ ہوسکیگا اور اگر پہلے سے مجاہدہ و ریاضت کا کچھ شوق کیا ہے تب اسکی طرف میل کرنے سے طبائع اربعہ پر یہ نفس فوقیت لیجا کر اعلے مرتبہ میں مقرب فرشتوں سے متصل ہوگا اور پاک لوگوں کی ہم نشینی کے ساتھ انوار قرب کے فیض سے مستفیض ہوگا اور ان کی لذت اسکو کھانے پینے کی کل لذتوں سے افضل معلوم ہوگی جیسا کہ عاقل بادشاہ کی ہم نشینی اور قرب سے اپنا حصہ لیتا ہے اور عقلی لذتیں جو علم اور مطربات کے سننے سے حاصل ہوتی ہیں وہ کل و شرب کی لذتوں سے بدرجہا بڑھکر ہوتی ہیں اور پھر انہیں انوار و فیوض و برکات کے ساتھ نفس نویں آسمان کو طے کرکے اس مقام انوار میں پہنچتا ہے جہاں نہ دن ہے نہ رات ہے کیونکہ دن رات کو خداوند تعالےٰ نے گردش فلک کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور خیر و شر کے قضیے انہیں پر مرتب ہوتے ہیں۔ دوسرا فلک قمر کا مرکز ہے اور قمر اسکو ایک مہینہ کی مسافت میں قطع کرتا ہے جیسا کہ اوّل ایک شب و روز میں قطع کیا تھا اور اسیطرح چوتھا فلک شمس کا مرکز ہے جسکو شمس ایک سال میں قطع کرتا ہے اور پھر اسیطرح سب افلاک کو ان کے کواکب قطع کرتے ہیں یہانتک کہ ساتویں فلک کو زحل قطع کرتا ہے اور پھر اس کے اوپر آٹھواں اور نواں آسمان ہے او اے غافل نادان لے اور تنگ ہی منزل میں منہمک ہو رہا ہے تجھکو یہ خبر نہیں کہ اگر تو کوشش کرے تو یہ پاک روح تیری نویں آسمان کے اوپر جسکو اصطلاح شریعت میں کرسی کہتے ہیں فرشتوں کی ہمنشین ہوسکتی ہے اور وہ مقام عیوب اور امراض اور ہر ایک طرح کی علت اور فنا و زوال سے بالکل پاک و منزہ ہے اور اسکا

سبب ظاہر یہ ہے کہ ہم فنا کو دیکھتے ہیں کہ وہ سوا اس کرہ خاکی کے رہنے والوں کے اور کسی کے پاس نہیں جاتی ہے کیونکہ اسی کرہ میں رات اور دن کے احوال متغیر ہوتے ہیں اور پھر یہ برہان بھی اس دعویٰ پر موجود ہے کہ نیرین اور کواکب باوجود دائرہ سفلی سے قریب ہونے کے باقی ہیں پھر جو چیزیں کہ ان سے اوپر ہیں وہ تو اور بھی زیادہ قائم و دائم ہیں اور جب کہ یہ بات جائز ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان میں میدان اور کشادگی و وسعت ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ نویں آسمان کے پرے بہت بڑی کشادگی اور وسعت ہے اور چونکہ انوار قدسیہ سے وہ مقام بہت نزدیک ہے اس سبب سے وہ بڑی بزرگی اور بخشش ہوتی ہے اور ارباب نقل کے نزدیک جب یہ بات مسلم ہوئی کہ جرم بازی غیر جرم شمس ہے کیونکہ جرم ناری کے واسطے اعراض فاسدہ مثل دھوئیں وغیرہ کے ہونے کی ضرورت ہے پس وہ ارواح خبیثہ کا مسکن ہوا کیونکہ جب دنیا نے انکو بھاری کر دیا ہے اور جب وہ محل اعلےٰ کی طرف ترقی کرنے کا قصد کرتی ہیں جب ہی عالم سفل کا شوق ان پر غالب ہو کر انکو نیچے دھکیل دیتا ہے اور یہی اس آیت کا مضمون ہے وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ وَرَاۤءَ ظَهْرِهٖ اور جو روحیں جب دنیا سے پاک ہوتی ہیں وہ اپنے شوق کے ساتھ محل اعلےٰ میں ترقی کر جاتی ہیں اور یہی اس آیت کے معنے ہیں پس سب ظلمتوں سے بڑھکر نفس کی وہ ظلمتیں ہیں جن سے بہ تجاوز نہیں کر سکتا ہے اور یہ اسکا وہ طائر ہے جسکو وہ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۤئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ۔

اور جب کہ یہ براہین صحیح ہو گئیں تو یہ بات ثابت ہوئی کہ وہاں ایک نعمتوں کا گھر ہے جس میں خدا نے اپنے دوستوں کے واسطے نور اور حور و قصور اور قطوف دانیہ اور غرف عالیہ سے بے حد و نہایت مہیا کیا ہے پھر جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ دار القرار کا وہم اور دنیا کی محبت کے ساتھ مالک ہوگا تو یہ خیال اس کا باطل ہے زہد کا سب سے بڑا درجہ نفس کا جسم کے اندر زہد کرنا ہے تاکہ اسکی ظلمتوں کو قطع کر کے اس کی لذتوں اور خواہشوں کو ترک کرے اور اس کے اندر جو مصائب و شدائد اسکو درپیش ہوں ان سب کو گوارا کرے پس جب وہ ان خواہشوں کو چھوڑ دے گا تب اس کے اندر نیک باتوں کے آنے کی گنجائش ہوگی چنانچہ سب سے پہلے مرید جن اخلاق ذمیمہ سے اپنے نفس کو پاک کرے وہ یہ ہیں۔ طمع۔ تکبر بخل ریا اور حسد ان اخلاق ناپاک کو نفس کے کتے اور درندے اور سانپ و بچھو سمجھنا چاہئے جب بندہ مرجاتا ہے تو یہ سب درندے اور گزندے اپنے اپنے بھٹوں اور بلوں سے نکلکر نفس کو تکلیف اور عذاب پہنچاتے ہیں اور جہل کو بڑا اژدہا اور سم قاتل سمجھنا چاہیے پس جب نفس ان اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو کر اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوتا اور زہد کے ابتدائی درجہ میں پہونچتا ہے اور نور عقل کے بازو قوی ہوتے ہیں اور دریائے یقین میں یہ تیرنے لگتا ہے راستی کا قاصد اس کے دل سے غفلت

کا پردہ اٹھادیتا ہے پس دراصل روزنا آخرت کا یہی توشہ بھروسہ ہے اور نفس کو جس بات کی عادت ڈالو اسی سے اسکو الفت ہو جاتی ہے بلکہ اُسکا عاشق و گرویدہ ہو جاتا ہے نفس کو طبائع اربعہ سے کیا نسبت کہ وہ ان کی طرف بالکل ہی مائل ہو جائے نفس سماوی ہے اور یہ ارضی ہیں جو الفت کہ ان کے درمیان میں ہے یہ فقط ہم صحبتی کے سبب سے ہے پھر جس وقت سوار اپنی سواری سے جدا ہوتا ہے تو سواری کو آرام ملتا ہے پس بدن روح کا مرکب یعنی سواری ہے اور اگر تم اسکو روح کا محبوب بناؤ گے تو پھر یہ روح کے ساتھ رہے گا اور کبھی اس سے جدا نہ ہوگا اور سکرات موت میں جو سختی روح کو درپیش ہوتی ہے وہ صرف بدن کے ساتھ اس کے عشق ہی کے سبب سے ہوتی ہے کیونکہ روح اس کے سوا کسی کو اپنا محبوب نہیں جانتی ہے لہٰذا اسکی مفارقت روح کو گوارا نہیں ہوتی اور روح کا بدن سے اس درجہ عشق کرنا بالکل روح کی خطا ہے اور بادشاہ کا قرب ہر حال میں بہتر ہے پس تنہائی کی اشد ضرورت ہو تو اپنے اختیار سے اُسکی عادت ڈالنی چاہیے دنیا میں تا ہدوں کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ ان کے در پر حاضری دیا کریں جیسا کہ شارع علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ زاہدوں نے دنیا کی حرمت اور آخرت کی نعمت کے ساتھ کامیابی حاصل کی اگر تم شریعت کے قائل ہو تب تو تم کو طریق محمدیؐ کا پابند ہونا چاہیے اور اگر تم اہل عقل کے طریق پر ہو تو افلاطون اور سقراط کا طریق اختیار کرو اور جب کہ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ شہد مکھی کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اور بڑا قیمتی کپڑا جو حریر ہے کیڑے کے لگے ہوئے جالے سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ پینے کی چیز دنیا میں پانی ہے اور پینے والے اس میں ایک طریقہ پر ہیں۔ پھر گھوڑا ہے اور سوار اسکا اور ہے پھر عورتیں ہیں اور ان کے ساتھ جو مشقت اور تکلیفیں ہیں وہ ظاہر ہیں پھر چاندی اور سونا ہیں جو ایک قسم کے پتھر ہیں اگر کل بادشاہ ان کے منسوخ کرنے پر متفق ہو جائیں تو ان کی کچھ قیمت نہ رہے اور باوجود ان سب باتوں کے تم یہ سمجھتے ہو کہ ان ساتوں باتوں کے ترک کرنے سے تم کو زہد حاصل ہو جائیگا جو یہ ہیں مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ [1] اور تم کو یہ خبر نہیں کہ سات چیزیں پوشیدہ تمہارے اندر گھسی ہوئی بیٹھی ہیں ان کو بھی نکالکر باہر کرنا چاہیے اور وہ یہ ہیں عجب۔ تکبر۔ بدگمانی۔ بخل۔ حسد۔ بغاوت حد سے زیادتی پس ان باتوں میں زہد کرنا بہت بہتر ہے دیکھو بزرگان سلف بڑے بڑے مالدار تھے مگر اپنے مال کو وہ راہ مستقیم میں خرچ کرتے تھے اور دل ان کے مال کی محبت سے پاک و صاف تھے بخلاف تمہارے کہ تم لوگوں کے دل مال کی محبت میں پھنسے ہوئے ہیں جیسا کہ ظاہری طہارت ظاہری آداب کے ساتھ ضروری ہے ایسے ہی قلب کی طہارت باطنی آداب کے ساتھ فرض ہے بڑے افسوس کی بات ہے کہ بظاہر تو تم پروردگار کی نماز پڑھتے ہو اور دل میں خواہشوں کے متعلق فکر کر رہے ہو حالانکہ

[1] سونے اور چاندی اور عمدہ گھوڑوں اور عورتوں اور فرزندوں اور مویشی اور کھیتی سے ۱۲۔

اس بات کو بھی جانتے ہو کہ دل خدا کا گھر اور اسکی رحمت کا محل اور علم کا سرچشمہ اور ملائکہ کا جائے نزول اور ذکر کی جگہ اور روح کا محل اور حکم کی لوح اور عقل کا آئینہ اور یقین کا چراغ ہے مگر یہ سب باتیں تم سے تخلیط اور غفلت کے سبب سے پوشیدہ ہیں اور تم ایمان کے نور سے اپنی طبیعت کے اندھیرے کی طرف گناہ کے پردہ کے ساتھ واپس ہو گئے ہو اور اسی سبب سے یہ انوار تم پر پوشیدہ ہیں جیسے کہ بادل کا پردہ آفتاب کے رخ روشن کو پوشیدہ کر لیتا ہے اور مٹی پانی کے چہرہ کو ڈھکے ہوئے ہے جب تم اسکو دور کرو گے تو اس تک پہنچ جاؤ گے اور الہام کے ذریعہ سے مخفی اور لدنی علوم تم پر منکشف ہونگے لوح جیسے کہ پر ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے سوا وہ کسی بات کی گنجائش نہیں رکھتی تو پس تم اپنے دل کو آفات ذمیمہ سے دھو کر صاف کر لو تاکہ وہ علوم جو حد وحصر سے باہر ہیں اسکے اندر منقش ہوں تم شرع کی رو سے اس بات کو جانتے ہو کہ گھر میں بچھونے پر کتنے کی تصویر کے ہونے سے فرشتہ اندر نہیں آتا ہے پھر باوجود اسکے تم نے اپنے دل کے اندر سات کتے بلکہ زیادہ مثل حرص وغرور و بخل وغیرہ کے باندھ رکھے ہیں پھر جس شخص کے دل میں یہ آفات بھرے ہوئے ہوں اس بات کی آرزو کیسے کرتا ہے کہ نسیم قرب اس کے اوپر چلے کیونکہ یہ آفات قلب کے کتے ہیں۔

جب نفس دنیا میں زہد اختیار کرنے سے عاجز ہو اور شہوتوں کی طرف مائل ہو جائے تو اسکو کتاب وسنت کے وعظ ونصائح سنا کر تنبیہ کرو۔ اور اخلاق حمیدہ کی اسکو عادت ڈالو کیونکہ خیر عادت ہے اور شر لجاجت ہر جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ آخرت کی طرف راستہ چل رہا ہے تو اس کے واسطے ضروری ہے کہ کچھ سامان بھی تیار کرے اگر تم نے دنیا کو طلاق دے دی تو بہتر ہے ورنہ پھر خود وہ تم کو طلاق دے گی اور تمہاری اسکے درمیان کا وصل فنا کی چھری سے کٹ جائیگا اور جب یہ طریق علم اخلاص کے ساتھ تمہارے واسطے درست ہو جائے تب تم ملائکہ مقربین کا حیات ابدی اور سرمدی لذتوں میں ساتھ اختیار کرو اور فردوس اعلیٰ میں بادشاہ بزرگ کے زیر سایہ اعتدال کی جگہ میں رہو کیونکہ وہاں رات و دن نہیں ہوتا ہے اور گردش افلاک سے ایسے نغمے سنائی دیتے ہیں جن کی لذت وسرور سے ہوش وہواس گم اور عقل زائل ہو جاتی ہے اور نفس اہل قدیم کے پڑوس میں اس عقل فعال کے پاس رہتا ہے جس کے پرلی طرف واسطہ عالم نفتح ہے جو فیض الہٰی سے صادر ہوتا ہے پس کیسی خوشی اور مبارک باد ہے اس نفس کے لئے جو پاک وپاکیزہ ہو گیا بیشک لوگ سوتے ہیں جب مریں گے تو اسی وقت بیدار ہونگے۔ کیونکہ اس وقت اجسام کثیفہ سے ان کی مفارقت ہوگی اور نیز نفس بدن کا خادم ہے اس کی اغراض حاصل کرنے کے واسطے اور وہ اسکا والی ہے پس جب وہ اس شہر کی حکومت سے معزول ہو جاتا ہے تب ہر چیز اپنے اصل ومحل کی طرف رجوع کرتی ہے اور جب معاد اور ارواح واجساد کے

ہیں ہے کہ وہ ارواح کے واسطے ہے اجساد کے واسطے نہیں ہے اور یہ بات قلیل تمیز بسر ہے کیونکہ جس قدرت والے نے پہلے جسم کو پیدا کیا تھا وہی اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور بدن روح کا طاعت اور معصیت دونوں میں شریک حال ہے جیسا کہ ایک اندھا اور ایک اپاہج ملکر کوئی جرم کریں تو اس کی سزا کے دونوں مستحق ہوں گے یہ اشارہ سمجھنے والے کے واسطے کافی ہے اور جبکہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ دنیا مثل تمہارے سایہ ہے اگر تم اسکو پکڑنا چاہو گے تو وہ تمہارے ہاتھ نہ آئیگی اور تم عاجز ہو گے اور اگر تم اس سے روگردان ہو کر چلے جاؤ گے تب وہ تمہارے پیچھے پیچھے ہوگی اور یہی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار سے روایت فرمایا ہے کہ وہ فرماتا ہے اے دنیا جس نے میری خدمت کی ہے اس کی تو خدمت کیجو اور جس نے تیری خدمت کی ہے اُس سے تو خدمت لیجو۔

اور جب تم نے جان لیا کہ دنیا کا یہ حال ہے اور اس کی نعمتیں ہمیشہ ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں اور آدمی اپنے آئندہ و گذشتہ کے متعلق کچھ فکر نہیں کرتا ہے کہ کیا تھا اور کیا ہوگا اور اگر کسی تکلیف سے اسکو راحت ملتی ہے تو اس تکلیف کو ہرگز یاد نہیں رکھتا اور جب روح جنتی ہوتی ہے تو موت کی تکلیف اس کو کچھ نہیں معلوم ہوتی۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ لوگ فانی ریاست کی تلاش کس طرح کوشش سے کرتے ہیں پس اسیطرح جو شخص دار البقاء کی قدر و قیمت کو جانتا ہے اسکے واسطے کیوں وہ کوشش نہ کریگا حالانکہ دار البقا کی وہ سلطنت ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتی۔ تم اس بات کو جان چکے ہو کہ زہد دنیا میں عزت اور آخرت میں نعمت اور بدن کی راحت اور لوگوں سے تونگری اور خدائے کریم کے ساتھ مشغولی کا موجب ہے یہ نکتے الوسع خوب نصیحت کر دی ہے مگر تم لوگ نصیحت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتے۔

فصل رُوح کے بیان میں

چونکہ موت اور روح اور ان دونوں کے اسرار کے متعلق کلام کرنا ضروری تھا اس سبب سے پہلے روح کے متعلق گفتگو شروع کی گئی ایک طائفہ اپنے گمان میں یہ سمجھتا ہے کہ روح عرض ہے اور ایک طائفہ یہ کہتا ہے کہ وہ جسم لطیف ہے فنا کو قبول نہیں کرتی۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر بسیط روحانی مدرک حساس ہے جسم سے منتقل اور جدا ہونے کے وقت علموں کی صورتیں اس کے اندر منقش ہو جاتی ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت نے روح کی نسبت گفتگو کرنی منع کر دی ہے کیونکہ فرمایا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یہ خیال ان لوگوں کا غلط ہے کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شارع نے روح کے اندر خوض کرنے کو منع فرمایا ہے۔

حالانکہ یہ بات درست نہیں ہو کیونکہ خود شارع علیہ السلام نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ جو تم میں سب سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہے وہی سب سے زیادہ اپنے رب کو جانتا ہے۔

شارع علیہ السلام اگر کامل تھے تو بیشک انہوں نے روح کو جانا تھا اور اگر ناقص تھے تب ان کو مبعوث ہونا جائز نہیں اور صرف عوام الناس اور جہلا کو خوض کرنے سے منع فرمایا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح عقلی و نقلی دلائل کی رو سے باقی رہتی ہے نقلی دلائل یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ [1] اور یہ حال ہے درست نہیں ہے کہ قدرت میں موت کے اندر تخصیص اور عموم ہو اور فرماتا ہے [2] اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۔۔۔ اور فرماتا ہے۔ [3] رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا تمثیل ہے طالب کے سمجھانے کے واسطے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جنت میں رات دن نہ ہونگے تو پھر صبح و شام کہاں ہوگی اور حدیث میں وارد ہے کہ مومن کی روح جنت کے درختوں میں پھریگی اور انکے پھل کھاوے اور ان کی نہروں کے پانی پیویگی اور پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیل میں جاکر آرام سے قیامت تک رہیگی۔

اور برہان عقلی یہ ہے کہ ہم میت کو اسکی صورت میں بالکل کامل دیکھتے ہیں موت سے کوئی نقصان اس کے اندر پیدا نہیں ہوتا صرف حرکتیں اور نطق اور عقل اور کل وہ صفات جن سے انسان اور بہائم میں فرق معلوم ہوتا ہے، جاتی رہتی ہیں پس موت روح اور جسم کے درمیان میں فاصلہ سے عبارت ہے جب یہ جسم روح سے جدا ہوتا ہے تو روح اپنے عالم اول کی طرف رجوع کرتی ہے، جسکو ہم عرش اور یہ لوگ یعنی فلسفی عقل فعال کہتے ہیں پھر اگر اس روح کا شوق علائق دنیا کو قطع کرکے محل اعلےٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہوتا ہے تب روح خوشی کے ساتھ اپنے گھر کو واپس ہوتی ہے اور اگر شوق اسکا محل سفلی کی طرف غالب ہوتا ہے تب وہ گناہوں کے بھاری بوجھ کے سبب سے اوپر کو اڑ نہیں سکتی اور نہ نیک لوگوں میں جاکر شریک ہوسکتی ہو یہی اسکا بہت بڑا گناہ ہے اور اسی کے سبب سے اس کو دوزخ میں عذاب کیا جاتا ہے اور اس راز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کلام میں ظاہر فرمایا ہے کہ نیک لوگوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت کے اندر چرتی پھرینگی اور جب شوق جسم کی طرف غالب ہوگا تو روح اپنے گناہوں کے مواخذہ میں گرفتار ہوگی اور سب سے بڑا گناہ اس کا اپنے غیر جنس یعنے جسم سے محبت کرنا ہے اور جوں جوں جسم مضمحل اور فنا ہوتا جاتا اسی قدر روح کا اشتیاق بھی اس کی طرف کم ہوتا جاتا ہے اور دوسرا شوق

[1] ان لوگوں کو مردہ نہ سمجھو جو راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس ۔۔۔ خوشحال ہیں۔

[2] دوزخ پر صبح و شام لائے جاتے ہیں [3] رزق انکا ہے جنت میں صبح اور ۔۔۔ دونوں وقت کھاتے رہیں گے۔ ۱۲

یعنے بلند مکان کا قوی ہوتا جاتا ہے اور اسی سبب سے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس قدر دیر تک بندہ کا جسم قبر میں رہتا ہے اس کے گناہوں میں تخفیف ہوتی ہے اور دلیل اس معنے کی یہ ہے کہ اہلِ میت کے دل اس کے اشتیاق میں ہوتے ہیں اور جس وقت سے اسکا جسم قبر کے اندر مضمحل ہونا شروع ہوتا ہے ان کے رنج و غم میں بھی کمی پڑ جاتی ہے اور یہی معنے کسی شاعر نے اس شعر میں نظم کئے ہیں۔

اِلَی الْحَوْلِ ثُمَّ اِسْمُ السَّلَامِ عَلَیْکُمَا　　وَمَنْ ـــــ یَّحُوْلًا کَامِلًا فَقَدِ اعْتَذَرَ

صرف راز جو ہے وہ اس روح کی وضع اور اس بدن کے ساتھ اسکی بلابست میں ہے باطن اور ظاہر سے اور یہ جسم روح کا مرکب ہے تاکہ اسپر سوار ہوکر وہ ان علوم سے جو اُس کی ذات میں مرتسم ہیں اپنے مقاصد کو حاصل کرے جب تم یہ چاہو کہ تمہارا نفس علوی اور رفیق اعلےٰ کی طرف راغب ہو پس تم اسکی صفات ذمیمہ کو دور کرنا اور صفات محمودہ کے ساتھ اس کو آراستہ کرنا شروع کرو مثلاً بخل کے بدلہ سخاوت اور کنجوسی کے بدلہ بخشش اور جہالت کے بدلہ علم اور انکار کے بدلہ معرفت اور شر کے بدلہ خیر حاصل کرو اور شبہ کے اندھیروں سے نکالکر نور جلال کی طرف اسکی رہنمائی کرو اور تکذیب سے تصدیق میں اور بطالت سے خدا کے ساتھ مشغولی میں اور تزکیہ نفس کے واسطے خلوت اختیار کرو۔

ان سب باتوں کے بجالانے سے تمہارا نفس ربانی قوی ہوکر درجہ کمال کو پہنچیگا اور اسوقت تم سے اعلیٰ علیین کیطرف منجذب ہوتے ہیں جگہ ملیگا اور تم اسوقت ملائکہ مقربین کے مرتبہ میں ہوگے اور عرش اور لوح کا جمال تمہارے سامنے ہوگا اور تم عقل فعال سے قوت الٰہی اور فیض الٰہی حاصل کروگے اور اپنے جسم اور نفس کے درمیان میں قطع شہوت اور ہلاک لذت کے ساتھ ڈال لوگے پس جسم کے اندر نفس کا زہر پیدا ہوگا اور جسم سے جدا ہونے کی خواہش ظاہر ہوگی تاکہ دار ابدی میں لذت سرمدی حاصل ہو اور اگر نفس پر جسم کا عشق غالب ہو تب نفس جسم کے جدا ہونا نہ چاہے گا اور نہ اسکو اوپر کی طرف ترقی کرنے دیگا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ[1] پس جب اس بات پر برہان قائم ہوگئی کہ پاک روح اعلےٰ محل کیطرف ترقی کرتی ہے اور اپنے اختیار کے ساتھ آزاد ہوتی ہے بخلاف فلاسفہ اور اپنے لوگوں کے پاس آتی جاتی اور اپنے ابنائے جنس سے ملاقات کرتی ہے اور ایک دوسرے سے ملکر خوش ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ روحیں ایک دوسری کے پاس جاتی ہیں اور تئی

[1] بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تکبر کیا ان کے واسطے آسمان کے دروازے نہ کھلینگے اور نہ وہ لوگ جنت میں داخل ہونگے یہانتک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نکل جائے ۱۲۔

آنیوالی روح سے دنیا کے حالات دریافت کرتی ہیں وہ ان سے بیان کرتی ہے اور فرمایا ہے کہ بعض روحیں گونگی ہوتی ہیں بول نہیں سکتیں اور یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جو بغیر وصیت کئے مر گئے ہیں اور وجہ شرعی کے موافق پس روحیں جو صورت چاہیں پرندے وغیرہ کی اختیار کر سکتی ہیں ان فرشتوں پر قیاس کر کے جو انسانوں کی صورت بن کر پیغمبروں کے پاس آئے ہیں پس قرب ملائکہ سے ان کے استغفار کے سبب محل سے انہوں نے اس چیز کی استمداد لی ہے جو جوہر خاصیت اکتساب ملائکہ سے انہوں نے کسب کیا ہے پس اگر طبعاً ہے تو وہ انہیں کی مثل ہے اور امیر المومنین علیہ السلام تے باوجود اپنے علم اور فہم کثیر اور مشکوۃ انوار نبوت سے قریب ہونے کے فرمایا ہے اور حالانکہ آپ چراغ ہدایت کی بتی اور زیتون ابراہیمی کے روغن تھے کس طرح مصطفٰے کے در پر کھڑے رہے پھر انہوں نے ان سے جو کچھ شکایت حال کہنا تھی وہ کہی۔

اور بیشک قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور خاصیت مثل اتصال شمع کے ہے ساتھ مسموع کے اور نظر کے ساتھ منظور کے۔

الغرض کوئی نفس خواہ نیک ہو یا بد ہو موت اس کے واسطے راحت ہے اور خوف صرف روح کے جسم سے مفارقت کرنے کا ہوتا ہے اور موت کی مثال نشہ کی سی ہے پھر جب روح بدن سے نکل جاتی ہے تو اسکا خوف واپس آجاتا ہے اور بھاری بوجھ اس پر سے دور ہو کر صفت کمال کی طرف روح رجوع کرتی ہے اور جو علوم یا اعمال اس نے کسب کئے تھے وہ سب اس کو یاد آجاتے ہیں اور اسی سبب سے اشارہ کیا ہے کہ لوگ (دنیا میں) سوتے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے بہر حال موت اہل عقل کے نزدیک بندہ کیواسطے زندگی سے بہتر ہے کیونکہ اس میں رب العالمین سے نزدیک رہنا ہوتا ہے۔

فصل موت کے بیان میں

اور جبکہ موت سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑھ کر حادثہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ اور کوئی ہولناک بات مخلوق نے نہیں دیکھی ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کیونکہ برہان اس کی اجماع اور تصدیق ہے اور اس شخص سے تعجب ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور پھر دوسرے سے دلیل مانگتا ہے اور یہی قیامت صغریٰ ہے یعنے جب زندگی کا آفتاب۔۔ جاوے اور صفات کے ستارے ٹوٹ پڑیں اور معانی کی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جہل کے وحشی جانور عقل کی چراگاہ میں جمع ہو جائیں اور عاقبت کے دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دئے جائیں اور صاف نفوس کے دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دئے

جائیں اور صاف نفوس کے علم سے اور غیر صاف کے ظلم سے شادی کیجائے اور دیوان نظر کے سامنے اعمالنامے بکھیر دیئے جائیں اور سرکشی کا دوزخ ظاہر کیا جائے اور ایمان کی جنت آراستہ کی جائے پس اس وقت ہر نفس جان لیگا کہ اس نے تو جمد سے کیا آگے بھیجا اور اس نفس کی سختی سے آسمان نفس انتشار کو ایک عقل کے ساتھ پھٹ جاتا ہے اور پندرہ دو منزلوں کے درمیان میں رہتا ہے کیونکہ اگرچہ اس سے دنیا کے وسوسے اور خیالات منقطع ہو گئے مگر آخرت کے اسرار پر منکشف نہیں ہوئے یہانتک کہ جب اس نے فرشتے کی صورت دیکھی اسکا نفس اپنے مقناطیس کی تلاش میں اڑا کیونکہ اس میں یہی خاصیت ہے کہ جو اس کی صورت دیکھتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ کوئی شخص اسکا انکار کر سکے کیونکہ بعض سانپ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جبکوئی شخص ان کی طرف نظر کرتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے اور فرقہ دہریہ کے لوگ اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کہ ایک فرشتہ آسمان میں رہتا ہے اور زمین والوں کی روحیں قبض کرتا ہے۔ معتبر لوگوں نے بیان کیا اور دیکھا ہے کہ ایک شخص نے سانپ کو مارا سانپ نے اسکے کاٹا اور وہ شخص اسی وقت مر گیا اور سانپوں کی ایک قسم ایسی ہے غرضیکہ خواص بہت ہیں جنکا یہ مختصر بیان کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں قبض روح کس طرح ہوتی ہے حالانکہ بندہ اپنے روح کے قبض کرنے والے کو نہیں دیکھتا ہے۔ اور عقل کی آنکھ سے بارہا دیکھا گیا ہے کہ جب لوگ سوتے ہیں اور خواب دیکھتے ہیں تو اسکا حال ان کے پاس والے کو بھی معلوم نہیں ہوتا ہے چاہے وہ سوتا ہو یا جاگتا ہو۔ اور خواب ان کے نزدیک ایک عرض ہے جو کل عروق میں حلول کرتی ہے اور حرارت یا برودت کے ساتھ خشک ہو جاتی ہے انفاس متحرکہ کی خاموشی کے ساتھ پھر جب وہ بخار جو لحم صنوبری یعنے دل سے اٹھتا ہے اور خون سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے پرلی طرف لطیفہ آلہیہ ہے جس کے آگے یہ بخار مثل پردہ کے ہے اور یہ بات بھی قابل انکار نہیں ہے کہ وہ نفس دموی اور روحانی ہے پس حرکت اور سکون اُس کے اندر دمویت کی وجہ سے ہے اور علم اور حقائق معلومات کے درمیان میں فرق صفات روحانیت سے ہے اور عقل بھی اس کے انوار میں سے ایک نور اور اس کے زیوروں میں سے ایک زیور ہے پھر جب نفس تمام بدن سے جمع ہو کر رگوں کے سوید میں پہنچتا ہے تو لطیفہ عرش قلب کے نزدیک جمع ہو کر حلقوم سے نکلتا ہے اور پوشیدگی کے ساتھ منجذب ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ روح اگر جوہر بسیط یا جسم لطیف ہوتی تو آنکھ اس کو ضرور دیکھتی اور یہ غیر ممکن ہے کیونکہ دیکھنے والی روح اس جسم خاکی اور نہ حاجبۂ طینی کے اندر اس کو مشاہدہ نہیں کر سکتی ہے کیونکہ یہ اپنے غیر جنس کے ساتھ محجوب ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں بیٹھا ہوا آدمی نہیں دیکھ سکتا ہے

کہ دیوار کے پیچھے کون ہے اور جب یہ روح بدن سے نکلکر اہل قرب ویقین کے مقام میں پہنچتی ہے تو اسکی علمی قوت اور اعمال کے موافق ملاء اعلےٰ کا مشاہدہ اسکو میسر ہوتا ہے اسی واسطے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنی میت کے سامنے قرآن پڑھا کرو کیونکہ قرآن کی خوش الحانی اور اس کے معانی کے سننے سے موت کی سختی آسان ہوتی ہے اور جیسا کہ گانا سننے سے اونٹ با سانی منزل طے کرتا ہے اسیطرح قرآن کے سننے سے دنیاوی وسوسے دل سے منقطع ہوکر قلب خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور سکرات موت اسپر آسان ہوجاتے ہیں اور وہ نعم کے دریاؤں میں غوطہ کھا نے لگتا ہے یہانتک کہ سر الٰہی اسپر منکشف ہونے پھر اس کے بعد روح جسم سے نکلکر ہر ایک رگ و پے سے صاف ہوتی ہے اور اس مصیبت سخت سے نجات پاکر آباد کرتی ہے اور نجات پانے کی مبارکباد اس طرح اسکو سنائی جاتی ہے[1] اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یہ خطاب اس شخص کے واسطے ہو جس نے اپنے نفس کو پاک وصاف کیا ہے اور دنیا کے تعلقات کو ترک کرکے جہان کے اندھیرے سے بالکل باہر نکل آیا ہے اور صرف ایک طرف اپنے خیال کو متوجہ رکھا ہے پس یہ نفس جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس طرح دیکھتا ہے جیسے سونیوالا خواب میں دیکھا کرتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ سونے والے کی حالت جاگ اٹھنے سے جاتی رہتی اور اس نفس کی حالت ہمیشہ اسی طرح قائم و دائم رہتی ہے اور جس قدر نفس کے اندر علم کی قوت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر نعمتوں میں اسکا حصہ زیادہ ہوتا ہے[2] قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ پھر اس کے بعد معاد باقی رہتی ہے پس انہیں کے پاس ارواح صافیہ کا عقل فعال کے پاس رہنے کے واسطے اور ہر چیز کے اپنے عنصر کی طرف عود کرنے کے واسطے محشر ہے اور نفس اپنی پاکیزگی کو وطن کیطرف پھرنے کے وقت پاتا ہے تمنے نہیں دیکھا کہ مسافر کا دل ہمیشہ اپنے وطن کے شوق میں لگا رہتا ہے اور اگر یہ شخص مسافر فقیر ہوتا ہے تو دنیا کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کا فکر اس کو وطن کی محبت کے یاد دلانے سے باز رکھتی ہیں اور دنیا کا عنقریب زائل ہونا ایک بدیہی بات ہے اس کے واسطے کسی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں ہر اپنے ہمنشینوں کو روز یہاں سے سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

پھر تم کو یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ جو علم تمہارے کام آئیگا اور قبر میں تمہارے ساتھ جائیگا وہ کون علم ہے کیا یہ بیع وسلم اور فرائض کا ہے یا احکام نکاح وطلاق یا مسائل جنایات کا علم ہے نہیں ان علموں کو شارع علیہ السلام نے انتظام وسیاست کے واسطے قائم کیا ہے ورنہ قبر میں نفع دینے والا علم وہ ہے جو نفس

---

[1] وہ لوگ جن کے پاس فرشتے اخوت کرتے ہیں اور کہتے ہیں تم پر سلامتی ہے اپنے عملوں کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

[2] کہدو کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ہیں ۱۲۔

کی ذات میں مرتسم اور منتقش ہو گیا ہے۔ جس وقت بندہ کو قبر میں رکھتے ہیں اگر خدانخواستہ یہ بندہ گنہگار ہے تو اس پر انتقام کے افعی رسانپ نکل پڑتے ہیں اور اس کی جہالت کی صورتیں اس کے افعال ناشائستہ کے سبب سر ان کو حرکت دیتے ہیں اور ندامت کے بچھو اسکو کاٹنا شروع کرتے ہیں اور اپنی ذلت کے واسطے یہ روتا ہے اپنے جسم کو یاد کر کے نہیں روتا اور وہیں یہ عقل کی میزان اور علم کی مثقال کو دیکھتا ہے اور وہ میزان عقل کی ہوتی ہے لکڑی کی نہیں ہوتی اور اس کو اس دلیل سے سمجھنا چاہیے کہ اندھے کے پاس اگر کوئی چیز وزن کی جائے تو وہ اسکو نہیں دیکھنے کا ہے کیونکہ اس کے پاس دیکھنے کا آلہ ہی نہ دار دہے اور نظر ایک واسطہ ہے جو مشاہدہ کو قلب کی طرف منتقل کرتا ہے اور قلب فکر کے طریق پر صورتوں کو روح کی ذات میں جو نفس لطیفہ الٰہیہ ہے مرتسم کرتا ہے اور مقاصد ربانیہ کے موجود نہ ہونے ہی کے وقت شارع علیہ السلام نے جاہل کے حق میں لوگوں سے فرمایا ہے کہ اسکے واسطے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ تیری صفات مذمومہ ہی کی افعیاں جب قبر کی تنگی میں تجھ پر ظاہر ہونگی۔ تو منکر نکیر وغیرہ سے تجھ کو کافی ہونگی اور اگر تیرے اوصاف ان مذمتوں سے پاک اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہیں تو یقین صاف ہو کر قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بنجائیگی اور اس کے حاصل کردہ علم توحید کے نور کے ساتھ عقل کا آفتاب چمکے گا اور یہی علم آخرت میں نفع دینے والا ہے نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ قیامت صغریٰ یعنے موت کے بیان میں یہ قول کافی ہے اس شخص کے واسطے جو اہل یقین میں سے کلام کو سمجھتا ہو اور ان لوگوں کے واسطے ایسے درجے ہیں جو نور عقل اور صفاء علم ہی سے ادراک کئے جاتے ہیں پس موت اس جدائی سے عبارت ہے جو بدن اور روح کے درمیان میں واقع ہوتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ فکر اور وہم نفس کی ذات کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں دماغ کے اگلے حصہ میں ہیں پس جب روح جو اس کو معدوم کرتی ہے تو عالم ہو جاتی ہے اور غذا اس کی وہ علوم ہوتے ہیں جو اس کے پاس ہیں اگر یہ روح جاہل ہوتی ہے تب نہایت رنج و غم کے ساتھ کہتی ہے[1] يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ اور شرع شریف اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ روح گناہ اور ثواب کی باتوں کو سمجھتی ہے اور اگر وہ گنہگار ہے تو گناہوں کے قید میں اس طرح گرفتار ہوتی ہے جیسے اندھا آدمی جو راہ ..... میں پھنس جاتا ہے نہیں جانتا کہ اس کے مقصد کا کونسا راستہ ہے پس اسیطرح یہ روح قبر کی دیواروں میں ٹکراتی پھرتی ہے۔

اور اگر یہ روح گناہوں سے پاک ہے تب یہ انبیاء کرام کے مقام میں ترقی کر جائیگی۔

---

[1] اے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے پاس خدا کے ملحوظ رکھنے میں نہیں کی۔ ۲ - ۱۹۳

معلوم ہو کہ سعادت اور شقاوت کی اصل دنیا کی محبت اور اس کا بغض ہے پس جو شخص چاہے اسکی محبت کو کمتی کرے اور جس کا جی چاہے اسکو بڑھائے۔

فصل قیامت صغریٰ اور کبریٰ کے بیان میں

اما بعد پس تم موت سے بہت بڑے خطرہ میں ہو اور راز اسکا روح والوں میں زیادہ تر ہے اور پھر باوجود اس کے متعلق اختلاف کیا ہے گرم اور ٹھنڈے اور تر یا خشک مرض کے پیش آنے میں جو فساد صور کی طرف رجوع کرتا ہے حال دو قیامتوں کا متضمن ہے ایک صغریٰ اور ایک کبریٰ پر کبریٰ کے احوال اور خوفناک باتیں تو تم کو معلوم ہیں مگر ہم اب تم سے صغریٰ کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو اسرار اور معانی قرآن کا علم ہو جب تمہارے عقل کا سورج لپٹ جائے گا اور تمہارے حواس کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور تمہارے ذہن کی اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور تمہارے جہل کے وحشی جانور جمع ہوں گے اور تمہارے علم و عمل سے تمہاری شادی ہو جائیگی اور تم کو اپنے اندرون کی خباثت معلوم ہو گی اور تم ملامت کے ساتھ اس پر افسوس کروگے پھر تمہارے حواس اور عروق کے صحائف یعنی اعمالنامے پیش کئے جائیں گے اور تمہاری بلندی کا آسمان گر پڑیگا اور تم عدم سے جاملوگے اور اگر تم سے علم کا توشہ دبھروسا لینا فوت ہو جائیگا تب اپنے نفس کو تمہارے ملامت کرنے کی دوزخ مشتعل ہو گی اور اگر تیرا نفس کامل اور پاک ہوا اور ذلیل ورذیل اخلاق سے محفوظ رہا تب جمال قدسی اپنا حسن آراستہ کریگا اور تیری جہالت کا آسمان تیرے عقلی کے نور سے پھٹ جائیگا اور تیرے جسم کی حسیات سے تیرے طمع کے ستارے بکھر جائیں گے پھر جب نفس اپنے علوم کاملہ عقلیہ شاملہ کے ساتھ خالص ہو گا تب عالم علوی سے نفس کے اپنے مکان کی طرف واپس ہونے اور علم سے جگہ پکڑنے کے ساتھ فیض الٰہی کے دریا عالم علوی سے اس کے اوپر جاری ہونگے اور تیرے جسم کے پہاڑ اڑتے پھریں گا اور عدم بطریق تحلیل کے تیرے تمام اجزا میں سرایت کریگا اور تیرے افعال منکر و نکیر کی صورت بن کر تیرے سامنے آویں گے اور تیرے جہل اور ندامت کے سانپ بچھو تیرے کاٹینگے۔

شارع علیہ السلام نے تم سے تمہاری عقل کے موافق گفتگو کی ہے اور جب کہ تم سلامت نہ رہے اور دوسرا سلامت رہا تو اس سے تم کو کیا فائدہ ہے اور جس وقت تمہارے عقل کے صور میں پھونکا جائیگا اس وقت تمہاری کیا قدر رہیگی جب معاد ارواح میں واپس آؤگے تو اپنے جہل کے نشہ میں ہوگے قرآن شریف کے عکس کو دیکھو کہ پہلے تمہارے سامنے مثل کا خیال قائم کرکے پھر اسکا عکس کہا ہے[1] وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ

[1] اور تم لوگوں کو نشہ میں دیکھوگے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے ۱۲۔

تقریب کے طور پر ہے نہ نزدیکی کے طور پر کیونکہ عِند اور اَیْنَ اور کَیْفَ کا دخول مکان پر ہوتا ہے اور یہ روح اپنے مرکب سے جدا ہو کر ایسے عالم میں پہنچ گئی ہے جو کَیْفَ اور اَیْنَ سے منزہ ہے یہ بسبب عقل فعال کے پڑوس میں ہونے کے جسکو ہم عرش کہتے ہیں کیونکہ وہ کل کائنات پر محیط ہے جب تم اپنے نفس پر یہ راستہ پیش کروگے اور حالت تفریط کو اس کے سامنے کھولدوگے حق کا راستہ اس کے سامنے قائم ہوگا اور علم کی میزان کھڑی ہوگی اور قرب کے حوض پر وارد ہو کر ملاء اعلےٰ سے ملاقات کریگا اور خداوند تعالےٰ اس سے بہت نزدیک ہوگا اور اس روح کو قرب الٰہی کے سبب سے کھانے پینے کی کچھ پرواہ نہ رہیگی اور بلندی اور بزرگ منزل میں فیض الٰہی اسکے علم اور توحید و معرفت کے موافق اسپر جاری ہوگا جسم مجاہدہ کے ساتھ صاف ہوتے ہیں اور عقل علم کی ریاضت کے ساتھ صاف ہوتی ہے اور یقین تصدیق کے ساتھ صاف ہوتا ہے اور دل کشف کے ساتھ صاف ہوتے ہیں اور صاف عقلیں غفلت کا پردہ اٹھنے کے ساتھ صاف ہوتی ہیں۔

نفوس کو دنیا فانی کی محبت سے پاک کرو اور طبائع کی کدورت سے ان کو خالص کرلو اور انبیاء علماء کے اخلاق کے ساتھ انکو آراستہ کرو اس طریقہ سے پاس فانی کھانے پینے کی چیزوں اور ذلیل حالت سے مستغنی ہونگے اور علم کے جنتوں سے جو بلند اور بالانعام خدا کریم کے زیر سایہ ہے خوبصورت حوریں عنبر کی طرف نظر نہ کرنیوالیاں ان کے سامنے ظاہر ہونگی معانی کی صور سے برطرف کر اور کون سی صور اجسام حروف کے محل کے اندر ہے فکر کی پنڈلی تیرے سامنے کھولتی ہے جسکو دیکھکر کوئی جنت کے میووں اور انگوروں اور نوجوان حوروں کی طرف مائل نہ ہوگا اور نہ جہالت کے مرتبوں سے قاصر رہنے کی برابر قصور ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت میں وہ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر اسکا خطرہ گزرا۔ اور معلوم ہو کہ انگور اور کھجور اور انار اور سونا اور چاندی اور حوریں محل اور نہریں اور درخت یہ سب الفاظ سمجھانے کے واسطے مرکب کئے گئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہے [1] فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ورنہ صحابہ کرام میں سے خاص خاص لوگ عام لوگوں کے طور سے ان الفاظ کو نہ سمجھتے تھے بلکہ معرفت الٰہی میں ان میں سے ایک کا یہ بیان ہے [2] سُبْحَانَ مَنْ لَا سَبِيْلَ اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ دوسرے فرماتے ہیں [3] لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا۔

---

[1] بے کانٹے کی بیریوں اور لدے ہوئے کیلوں اور لمبے لمبے سایوں اور پانی کے جھرنوں میں جنتی لوگ ہونگے ۱۲

[2] پاکی ہے اس ذات کو جسکی معرفت کی طرف راستہ نہیں ہے مگر اسکی معرفت سے عاجز ہونیکے ساتھ ۱۲۔ [3] اگر پردہ کھولدیا جائے تو میرا یقین کچھ زیادہ نہ ہو یعنے مجھکو پہلے ہی یقین کا کمال حاصل ہے ۱۲۔

ایک عارف نے یہ آیت پڑھی جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ[1] حضرت بی بی رابعہ بصریہ نے فرمایا مشتاق ملاقات لگانے بیٹھنے کو لیکر کیا کریگا بیشک بادشاہوں کے پاس رہنے میں باورچیوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے مگر یہ خطاب خاص بھی ہے اور عام بھی ہے اور وہ ہر نفس کے واسطے بعض اجرام میں جو کچھ کوئی تمنا کرے اسی کی شکل بنتا ہے کیونکہ وہ معانی ہیں جو نفوس کے اندر منتقش ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو دن کے تتبع کوئی خیال آیا اور رات کو اس نے خواب میں اس خیال کو دیکھا اور جب پاک اور علم والے نفوس نعمتوں میں ہونگے تو اور نفوس کی بدبختی سے ان کو نقصان نہ پہنچیگا پھر جب قیامت صغریٰ یعنے موت کی قیامت قائم ہو گی تو اس میں تمکو قیامت کبریٰ کے حالات کی خبر ہو جائیگی مگر فرق یہ ہے۔ کہ قیامت کبریٰ میں کل کام اعلان کے ساتھ ہونگے سب کے سامنے حساب لیا جائیگا اور منھوں پر مہر لگے گی اور ہاتھ پیر گواہی دینگے اس علم و عمل کی جو حاصل کیا ہے اور فاسق جو عذاب کیا جائیگا وہ اپنے جہل کے ساتھ خارج ہے جب دنیا نے اپنے طالبان ازت کو بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیا ہے کیا بات ہے کہ تم نہیں سمجھتے نہ آدم عقل سے بڑا ہے نہ خواہش سے بڑھکر شیطان ہے اور نہ جہل سے زیادہ قاتل کوئی زہر ہے جو شخص اس مضمون میں غور کرے گا وہ اسکو سمجھ لیگا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا[2] کیا تمنے اسرار قرآن میں نظر نہیں کی وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ[3] کہ یہ میزان دو پلڑوں والی ہے مگر جب تم صحیح علم کے ساتھ اخذ و جمع کروگے تو اس سے وہی میزان عقل مراد ہوگی جسکے سبب سے تم کو ہلاک ہونیوالے اور نجات پانیوالے کا حال معلوم ہو سکتا ہے اور جب تم سے علوم عقلیہ الٰہیہ کے مقاصد فوت ہو گئے تب تم اپنی جہالت کی ہتھیلی بڑے ندامت کے ساتھ کاٹو گے اور کہو گے۔ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا معرفت والے کے واسطے سب کچھ ظاہر اور منکشف اور بیان ہو گیا ہے اور اللہ ہی ہر طالب کو اسکے مطلوب کی توفیق دینے والا ہے بیشک وہ طالبوں پر لطف کرنیوالا اور مومنوں پر مہربان ہے۔

فصل اسرار نبوت کے بیان میں

معلوم ہو کہ نبا خبر سے ماخوذ ہے کہتے ہیں نَبَّاَنِیْ یعنے مجھ سے بیان کیا نبوت کے واسطے بہت سے اسرار ہیں جن میں سب سے پہلا ازل کی طرف سے سعادت کا خمیر ہے اور بعض اسرار یہ ہیں کہ دنیا سے سوا فرد یا عمل تعلقات کو قطع کرنا اور خلوت کے مکان میں گوشہ نشین ہونا جیسا کہ ہمارے حضور غار حرا میں خلوت

[1] باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۱۲ - [2] کہہ دو کہ میں تم کو ایسے لوگ بتاؤں جن کے اعمال خسارے کے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کرتے ہیں ۱۲ - [3] اور اتاری ہمنے ان پر کتاب اور ترازو ۱۲ -

نشین ہوتے تھے اور سایک شخص کو اپنے دائیں طرف کھڑا ہوا دیکھتے تھے اور امیہ بن صلت کی بھی حالت ایسی ہی ہوئی تھی اور وحی مخفی طور پر خبردار کرتا ہے اور یہ ایک شخص معین کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے

ہر چیز میں خاص خاصیتیں رکھی گئی ہیں چنانچہ ہلیلہ میں قبض کرنے کی خاصیت ہے اور یہی خاصیت مازو اور بلوط اور انار کے چھلکوں اور سنگ سیماقی میں ہے پھر ان سب کو جمع کرنا اس شخص میں اثر کرتا ہے جسکی طبیعت بطریق حرارت کے نرم ہوگئی ہو اور محمودہ کی خاصیت اسہال لانا ہے اور یہی خاصیت بنفشہ کے شربت اور گلقند اور زربد اصفر اور شربت گلاب میں بخلاف باقی شربتوں کے برف کی خاصیت ہے

اور خاصیت ہی کے متعلق دیکھو کہ مقناطیس کا پتھر لوہے کو جذب کرتا ہے اور سنگ بزلہ لکھبول کے واسطے ہے اور نیند نہ آنے کے واسطے ایک طلسم بنایا جاتا ہے اور ایسے ہی طلسموں سے مردوں اور عورتوں کے دلوں کو جذب کیا جاتا ہے اور ایک پتھر میں یہ خاصیت ہے کہ اسکو بجانے سے مینہ برستا ہے اور ایک پہاڑ میں یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اسپر جاتا ہے نیند اسپر غلبہ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ مر جاتا ہے اور یاقوت کا پتھر آگ میں نہیں جلتا اور نیز روغن طلق بدن پر ملنے سے بدن بھی آگ میں نہیں جلتا ہے اور نہ ابرک کی بتی چراغ میں جل سکتی ہے اور چین کے خرگوش کی اون سے جو کپڑا بنایا جاتا ہے وہ بھی آگ میں نہیں جلتا ہے

اور حب لولو دفع زہر میں عجیب خاصیت رکھتی ہے اور تراوند خالص جگر کی حرارت کو مفید ہے حالانکہ خود بھی گرم ہے اور کپڑے میں لپٹے ہوئے انڈے پر آگ اثر نہیں کرتی ہے اور ایک بوٹی میں محبت کی خاصیت ہے اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں کے جادو میں بھی خاصیت ہوتی ہے اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں کے جادو میں بھی خاصیت ہوتی ہے اور جادو میں ایسی ہی تاثیر ہے جیسے نظر بد میں ہوتی ہے اگر تم ایسا کرنا چاہو تو ہر ایک حرف کے بعد جو تھا حرف لو اب ت ث کے حروف میں سے اور پھر ان حروف سے کلام بنا کر جس کام میں چاہو لاؤ وقت عمل کے واسطے نیک ہونا چاہیے تربیع کا وقت نہ ہو۔ پس بلند ہمتی کے ساتھ ضرور اس عمل سے تاثیر پیدا ہوگی اور جادو سرمہ وغیرہ اشیاء زینت اور سیب وغیرہ میوہ جات کے منگانے اور جانور کی دم پر سوار ہونے اور دیگر بہت سی باتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بڑے منتر ایسے ہیں جن کے ذریعہ سے کنوئیں پر جنات سے گفتگو کی جاتی ہے اور لکڑی کے سانپ بچھو بن جاتے ہیں اور سداب جادو کا اثر ہونے نہیں دیتی اور رائی اور جو پر بھی منتر پڑھا جاتا ہے اور زعفران کا طلسم بنا کر جسکو ہنسانا منظور ہو کھلاتے ہیں غرضیکہ اسی طرح سے ہر چیز میں

ایک ایسی خاصیت ہے جو دوسری چیز میں نہیں ہے۔ پس قادر قدیم نے اسی طور سے نبوت کے اسرار خاص خاص لوگوں میں مرتب کئے ہیں اور وحی ایک شخص کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے دوسرے کے ساتھ نہیں ہوتی جیسا کہ ہر شخص کی قوتوں میں بہ نسبت اور لوگوں کی قوتوں کے فرق ہوتا ہے دیکھو تم بعض چیزوں کو دیکھتے ہو اور تمہارے ساتھی کو نظر نہیں آتیں اور ایسے ہی کوئی بات تمکو سنائی دیتی ہے اور تمہارے ساتھی کو سنائی نہیں دیتی۔ اور اہل فراست کے قصے تم نے سنے ہونگے اور بعض اوقات خیال پختہ ہو کر صورت بنجاتا ہے اور آنکھوں والا ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو اندھے کو معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ دیکھنے کا آلہ یعنے آنکھ اُس کے پاس نہیں ہے۔

پس تم لوگوں کے حالات سیدھے نہیں اور سب سے بڑا حجاب تمہارے واسطے دنیا کی محبت ہے۔

ایک دفعہ بنی اسرائیل کے جنگل میں کثرت سے سانپ ظاہر ہوئے حضرت موسےٰ علیہ السلام نے تانبہ کا ایک عصا بنایا اور اس کے سر پر ایک صلیب لگا کر اس میں طلسم بنایا جس کے دیکھتے ہی کل سانپ مرگئے اور پھر اس اژدہے نے جا کر ان سب کو کھالیا۔

اور خواص ہی کے متعلق یہ بات بھی ہے کہ ایک شخص نے سانپ کو پتھر مارا سانپ نے پتھر پر کاٹا اور وہ شخص مرگیا اور ایک سانپ صرف دیکھنے سے مار ڈالتا ہے اور آب حیات سے خدائے تعالیٰ مردہ کو زندہ کردیتا ہے ان بنی پر وحی کا نازل ہونا بھی مثل انہی خواص کے تصور کرنا چاہیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بھید یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام حکماء متقدمین کے رازو اسرار سے آگاہ تھے اور ان علوم کے سبب سے جو چاہتے تھے سو کرتے تھے یہ قول ہمارے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ خداوند تعالےٰ قادر متمکن اور حکیم ہے اس کی سعادات کا فیض بطریق تحریک کے ارادہ کے ذریعہ سے اس شخص کی طرف پہونچتا ہے جسکو وہ مخلوق کی مصلحت کے واسطے قائم کرتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بستر کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ اس کے نیچے سحر مدفون تھا یہ بات بالکل غلط ہے۔

اور اب اس زمانہ میں ملک مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو طلسمات اور عزائم کے زور سے جناتوں سے خدمت لیتے ہیں اور نجومی لوگ بخورات کے ذریعہ سے کواکب کا کلام سنتے اور ان سے گفتگو کرتے ہیں اور کوئی شخص اس بات کا انکار کرے کہ کواکب کسی سی بات نہیں کرتے تو اسکا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہوگیا ہے کہ کواکب و نجوم غیر جماد اور زندہ جاننے اور ارادہ کرنے والے ہیں اور ان سے

ٹ یعنے علم قیافہ کے جاننے والے ہر شخص کی صورت دیکھ کر اس کے وہ حالات معلوم کرلیتے تھے جو تمکو معلوم نہیں ہوتے ۱۲

بنی مخصوص کے واسطے قدرت نے وحی مبین کے اسرار منکشف کر دئیے تھے۔

یہ لوگ (یعنے فلاسفہ) کہتے ہیں کہ بطلیموس آسمان کے فرشتوں سے باتیں کرتا تھا پس جب کہ تمہارے اندر اس کے سوا اور کوئی شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے تو ایسے ہی ہمارے ہاں حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا اور کوئی شخص نہیں ہے ان کی خاصیت ایسی ہی سمجھنی چاہیے جیسے بطلیموس کی اور چونکہ رمزوں کو ان کے لوگ ہی سمجھتے ہیں اس واسطے پہلے بھی رمز ہی میں رکھے گئے تاکہ ان کے سمجھنے والے سمجھ لیں۔

اور جب تم اپنے نفس کو ان مقامات کی سیر کراؤ تو اس کی پاکی ضروری ہے کمال علوم اور مجاہدات کے ساتھ اسکو آراستہ کرو پھر دیکھو کہ اسی وقت اس کی عقل کا آدم اور اُس کے فضل کا نوح صفا یقین کے پہاڑ پر ظاہر ہوگا اور فضل کا موسےٰ پہاڑ کے اوپر سے خطاب سنے گا کہ حب دنیا کی جوتی دل سے نکال بے شک میں خدا ہوں پروردگار تمام عالموں کا۔

تیرے ہی اندر انبیا ہیں اگر تجھ کو عقل ہے اور تجھی سے فرشتے ہیں اگر تو سمجھتا ہے قلب پروردگار کا مکان ہے اور یہی عرش جلال ہے اور اسی میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہی رحمت کا جائز نزول ہے۔ پس جس وقت اس میں سر تیری بیماری کا داؤد ظاہر ہو تو اس کو جبرئیل عقل کے وعظ کے ساتھ دفع کرتا کہ اس کے تخم سے تیری سلامتی کا سلیمان ظاہر ہو کر نفس کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر شہوات کے دروازے بند کرے اور جنوں کو قید میں لائے اور بلقیس نفس کا تخت حاضر کرے اے شخص افسوس ہے کہ تو جب شہوات اور حب دنیا کے اندر پھنسا ہوا ہے تیری خواہش سے بڑھ کر کوئی شیطان نہیں ہے تیرے اطراف کے فرشتوں یعنے ہاتھوں پیروں وغیرہ کا سجدہ تیرے نفس کے آدم یعنے روح کے واسطے ہر جو مقام قریب سے تیرے جسم خاکی تنگ و کثیف میں قید ہوئی ہے۔

علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ بستر پر کتے کی تصویر کا ہونا مکان میں فرشتوں کے نزول کو مانع ہوتا ہے اور حالانکہ تیرے بدن کے مکان میں دس کتے موجود ہیں اسواسطے تجھ کو ان کے دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور وہ دس کتے یہ ہیں۔ حرص۔ امید۔ جھوٹ۔ بخل۔ لالچ۔ ریا۔ نفاق۔ حقد۔ حسد۔ تہمت۔ چغلخوری پس یہ سب تیرے دشمن ہیں اور تو ان سے غافل ہے تو انبیاء علیہم السلام کے مناقب میں عیب لگانا چاہتا ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ شارع علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے

قیامت کے روز بہت لوگ خنزیروں اور بندروں اور کتوں کی صورت پر حشر کیے جائینگے اور یہ صورت کا مسخ ہونا جہالت کے سبب سے ہے اور تجھ کو اختیار ہے کہ چاہے فرشتہ بنے یا شیطان بنے یہ سارا حصّہ تیری ہمت پر موقوف ہے۔ اور جب تو کشف اسرار کے ساتھ انتہا کمال چاہے تو جان لے کہ سراندیپ کا عصا سانپ بنجاتا ہے۔ اور اگر تجھ کو طلسمات کی ترکیبیں معلوم کرنی ہیں تو جابر بن حیان کی کتب کا مطالعہ کر یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بہت بڑے خلیفہ تھے اور جعفر و کہانت میں انہوں نے کمال حاصل کیا تھا۔ اور ان دو سانپوں کی حکایت بھی تو نے سُنی ہے جو تخت سلیمان کے محافظ تھے اور بلوقیا اور عفان سیر کرتے ہوئے وہاں پہونچے تھے اور جب کہ قرآن شریف نے تجھ سے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین نے مطلع شمس سے مغرب تک سفر کیا تو بس چاہیے کہ تیری ہمت عالی بھی حقائق علم کے ساتھ طبیعت کی ظلمت میں سفر کرے تاکہ آفتاب یقین اُس پر روشن و تاباں ہو اور تو تمام زمین جسم کا مالک ہو جائے اور دریائے طبیعت میں غوطے لگا کر جواہرات قدس حاصل کرے اور اگر تیرے قلب پر طبیعت کی ضد قائم ہے تو غفلت کے یاجوج و ماجوج شہوتوں کے پھل سے ظاہر ہونگے۔ کہف تیرا جسم ہے اور اصحاب اس کے تیرا ایمان ہے۔ اور تیری عمر تیرا کتا ہے اور قلم ان سب باتوں کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے۔ جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔

فصل

ہمارے واسطے نبوت اور رسالت اور کرامت اور معجزات اور نارنجیات کے مرتبے ہیں وہ نبی جو اپنی ذات کے واسطے تھے مثل حضرت یحییٰ اور خضر علیہما السلام کے ہیں اور رسول وہ نبی ہیں جو احکام وحی کے ساتھ دوسروں کو حکم کراتے ہیں اور معجزات وہ باتیں ہیں جو انبیاء سے خلاف عادت ظہور میں آئیں۔ اور دوسرا کوئی شخص انکو نہ کر سکتا ہو۔ مثلاً قمر کا شق کرنا اور بھیڑیے سے باتیں کرنی اور درخت اور جانوروں کا سجدہ کرنا وغیرہ اُن کے اصول مقررہ اور اسرار ان کے پوشیدہ ہیں اور کرامات بھی مثل معجزات ہی کے ہیں۔ بلکہ جس نبی کی امت سے کرامت ظاہر ہوئی ہے یہ کرامت ان نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ کے ظاہر کرنے کا اور کرامت کے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے اور کرامت اختیار اور بغیر اختیار دونوں حالتوں میں پیدا ہوتی ہے اور نیرنجات کا طریقہ مشہور ہے۔ مثلاً پانی سے چراغ روشن کرنا اور بغیر کسی کے اسکو دروازوں میں کر دینا اور بعض لوگ ان میں ایسے ہیں جو ایک دن کے تین رات بنا دیتے

اُنکو دیکھتا ہے تو بے اختیار سجدہ کرتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کیونکہ جو شخص یہ حیلہ کرتا ہے کہ رائی کے پانی میں کندش ملا کر اس میں رومال تر کر کے خشک کر لیتا ہے اور پھر اُسکو آنکھوں پر پھیر کر بغیر رونے کے آنسو نکالتا ہے تو ایسے شخص پر جانور سے سجدہ کرانے کا حیلہ بھی مشکل نہ ہوگا۔ اور رفع زہر کے واسطے لوگ بہت سے حیلے کرتے ہیں چنانچہ قدرے شہد خام کے ساتھ بندق ملا کر کھانا پچھوکے زہر کو بہت جلد آرام کرتا ہے اور اسی طرح مقلی اور روغن زیت کو جو دیگر لگائیں بغیر ہاتھ سے چھوتے کے تو تمام زہر کا اثر چوس لیگا۔ اور یاقوت کے اندر پیاس بجھانے کی عجیب خاصیت ہے اور جادوگر اپنے جادو کے زور سے مینہ برساتے ہیں اور اپنے مکان سے تھوڑی دیر میں بابل جا پہنچتے ہیں۔ اور ہند میں ایسے لوگ ہیں جو آسمان پر منتر پڑھکر پھونکتے ہیں اور برسنے لگتا ہے اور بعض لوگ گرمی میں منتر پڑھتے ہیں اور بادل اُن کے سر پر سایہ کرتا ہے۔ اور تنور پر منتر پڑھکر دم کرتے ہیں تو وہ گرم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہنڈیا میں جوش آتا ہے اور نہ کشتی حرکت کرتی ہے اور کتا خاموش ہو جاتا ہے۔ وادی حضرموت میں غار سرخ کے پاس ایک چبوترہ پر بیری کا درخت ہے اور اسی کے سایہ میں حضرت ہود علیہ السلام کا مزار ہے۔ اس مزار کے پتھروں سے نگینے بنا کر انگوٹھی پر زہرہ اور مشتری کے قران کے وقت جڑے جاتے ہیں اور پھر بوقت ضرورت جب اس انگوٹھی سے ہوا کی طرف

غرضیکہ خداوند سبحانہ وتعالےٰ نے نبوت اور سلطنت کے ساتھ رعیت کی اصلاح کی ہے جیسے کہ بدن میں جب کوئی خلط فاسد ہو جاتی ہے تو اُس کا ہیجان کم کرنے کے واسطے فصد لیا کرتے ہیں پس اسی طرح مصالح احوال کے واسطے رسول کی ضرورت ہے۔ سب شہروں سے اشرف مکہ مکرمہ ہے کیونکہ اسی سرزمین کا ظہور ہے اور اسی سبب سے اس میں جذب قلوب کی تاثیر ہے۔ اور پھر رسول کا مقام سکونت بھی متبرک ہے۔ کیونکہ اُن کی سعادتوں کی برکت دونوں مقاموں کو شامل ہے جیسے کہ بادشاہوں کا سایہ حمایت ان سب پر شامل ہوتا ہے جو اُن کے دائرہ کے اندر ہوتے ہیں پھر ان دونوں مقاموں کے بعد اور انبیاء کے آثار و مقامات متبرک ہیں۔ مثلاً قدس اور خلیل اور طلا کیہ اور عبادان اور جودی جہاں آسمان وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور امیدوار کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ اور دعا کی جو میں ایسی تاثیر ہے جیسے طلب باران میں انفاس کی تاثیر۔ اور نوح علیہ السلام کا مکان بھی مقام اجابت و محل مقاصد ہے۔ نیک بخت آدمی کا کلمہ باقی رہتا ہے اور صالحین کی برکتیں ہمیشہ قائم ہیں اور اس کے اندر از صرف انکا صدق اور لوگوں کا اُنکے واسطے دعا کرنا اور رسولوں کے آثار کی پیروی کرنا ہے۔ اپنی بلند ہمتوں کے ساتھ انبیاء کے انوار سے انہوں نے فیض حاصل کیا۔ پس اپنے مطلب کو پہونچ گئے۔ حسن ظن دلوں کا مقناطیس ہے۔ صفاء باطن اور اگلے بزرگوں کے درجے اس کے ساتھ جذب کئے جاتے ہیں۔

الحمدللہ علی ذلک کہ آج بتاریخ ہشتم ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو اس کتاب مستطاب کے ترجمہ سے فراغت ہوئی۔

نصائح امام غزالی
یعنی
اَیُّہَا الوَلَد

فہرست مضامین

تعارف کتاب

معلوم ہو کہ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد جس نے امام غزالیؒ کے پاس رہ کر کئی سال علم حاصل کیا اور تمام علوم سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا کہ میں نے کئی سال اپنے دل کو مار کر بہت علم حاصل کیا جس میں تقریباً ہر قسم کا علم شامل ہے، اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان علوم میں سے کونسا علم میرا مددگار ہوگا، قبر کو روشن کریگا، اور (قیامت کے روز) مجھے فائدہ پہنچائے گا اور کونسا علم مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکے گا تاکہ میں ایسے علم سے کنارہ کشی کر لوں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور فرمایا ہے:

"اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ"۔

یعنی میں اللہ سے ایسے علم کی پناہ چاہتا ہوں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

یہ شاگرد کچھ روز اس انداز سے سوچتا رہا اور آخر معلوم کرنے کی نیت سے تمام حقیقت اپنے استاد امام محمد غزالی کو لکھ بھیجی اور مزید کچھ دوسرے مسائل بھی پوچھے اور ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت بھی فرمائیں اور یہ بھی عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا بتا دیں جسے میں ہمیشہ پڑھتا رہوں۔ اس نے اپنے خط میں یہ بھی بتایا کہ حالانکہ امام غزالیؒ نے اس سلسلے میں کتنی ہی کتابیں لکھی ہیں مثلاً احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، جواہر القرآن، اربعین، منہاج العابدین وغیرہ، لیکن اس ناتواں کو ایسی چیز کی ضرورت ہے جو ہمیشہ پڑھے اور اس پر عمل کرے اس پر امام غزالیؒ نے یہ نصیحت لکھ کر جواباً شاگرد کو بھیجی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ

مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اے پیارے بیٹے اور سچے دوست! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی اطاعت و بندگی کرنے کے لیئے بڑی عمر عطا فرمائے اور محبوب بزرگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام نصیحتوں کا سرچشمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اس لیے تمام نصیحتوں کا منشور آپؐ کی احادیث اور سنت پر مشتمل ہے۔ ہر وہ نصیحت جو حدیث اور سنت کے خلاف ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ بے شمار نصیحت نامے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور سنت کی روشنی میں لکھے اور بیان کیئے گئے ہیں ان سے اگر تجھے کچھ نصیحت پہنچی ہے تو پھر میری کسی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں میں سے کوئی نصیحت نہیں پہنچی تو مجھے بتا کہ اتنے سال تک تو نے کونسا علم حاصل کیا؟ بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں کی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ:

عَلَامَۃُ اِعْرَاضِ اللّٰہِ عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ وَاِنِ امْرَأٌ ذَھَبَتْ سَاعَۃٌ مِّنْ عُمْرِہٖ فِیْ غَیْرِ مَا خُلِقَ لَہٗ لَحَرِیٌّ اَنْ یَّطُوْلَ عَلَیْہِ حَسْرَۃٌ۔

ترجمہ: بندے کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اپنی نظرِ عنایت پھیر لی ہے۔ اور جس کام کے لیئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا کسی اور کام میں ایک لمحہ بھی صرف ہوا تو یہ بڑی حسرت کی بات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

مَنْ جَاوَزَ الْاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً وَلَمْ یَغْلِبْ خَیْرُہٗ عَلٰی شَرِّہٖ فَلْیَتَجَھَّزْ اِلَی النَّارِ۔

ترجمہ: جس شخص کا حال چالیس سال کی عمر کے بعد بھی یہ ہو کہ اس کی برائیوں پر

بھلائیاں غالب نہ ہوں تو اسے دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

بیٹے! ساری دنیا کے لوگوں کو یہ نصیحت کرنا بہت آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی لذتیں اور نفسیاتی خواہشات گھر کر لیتی ہیں ان کو نصیحت اور ہدایت کڑوی لگتی ہے۔ ان لوگوں کے دل دنیاوی خواہشوں اور عیش میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ شخص خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو حکمت، فلسفہ اور اس طرح کے دوسرے دنیاوی علوم حاصل کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ علم اسے اس دنیا کی فانی شان اور مرتبے کے علاوہ آخرت میں بھی چھٹکارے کا سبب بنے گا۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں اس طرح وہ خود کو عمل کرنے سے فارغ سمجھتا ہے یہ اعتقاد فلسفہ پڑھنے والوں کا ہے جو کہ غلط ہے۔ سبحان اللہ العظیم، یہ شخص اتنا نہیں جانتا کہ وہ جو علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا وہ علم اس کے لئے آخرت میں پکڑ کا سبب ہوگا۔ کیا اسے یہ خبر نہیں ہے کہ سرکار دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ

ترجمہ: قیامت میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے حاصل کئے ہوئے علم سے فائدہ نہ پہنچایا ہو۔

بزرگوں کے قصوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کو کسی بزرگ نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اے ابوالقاسم مرنے کے بعد کیسے حال کی خبر دیں۔ حضرت جنیدؒ نے جواب دیا کہ

طَاحَتِ الْعِبَادَاتُ وَغَابَتِ الْاِشَارَاتُ وَمَا نَفَعَنَا اِلَّا رَكَعَاتٌ رَكَعْنَاهَا فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ۔

ترجمہ: عبادات اور اشارات سب بیکار ہو گئے البتہ ان رکعتوں نے کچھ فائدہ پہنچایا جو تہجد کے وقت پڑھتا تھا۔

ترجمہ :۔ انسان کو کوشش کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کوشش کر کے ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

بیٹے! مجھے علم ہے کہ تو نے پڑھا ہو گا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ لیکن منسوخ وہ شخص ہے جس نے یہ بیان کی ہے۔ اے بیٹے! میں نے فرض کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن ان دو آیتوں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔

ترجمہ: پس جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہو گی (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر بھی گناہ کیا ہو گا (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا۔

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔

ترجمہ:۔ پس جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک کام کرے۔

وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا۔

ترجمہ: اور کسی دوسرے کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا۔

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اچھے کام کئے، ان کے لئے جنت الفردوس مہمانداری کے طور پر ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

پھر دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا۔

ترجمہ: سوائے اُن لوگوں کے کہ جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

اور ان احادیث مبارکہ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ

اِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءُ الزَّکٰوۃِ وَصَوْمُ شَھْرِ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اوّل شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے مال کی زکوٰۃ دینا، چوتھے ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں استطاعت ہو تو حج کرنا۔

اَلْاِیْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْجَنَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ۔

ترجمہ: ایمان زبان سے قبول کرنے اور دل سے ماننے اور ارکان پر عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

یہ حقیقت بیان کرکے اگر دل میں خیال پیدا ہو کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے ذریعے جنت میں جائے گا تو یہ سمجھ لے کہ تو نے میری بات نہیں سمجھی۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میں یہ نہیں کہہ رہا۔ بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمت سے جنت میں جائے گا۔ لیکن جب تک بندہ اپنی عبادت و بندگی سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے لائق نہیں بنائے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہ ہوگی۔ یہ حقیقت میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

مطلب یہ کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو پھر وہ جنت میں کیسے جائے گا۔ میں بھی یہ بات دہراتا ہوں کہ (خدا کی رحمت کے بغیر) بندہ جنت میں کیسے جائے گا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ بندہ ایمان کے ذریعے جنت میں داخل ہوگا پھر تو سامنے مشکل وادیاں ہیں۔ جن میں پہلا مشکل راستہ ہے۔ ایمان کو بہ سلامت ساتھ لے جانا۔

اے بیٹے! تجھے یقین ہونا چاہیئے کہ جب تک کام نہ کرے گا اس وقت تک

مزدوری نہ ملے گی۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص اللہ کی بہت عبادت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے کہا کہ خداوند قدوس فرماتا ہے کہ تو یہ تکلیف بلاضرورت کرتا ہے تیری عبادت قبول نہیں اور تو دوزخ میں جائے گا۔ فرشتے کا پیغام سن کر اس نیک مرد نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ہمارا کام اس کی بندگی کرنا ہے اور وہ مالک اور اختیار والا ہے۔ پھر یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے پروردگار! تو اس کائنات کے راز اور بھید سے واقف ہے اور تیرے عبادت گذار بندے نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تو جانتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ بندہ ہماری بندگی سے منہ نہیں موڑتا تو ہم بھی اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔

اِشْهَدُوْا يَا مَلَآئِكَتِيْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ۔

ترجمہ: اے میرے فرشتو! تم سب شاہد رہنا کہ میں نے اسے بخش دیا۔

اے بیٹا! سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا فرماتے ہیں:۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔ وَزِنُوْا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا

ترجمہ: قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے اس سے پہلے تم اپنے آپ (نفس) سے حساب لے لو، تمہارے (ترازو میں) عمل تولے جائیں اس سے پہلے تم اپنے (اعمال کی) تول کر لو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِدُوْنِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَمَنٍّ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِبَذْلِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَعَنٍّ۔

ترجمہ: جو شخص یہ سمجھے کہ میں اعمال کے بغیر ہی جنت میں جاؤں گا۔ ایسا شخص گمراہ ہے اور جس نے سمجھا کہ صرف کوشش سے ہی جنت میں جاؤں گا تو وہ محض مشقت میں مشغول ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

طَلَبُ الْجَنَّةِ بِلَا عَمَلٍ ذَنْبٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ۔

ترجمہ: نیک اعمال کے بغیر بہشت کی خواہش کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:۔

اَلْحَقِیْقَۃُ تَرْکُ مُلَاحِظَۃِ الْعَمَلِ لَا تَرْکُ الْعَمَلِ۔

ترجمہ: علم کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر عمل کرے فریفتہ نہ ہو، ایسا نہ کرے کہ سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دے۔

سرکار دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن تمام اقوال سے زیادہ بہتر، واضح، پاکیزہ اور عمدہ طریقہ سے فرماتے ہیں کہ:۔

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ الْاَمَانِی وَفِی رِوَایَۃٍ عَلَی اللّٰہِ الْمَغْفِرَۃِ۔

ترجمہ: عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے تابع کر لیا اور مرنے کے بعد آخرت کے لئے عمل کیا، اور بے عقل واحمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو حرص وہوس (لذات، شہوات اور خواہشات) کا تابع کیا اور خیال یہ ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی خواہش کرتا ہے۔

اے بیٹے! تو نے راتیں جاگ کر علم کا بار بار ورد کیا اور اس کے مطالعہ کی خاطر اپنے اوپر نیند حرام کی۔ مجھے علم نہیں ہے کہ اس سے کیا مقصد تھا۔ اگر تیری نیت دنیا کے فائدے حاصل کرنا اور دنیوی شان ورتبہ حاصل کرنا تھا تو۔

فَوَیْلٌ لَّکَ ثُمَّ وَیْلٌ لَّکَ۔

یعنی:۔ پس تیرے لئے افسوس ہے اور پھر تیرے لئے افسوس ہے۔

لیکن اگر تیرا مقصد دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو قائم رکھنا اور اخلاقی تہذیب اور کسر نفسی تھا تو۔ فَطُوْبٰی لَکَ ثُمَّ طُوْبٰی لَکَ۔

تو پھر تیرے لئے خوشی اور آفرین ہے اور پھر تیرے لئے خوشی وآفرین ہے۔

سَھَرُ الْعُیُوْنِ بِغَیْرِ وَجْھِکَ ضَائِعٌ ٭ وَبُکَاؤُھُنَّ بِغَیْرِ فَقْدِکَ بَاطِلٌ

ترجمہ: اے پروردگار! تیرے دیدار کے علاوہ آنکھوں کا جاگنا بیکار ہے اور تیری

ذات کے علاوہ کسی کے لئے آنکھوں کا رونا باطل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:۔

عِشْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاحْبِبْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ وَاعْمَلْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ تُجْزٰی بِہٖ۔

ترجمہ: (اے انسان) تو اپنی زندگی جیسے چاہے ویسے گذار (مگر یہ خیال رہے) کہ تجھے مرنا ہے، اور جس سے چاہے محبت کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس سے جُدا ہونا ہے، اور جیسا چاہے ویسا عمل کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

تجھے علم، علم الکلام، علم الاخلاق، علم طب، نجوم، عروض، صرف و نحو، غزلیات کے دیوان اور فنون جنگ وغیرہ پڑھنے میں کیا فائدہ ہوا اور کیا حاصل کیا۔ تو نے عمر ضائع کرنے اور دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے علاوہ کونسا فائدہ حاصل کیا۔ میں نے حضرت عیسیٰ کی انجیل میں پڑھا ہے کہ جس وقت میّت کو کھٹولے میں رکھتے ہیں اور جب تک اُسے قبر تک لاتے ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس میّت سے چالیس سوال کرتا ہے۔ پہلے سوال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عَبْدِیْ قَدْ طَہَّرْتَ مَنْظَرَ الْخَلْقِ سِنِیْنَ فَہَلْ طَہَّرْتَ مَنْظَرِیْ سَاعَۃً۔

ترجمہ: اے میرے بندے! تو نے مخلوق کو دکھانے کی غرض سے کتنے ہی سال اپنے آپ کو (ظاہری علم سے) سنگھارا۔ لیکن کیا تو نے میری خاطر ایک ساعت کے لئے بھی اپنا دل صاف کیا؟

بیٹے! ہر روز تیرے دل میں اللہ کی آواز آتی ہے:

عَبْدِیْ مَا تَصْنَعُ بِغَیْرِیْ وَاَنْتَ مَحْفُوْفٌ بِخَیْرِیْ۔

ترجمہ: اے میرے بندے! تو دکھاوے اور ریاکاری کے لئے عبادت کیوں کرتا ہے۔ جبکہ خیر اور شر دونوں میرے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے تجھے چاہیئے کہ تو سچی نیّت سے میری بندگی کرے۔

اے بیٹے! عمل کے بغیر علم پاگل پن ہے اور علم کے بغیر عمل بیکار ہے۔ وہ علم جو آج تجھے گناہ سے دور نہیں رکھتا اور اللہ کی اطاعت کا شوق پیدا نہیں کرتا، یاد رکھو یہ کل تجھے دوزخ کی آگ سے نہیں بچائے گا۔ اگر تو آج نیک عمل نہ کریگا اور گزرے ہوئے وقت کا تدارک نہ کرے گا تو قیامت کے دن تو کہے گا۔

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔

ترجمہ: ہمیں واپس (دنیا میں) لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں۔

پھر تجھے کہا جائیگا، اے احمق! تو وہیں سے تو آرہا ہے۔

اے بیٹے! تو ہمت پیدا کر اور جسم میں جدوجہد کے لئے حرکت پیدا کر۔ نیک اعمال کے لئے کوشش کر کیونکہ پھر قبر میں جانا ہے جو لوگ کہ تجھ سے پہلے اس میں موجود ہیں وہ ہر لمحے تیرے منتظر ہیں کہ تو کب اُن کے پاس پہنچتا ہے۔ خبردار! ثمر (نیک اعمال) کے بغیر ہرگز ان کے پاس مت جانا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْاَجْسَادُ قَفَصُ الطُّيُوْرِ اَوْ اِصْطَبْلُ الدَّوَابِّ۔

ترجمہ: یہ جسم پرندوں کے پنجرے ہیں یا پھر جانوروں کے طویلے۔

پس سوچ کہ تو کس میں سے ہے۔ اگر گھونسلوں والے پرندوں میں ہے اور "ارجعی یعنی میری طرف لوٹ آ" کی آواز سنے گا تو پرواز کر کے اونچی جگہ جا بیٹھے گا۔

اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ

ترجمہ: سعد ابن معاذ کی موت سے عرشِ خداوندی لرز گیا۔

لیکن خدانخواستہ اگر تو جانوروں میں سے ہے جن کے لئے یہ کہا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

ترجمہ: یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

یقین کر کہ تو اپنا سامان مقام زاویہ سے مقام ہاویہ کی طرف یعنی اس دنیا

سے سیدھا دوزخ کی جانب لے کر پہنچے گا۔ ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کو ٹھنڈا شربت دیا گیا۔ پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی ایک سرد آہ بھری اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ آپ نے جواب دیا۔

ذَکَرْتُ اُمْنِیَّۃَ اَھْلِ النَّارِ حِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ۔

ترجمہ: میں نے دوزخیوں کی اس تمنا کو یاد کیا کہ جب وہ اہل جنت سے کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی دے دو!

(اے عزیز) اگر تیرے پاس عمل کے بغیر علم کافی ہوتا اور عمل کی ضرورت نہ ہوتی تو صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتا۔

ھَلْ مِنْ تَائِبٍ، ھَلْ مِنْ سَائِلٍ، ھَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ۔

ترجمہ: ہے کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والا، ہے کوئی سوال کرنے والا، ہے کوئی (مجھ سے) اپنی مغفرت کی دعا مانگنے والا۔

پھر تو اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بیکار ہوتا۔ دراصل صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان تو اس لئے ہے:۔

کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ۔

ترجمہ: ایسے (بندے) چند ہی ہیں جو رات کے آخری حصے میں تھوڑی سی نیند کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کر رہی تھی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نِعْمَ الرَّجُلُ ھُوَ لَوْ کَانَ یُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ۔

ترجمہ: وہ ایک اچھا شخص ہے کاش کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتا ہوتا۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں سے ایک

صحابی رضؓ سے فرمایا :-

لَا تُکْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَاِنَّ کَثْرَةَ النَّوْمِ بِاللَّیْلِ
تَدَعُ صَاحِبَہٗ فَقِیْرًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

ترجمہ : (اے فلاں) رات کو زیادہ نیند نہ کر کیونکہ رات کو زیادہ سونے والا قیامت کے خالی ہاتھ ہوگا۔

وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَةً لَّکَ۔

ترجمہ : (اے رسولؐ) اور رات کے حصے میں اُس (اللہ تعالیٰ) کے لئے نماز تہجد ادا کیجئے۔ امر ہے،

وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔

ترجمہ : اور وہ (سچے بندے) صبح صادق کے وقت خدا تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں۔　شکر ہے۔

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۔

ذکر ہے۔

سرکار دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تین آوازیں بہت پسند ہیں۔ ایک مرغ سحر کی، دوسری قرآن پاک کی تلاوت کی اور تیسری پچھلی رات میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے والوں کی۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ رِیْحًا تَھُبُّ وَقْتَ الْاَسْحَارِ تَحْمِلُ الْاَذْکَارَ وَالْاِسْتِغْفَارَ اِلَی الْمَلِکِ الْجَبَّارِ۔

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا پیدا کی جو رات کے پچھلے پہر چلتی ہے اس وقت جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور خداوند قدوس سے معافی مانگتے ہیں، ان کی آوازیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اِذَا کَانَ اَوَّلُ اللَّیْلِ نَادٰی مُنَادٍ مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ لِیَقُمِ الْعَابِدُوْنَ فَیَقُوْمُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ مَاشَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ یُنَادِیْ مُنَادٍ فِیْ شَطْرِ اللَّیْلِ اَلَا لِیَقُمِ الْقَانِتُوْنَ فَیَقُوْمُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ اِلَی السَّحَرِ فَاِذَا کَانَ السَّحَرُ یُنَادِیْ مُنَادٍ اَلَا لِیَقُمِ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ فَیَقُوْمُوْنَ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَاِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ یُنَادِیْ مُنَادٍ اَلَا لِیَقُمِ الْغٰفِلُوْنَ فَیَقُوْمُوْنَ مِنْ مَفْرَشِهِمْ کَالْمَوْتٰی نُشِرُوْا مِنْ قُبُوْرِهِمْ۔

ترجمہ: رات شروع ہونے پر ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے منادی دیتا ہے کہ عبادت گذاروں کو اٹھ جانا چاہیئے تو جسے اللہ توفیق دیتا ہے وہ اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر آدھی رات کو دوسرا فرشتہ منادی کرتا ہے کہ خدا کے با ادب فرمانبرداروں کو اُٹھ جانا چاہیئے۔ پس وہ اُٹھ کر سحر تک نماز پڑھتے ہیں۔ جب سحر ہوتی ہے تو تیسرا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ خدا کی مغفرت طلب کرنے والوں کو اٹھ جانا چاہیئے۔ پس وہ اٹھ کر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ پھر جب پو پھٹنے کا وقت آتا ہے تو پھر چوتھا فرشتہ صدا لگاتا ہے کہ اے غافلو! اٹھو (دن نکل آیا ہے) پھر یہ لوگ اپنے بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جیسے مُردے قبروں سے اٹھیں گے۔

اے بیٹے! حضرت لقمانؑ کی وصیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یَا بُنَیَّ لَا تَکُوْنَنَّ الدِّیْکُ اَکْیَسَ مِنْکَ فَاِنَّهٗ یُنَادِیْ بِالْاَسْحَارِ وَاَنْتَ نَائِمٌ۔

ترجمہ: اے بیٹے! مرغے کو اپنے سے زیادہ عقل مند نہ ہونے دینا، کہیں

ایسا نہ ہو کہ وہ تو رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر اذانیں دے (یعنی اپنے پروردگار کو یاد کرے) اور تو پڑا سوتا رہے۔

یہ حقیقت اس شعر سے واضح ہو جاتی ہے ؎

لَقَدْ هَتَفَتْ فِيْ جِنْحِ اللَّيْلِ حَمَامَةٌ   عَلٰى فَنَنٍ وَهْنًا وَاِنِّيْ لَنَائِمٌ!

كَذَبْتُ وَبَيْتِ اللّٰهِ لَوْكُنْتُ عَاشِقًا   لَمَا سَبَقَتْنِيْ بِالْبُكَاءِ الْحَمَائِمُ

وَاَزْعُمُ اَنِّيْ هَائِمٌ ذُوْصَبَابَةٍ   لَهٗ بِيْ وَلَا اَبْكِيْ وَتَبْكِي الْبَهَائِمُ

یعنی رات کو فاختہ تو شاخ پر بیٹھی پکار رہی ہے اور میں پڑا سو رہا ہوں۔ (رب) کعبہ کی قسم میں جھوٹا ہوں اگر سچا عاشق ہوتا تو رونے میں فاختائیں مجھ سے سبقت نہ لے جاتیں۔ افسوس! کہ میں تو محبت الٰہی کا مدعی ہو کر آنکھ بھی تر نہ کروں اور چوپائے روتے رہیں۔

اے بیٹے! ہمارا مقصد ہے کہ تجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اطاعت و عبادت کیا چیز ہے؟ اطاعت اور عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پیروی یا تابعداری کرنے کو کہتے ہیں، پھر خواہ وہ نیکی کرنے یا بدی سے روکنے کے احکامات ہوں یا قول و فعل کی اتباع ہو۔ یعنی جو کچھ کرے یا نہ کرے، بولے یا نہ بولے، یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اگر کچھ بولے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بول، اگر خاموش رہے تو اُن کے حکم کے مطابق خاموش رہ۔ اگر کوئی کام کرے یا نہ کرے تو یہ سب کچھ پیغمبر علیہ السلام کے حکم کے مطابق کر۔ اگر تو کوئی کام کرتا ہے اور وہ تجھے عبادت معلوم ہوتا ہے لیکن وہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی خاطر نہیں کرتا تو یہ کام عبادت میں شمار نہ ہوگا بلکہ گناہ میں شمار ہوگا۔ خواہ وہ نماز روزہ ہی کیوں نہ ہو۔ تجھے معلوم نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص دونوں عیدوں اور ایام تشریق میں روزے رکھے گا تو گنہگار ہوگا۔ حالانکہ روزے دار کی صورت اختیار کرتا ہے۔

لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہیں کرتا اس لئے گنہ گار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مکروہ وقت میں یا پرائی قبضہ کی ہوئی جگہ پر نماز ادا کرے گا تو وہ آثم یا فاسق اور گنہگار کہلائے گا۔ حالانکہ یہ کام ظاہری طور پر عبادت نظر آتا ہے۔ مگر یہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہیں، اس لئے درست نہیں۔ کوئی شخص اپنی منکوحہ سے مباشرت کرتا ہے تو یہ گناہ نہیں۔ حالانکہ ظاہری طور پر یہ کام خراب نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ فرمان کے مطابق کیا جاتا ہے اس لئے حلال ہے لہذا معلوم ہوا کہ عبادت فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے۔

اسی طرح نماز اور روزے بھی اُس وقت عبادت میں شمار کیے جاتے ہیں جب وہ فرمان کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہذا اے بیٹے! تیرے سارے قول وفعل آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم مطابق ہونے چاہئیں۔ یعنی جو کچھ عمل کرے یا گفتگو کرے وہ سب شریعت کے مطابق ہو۔ کیونکہ مخلوق کا علم اور عمل جو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع کے مطابق نہیں وہ قطعی گمراہی ہے اور حق سے دور رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزشتہ زمانے کے تمام علوم منسوخ فرمائے۔

پس تجھے چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے کچھ نہ کر اور یقین کر جو علوم تو نے حاصل کئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے راستے پر نہیں چل سکتا۔ البتہ یہ راستہ تجھے محنت اور مجاہدے سے طے کرنا ہوگا اور اپنی لذات نفس اور خواہشات کو مجاہدے کی تلوار سے کاٹنا ہوگا۔ یہ نفسانی خواہشات صوفیوں کے ڈھونگ اور بیہودگیوں سے ختم نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو باریک نکتے یعنی فلسفیانہ گہرائیاں اور تاریک اوقات یعنی گناہ آلود زندگی پسند نہیں۔ زبان سے تو فصاحت وبلاغت کے کلمات ادا ہوں لیکن دل میں غفلت ونفس

پرستی ہو تو یہ بڑی بدنصیبی کی نشانی ہے۔
جب تک نفس کی خواہشات کو سچائی اور مجاہدے کی تلوار سے نہیں کاٹے گا اس وقت تک تیرے دل میں معرفت کی روشنی پیدا نہیں ہو گی۔
اے بیٹے! تو نے کچھ مسئلے پوچھے ہیں، جن میں سے کچھ تو تقریر و تحریر میں پوری طرح بیان نہیں ہو سکتے۔ اس منزل تک تو پہنچ گیا تو خود پتہ چل جائیگا۔ عشق کا سبق پڑھایا نہیں جاتا بلکہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ اگر تو اس منزل تک پہنچ گیا تو اس کا جاننا "مستحیلات" یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں آنے کے برابر ہے۔ اس لئے عشق، محبت اور ذوق کا دوسرا نام ہے۔ محبت اور ذوق کو نہ تقریر کے ذریعے بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ تحریر کے ذریعے اس کی اصل روح کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح مٹھاس، کھٹاس اور تلخی کو کوئی شخص تقریر اور تحریر کے ذریعے بیان کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ لہذا معلوم ہو کہ اگر تو اس منزل پر پہنچ گیا تو خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ لیکن اس منزل تک اگر نہ پہنچ سکا تو پھر اس حقیقت کو تقریر و تحریر کے ذریعے اچھی طرح سے بیان کیا جا سکتا۔
اے بیٹے! تیرے کچھ سوال اسی قسم کے ہیں لیکن جس قدر بھی تحریر و تقریر میں آسکتے ہیں، وہ سب میں نے اپنی تصنیف احیاء العلوم الدین اور دوسری کتابوں میں وضاحت سے بیان کئے ہیں جو کہ تو اُن میں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ یہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مختصراً بیان کئے جائیں گے۔
دوسرا، تو نے پوچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے کے لئے کیا چیز واجب ہے۔ تجھے علم ہونا چاہیئے کہ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں خوفِ خدا کا عقیدہ اس درجہ پر موجود ہو کہ اس میں کسی بھی طرح کی بدعت نہ ہو۔ دوسرے توبۃ النصوح اس طرح کی جانی چاہیئے کہ دوبارہ ایسی ذلت کی طرف واپس نہ لوٹے۔ تیسرے دشمن کو بھی اس حد تک راضی رکھے کہ کسی بھی مخلوق کا حق اس پر واجب نہ رہے۔ چوتھے شریعت کے علم میں سے اتنا علم حاصل کرنا چاہیئے کہ

اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کر سکے۔ شریعت کے علم کا اس سے زیادہ جاننا واجب نہیں۔ دوسرے علوم میں سے بھی اتنا جاننا چاہیئے جس سے اس کا چھٹکارا ہو سکے، یہ حقیقت تیرے علم میں ہونی چاہیئے کہ بزرگوں کی حکایات میں آتا ہے کہ شبلیؒ نے فرمایا کہ میں نے طریقت کے چار سو استادوں کی خدمت کی اوران استادوں کی بیان کردہ چار ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث اختیار کی اور باقی حدیثوں کو چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ اس ایک حدیث پر غور کیا تو اپنا چھٹکارا اس حدیث میں پایا۔ مجھے اس حدیث میں علم اولین و آخرین بیان کیا ہوا نظر آیا۔ وہ حدیث یہ ہے:۔

اِعْمَلْ لِلدُّنْیَا بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِیْهَا وَاعْمَلْ لِاٰخِرَتِكَ بِقَدْرِ بَقَآئِكَ فِیْهَا وَاعْمَلْ لِلّٰهِ بِقَدْرِ حَاجَتِكَ اِلَیْهِ وَاعْمَلْ لِلنَّارِ بِقَدْرِ صَبْرِكَ عَلَیْهَا۔

ترجمہ: دنیا کے لئے اتنا کام کر جتنا اس میں رہے اور آخرت کے لئے اتنا کام کر جتنا تیرا وہاں رہنا مقدر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کا محتاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کی تکالیف پر صبر کر سکے۔

اے بیٹے! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں کیونکہ زیادہ علم پڑھنا اور حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ اس دوسری حکایت پر غور کرتا کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔

حکایت:۔ کہتے ہیں کہ شقیق بلخی قدس اللہ روحہٗ کے شاگردوں اور مریدوں میں سے حاتم اصمؒ بھی ایک شاگرد اور مرید تھے۔ ایک دن شقیقؒ نے اُن سے کہا کہ اے حاتم! تم کتنا عرصہ میری صحبت میں رہے اور میری باتیں سُنتے رہے حاتم اصمؒ نے کہا کہ تیتیس ۳۳ سال۔

شقیقؒ نے کہا کہ اس عرصے میں تو نے مجھ سے کیا فائدہ حاصل کیا؟

حاتم بن اصمؒ نے جواب دیا کہ آٹھ فائدے حاصل کئے ہیں۔ شقیقؒ نے کہا:۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
اے حاتم! میں نے اپنی زندگی تعلیم و تربیت میں گزار دی اور تجھے میرے علم سے آٹھ فائدوں کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا! حاتمؒ نے کہا اے استاد! اگر سچ پوچھیں تو یہ حقیقت ہے جو میں نے بیان کی۔ مجھے اِن سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں اور علم سے اتنا فائدہ ہی کافی ہے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ دنیا و آخرت میں میرا چھٹکارا اِن آٹھ فائدوں سے ہوگا۔ شقیقؒ بلخی نے اُن سے کہا کہ اے حاتم! اچھا تو بتاؤ کہ وہ آٹھ فائدے کون سے ہیں؟

حاتم بن اصمؒ کے بیان کردہ فوائد

اے استاد! پہلا فائدہ یہ کہ میں نے اس دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک کا ایک محبوب ہے۔ لیکن لوگوں کے یہ محبوب ایسے ہیں کہ اُن میں سے کوئی تو موت لانے والی بیماری تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ مرتے دم تک اور کچھ ایسے ہیں جو قبر تک ان کے ساتھ چلتے ہیں اور دفن کے بعد تمام محبوب وہاں سے واپس آجاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی محبوب قبر میں ساتھ نہیں جاتا کہ وہاں اس شخص کی دلبستگی کی غرض سے اُس کے ساتھ رہے۔ میں نے غور کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ محبوب تو وہی اچھا ہے جو قبر میں بھی ساتھ جائے اور محب کے ساتھ رہے۔ اس کے لئے باعثِ دلبستگی بنے، اس کی قبر کو روشن کرے اور قیامت اور اس کی منزلوں میں اس کا ساتھی ہو۔ میں نے دیکھا کہ ان خوبیوں والا محبوب صرف میرے اچھے اعمال ہیں۔ اس کے بعد سے میں نے اپنے نیک اعمال کو اپنا محبوب بنا لیا تاکہ یہ میرے ساتھ قبر تک جائے۔ میرے لئے سامان دلبستگی ثابت ہو۔ میری قبر کی روشن قندیل

بنے، قیامت کی منزلوں میں میرے ساتھ ہو اور کبھی بھی مجھ سے الگ نہ ہو۔ شفیق بلخیؒ نے کہا کہ شاباش اے حاتم! تم نے بہت عمدہ بات بتائی ہے اب دوسرا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس دنیا کے لوگوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہر کوئی لذات و خواہشات نفس کے پیچھے چل رہا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہے یہ دیکھ کر میں نے اس آیتِ کریمہ پر غور کیا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

ترجمہ: جو شخص اپنے پروردگار کا خوف کرے گا اور اپنے نفس کو حرص و ہوا سے روکے گا تو اس کے ٹھہرنے کا مقام جنت ہے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ قرآنِ حکیم حق اور اللہ کا کلام سچا ہے۔ پھر اپنے نفس کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا۔ اسے ایسے سانچے میں ڈھالا اور اس وقت تک اس کی کوئی خواہش پوری نہ کی جب تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سکون نہ آنے لگا۔

شقیق بلخیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی برکتیں عطا فرمائے۔ اچھا اب تیسرا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! تیسرا فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ہر شخص نہایت تکلیف اور محنت سے اس فانی دنیا کے مال کو جمع کرنے میں لگا ہوا ہے اور بڑا خوش ہے کہ اس کے پاس بہت سا مال و متاع ہے۔ لیکن جب میں نے قرآن کریم کی اس آیتِ کریمہ پر غور کیا:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔

ترجمہ: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔

تو میں نے جو دنیا میں جمع کیا تھا وہ سب خدا کی راہ میں درویشوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت جمع رہے اور میرے لئے آخرت کا ثمرہ اور چھٹکارے کا سبب بنے۔

شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے تو نے بہت اچھی بات کی اور بہت اچھا کام کیا ہے۔ اچھا اب چوتھا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چوتھا فائدہ یہ کہ میں نے دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے کچھ کا خیال ہے کہ شان و شوکت اور عزت و شرف زیادہ اور بڑے قوم قبیلے سے ہے۔ اس لئے وہ اپنے قبیلے پر فخر کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو سوچتے ہیں کہ شان و شوکت، دولت کی فراوانی، مال اور اہل و عیال سے حاصل ہوتی ہے اس لئے ایسے لوگ اپنی دولت اور اولاد پر فخر کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اپنی عزت اور شان، غصہ دکھانے، مارنے، کوٹنے اور قتل غارت گری میں سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اپنی فضول خرچی کو شان و شوکت سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ فضول خرچی کو عزت سمجھ کر اُس پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس آیت پر غور کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت اور مرتبے والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

لہذا یہ حق اور سچ ہے اور مخلوق کے خیالات باطل اور گمان غلط ہیں۔ اس لئے میں نے تقویٰ کو اختیار کیا تا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مرتبے والا شمار کیا جاؤں۔ شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتم! کاش اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو۔ تو نے بڑی اچھی بات کی۔ اب پانچواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! پانچواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے کی شکایت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب جلن، حسد اور کینے کی وجہ

سے کر رہے ہیں جس کا واحد سبب عظمت وشان، مال و دولت اور علم ہے۔ میں نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر غور کیا جس میں فرمایا گیا ہے:۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

ترجمہ: ہم نے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں رزق تقسیم کر دیا ہے۔

پھر سوچا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ازل سے ہی مال و مرتبہ کو مقرر فرمایا ہے اور اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ اس لئے کسی سے بھی مقابلہ اور حسد نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور تقدیر پر راضی رہا اور ساری دنیا کے ساتھ بن گیا۔ شفیق نے فرمایا کہ اے حاتم! سچ کہتے ہو اور ٹھیک کرتے ہو۔ اب چھٹا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چھٹا فائدہ یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے سے دشمنی کر رہا ہے۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا

ترجمہ: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے بس تم اس کو دشمن سمجھو۔

اس کے بعد یقین کر لیا کہ اللہ کا قول سچا ہے، شیطان اور اس کی پیروی کرنے والوں کے علاوہ کسی سے دشمنی نہ رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد سے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور اس کے کسی بھی حکم کو نہ مانا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی اور اس کے بعد سے اُسی کی عبادت اور بندگی اختیار کر لی۔ سیدھا راستہ صراط مستقیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

ترجمہ: کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لے لیا تھا کہ اے اولاد آدم! تو سرگز شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو۔ (کیوں کہ) یہ سیدھا راستہ ہے۔

شقیقؒ نے فرمایا اے حاتمؒ! بہت اچھا کام کیا اور بہت اچھی بات بتائی۔ اچھا اب ساتواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! ساتواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ہر شخص اپنے معاش اور روزی کی تلاش میں سرگرداں ہے اور بے انتہا کوشش میں لگا ہوا ہے، اس سلسلے میں حلال وحرام کی بھی تمیز نہیں کر رہا بلکہ مشکوک اور حرام کمائی کے حصول کے لئے ذلیل اور خوار ہو رہا ہے۔ پھر میں نے آیت پر غور کیا،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا

ترجمہ: زمین پر ایسا کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے۔

پھر یقین کیا کہ قرآنِ حکیم حق اور سچ ہے اور میں بھی اُن جانداروں میں سے ہوں جو کہ زمین پر موجود ہیں۔ بس پھر میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور یقین کر لیا کہ وہ مجھے روزی پہنچائے گا۔ کیونکہ اس نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔

شقیقؒ نے کہا کہ بہت اچھا کیا اور بہت اچھی بات بتائی۔ اچھا اب آٹھواں فائدہ بیان کر۔

حاتمؒ نے کہا آٹھواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو معلوم ہوا، ہر آدمی کا بھروسہ کسی دوسرے پر یا کسی چیز پر ہے۔ کسی کو اپنے مال پر بھروسا ہے، کسی کو لوگوں پر بھروسا ہے۔ لہذا میں نے اس آیت شریفہ پر غور کیا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط

ترجمہ: جس نے اللہ پر توکل کیا اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

اس کے بعد سے میں نے خدائے تعالےٰ عزوجل پر توکل کیا۔

وَهُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

ترجمہ: اور وہی میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

جب شقیق بلخیؒ نے یہ فائدے سُنے تو کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق

سقراط فرمانے تم نے بہت عمدہ باتیں بتائیں۔ میں نے توریت، انجیل، زبور اور فرقانِ حمید میں دیکھا کہ یہ چاروں کتابیں اِن آٹھ فائدوں کا ذکر کرتی ہیں یعنی چاروں کتابوں نے اپنی تعلیم میں یہ آٹھ فائدے بتائے ہیں اور جس نے بھی ان پر عمل کیا گویا چاروں کتابوں پر عمل کیا۔

اے بیٹے! تجھے ان حکایتوں سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں ہے۔

اب واپس اپنے قصے کی طرف آتے ہیں اور "طالب" اور "سالک" کے لئے اللہ کی راہ میں جو باطنی شرائط ہیں وہ تجھے بتاتا ہوں۔

پانچویں شرط جو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والے "سالک" کے لئے واجب ہے یہ ہے کہ اس کا ایک شیخ کامل ہونا چاہیے جو اس کی رہنمائی کرے اور اس میں سے بُرے اخلاق نکال کر ان کی جگہ اچھے اخلاق پیدا کرے۔ تربیت کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ جس طرح ایک کسان فصل کی دیکھ بھال کرتے وقت جو بھی گھاس پھوس فاضل اُگ جاتا ہے اسے فصل سے باہر نکال دیتا ہے۔ اسی طرح کھیت میں جو بھی خار و خس پیدا ہوتے ہیں انہیں وہ جڑ سے نکال باہر پھینکتا ہے۔ پھر وہاں پانی اور کھاد دیتا ہے تاکہ فصل بڑھے اور عمدہ بھی ہو۔ اسی طرح ہر حالت میں اللہ کی راہ پہ چلنے والے مسافر کے لئے مرشد کامل کے سوا دوسرا کوئی بھی علاج یا حل نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا تاکہ آپؐ اللہ کی راہ کی روشن دلیل ثابت ہوں، اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر لائیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنے نائبوں اور خلفاء کو اپنی جگہ مقرر فرمایا تاکہ وہ قیامت تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ کی دلیل ہوں۔

لہذا سالک کے لئے ایسا شیخ کامل ہونا چاہیے جو کہ اللہ کے راستے پہ چلنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے روشن دلیل ہو۔

شیخ کے اوصاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب جس کو اپنا شیخ بنایا جائے، اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عالم ہو۔ لیکن ہر عالم بھی شیخ کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کام کے لائق وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں چند مخصوص صفات ہوں۔ یہاں ہم اجمالی طور پر چند اوصاف بیان کرتے ہیں تاکہ ہر سرپھرا یا گمراہ شخص شیخ بننے کا دعویٰ نہ کر سکے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ وہی ہو سکتا ہے جو دنیا کی محبت و عزت و مرتبے کی چاہت سے منہ موڑ کر ایسے کامل شیخ سے بیعت کر چکا ہو جس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہو۔ اس شخص نے ہر قسم کی ریاضت کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کی ہو۔ وہ شخص تھوڑا کھانا کھاتا ہو، تھوڑی نیند کرتا ہو، زیادہ نمازیں پڑھتا ہو، زیادہ روزے رکھتا ہو اور خوب صدقہ وخیرات کرتا ہو، اس کی طبیعت میں تمام اچھے اخلاق ہونے چاہئیں اور صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، امانت، حلم (سنجیدگی) انکساری، فرمانبرداری، سچائی، حیا، وقار، سکون اور اسی قسم کے اور فضائل اس کی سیرت و کردار کا حصّہ ہوں۔ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے ایسا نور اور روشنی حاصل کی ہو جس سے تمام بری خصلتیں مثلاً کنجوسی، حسد، کینہ، جلن، لالچ، دنیا سے اُمید، غصہ اور سرکشی وغیرہ اسمیں ختم ہو چکی ہوں اور علم کے سلسلے میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ سوائے اس علم کے جو کہ ہمیں (مخصوص) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

یہ مذکورہ اوصاف شیخ کامل پیرانِ طریقت کی کچھ نشانیاں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کے لائق ہیں۔ ایسے شیخوں کی پیروی کرنا صحیح طریقہ ہے۔

شیخ کی اطاعت

ایسے شیخ بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ اگر یہ دولت کسی کو حاصل ہوئی اور یہ توفیق نصیب ہوئی کہ

ایسا کامل شیخ ملا اور وہ شیخ اسے اپنے مریدوں میں شامل کر لے تو اس مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کا ظاہری و باطنی ادب کرے۔

ظاہری آداب

ظاہری ادب یہ کہ اس سے بحث مباحثہ نہ کرے اور اگر کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور اگر کبھی سمجھے کہ شیخ سے بھول ہو گئی تو بھی اس پر اعتراض نہ کرے اُسے چاہیئے کہ ہر ایک کے ساتھ مصلے پر جا کر نہ کھڑا ہو بلکہ جب نماز کا وقت ہو تو پھر جا کر مصلے پر نماز ادا کرے۔ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو تو مصلےٰ لپیٹ دے شیخ کے سامنے ہر نماز کے بعد زیادہ نفل نہ پڑھے اور شیخ کامل جو بھی حکم دے اسے اپنی استطاعت کے مطابق بجالائے۔

باطنی آداب

باطنی ادب یہ ہے کہ مرشد سے جو کچھ بظاہر سُنے اس کے بارے میں یا شیخ کے قول و فعل کی بابت دل میں ذرا بھی شبہ نہ کرے۔ ورنہ منافق کہلائے گا۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اُسے چاہیئے کہ شیخ کی صحبت سے کنارہ کش ہو جائے۔ جب تک کہ اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح نہ ہو جائے۔

چھٹی شرط یہ کہ مرید نفس کی چالبازیوں سے بچے۔ یہ صرف اسی طرح ممکن ہے جب وہ بدکردار اور جاہل لوگوں کی مجلس چھوڑ دے۔ اس طرح اس کے دل سے شیطان کا غلبہ ختم ہو جائیگا اور شیطانی اثرات جڑ سے ختم ہونگے۔ پھر خواہ وہ شیطانی گروہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔

ساتویں شرط یہ ہے ہر حال میں مسکینی اور درویشی کو خوشحالی پر ترجیح دے اور نیاز مندی اختیار کرے۔ یہ سات باتیں اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والے سالک اور طالب کے لئے ضروری ہیں۔

تصوف کی حقیقت

دوسرے تو نے یہ پوچھا ہے کہ تصوف کیا ہے؟ تصوف دو خصلتوں کا نام ہے:۔ پہلی یہ کہ (بندہ) اللہ کا وفادار ہو، یعنی شریعت پر عمل کرتا ہو، اور دوسری یہ کہ اللہ کی مخلوق سے ہمدردی و بھلائی کرنے والا ہو۔ جس میں شریعت پر ثابت قدمی اور انسانیت کی فلاح کی خوبیاں ہیں وہ "صوفی" ہے اللہ سے وفاداری یہ ہے کہ اپنی خوشی کو اللہ کی خاطر قربان کر دے۔ لوگوں سے بھلائی یہ ہے کہ لوگوں سے صرف اپنی غرض کی خاطر تعلقات نہ رکھے اور خود غرضی سے کنارہ کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو لوگوں کی بھلائی کے لئے وقف کرے۔ بشرطیکہ یہ بھلائی شریعت کے مطابق ہو۔

بندگی کی حقیقت

دوسرے تو نے پوچھا ہے کہ بندگی کیا ہے؟ عبودیت یا بندگی میں تین باتیں ہیں:۔ پہلی یہ کہ شریعت کے حکم کی حفاظت کرنا، دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قضا و قدر اور قسمت پر راضی رہنا۔ تیسری یہ کہ خواہشات اور اختیار کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار اور خواہش پر خوش رہنا۔

توکّل کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ توکّل کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ توکّل اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں اُن پر پختہ یقین ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھا ہے وہ تجھے ضرور ملے گا۔ پھر چاہے پوری دنیا اس کو روکنے کی کوشش کرے تب بھی اُس کو روکا نہیں جا سکتا۔ لیکن جو کچھ تیری تقدیر میں نہیں لکھا اس کے لئے تو اور سارا جہاں کتنی بھی

کوشش کرے وہ تجھے ہرگز نہیں ملے گا۔

اخلاص کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ اخلاص کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ اخلاص یا خلوص یہ ہے کہ تیرے سارے کام صرف اللہ (کی رضا) کے لئے ہونے چاہئیں۔ تو جو کچھ بھی کرے وہ دکھاوے کے لئے نہ ہونا چاہئے، اچھے کام کرتے وقت تیرا دل لوگوں کی طرف مائل نہ ہو۔ تیرے دل کو نہ لوگوں کی تعریف پر خوش ہونا چاہیئے۔ نہ کسی سے شکایت پر رنجیدہ ہونا چاہئے۔ تجھے معلوم ہو کہ ریاکاری لوگوں کی تعریف اور تعظیم سے پیدا ہوتی ہے اور ریاکاری کا علاج یہ ہے کہ تو سارے جہاں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تابع سمجھ اور ساری مخلوق کو کنکروں اور پتھروں کی مانند سمجھ، تجھے یہ سمجھنا چاہئے کہ پتھروں کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے رنج و راحت پہنچا سکیں۔ ساری مخلوق کو اگر ایسا سمجھے گا تو پھر تجھے ریاکاری سے نجات مل سکے گی۔ جب تک یہ عقیدہ رکھے گا کہ مخلوق کو دکھ سکھ پہنچانے کی طاقت ہے تو پھر تیرے دل سے ریاکاری ہرگز نہیں نکل سکتی۔

اے بیٹے! تیرے باقی سوال ایسے ہیں جن میں سے کچھ ہماری تصنیف کردہ کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں جو ان میں سے دیکھ لے اور کچھ سوال ایسے ہیں جن کا جواب لکھنا ممنوع ہے تو جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر عمل کرنا کہ وہ امور تجھ پر واضح ہو جائیں جو تو ابھی نہیں جانتا۔

اے بیٹے! اس کے بعد جو تجھے مشکل لگے اور سمجھ نہ آئے تو وہ زبانی طور پر دل کی زبان کے علاوہ مجھ سے نہ پوچھ۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔

ترجمہ: اگر وہ لوگ آپؐ کے از خود باہر آنے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت قبول کر۔

فَلَا تَسْأَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔

ترجمہ: پھر تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا، یہاں تک کہ میں خود ہی تم سے اس کا ذکر کردوں۔

جلدی مت کر، جب وقت آئیگا تو خود ہی تجھے بتا دیا جائیگا اور دکھا دیا جائے گا۔

سَاُرِيْكُمْ اٰيَاتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ۔

ترجمہ: ہم تمہیں جلدی اپنی نشانیاں دکھائیں گے لہذا (اس سلسلے میں) تم جلدی کی خواہش مت کرو۔

تو وقت سے پہلے مت پوچھ، جب اس کیفیت کو پہنچے گا تو خود نظر آجائے گا۔ تو یہ یقین کر کہ جب تو اس منزل کی طرف نہ جائے گا، اس وقت تک نہ تو وہاں پہنچے گا نہ دیکھ سکے گا۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا۔

ترجمہ: کیا وہ زمین (ملک) میں گھومے پھرے نہیں ہیں تاکہ وہ (سب کچھ) دیکھ لیتے۔

اے بیٹے! خدا کی قسم اگر تو اپنے دل کو روشن کرلے تو یقیناً عجیب وغریب کیفیات نظر آئیں۔ تجھے چاہئے کہ ہر منزل پر جان کی بازی لگا دے۔ اس کے علاوہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے کتنی اچھی بات کہی ہے۔

اِنْ قَدَرْتَ عَلٰى بَذْلِ الرُّوْحِ فَتَعَالَ وَاِنْ لَّا تَشْتَغِلْ بِتُرَّهَاتِ الصُّوْفِيَّةِ وَالْقَالِ۔

ترجمہ: اگر (اس راہ میں) جان کی بازی لگانے کی ہمت ہے تو آجا (قدم رکھ) ورنہ محض صوفیوں کی خوش کن باتوں میں مت آ۔

اے بیٹے! میں اب آٹھ نصیحتوں پر اپنا قصہ ختم کرتا ہوں۔

آٹھ نصیحتیں

تجھے ان میں سے چار باتیں کرنی ہیں اور چار باتیں نہیں کرنی ہیں تاکہ تیرا علم قیامت کے دن تیرا دشمن نہ بنے۔

پہلے تو وہ چار کام بیان کئے جاتے ہیں جو تجھے کرنے نہیں ہیں۔

۱۔ مناظرہ کا اصول

اول یہ کہ جہاں تک ہو سکے ہر کسی سے مناظرہ نہ کر اور کسی بھی مسئلے پر بحث نہ کر۔ کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں اور فائدے سے زیادہ نقصان ہے۔ یہ کام تمام بُری باتوں مثلاً، ریاکاری، حسد، غرور، کینہ، دشمنی، فخر اور ناز وغیرہ کا سرچشمہ ہے۔ اگر تیرے اور دوسرے شخص کے درمیان کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور تیری خواہش ہو کہ حق ظاہر ہو تو اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے تیری نیت کو ٹھیک کہا جائیگا۔ اس سلسلے میں نیک نیتی کی دو علامات ہیں۔

اول یہ کہ اگر تیری زبان سے یا تیرے مخالف کی طرف سے حق ظاہر ہو تو اس میں کوئی فرق نہ کرے۔ یعنی دونوں صورتوں میں راضی رہے کہ (بہر حال) حق ظاہر ہوا۔

دوسری علامت یہ ہے کہ تو تنہائی میں اس مسئلے پر بحث کرنے کو بہتر سمجھے۔ لیکن اگر تو کسی مسئلے پر بحث کرے اور تجھے یہ یقین ہو کہ تو حق پر اور مخالف صرف بحث کر رہا ہے تو تو خبردار ہو جا اور اس سے بحث نہ کر اور بات کو وہیں ختم کر دے۔ ورنہ خواہ مخواہ رنجش پیدا ہو گی اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

یہاں میں ایک فائدہ بیان کرتا ہوں۔ تجھے معلوم ہو کہ مسائل کے بارے میں سوال کرنا ایسا ہے گویا دل کے طبیب کے سامنے دل کی بیماری اور اس کے اسباب بیان کرنا۔ نیز اس طبیب کی طرف سے دل کی بیماری کی شفا کے لئے کوشش کرنا

ایسا ہے جیسا اس مسئلے کا جواب دینا۔ تجھے یقین ہونا چاہیئے کہ جاہل لوگ ایسے مریضوں کی مانند ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے اور عالم طبیبوں اور حکیموں کی مانند ہیں۔ ناقص عالم طبابت کے لائق نہیں اور کامل عالم بیماری کا علاج کرسکتا ہے۔ نیز بیماری کے اسباب بھی معلوم کرسکتا ہے لیکن بیماری اگر غالب آجائے اور اس کے اسباب بھی معلوم نہ ہوسکیں تو پھر کسی استاد طبیب سے مشورہ کیا جائے جو یہ بتاسکے کہ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے اور یہ بیماری دوا دارو سے ٹھیک نہ ہوگی۔ اس قسم کی لاعلاج بیماری کے علاج میں مشغول رہنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ اب تو سمجھ کہ:۔

مریض کی اقسام

جاہل مریض چار قسم کے ہوتے ہیں اور ان چار میں سے ایک کا علاج ممکن ہے باقی تین لاعلاج ہیں۔

پہلا بیمار وہ ہے جو حسد کی وجہ سے سوال پوچھے یا اعتراض کرے۔ حسد ایک ایسی مہلک بیماری ہے جس کا علاج نہیں ہے۔ یوں سمجھ کہ تو جو بھی جواب دے گا وہ خواہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو لیکن وہ تجھے اپنا دشمن شمار کرے گا اور اس کی جلن اور حسد کی آگ اور بھی بھڑکے گی۔ لہذا اچھا یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دے کسی شاعر نے اس سلسلے میں اچھا کہا ہے ؎

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجٰى اِزَالَتُهَا

اِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدٍ

ترجمہ: ہر قسم کی دشمنی کا ازالہ ہوسکتا ہے مگر جو دشمنی حسد کی وجہ سے ہو اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔

لہذا اس کا مداوا یہ ہے کہ اس حاسد کو چھوڑ دے تاکہ وہ اسی مرض میں مبتلا رہے

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

ترجمہ: تو ایسے شخص سے کنارہ کشی اختیار کر جو (حسد کی وجہ سے) ہمارے ذکر سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی (کی آسائشوں) کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔

مریض کی دوسری قسم وہ ہے جس کی بیماری کا سبب اس کی حماقت یا بیوقوفی ہے۔ یہ بیماری لاعلاج ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں (بحکم خدا) مُردوں کو زندہ کرنے میں عاجز نہیں ہوا لیکن احمق اور جاہلوں کا علاج کرنے سے عاجز آگیا۔ جاہل احمق وہ ہے جو علم حاصل کرنے میں بہت کم وقت گزارتا ہے اور علوم عقلیہ یا نقلیہ ابھی شروع ہی نہیں کئے ہیں لیکن ان بڑے عالموں پر اعتراض کرتا ہے جن کی ساری زندگی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں گزری ہے۔ اسے یہ علم نہیں کہ اس کا اعتراض جو کہ خود اُسے اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں نیز علماء کو گراں گزرتا ہے۔ اسی طرح بلاشک یہ اعتراض اس بڑے عالم کو بھی گراں گزرتا ہوگا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا یہ اعتراض جو اس عالم پر کر رہا ہے، بیکار اور فضول ہے اور اس بڑے عالم کی فکری گہرائی کو خود اس نے اور دوسرے عالم نے اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے سمجھا ہی نہیں ہے۔ بھلا جب وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتا تو یہ اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ ایسے شخص سے بھی الگ رہنا چاہیئے اور اسے جواب نہیں دینا چاہیئے۔

نصیحت بقدر ظرف

تیسرے قسم کا بیمار وہ ہے جو اپنی بیقراری و بے صبرے پن کی وجہ سے بزرگوں کی باتیں نہ سمجھے اور اپنی کم عقلی پر بھروسہ کئے رہے اور جو سمجھے اپنے فائدے کی وجہ سے سمجھے۔ ایسا شخص بھولا اور بے عقل ہوتا ہے اور اس کا ذہن حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو بھی جواب دینا ضروری نہیں، کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔

ترجمہ: ہم گروہ انبیاء سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو ہم ایسی باتیں بتائیں جو اُن کی عقل کے مطابق ہوں۔

نصیحت کے قابل شخص

چوتھی قسم کا بیمار وہ ہے جو صراطِ مستقیم کا طلب ہو، فرمانبردار ہو، ذکی اور ذہین ہو اور اس میں غصہ، نفس پرستی، حسد اور دولت وجاہ کی خواہش نہ ہو (لہذا) ایسا شخص جو کہ راہ حق اور صحیح طریقے کا متلاشی ہو اور جو سوال پوچھے یا اعتراض کرے وہ حسد کی وجہ سے یا عیب جوئی کی خاطر یا امتحان لینے کی غرض سے نہ کرے ایسا ہی شخص وہ مریض ہے جس کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر اس شخص کے سوال کا جواب دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

۲، وعظ کی حقیقت

نصیحت یہ ہے کہ تو وعظ اور تقریر کرنے سے بچے، کیونکہ اس میں بڑی آفتیں اور نقصان ہیں۔ اگر سمجھتا ہو کہ تو جو کچھ وعظ کرتا ہے اس پر پہلے خود بھی عمل کر چکا تو یہ بات بھی خیال میں رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

یَا ابْنَ مَرْیَمَ عِظْ نَفْسَكَ فَاِنْ اتَّعَظْتَ فَعِظِ النَّاسَ فَاسْتَحْیِ مِنِّیْ ؕ

ترجمہ: اے فرزندِ مریم! تم اپنے نفس کو نصیحت کرو پھر اگر اس نے تمہاری نصیحت قبول کر لی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرماؤ۔

اگر ایسے حالات پیدا ہوں کہ تجھے وعظ کرنا ہی پڑے تو پھر دو باتوں سے بچنا۔ اوّل یہ کہ اپنے وعظ میں رنگین بیانی، اشارہ وکنایہ، مقفٰی و مسجع عبارات۔ دل خوش کن اشعار و ابیات اور خلاف شرع گفتگو (بعض نام نہاد

صوفیوں کے جھوٹ سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تصنّع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن (اگر کسی واعظ کا) تکلف یا نمائش حد سے تجاوز کر جائے تو سمجھ لے کہ اس واعظ کا باطن خراب اور دل غافل ہے۔ کیونکہ وعظ کا مقصد اپنی قابلیت جتانا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا جائے۔ اللہ کی بندگی کے سلسلے میں اپنی کوتاہیاں بیان کی جائیں اور فضول کاموں اور ضائع کردہ عمر پر افسوس کیا جائے۔ آخرت کے دشوار گزار مرحلوں کا تذکرہ کیا جائے جو آگے ہمارے راستے میں حائل ہیں۔ اسی طرح ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے گزرنے کا طریقہ، مرتے وقت ملک الموت کا منظر، قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب اور قیامت کی منزلیں اس میں بیان کی جائیں۔ اس کے علاوہ حشر کے میدان میں حساب کتاب کا منظر، میزان میں اعمال کے تولے جانے، پل صراط سے گزرنے اور پار پہنچنے اور روز محشر کی دوسری ہولناکیوں کا نقشہ پیش کیا جائے۔ واعظ کو چاہیئے کہ خوف کی یہ تمام باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرے اور انہیں اِن تمام باتوں سے مطلع کرے۔ اس کے علاوہ مجلس میں بیٹھے لوگوں کو اُن کے عیوب و کوتاہیوں کی یاد دلائے تاکہ ان کے دل میں عذابِ آخرت کا خوف پیدا ہو اور جس قدر ہو سکے اپنے برباد شدہ وقت پر افسوس کریں اور اس کی تلافی کریں اور جو وقت عبادت کے بغیر گذرا ہو اس پہ آنسو بہائیں۔ یہ تمام باتیں جو میں نے اوپر بیان کی ہیں وعظ میں بیان کی جائیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے گھر کے دروازے پر سیلاب کا پانی پہنچ جائے اور نوبت یہ آ جائے کہ گھڑی بھر میں اس کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس کے بال بچّوں کو ڈبو دے گا۔ اس وقت گھر کا مالک اپنے گھر میں شور کرے گا اور کہے گا کہ اے گھر والو! الحذر، الحذر یعنی افسوس افسوس، جلدی بھاگو، سیلاب کا پانی پہنچ گیا ہے۔ ایسے خوفناک وقت میں گھر کا مالک سیلاب کا ذکر ہرگز رنگین عبارات، اشارات و کنایات مقفّیٰ، مسجع، مرصّع اور ہم وزن کلام یا پُر تکلف شاعرانہ رنگین بیانی سے نہیں کرے گا۔

اہلِ مجلس کے سامنے بھی وعظ کی مثالیں اسی طرح (یعنی خود ڈر کر اور دوسروں کو ڈراتے ہوئے) ہونی چاہئیں۔

دوسرے وعظ کرتے وقت اپنے دل میں ایسے خیالات نہ آنے دے کہ لوگ تیرا وعظ سنکر واہ واہ کے نعرے لگائیں اور وجد میں آکر جھومنے لگیں بدمست ہوجائیں یا کپڑے پھاڑیں اور ساری محفل میں شور برپا ہوجائے اور سامعین کہنے لگیں کہ مجلس بہت اچھی منعقد ہوئی اور فلاں نے بہت اچھا وعظ کیا۔ اس قسم کے خیالات ریاکاری میں شامل ہیں اور ایسی بات پر خوش ہونا تیری کم عقلی ہے۔ دراصل تیری نیت یہ ہونی چاہیئے کہ وعظ کے ذریعے خدا کی مخلوق کو دنیا سے آخرت کی طرف بلائے۔ گناہوں سے بندگی کی طرف لے آئے۔ حرص سے زُہد کی طرف، کنجوسی سے سخاوت کی طرف، ریاکاری سے خلوص کی طرف، تکبر سے انکساری کی طرف، غفلت سے بیداری کی طرف اور غرور سے پرہیز گاری کی طرف بلائے۔ اُن کے دلوں میں آخرت کی محبت پیدا کرتا کہ وہ آخرت کی طرف مائل ہوں۔ اس طرح اُن کے دلوں کو دنیا سے بیزار کرتا کہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں۔ اسی طرح لوگوں کو اللہ تعالٰی کے کرم اور رحمت کے بارے میں غلط بیانی کے ذریعے دھوکے میں نہ رکھ بلکہ اُن میں پرہیز گاری اور خداترسی پیدا کر اور دیکھ کہ ان کے دل میں وہ کونسی بات ہے جو اللہ کی رضا کے خلاف ہے اور ان کا جھکاؤ کس چیز کی طرف ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ انکے اخلاق واعمال پر نظر رکھ تاکہ ان کی بداعمالیاں ختم ہوں اور ان کی جگہ اچھے اخلاق واعمال پیدا ہوں۔ جن لوگوں پر ڈر اور خوف کا غلبہ ہو ان میں اتنی امید پیدا کر کہ جب وہ تیری مجلس سے اٹھیں تو ان میں کچھ باطنی صفات پیدا ہو چکی ہوں اور ان کا ظاہر بھی تبدیل ہو چکا ہو۔ جو لوگ اللہ کی عبادت میں سست تھے، وہ عبادت کی طرف مائل ہو جائیں اور دل میں شوق بندگی پیدا کریں اور جو لوگ گناہ کے کرنے میں نڈر اور دلیر ہوں اُن

میں خوف خداوندی پیدا ہو جائے۔ جو وعظ ایسا نہ ہوگا اور واعظ ایسی باتیں نہ بیان کرے گا تو وہ واعظ پر اور سننے والوں کے لئے وبال کا باعث ہے۔ ایسا شخص شیطان ہوتا ہے (جو کمین نفس کا غلام بن کر یہ خیال کرے کہ وعظ کے ذریعے میں اپنی قابلیت ظاہر کروں اور دنیا کی جاہ و شان حاصل کرلوں) وہ شیطان مخلوقِ خدا کو راہِ راست سے بھٹکاتا ہے، ان کا خون بہاتا ہے اور انہیں دائمی ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔ خلقِ خدا کو چاہئے کہ ایسے شخص سے دور رہیں۔ ایسے لوگ دین میں جو فساد پھیلاتے ہیں ایسا فساد شیطان بھی نہیں پھیلا سکتا۔ جس شخص میں طاقت ہو کہ ایسے واعظ کو منبر سے اتار سکے، اس پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کو منبر سے کھینچ کر نیچے اتارے وعظ کرنے سے روک دے تاکہ وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بابت غلط بیانی سے کام نہ لے سکیں۔

۳۔ امراء اور بادشاہوں سے دور رہنا

تیسرے کسی بادشاہ، کسی امیر اور حاکم کو سلام نہ کر، ان کی مجلس صحبت اور محفل سے دور رہ بلکہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ۔ کیونکہ انھیں دیکھنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بڑی مصیبتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن اگر کبھی ان کی صحبت کا اتفاق ہو ان کی تعریف سے کنارہ کش رہنا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَغْضَبُ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ وَالظَّالِمُ وَاِذَا مَدَحَ وَمَنْ دَعَا لِظَالِمٍ بِطُوْلِ الْبَقَآءِ فَقَدْ اَحَبَّ اَنْ يُّعْصَى اللّٰهُ فِى الْاَرْضِ ط

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جب کسی فاسق اور ظالم کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور جو شخص کسی ظالم کے لئے درازئ عمر کی دعا مانگتا ہے تو گویا اس دعا کرنے والے نے یہ پسند کیا کہ وہ اللہ کی زمین پر گنہگار ہو کر چلے۔

۴۔ حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا

چوتھے یہ کہ حاکموں کے تحائف قبول نہ کر چاہے تجھے معلوم ہو کہ جو دے رہے ہیں وہ حلال مال سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے مال پر نیت رکھنے سے دین میں نقصان وفساد ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے جو مراعات اور انعام ملتا ہے، ان کے ظلم وستم اور فسق وفجور کو جنم دیتا ہے جو دین کے لئے نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ اس سے کم از کم جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ تو ان ظالموں سے محبت کرے گا اور جو بھی کسی شخص سے محبت کرتا ہے وہ اس کے لئے درازیٔ عمر کی دعا کرتا ہے۔ اگر ظالم کی عمر بڑی ہو گی تو ظلم بھی زیادہ جاری رہے گا اور دنیا میں فساد اور خرابی پیدا ہو گی جس سے زیادہ بُری اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ خبردار، خبردار! شیطان تجھے گمراہ کرے گا اور تیرے دل میں یہ خیال پیدا کرے گا "پہلے تو یہ کر ان حاکموں سے روپے لے کر غریبوں میں تقسیم کر کے ان کو آرام پہنچا اور ان کی ضرورت پوری کر۔" خبردار کسی بھی جن یا انسانی شیطان سے اس قسم کا مشورہ قبول نہ کرنا اور اُن کے فریب میں آکر دھوکہ مت کھانا کیونکہ شیطان نے اس طریقے سے کئی لوگوں کا خون بہایا ہے اور ابھی تک خون بہاتا چلا آرہا ہے۔ اس حقیقت میں کتنی ہی آفتیں پوشیدہ ہیں جو کہ ہم نے اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں بیان کی ہیں۔ تو انہیں وہاں تلاش کر سکتا ہے۔

عمل کے قابل چار باتیں

اے بیٹے! (اوپر بیان شدہ) چار باتوں سے پرہیز کرنا لیکن جو کام کرنے ہیں وہ بھی چار ہیں اور مناسب ہو گا کہ ان کی پوری حفاظت کرے۔ (وہ یہ ہیں)۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ

پہلی بات یہ کہ ہر وہ معاملہ جو تیرے اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اس طرح نبھا کہ اگر تیرا خریدا ہوا غلام تیرے لئے وہی کرے تو تُو غم کرنے کے بجائے اسے پسند کرے اور داد دے اور اس پر کسی طرح غصہ نہ کرے گا۔ اسی طرح تو اپنے غلام یا نوکر کی جو بات اپنے لئے نہ پسند کرے تو تُو بھی اپنے پروردگار کی بندگی میں کوئی کوتاہی کرے گا تو تیرا خالق اسے پسند نہ کرے گا۔ یہاں جو حقیقت بیان کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تیرا غلام تیرا بندہ نہیں ہے بلکہ خریدا ہوا ہے۔ لیکن تو اپنے اس حقیقی خالق اور مالک کا بندہ ہے جسنے تجھے پیدا کیا ہے۔

۲۔ اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ

دوسری بات یہ کہ جو معاملہ تیرے اور اللہ کے بندوں کے درمیان ہو اسے اس طرح نبھا کہ اگر وہ تجھ سے ویسا ہی کریں تو تُو اُسے پسند کرے اور اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے۔

فَلَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ عَبْدِيْ حَتّٰى يُحِبَّ لِسَائِرِ النَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ۔

ترجمہ: میرے بندے کا ایمان ہرگز مکمل نہیں جب تک (وہ) تمام انسانوں کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو خود اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

۳۔ مطالعہ کی تلقین

تیسرے یہ اگر تو اپنے علم کو بڑھانا چاہتا ہے اور کوئی علمی کتاب پڑھنا چاہتا ہے تو یہ سمجھ کہ اب تیری عمر ایک ہفتے سے زیادہ نہیں۔ اس حالت میں تجھے کس قسم کا علم فائدہ بخشے گا، بس تو اسی علم میں مشغول ہو۔ اگر تجھے خبر ہو کہ

تیری زندگی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ہے تو تو اُس ہفتے میں ایسی علمی کتابیں ہرگز نہ پڑھے گا جن میں تجھے مناظرے، اصول و کلام، مذہب و لغت، صرف و نحو، شعر و عروض، طب و نجوم، غزلوں کے دیوان اور مضمون نویسی یا اسی قسم کی دوسری علمی معلومات حاصل ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ علوم اب کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے پورے ہفتے تو دل کے مراقبے اور اپنے نفس کی صفات پہچاننے میں مشغول ہوگا۔ دنیا سے منہ موڑ کر اپنے دل کو بُری عادتوں سے پاک کر کے اللہ کی محبت اور اخلاقِ حمیدہ سے سنوار کر اس کی عبادت اور بندگی میں مشغول ہوگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس ہفتے دن یا رات کو کسی کے پاس نہ جائے حالانکہ یہ امکان بھی نہیں ہے کہ گویا تو اسی دن یا رات میں انتقال کرے گا۔

اے بیٹے! ایک بات سُن اور یاد رکھ اور اسے حقیقت سمجھ، اس پر غور کر اور اس پر عمل کر تو یقیناً تیری نجات ہوگی۔ اگر تجھے یہ خبر دی جائے اور کہا جائے کہ اگلے ہفتے بادشاہ تیرے گھر آئے گا تو پھر یقیناً تو یہ پورا ہفتہ سوائے اس کے اور کوئی کام کاج نہیں کرے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کی نگاہ فلاں جگہ یا چیز پر جائے تو کیوں نہ میں اسے پاک و صاف کر لوں۔ اس طرح تو اپنے گھر کی ہر چیز کو صاف کرے گا، سجائے گا، اس میں تیرا جسم تیرا لباس، تیرے گھر کی در و دیوار اور فرش وغیرہ آجاتے ہیں، یہ سب پاک کرے گا۔ اب تو خود سوچ اور سمجھ، میں بھلا اشارے سے آخر کیا سمجھاؤں؟ تو خود عقلمند ہے اس لئے اشارہ کافی۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔

جب احکم الحاکمین کی نگاہ تیرے دل پر ہے تو پھر تو اپنے دل کو کیوں صاف نہیں کرتا۔ اگر تیری تمنا ہے کہ قلب کے احوال کا علم حاصل کرے تو پھر کتاب "احیاء علوم الدین" اور ہماری دوسری کتابوں کو دیکھ کیونکہ تمام مسلمانوں پر یہ علم حاصل کرنا "فرض عین" ہے اور دوسرا علم "فرض کفایہ" ہے۔ مگر یہ علم اس قدر ہونا چاہیئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور تعمیل کر سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے توفیق عطا فرمائے تو تُو یہ علم ضرور حاصل کرنا۔

۴۔ خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا

چوتھی بات یہ ہے کہ تو اپنے اہل وعیال کے لئے دنیا کے مال سے ایک سال سے زیادہ کی خوراک جمع کر کے نہ رکھ۔ کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کی خوراک جمع کی اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا۔

ترجمہ: اے میرے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہل وعیال کی خوراک میں کفایت فرما۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کے لئے خوراک جمع کر کے نہ رکھی تھی بلکہ ایک سال کے لئے صرف خوراک اُن ازواج مطہرات کے لئے جمع فرمائی تھی جن کا توکل ضعیف تھا، اور جن امہات المؤمنین کا یقین پختہ تھا اور توکل مضبوط تھا ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن کے لئے بھی خوراک جمع نہیں فرمائی۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان جیسی دوسری امہات المؤمنین۔

اے بیٹے! اس رسالے میں میں نے تیرے تمام سوالوں کے جواب دیئے ہیں۔ اب تجھے چاہیئے کہ ہمت کر کے سب پر عمل کر اور مجھے دعا میں نہ بھلا۔ تو نے یہ بھی چاہا کہ تجھے کوئی دعا لکھ بھیجوں، تُو دعائیں تو حدیثوں کی کتب "صحاح ستہ"

میں تلاش کر اور یاد کرلے۔ اسی طرح اہل بیت علیہ السلام کے طریقوں میں بھی بہت سی دعائیں آئی ہیں، وہاں تلاش کر، درج ذیل نماز کے بعد خاص طور پر پڑھ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ النِّعْمَةِ تَمَامَهَا وَمِنَ الْعِصْمَةِ دَوَامَهَا وَمِنَ الرَّحْمَةِ شُمُوْلَهَا وَمِنَ الْعَافِيَةِ حُصُوْلَهَا وَمِنَ الْعَيْشِ اَرْغَدَهٗ وَمِنَ الْعُمُرِ اَسْعَدَهٗ وَمِنَ الْاِحْسَانِ اَتَمَّهٗ وَمِنَ الْاِنْعَامِ اَعَمَّهٗ وَمِنَ الْفَضْلِ اَعْذَبَهٗ وَمِنَ اللُّطْفِ اَقْرَبَهٗ وَمِنَ الْعَمَلِ اَصْلَحَهٗ وَمِنَ الْعِلْمِ اَنْفَعَهٗ وَ مِنَ الرِّزْقِ اَوْسَعَهٗ اَللّٰهُمَّ كُنْ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ اخْتِمْ لَنَا بِالسَّعَادَةِ اٰجَالَنَا وَحَقِّقْ بِالزِّيَادَةِ اٰمَالَنَا وَاقْرُنْ بِالْعَافِيَةِ غُدُوَّنَا وَاٰصَالَنَا وَاجْعَلْ اِلٰی رَحْمَتِكَ مَصِيْرَنَا وَمَاٰلَنَا وَاصْبُبْ سِجَالَ عَفْوِكَ عَلٰی ذُنُوْبِنَا وَمُنَّ عَلَيْنَا بِاِصْلَاحِ عُيُوْبِنَا وَاجْعَلِ التَّقْوٰی زَادَنَا وَفِیْ دِيْنِكَ اجْتِهَادَنَا وَعَلَيْكَ تَوَكُّلَنَا وَاعْتِمَادَنَا ثَبِّتْنَا عَلٰی نَهْجِ الْاِسْتِقَامَةِ وَاَعِذْنَا (فِی الدُّنْيَا) مِنْ مُّوْجِبَاتِ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَخَفِّفْ عَنَّا ثِقْلَ الْاَوْزَارِ وَارْزُقْنَا عِيْشَةَ الْاَبْرَارِ وَاكْفِنَا وَاصْرِفْ عَنَّا شَرَّ الْاَشْرَارِ وَاَعْتِقْ رِقَابَنَا وَرِقَابَ اٰبَائِنَا وَ اُمَّهَاتِنَا مِنَ النَّارِ وَالدَّيْنِ وَالْمَظَالِمِ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ يَا كَرِيْمُ يَا سَتَّارُ يَا حَلِيْمُ يَا جَبَّارُ يَا عَظِيْمُ يَا قَهَّارُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَيَا رَحِيْمَ الْاٰخِرَةِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

ترجمہ: یاالٰہی! میں تجھ سے تیری نعمتوں کا اِتمام (کثرت) چاہتا ہوں اور پاکیزگی میں سے اس کی ہمیشگی چاہتا ہوں اور رحمت میں سے اس کا شامل ہونا۔ اور تندرستی میں سے اس کا حاصل ہونا اور رزق میں سے اس کی کشادگی اور زندگی میں سے اُس کی خوشحالی اور عمر میں سے اس کی سعادت اور احسان میں سے اس کی تکمیل اور انعامات میں سے وہ انعام جو سب سے زیادہ عام ہوں اور فضل میں سے وہ فضل جو سب سے زیادہ شیریں ہو اور لطف میں سے وہ لطف جو سب سے زیادہ عنایت والا ہو، اور اعمال میں سے وہ عمل جو سب سے زیادہ اچھا ہو۔ اور علم میں سے سب سے زیادہ فائدے والا علم اور رزق میں سے سب سے زیادہ کشادگی والا رزق چاہتا ہوں۔

یا اللہ! تو ہمارا ہوجا (یعنی ہمیں فائدے عطا فرما) اور ہمارے اوپر بوجھ نہ ڈال (یعنی ہمیں نقصان کا منہ نہ دکھا) یا اللہ ہماری عاقبت سنوار دے، اور ہمارے اعمال درست فرمادے، ہمارے صبح وشام کو خیر وعافیت سے ہمکنار فرما۔ اور ہمارے گھر اور ہمارے مال واسباب کو اپنی رحمت سے ہمکنار فرما، اور ہمارے گناہوں اور عیبوں کو اپنی عفو ودرگزر کی چادر سے ڈھک دے، اور ہمارے عیبوں کی اصلاح فرماکر ہم پر احسان فرما، اے اللہ! تیری ہستیٔ پاک پر ہمارا اعتماد اور توکل قائم رکھ۔

اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں دین میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرما۔ تو ہمیں دنیا میں ایسے کاموں سے اپنی پناہ میں رکھ جو قیامت میں شرمندگی اور ندامت کا سبب بنیں، اور ہمارے گناہوں کا بوجھ (ہم پر) ہلکا کر، اور ہمیں نیک لوگوں والی زندگی عطا فرما، اور تو ہمارے لئے کافی ہوجا۔ اور ہمیں بدکار وغلط کار لوگوں کے شر سے محفوظ فرما، اور تو ہماری گردنیں اور ہمارے آباء واجداد کی گردنیں دوزخ کی آگ سے، قرض سے اور ظلم وستم سے آزاد فرما، اے بڑی عزت والے! اے بخشنے والے! اے کرم

والے! اے عیبوں کو ڈھکنے والے، اے بردبار، اے زور والے! اے عظمت و بزرگی والے! اے قہار! اے اللہ اے اللہ اے اللہ! اے دنیا میں مہربانی کرنے والے! اے آخرت میں رحم کرنے والے! اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! تو اپنی رحمت کے طفیل زیادہ رحم کرنے والا ہے، اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کہ تمام مخلوق میں برگزیدہ ترین ہستی ہیں اور ان کی آل پر اور ان کے تمام صحابہ کرامؓ پر ہمیشہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

تمام تعریف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

تمت الکتاب بعون الملک الوھّاب

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (القرآن)

"اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو (آتشِ دوزخ سے) بچاؤ"

تربیت اولاد

کے

زرّیں اصول

از

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

(مولوی) صدرالدین حسن صاحب امرتسری

فہرست مضامین

فہرست مضامین حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

تربیتِ اولاد

سخنہائے گفتنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً مِنْھُمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہِ الْبَرَرَۃِ التُّقٰی وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ نُجُوْمُ الْاِھْتِدَاءِ ط

برادرانِ اسلام:۔ اسلامی احکام و ہدایات کی رو سے بچوں کی صحیح دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن افسوس ہے کہ مذہبی لاعلمی و ناواقفیت اور دو سو سال فرنگی حکومت کے تسلط اور اس کے قائم کردہ طاغوتی نظامِ تمدن کی وجہ سے پیدا شدہ سیاسی، معاشی و اقتصادی مشکلات کی بدولت مسلمان جس طرح تمام دوسرے شعبہائے زندگی میں اسلامی تخیل اور طرزِ عمل سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعلیم و تربیت کے معاملہ میں اسلام کے بنیادی اصول اور طریقۂ کار کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ ان سے ناآشنا ہوتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ نصابِ تعلیم، طرزِ تعلیم و تربیت، تعلیمی ماحول، مقاصدِ تعلیم، انتخابِ معلمین، غرضیکہ اس سلسلہ کی کوئی کڑی بھی اس وقت پوری طرح اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق نہیں ہے۔

خط غلط، انشا غلط، املا غلط
ہست ایں مضموں ز سر تا پا غلط

اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمّہ داری

معصوم امنگیں جھول رہی ہیں دلداری کے جھولوں میں
یہ کچی کلیاں کیا جانیں کب کھلنا کب مرجھانا ہے،

آپ نے بہت سے والدین کو اپنے بچوں کی بداخلاقیوں، بدکرداریوں اور ناروا شوخیوں اور گستاخیوں کی شکائتیں کرتے ہوئے سنا ہوگا، لیکن کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ان کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا کیا ہیں؟ اور انہیں کس طرح ان کی ادائیگی اور انجام دہی سے عہدہ برآ ہونا چاہیئے!۔

مگر افسوس ہے کہ عام طور پر والدین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے بچہ کو مدرسہ میں داخل کرکے اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئے، اور وہ قدم جو انہوں نے بچہ کو معلمین کے سپرد کرنے کے لئے اٹھایا اس سلسلہ میں ان کا آخری قدم تھا، اب یہ صرف معلمین کا فرض ہے کہ وہ اسے انسانیت کے کسی سانچہ میں ڈھال کر انسان کامل کی حیثیت سے انہیں واپس کر دیں، حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے، بچہ کو معلمین کے سپرد کر کے صرف یہ نہیں کہ ان کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اور زیادہ ہو جاتی ہیں۔

معلمین بچہ کو اس کے فرائض کی زبانی اور کتابی تعلیم دیتے ہیں۔ والدین پر فرض ہے کہ وہ اسی تعلیم کو عملی طور پر دہرائیں، معلمین کا کام ہے کہ وہ بچوں کو تہذیب اخلاق کی شاہراہ بتائیں اور انہیں پوری پوری تاکید کر دیں کہ وہ اس راستہ سے منحرف نہ ہوں، لیکن چونکہ زندگی کے سفر میں بچوں کے ہر وقت کے رفیق والدین ہی ہیں، اس لئے یہ فرض ان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو عملاً اس شاہراہ سے گزار بھی دیں، مثلاً معلم بچوں کو تلقین کرتا ہے کہ بڑوں کا ادب کرنا چاہیئے، چھوٹوں سے محبت کرنی چاہیئے ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے، ہر کام وقت پر کرنا چاہیئے، وہ اپنی امکانی کوشش صرف کر دیتا ہے کہ بچوں کو ان امور کی خوبیاں ذہن نشین کرادے۔

اب والدین کا فرض ہے کہ وہ معلم کی ہدایتوں پر بچوں سے عمل کرائیں، اور ان کی کڑی نگرانی اور پوری پوری دیکھ بھال رکھیں کہ وہ گھر کے ماحول میں ماں باپ بڑے بھائی بہنوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کریں، کسی وقت کوئی کلمہ جھوٹ اپنی زبان سے نہ نکالیں۔ اس کے سوا ان کے سونے، جاگنے، لکھنے، پڑھنے، کھانے پینے کے اوقات بالکل مقرر اور منضبط ہوں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان چونکہ فطرۃً نمونہ پسند واقع ہوا ہے اور بچوں کی طبیعت خاص طور پر اپنی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے ہر بات اور ہر حرکت سے فوری طور پر اثر قبول کرتی ہے۔

اس لیے والدین کو چاہئے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو صحیح معنوں میں باایمان، خوش اخلاق اور نیک کردار انسان کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو خود ان کے سامنے تمام دینی و دنیاوی کاموں میں صحیح عملی نمونہ بن کر رہیں، بچہ کو نیکیوں کی خوبیاں اور گناہوں کی برائیاں بتاکر زبانی تعلیم دینے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف ایسا پاکیزہ ماحول پیدا کر دیا جائے جس میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں، اور وہاں برائیاں کا گزر بھی نہ ہوتا ہو، تاکہ وہ نیکیاں اس لئے اختیار نہ کرے کہ انہیں اختیار کرنے میں اس کا یا اس کے ابنائے جنس کا فائدہ ہے، بلکہ اس لئے کہ انہیں اختیار کرنا اس کی فطرت کا تقاضا اور عین ایمانی فرض ہے۔

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عام طور پر ہمارے گھروں میں ماحول ان خوبیوں سے بالکل خالی ہے اور ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے مکدر ہے جن سے بچوں کو محفوظ رکھنا ان کی صحیح تربیت کی جان ہے۔

موجودہ اسکولوں کی حالت

باقی رہی مروجہ اسکولوں کی حالت، سو آپ جانتے ہیں کہ ان میں کہاں تک ایمان و اسلام کی حقیقت اور ان کے لوازم و فرائض کی تعلیم دی جاتی ہے؛ اور وہ کون سے اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ ہیں جو بچوں کو ان اسکولوں کے نصابِ تعلیم اور معلمین

کی عملی زندگی سے حاصل ہوتے ہیں؛ اگر ایک طرف کتابیں سراسر اسلام کے حقیقی نظریات کے خلاف ہیں تو دوسری جانب معلمین کا طریق عمل طرزِ زندگی بھی کوئی اسلامی نمونہ پیش نہیں کرتا، اور اگر رفقاءِ تعلیم یعنی ہم سبق ساتھیوں کو دیکھو تو وہ بھی ذہنی و عملی طور پر اسلامی اعتقادات و صالحات سے قطعاً عاری اور نابلد محض ہوتے ہیں،

الغرض یہ ماحول بھی مجبوری کے طور پر دینِ فطرت کے خلاف اور مغربی جاہلیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، آپ خود غور کریں اور سوچیں کہ ایسے ماحول سے بچے بے دین، بداخلاق، بدکردار، تصنّع باز بے ادب و گستاخ، صاف رو سیاہ دل، تن آساں اور بے عمل بن کر نہ نکلیں تو کیا بن کر نکلیں؛ یہ دنیا تو عالمِ اسباب ہے، جیسا بیج بویا جائے گا ویسا ہی پھل آئے گا۔

جَزَآؤُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا (الآیۃ)　　"اور بُرائی کا نتیجہ بھی ویسا ہی بُرا ظاہر ہوکر رہتا ہے"

اس تعلیم کا سب سے پہلا کرشمہ جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بچہ اپنی عقلمندی اور ہوشیاری کے غرور اور گھمنڈ میں آکر اپنے باپ دادا کو بیوقوف اور غیر مہذب تصور کرنے لگ جاتا ہے، اسی تلخ نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اکبر مرحوم نے کہا تھا ؎

ہم ایسی سب کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اسی غلط تعلیمی نظام کی مغربی پالیسی اور اس سے پیدا ہونے والے افسوسناک نتائج پر نظر کرتے ہوئے اقبال مرحوم نے حکومت کے نظریہ و مقصد کی کیا ہی اچھی وضاحت کی تھی ؎

سینہ میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اِک ڈھیر

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتلِ عام کی فرعونی پالیسی بے شک ظلم کا ایک بدترین نمونہ تھی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس قدر کامیاب کیسے ہو سکتی تھی، دشمن کا مر جانا بھی ایک گونہ اطمینان کا ذریعہ سہی، لیکن اس کا زندہ رہنا ہاں دشمن کی بجائے دوست بن کر زندہ رہنا اور زندگی کی مشکلات میں دست و بازو کی طرح مدد کرنا اس سے ہزار گنا مفید اور منفعت بخش ہے اور اس پر مزید طرفہ تر یہ کہ بدنامی سے بالکل بچاؤ بلکہ نیک نامی کی شہرت کا فائدہ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

میرے بزرگو اور عزیزو! یہ اسی گہری تعلیمی پالیسی کا نتیجہ ہے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان اس تیزابی تعلیم میں منہمک ہو کر رفتہ رفتہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے عیارانِ مغرب کے ذہنی توہمات و اختراعات اور علمی تلبیسات و تسویلات کو اپنی تحقیق کا معیار اور زندگی کا شعار ٹھہرا کر اسلامی اخلاق و اعمال، اسلامی معاشرت، اسلامی تہذیب و تمدن اسلامی سیاسیات، اسلامی شعائر غرضیکہ پورے قانونِ الٰہی سے اس قدر بیگانہ ہو گئے ہیں کہ خدا کو بھلانے کے ساتھ ساتھ اپنی صحیح حیثیت، اپنی زندگی کی اصل حقیقت اور اس کی غرض و غایت کو بھی فراموش کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الآیۃ)	"وہ خدا فراموشی کے مرتکب ہوئے تو خدا نے انہیں خود فراموشی (کے عذاب) میں مبتلا کر دیا یہی لوگ فاسق ہیں۔

ایسے ہی مغربیت زدہ خود فراموشوں کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال مرحوم کہتے ہیں ؎

تو ہم مثل من از خود در حجابی
خنک روزے کہ خود را باز یابی
مرا کافر کند اندیشۂ رزق
ترا کافر کند علم کتابی

پس چہ باید کرد اے اخوان دین؟

ایسی نازک حالت میں نہایت ضروری ہے کہ مسلمان خدا کا نام لے کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، اور اپنی اولاد کی صحیح دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے اسلامی مدارس قائم کریں جو تمام غیر اسلامی اثرات سے کلیتہً پاک ہوں جہاں دل و دماغ پر پوری طرح صرف دینِ اسلام کا تسلط اور غلبہ ہو، اسی طرح اپنی ذہنی و عملی اصلاح و درستی سے اپنے گھروں کے ماحول کو بھی پورے طور پر اسلامی رنگ میں رنگین اور مدارس کی فضا کو بھی ایسی خالص اسلامی فضاء بنائیں کہ بچے جدھر بھی جائیں اور جو بھی پڑھیں اس سے انہیں خدا شناسی کا شعور، خود شناسی کا شعور، حقائق بینی کی فراست اور عملی قوت حاصل ہو تاکہ بڑے ہو کر ان کا کوئی کام اور کوئی نقل و حرکت چاہے وہ کوئی شخصی ہو یا قومی، انفرادی ہو یا اجتماعی، اور کوئی معاملہ چاہے معاش و تجارت کا ہو یا سیاست و ریاست کا اسلام کے حدود و قوانین سے باہر نہ ہو۔

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ "یہاں تک کہ قانونِ الٰہی بکمال و تمام نافذ ہو جائے"

اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے، صرف اجتماعی طور پر اپنے دل و دماغ کو ایمان سے روشن کر کے اعضاء و جوارح کو حتی المقدور اسلامی اعمالِ صالحہ سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے، پھر منزلِ مقصود پر پہنچنا بالکل یقینی امر ہے، رب العزت جل مجدہٗ فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (الآیۃ)

اور وہ لوگ جنہوں نے پوری کوشش کی ہمارے (دینِ اسلام) کے راستہ میں ہم ضرور بضرور (انکی دستگیری کر کے)

انہیں اپنی راستہ کی منزلِ مقصود پر پہنچادیں گے اور اللہ تعالیٰ تو مخلص نیکو کاروں کے ساتھ ہی ہیں؛

آخری گذارش

معزز ناظرین! اسی احساسِ ضرورت کے ماتحت ایک عرصہ سے میرا خیال تھا کہ اسلامی طریقِ تعلیم و تربیت کے متعلق کتاب و سنت سے چند مختصر اصول و کلیات اور زمانۂ حال کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے سلف صالحین بزرگانِ دین رحمہم اللہ اجمعین کی کتابوں سے ان کے مفید علمی ہدایات اور عملی تجربات ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کروں، جو ان کے لئے تربیتِ اولاد کے سلسلہ میں بصیرت و منفعت کا ذریعہ ہو،

لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے ابھی تک مجھے اس اہم خدمت کا موقع نہیں مل سکا، اس لئے اب اپنے اس ارادہ کو آئندہ کے لئے ملتوی کرتے ہوئے فی الحال حضرت امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مختصر مگر نہایت ہی مفید اور کار آمد مضمون کا سلیس اردو ترجمہ کر کے اس تمہید کے ساتھ "تربیتِ اولاد" کے نام سے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں؛

تفہیم و وضاحت کی خاطر جا بجا مضامین کے عنوانات قائم کر دیئے ہیں نیز موقع بموقع مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے بعض نئی رواج یافتہ غلطیوں کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اور اصل مضمون کی تائید و تشریح کے لئے صفحات کے ذیل میں مختلف کتابوں سے اخذ کر کے کچھ احادیث بھی مع ترجمہ درج کر دی ہیں جس سے اس مضمون کی افادیت میں ایک معتدبہ اضافہ ہو گیا ہے۔

ضروری عرضداشت

خواہ مخواہ نکتہ چینی کو عقلمندی تصور کرتے ہوئے کسی مسئلہ پر اعتراض کرنا یا کسی نصیحت کو محض اس وجہ سے قبول نہ کرنا کہ اس کی وجہ سے نفس سرکش کو رنج ہوتا ہو یا اپنے موجودہ رواجی طرزِ عمل میں کچھ اصلاح و ترمیم یا تبدیلی کرنی پڑتی ہو عقلمندی اور حق طلبی کے خلاف ہے، حقیقت ہمیشہ حقیقت ہی رہتی ہے، چاہے زمان مکان میں کتنی ہی تبدیلیاں آجائیں، اور نصیحت بہرحال نصیحت ہی ہے چاہے نفس اُسے خوشی سے قبول کرے یا نہ کرے، اور وہ اپنے سابقہ تخیل اور طرزِ عمل کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

امید ہے کہ ناظرین کرام سرسری نظر کی بجائے غور و فکر سے ان اصول و قواعد کا مطالعہ فرما کر اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بہترین نتائج حاصل کر کے مستفید ہوں گے اور میرے لئے بھی دعائے خیر کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو لفظی ہیر پھیر کی آفات سے بچا کر فہم سلیم اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، فقط

عبدك وابن عبدك اللهم
صدر الدین حسن غفرلہٗ

ترجمہ مضمون

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور تحسین اخلاق کا بیان

تمہید

بچوں کی تربیت کے لئے مؤثر طریقہ اختیار کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے، کیونکہ بچہ والدین کے پاس خدا کی امانت ہے، اور اس کا دل ایک عمدہ، صاف اور سادہ آئینہ کی مانند ہے جو بالفعل اگرچہ ہر قسم کے نقش و صورت سے خالی ہے، لیکن ہر طرح کے نقش و اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور جس چیز کی طرف چاہو مائل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں اور اسے علم پڑھایا جائے تو وہ ایسی ہی عمدہ نشو و نما پاکر دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرلیتا ہے۔ اور اس کے ثواب میں اس کے والدین اور استاد وغیرہ بھی حصہ دار ہوجاتے ہیں، اور اگر اس میں بری عادتیں پیدا کی جائیں اور جانوروں کی طرح بے قید چھوڑا جائے تو وہ بداخلاق ہوکر تباہ ہوجاتا ہے۔ جس کا وبال گناہ اس کے والی اور سرپرست کی گردن پر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (الآیۃ)

اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ"

اور جب کہ باپ اپنے بچہ کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو بطریق اولیٰ اس پر لازم ہے کہ اُسے آخرت (جہنم) کی آگ سے بچائے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اسے آداب اور تہذیب سکھائے اور محاسن اخلاق کی تعلیم دے اور

بُرے ساتھیوں اور ہمنشینوں سے اس کی حفاظت[1] کرے، اور اس کے دل میں بناؤ

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ الصَّیَّاحَ فِی الْاَسْوَاقِ۔ الحدیث۔ "اللہ تعالیٰ بے حیا بیہودہ گو اور بازاروں میں چیخنے چلانے اور شور مچانے والے آدمی کو پسند نہیں کرتے" (ابن ابی الدنیا و طبرانی، احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۰۵)

تنبیہ:۔ جن حضرات کے نونہال بچے رات کے دو دو بجے تک سینماؤں، بیہودہ تماشہ گاہوں اور نہ معلوم کیسے کیسے شریر اور بد اخلاق خود ساختہ دوستوں کے ساتھ کن کن مقاموں میں طرح طرح کی بیہودگیوں میں مشغول رہتے ہیں، یا بازاروں میں جو اس بکنے اور شور و شغب برپا کئے رہتے ہیں اور وہ ان کی خبر تک بھی نہیں لیتے وہ اس حدیث شریف پر غور کر کے اپنے فرائض و نگہداشت کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں، اسی طرح بچے کے صندوق اور جیب وغیرہ کو وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس میں کبھی کچھ پیسے ملیں تو تحقیق کرنا چاہئے کہ کہاں سے آئے؟ نیز یہ بھی معلوم کرتے رہنا چاہے کہ اس کا میل جول اور نشست و برخاست وغیرہ کیسے لڑکوں کے ساتھ ہے؟ اسی طرح کبھی کبھی اس کے جزدان اور الماری وغیرہ کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہئے کہ کہیں فحش افسانے اور عشقیہ غزلیں تو اس کے پاس موجود نہیں؟ لیکن یہ سارا کام نہایت احتیاط کے ساتھ ایسے غیر محسوس طریقہ سے کرنا چاہئے کہ وہ بدگمان نہ ہو بیٹھے، آج کل جہاں تک ہمارا شہری ماحول انگریزی تہذیب سے متاثر ہو رہا ہے اتنا ہی اس میں فواحش اور بے حیائی کے محرکات عام ہوتے چلے جا رہے ہیں، عام طور پر عورتوں کا بے پردہ پھرنا، عام دوکانوں خصوصاً پنواڑیوں کی دکانوں ہوٹلوں وغیرہ پر قدِ آدم آئینوں کے ساتھ عریاں یا نیم عریاں حسین زنانہ تصویروں کا آویزاں ہونا گانے بجانے کی کثرت یہ چیزیں بلوغِ طبعی سے پہلے ہی بچوں کی شہوانی حس کو بیدار کر کے ان کے اخلاق کی تخریب اور جسم و جان کی صحت و صلاحیت کو نقصان پہنچانے کا باعث ہوتی ہیں، اس لئے بچہ کو ایسے مقامات کی آمد و رفت اور نشست و برخاست سے محفوظ رکھنا چاہئے، فقط حسن عفی عنہ

سنگار، زیب و زینت، تن آسانی اور آرام طلبی کی رغبت نہ بیٹھنے دے، ورنہ وہ بڑا ہو کر انہی حقیر چیزوں کی طلب اور جستجو میں اپنی عمر عزیز کو ضائع کر کے ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گا، بلکہ لازم ہے کہ باپ ابتداء سے اس کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے۔

حلال غذا کی ضرورت و اہمیت

اور اس کی پرورش کرنے اور اسے دودھ پلانے کیلئے بھی کوئی نیک خو اور دیندار عورت مقرر کرے جو رزقِ حلال کھاتی ہو کیونکہ جو دودھ رزقِ حرام سے پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی بلکہ جب حرام کے دودھ سے بچہ کی پرورش ہوتی ہے تو اس کے مایۂ خمیر میں خباثت رچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شیطانی کاموں کی طرف مائل ہو جاتی ہے[1] اور جب بچہ میں نیکی و بدی کی تمیز کا شعور محسوس ہو تو اس کی نہایت ہی کامل نگہداشت شروع کر دیں اور اس کا اندازہ حیاء کی ابتدائی علامات کے ظہور سے ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ اپنی عزت و شرف کو محسوس کر کے شرمانے لگتا ہے اور حیاء کی وجہ سے بعض کاموں کو وہ چھوڑنے لگتا ہے تو یہ صرف اس کی عقل ہی کی ضیاء اور روشنی کا نتیجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بعض کاموں کو برا اور دوسرے کاموں کے خلاف سمجھ کر ایسے بعض کاموں سے شرماتا ہے اور دوسرے بعض کاموں سے شرم محسوس کرتا ہے اور یہی حیا[2] کا احساس

---

[1] جن لوگوں کی کمائی میں سود، رشوت، جھوٹے مقدمات کی وکالت، جوا وغیرہ کی آمدنی بھی شامل ہو ان کا اور ان کے بچوں کے اخلاق و اعمال کا کیا حال ہوگا؟ فقط حسن غفرلہٗ

[2] حدیث شریف میں حیاء کو ایمان کی شاخ اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، ارشاد ہے اَلْحَیَآءُ مِنَ الْاِیْمَان، کنز العمال عن ابن عمرؓ، نیز ارشاد ہے۔ اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ "جب تجھ کو شرم نہ رہے تو جو چاہے کر" بخاری عن ابن مسعود،

سے ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اور ایک بیّن علامت ہے جو اس کے اعتدالِ اخلاق اور دل کی صفائی پر دلالت کرتی ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ بھلائی برائی کا احساس پیدا کرنے والا شعور قدرت کی طرف سے اس امر کی بشارت ہے کہ وہ بچہ بالغ ہوکر کامل عقل والا ہو گا۔ اس لئے حیادار بچہ کو ہرگز آزاد نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ اس کی حیا و تمیز سے مدد لیتے ہوئے اس کی خوب تربیت کرنی چاہیئے۔

آداب طعام کا بیان

سب سے پہلے جو بری خواہش بچہ پر غلبہ کرتی ہے وہ زیادہ کھانے کی حرص ہے، اس لئے اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھانا نہایت ضروری[1] ہے۔
مثلاً یہ کہ وہ کھانا صرف داہنے ہاتھ سے کھائے، شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھے، اپنے سامنے سے ہی کھائے، دوسروں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے، کھانے کی طرف دیکھنے ہی نہ لگ جائے، اور نہ ہی کسی کھانے والے پر نظر جمائے، کھانے میں حد سے زیادہ جلدی بھی نہ کرے۔ اچھی طرح چبا

---

[1] کھانے کے متعلق یہ بنیادی اصول ہمیشہ یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

نَحْنُ اَقْوَامٌ لَا نَاْكُلُ حَتّٰى نَجُوْعَ وَاِذَا اَكَلْنَا فَلَا نَشْبَعُ (الحدیث)

"ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے"

نیز فرمان نبویؐ ہے: اَلْمِعْدَةُ بَیْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْیَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ وَاَصْلُ كُلِّ دَاءٍ اَلْبَرْدَةُ (الحدیث) "معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز تمام دواؤں کی اصل ہے اور ہر مرض کی جڑ غذا پر غذا استعمال کرنا ہے" ظاہر ہے کہ عادۃً یہ خرابی بچوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے ماں کو چاہیئے کہ بچہ کو ٹھیک طریقہ سے مقررہ اوقات پر ہی کھانا کھلائے، فقط حسن

کر کھائے، لگاتار لقمے منہ میں نہ ڈالے، سالن وغیرہ سے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کرے، بعض اوقات اسے خشک روٹی بھی کھلائی جائے تاکہ وہ سالن کو اس قدر ضروری نہ سمجھے کہ اس کے بغیر گذارہ ہی نہ کرسکے،

اسی طرح اس کے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان کی جائے، مثلاً

لہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سَمِّ اللّٰہَ وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ (بخاری ومسلم) کہ جب کھانا کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ"

لہ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلاً کَانَ یَأْکُلُ اَکْلاً کَثِیْرًا فَاَسْلَمَ وَکَانَ یَأْکُلُ قَلِیْلاً فَذُکِرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَأْکُلُ فِیْ مِعًا وَاحِدٍ وَالْکَافِرُ یَأْکُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ، رواہ البخاری وَرُوِیَ مُسْلِمٍ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضافہ ضَیْفٌ وَهُوَ کَافِرٌ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اُخْرٰی فَشَرِبَہٗ ثُمَّ اُخْرٰی فَشَرِبَہٗ ثُمَّ اُخْرٰی فَشَرِبَہٗ حَتّٰی شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِیَاةٍ ثُمَّ اِنَّہٗ اَصْبَحَ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ

"ایک شخص بہت زیادہ کھانا کھایا کرتا تھا پھر اسلام لایا تو بہت کم کھایا کرتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات عرض کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں (بخاری) اور مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص بحالتِ کفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے بکری کا دودھ پلاؤ، چنانچہ اسے ایک بکری کا دودھ پلایا گیا، پھر دوسری کا پھر تیسری کا یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا پھر جب صبح ہوئی تو مسلمان ہوگیا، آپ نے پھر بکری کا دودھ پلانے کا حکم فرمایا، تو اس نے ایک بکری کا دودھ پی لیا، آپ نے دوسری کا حکم فرمایا لیکن وہ اس کا

باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں

اس طرح کہ زیادہ کھانے والوں کو جانوروں سے تشبیہ دی جائے، اس کے سامنے زیادہ کھانے والے بچوں کی مذمت اور کم کھانے والے تربیت یافتہ بچوں کی تعریف کی جائے، اسے کھانے میں ایثار کرنے یعنی اپنے ساتھیوں کی ضرورت کا خیال رکھنے کی طرف پوری توجہ دلائی جائے، کھانے کی کم پرواہ کرنے اور ہر قسم کے سادہ کھانے پر قناعت کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

آداب لباس کا بیان

اسی طرح رنگین[1] کپڑوں اور ریشمی لباس کی بجائے اس کے دل میں سفید

---

[1] اس زمانے میں بچوں کی جسمانی صحت کو خراب کرنے کے ساتھ ان کے اخلاق کو تباہ کرنے اور بگاڑنے والی ایک غلطی عام ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں بازار سے ناشتہ کرنے یا چاٹ وغیرہ کھانے کے نقد پیسے دیئے جاتے ہیں اور وہ بے وقوف اوروں کی دیکھا دیکھی وقت بے وقت ایسی مضر چیزیں کھاتے ہیں جو انہیں ہر طرح سے نقصان پہنچاتی ہیں، بلکہ انہی پیسوں میں سے بچا کھچا کر نمائش بینی بھی کرتے ہیں، اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ حسب حیثیت و ضرورت جو کچھ بھی بچوں کو کھانا ہو اپنے گھر لا کر کھلا دیا کریں ورنہ جس قدر بچہ

باقی آئندہ صفحہ پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ بِأُخْرَىٰ فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِيْ مِعًى وَّاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ (الحدیث)

تمام دودھ نہ پی سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا مؤمن صرف ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں، مطلب یہ ہے کہ مؤمن کافر سے بہت کم کھاتا پیتا ورنہ آنتیں تو سب کی برابر ہی ہیں۔ فقط حسن غفرلہٗ

سفید کپڑوں کی محبت و رغبت پیدا کی جائے، اور اچھی طرح اس کے ذہن نشین کیا جائے کہ ایسے کپڑے پہننا عورتوں اور ہیجڑوں کا کام ہے اور شریف مردوں کو اس سے نہایت نفرت ہے، اور ایسی باتیں اسے وقتاً فوقتاً عام طور پر کہی جایا کریں اور ماں باپ وغیرہ کا فرض ہے کہ جب کبھی کسی بچہ کو ریشمی یا رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھے تو اس کے سامنے اس کی خوب مذمت کرے اور اس کے دل میں اس کی نفرت بٹھائے، اور اسے ان تمام بچوں کے میل جول سے محفوظ رکھیں جو خوشحالی اور آرام طلبی اور فاخرہ کپڑے پہننے کے عادی ہوں، اور ہر اس شخص کی صحبت سے بھی اُسے محفوظ رکھیں جو اُسے ایسی مرغوب چیزوں کی باتیں سُنائے جو بچہ ابتدائی اٹھان کے وقت (ایسی باتوں میں) آزاد چھوڑا جاتا ہے وہ بڑا ہو کر عام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے

کی دلچسپی بازار سے بڑھتی جائے گی وہ اتنا ہی گھر سے بے نیاز ہوتا جائے گا، اور اسی طرح رفتہ رفتہ اس کے اخلاق و اعمال میں نہایت فتور اور خرابی پیدا ہو جائے گی، اسی طرح چلتے پھرتے مٹھائی یا پھل وغیرہ کھانا یا کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینا خلافِ تہذیب ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ فقط۔

ﷺ خصوصاً سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لئے خاص طور پر منع ہے، اس کے متعلق بخاری، مسلم و ترمذی و ابوداؤد میں بہت سی احادیث موجود ہیں، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام جو سہولت اور آسانی کا دین ہے وجوب کے درجہ میں لباس کا کوئی رنگ اور کوئی وضع مقرر نہیں کی ہے، اور مختلف ملکوں کے تمام رائج الوقت لباسوں کو جائز رکھا ہے، بشرطیکہ غیر مسلموں سے ان کی امتیازی وضع میں مشابہ نہ ہوں، فقط حسن۔

طور پر بداخلاق، جھوٹا، چور[1]، چغلخور[2] ضدی، بیہودہ گو، ہنسی مخول کرنے والا، مکار، فریبی اور بے وقوف ثابت ہوتا ہے اور ان تمام خرابیوں سے محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ صرف عمدہ تعلیم و تربیت ہی ہے، اس کے بعد بچہ کو مکتب میں داخل کرنا چاہیئے تاکہ وہ قرآن و حدیث پڑھے، اللہ کے نیک بندوں کے حالات اور سوانح و حکایات کا علم حاصل کرے تاکہ بچپن ہی سے اس کے دل میں اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی محبت کی جڑ لگ جائے[3]

---

[1] دولتمندوں کی دیکھا دیکھی جب کوئی غریب آدمی ایک دو دفعہ اپنے بچوں کو سینما یا ایسی ہی کسی فحش تماشہ گاہ میں لے جاتا ہے اور آئندہ ہمیشہ ہمیشہ بوجہ غربت ان کی ضد پوری نہیں کر سکتا تو پھر وہ اپنے گھر اور محلہ سے چھوٹی موٹی چوریوں کے ذریعہ سے ہی اپنی خواہشات پوری کیا کرتے ہیں، اور جب یہ خرابی بڑھتی ہے تو اسی باپ کی عزت و آبرو کو لے ڈوبتی ہے۔ مگر جہالت کا برا ہو وہ لوگوں کو اپنا دکھڑا تو سناتا پھرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے ہی اسے یہ عادت بد سکھائی تھی،

[2] جو بچہ ماں باپ کو بھی ایک دوسرے کی چغلیاں کھاتے اور سنتے دیکھتا ہو وہ کیوں چغلخور نہ بنے؟ اس لئے اپنے گھر کو ایسی باتوں سے بالکل پاک رکھنا چاہیئے اور اگر بچہ گھر میں اگر کسی کی چغلی کھائے تو ماں باپ کو بھی چاہیئے کہ اسے عمدہ طریقے سے منع کر دے ورنہ رفتہ رفتہ اسے چغلخوری کا چسکا پڑ جائے گا، فقط حسن غفرلہ،

[3] کیا آج کل کے عام نصاب تعلیم میں اولیائے کرام رحمہم اللہ کے سوانح حیات اور سیرت کا کوئی حصہ رکھا گیا ہے؟ موجودہ کتابوں کا تو منتہائے نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح اپنے اسلاف کرام اور بزرگان دین سے غیر مانوس رکھو اور ان کے سامنے ان کی سیرت اس طرح بگاڑ کر پیش کریں کہ یہ ان سے متنفر ہو جائیں، چنانچہ اودھم پور ریاست جموں کا واقعہ ہے کہ جب ممتحن نے ایک مسلمان لڑکے سے دریافت کیا کہ مغل بادشاہوں میں سب سے اچھا اور سب سے برا کون کون بادشاہ ہوا ہے؟ تو اس نے بیساختہ کہہ دیا کہ سب سے اچھا اکبر اور سب سے برا اورنگ زیب عالمگیر رح نعوذ باللہ جن بچوں کا ذہن اس قدر خراب کر دیا گیا ہو وہ اسلام کو کیا فائدہ پہنچائیں گے؟ افسوس سے

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا۔

شعر و شاعری کی وباء

نیز اس کو عشقیہ[1] اشعار اور عاشق مزاج شاعروں سے بھی محفوظ رکھئے اور ایسے ادیبوں سے بھی الگ تھلگ رہے جو یہ سمجھتے ہوں کہ ایسی شعر گوئی زندہ دلی اور لطافتِ طبعی کی علامت ہے، کیونکہ یہ بچوں کے دلوں میں فساد اور خرابی کا بیج بونے والی چیزیں ہیں۔

نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ

پھر جب کبھی بچہ سے کوئی عمدہ خصلت یا قابلِ تعریف فعل ظاہر ہو تو باپ کو چاہئے اسے شاباش کہے اور ایسا انعام دے جس سے وہ خوش ہو جائے اور لوگوں میں اس کی تعریف کرے، پھر اگر کبھی وہ اس کے خلاف کر بیٹھے تو مناسب ہے کہ

---

[1] شعر کی اچھائی برائی اس کے مضمون کی اچھائی برائی پر موقوف ہے۔ جس شعر میں یادِ الٰہی خدا اور رسول کی تعریف اولیائے کرام، بزرگانِ دین کے مناقب، توجہ آخرت بے ثباتی دنیا، علم و عقل اور تجربہ کا مضمون ہو وہ اچھا ہے ورنہ فضول ہے اور اگر مخربِ اخلاق، عشقیہ مضمون ہے جیسا کہ آج کل کے عام زبان زد اشعار کی حالت ہے تو وہ نہایت ہی برا ہے ایسے اشعار کے متعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے، اَلشِّعْرُ مِنْ اِبْلِیْس "کہ شعر ابلیس کا حصہ ہے" نیز ایسے اشعار سے نفرت دلانے کیلئے آپ نے فرمایا ہے: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّمْتَلِیَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا یَرِیْهِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّمْتَلِیَ شِعْرًا (متفق علیہ) "اگر کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جس سے اس کے سینے اور پھیپھڑے کو سخت تکلیف ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی شخص کو فحش اشعار یاد ہوں" اور یہ قباحت تو صرف ایسے اشعار کی ہے باقی رہا گانا اور غناء سرور وغیرہ وہ بالکل حرام ہے، کیونکہ یہ فحش کاری اور بے حیائی کا بڑا محرک ہے اور اس کا زنا و بدکاری سے خاص تعلق ہے، چنانچہ عیاش اور نفس پرست لوگ اس طرف کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو گانا بھی سناتی ہو، حدیث پاک میں ہے اَلْغِنَاءُ رُقْیَةُ الزِّنَا "گانا زنا کا افسون اور منتر ہے"، دیکھو مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم مکتوب ۱۸ صفحہ ۹۰، فقط حسن۔

اس سے بے خبری ظاہر کرے نہ تو اس کی بے عزتی اور تذلیل کرے اور نہ ہی اس کی غلطی کو نمایاں کرے بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہونے دے کہ وہ اپنے سامنے اس کا ایسی جرأت کرنا ممکن بھی سمجھتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ بچہ خود ہی اپنی غلطی کو ڈھانپتا اور چھپانے کی کوشش کرتا ہو، کیونکہ بسا اوقات کسی غلطی کا اظہار کرنا اس کے زیادہ بیباک ہو جانے کا باعث ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ اپنا عیب ظاہر ہونے کی بھی پرواہ نہیں کرتا، اور اگر ایسی عاقلانہ احتیاط کے باوجود دوبارہ ویسی ہی حرکت کرے تو مناسب ہے کہ اسے تنہائی میں جھڑکا جائے اور اس فعل کی برائی اس پر خوب ظاہر کی جائے اور کہا جائے کہ خبردار! اس کے بعد ایسی بری حرکت ہرگز نہ کرنا، خدانخواستہ اگر تیری اس غلطی کا کسی کو پتہ لگ گیا تو تو لوگوں میں رسوا اور بدنام ہو جائے گا (وغیرہ وغیرہ علیٰ ہٰذا القیاس)

زیادہ جھڑکنے کے نقصانات

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسے زیادہ نہ جھڑکا جائے، کیونکہ اس سے بچہ میں طعن و ملامت سننے کی عادت اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی جرأت بڑھتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے دل سے پند و نصیحت کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے۔

اسی طرح باپ پر لازم ہے کہ اس سے بات چیت کرنے میں اپنے رعب اور ہیبت کو قائم رکھے اور صرف کبھی کبھی ہی جھڑکا کرے، اور ماں کو چاہیئے کہ کسی بات پر ضد کرنے) کے موقع پر اسے باپ سے ڈرائے اور بری باتوں سے سختی کے ساتھ روکے۔

لہ اس میں بچے کو برائی اور بے جا ضد سے روکنے کا مقصد حاصل ہونے کے علاوہ یہ خوبی ہے کہ اس طرح اس کے دل میں باپ کا رعب بیٹھ جاتا ہے، جس کی بناء پر اس کی نصیحت اس کے لئے کارگر ثابت ہوتی ہے، نیز فرضی جن بھوت کے ہولناک اور جھوٹے خوف سے بھی اسے ڈرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ فقط حسن عفرلہ

سونے کے آداب و لوازم

اور دن کو سونے سے منع کرے، کیونکہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے لیکن اسے رات کو سونے سے نہ روکا جائے، لیکن نرم بستر سے بہرحال روکا جائے تاکہ اس کے اعضا مضبوط ہوں اور بدن بھدا نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے وہ آرام کے بغیر نہ رہ سکے، بلکہ اسے سخت بستر پر سونے موٹے چھوٹے کپڑے پہننے اور سادہ

لہ خصوصاً صبح صادق کے وقت سے سورج بلند ہونے تک سونا نہایت برا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کی نحوست سے رزق میں تنگی آتی ہے اور خیر و برکت نہیں رہتی اور صبح سویرے اٹھنے والوں کے لئے آپ نے دعائے خیر فرمائی ہے کہ:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا (الحدیث) "یا اللہ تعالیٰ میری امت کو صبح سویرے اٹھنے میں برکت دے"

جو مسلمان حضرت رسولِ اکرمؐ کی اس دعا سے فیضانِ رحمت و برکت حاصل کرنا چاہے وہ صبح سویرے اٹھا کرے۔

اور سونے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ شمال کی جانب سر اور قبلہ کی طرف منہ کرکے داہنی طرف کروٹ پر لیٹے، گو اس کے علاوہ اور طرح لیٹنا بھی مباح ہے لیکن قبلہ کی جانب پاؤں پھیلانا ناجائز ہے اور پیٹ کے بل لیٹنا بھی بالکل منع ہے، حدیث شریف میں ہے:

اِنَّهَا ضِجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى "کہ پیٹ کے بل لیٹنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے۔"

لہ کیونکہ مسلمان کو مجاہد اور سپاہی بن کر رہنا چاہئے، عیاش اور تن آسان بنکر نہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ لَّمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ مَيْتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ۔ "جس شخص نے جہاد نہیں کیا اور دل سے اس کے متعلق صلاح بھی نہیں لی وہ جاہلیت و کفر کی موت مرا۔"

خوراک کھانے کی عادت ڈالی جائے[1] اور جو کام وہ چھپا کر کرتا ہو اس سے روکا جائے، کیونکہ وہ اس کام کو برا سمجھنے کی وجہ سے تو چھپاتا ہے، اس لئے اگر اسے نظر انداز کیا گیا تو وہ اس بُرے کام کا عادی ہو جائے گا،

اسی طرح دن کو چلنے پھرنے اور ورزش کرنے کی عادت بھی ڈالی جائے تاکہ وہ کاہل اور سست نہ ہو جائے، لیکن اس امر کی نہایت احتیاط رکھی جائے کہ وہ اپنا سر پنڈلیاں، گھٹنے، رانیں وغیرہ ہرگز ننگی نہ کرے[2]، نہ بہت جلدی چلے نہ ہی اپنے ہاتھوں کو ڈھیلا ڈھالا رکھے، بلکہ انہیں اپنے سینے سے ملا کر چست رکھے،

تکبّر اور غرور کی ممانعت

اپنے ساتھیوں کے سامنے ماں باپ کی ملکیت میں سے کسی چیز پر فخر کرنے، اپنے کھانے پینے کی چیزوں، کپڑوں، حتیٰ کہ تختی اور دوات تک پر اترانے سے بھی منع کیا جائے[3] بلکہ اپنے ہر ساتھی سے انکساری اور تعظیم و تکریم سے پیش آنے

---

[1] امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی کو کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرماتے تو پانچ شرطوں میں یہ شرطیں بھی ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے کہ وہ کبھی باریک کپڑا نہیں پہنے گا، نرم بستر پر نہیں سوئے گا اور ہمیشہ بے چھنے آٹے کی روٹی کھائے گا ایک دفعہ شام کے عامل (گورنر) کے متعلق معلوم ہوا کہ اس نے باریک کپڑا پہننا شروع کر دیا ہے تو اسے فوراً معزول کر دیا اور فرمایا کہ ایسا آرام طلب شخص کبھی اسلامی ہدایت کے مطابق بنی نوع کی پوری خدمت نہیں کر سکتا، حسن غفرلہ

[2] کیونکہ اسے عموماً بچہ کے ذہن میں بے حیائی اور فواحش کی تحریکات پیدا ہوتی ہیں اور ایسا کرنا شرعاً گناہ ہے اس لئے وہ نیکر اور جانگیہ جس میں گھٹنے ننگے رہیں پہننا منع ہے، فقط حسن غفرلہ

[3] کیونکہ اس سے بچوں میں منافرت پھیلتی ہے اور بعض اوقات لڑائی بھی ہو جاتی ہے جو نقصان دہ ہے اور اس سے بڑھ کر بری بات یہ ہے کہ اس طرح بچے مال و جائیداد کو باعث فضیلت سمجھ کر اخلاقی اور علمی فضیلت کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اور پاکیزہ گفتگو کرنے کا عادی بنایا جائے اور اسے دوسرے بچوں سے کوئی چیز نہ لینے دی جائے، اگر کسی مالدار کا لڑکا ہو تو اسے یوں سمجھایا جائے کہ عزت اور سر بلندی دینے میں ہے لینے میں نہیں بلکہ لینا تو کمینہ پن، ذلت اور فرومائگی ہے، اور اگر غریب کا لڑکا ہو تو اسے سکھایا جائے کہ لالچ کرنا اور کسی سے کچھ لینا اپنی توہین اور رسوائی کا باعث ہے اور کتے کی سی خصلت ہے کہ وہ لقمہ کے انتظار اور لالچ میں دم ہلاتا رہتا ہے[1]

اسی طرح بچہ کو سونے اور چاندی سے نفرت اور سانپوں اور بچھوؤں سے زیادہ ان کی محبت سے خوف دلاتا رہے، کیونکہ سونے چاندی کی محبت اور طمع بچوں بلکہ بڑوں کو بھی زہروں کی آفت سے زیادہ نقصان پہنچانے والی ہے[2]

آدابِ مجلس و آدابِ کلام

نیز اسے سکھایا جائے کہ مجلس میں نہ تھوکے، نہ ناک صاف کرے، نہ کسی کے سامنے جمائی لے، نہ کسی کی طرف پیٹھ کرے[3]، نہ پیر پر پیر رکھے، اسی طرح اپنی

---

[1] جو لوگ سر بازار جلیبیوں کا ٹکڑا یا اسی طرح کوئی اور کھانے کی چیز دکھا کر چیلوں، کوؤں کی طرح بچوں کو جمع کرتے اور انہیں ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لئے للچانے، شور مچانے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگنے کی بری عادت سکھاتے ہیں اور پھر اپنی اس تخریب اخلاق حرکتِ شنیعہ کو سخاوت اور فیاضی تصور کرتے ہیں وہ ذرا اپنی ذہنیت پر غور کریں، فقط احسن غفرلہٗ

[2] زیور کی صورت میں استعمال کرنا چوری کے خطرہ سے خالی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو جان بھی تلف ہو جاتی ہے اور نقد سکوں کی محبت بھی بچوں کو بہت سی خرابیوں اور بیہودگیوں میں مبتلا کر کے رہتی ہے۔

[3] اس کی صورت یہ ہے کہ حلقہ کے درمیان کبھی نہ بیٹھے قطار میں بیٹھے، حضور پر نورؐ فرماتے ہیں

مَلْعُوْنٌ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَۃِ رواہ الترمذی وابو داؤد۔	"جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر پر وہ شخص ملعون ہے جو حلقۂ مجلس کے درمیان بیٹھے"

ہتھیلی کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر یا اپنے سر کو بانہہ کا سہارا دے کر بھی نہ بیٹھے، کیونکہ یہ سب کاہلی اور سستی کی علامتیں ہیں غرضیکہ اسے بیٹھنے کا طریقہ بھی سکھایا جائے اور زیادہ باتیں کرنے سے روکا جائے اور اچھی طرح ذہن نشین کرایا جائے کہ یہ سب بے شرمی کی باتیں ہیں اور ذلیل لوگوں کے بچوں کے کام ہیں۔ نیز[1] سچی ہو یا جھوٹی ہر قسم کی قسم کھانے سے بالکل منع کر دیا جائے تاکہ اسے بچپن ہی سے قسم کھانے کی عادت نہ پڑ جائے اسی طرح گفتگو میں پہل کرنے سے بھی روکا جائے اور اس امر کی عادت ڈالی جائے کہ صرف جواب دینے کے لئے بولا کرے اور وہ بھی صرف بقدرِ[2] سوال، اور جب کوئی شخص اس سے باتیں کر رہا ہو تو اچھی طرح سنے اور اپنے سے بڑے کے لئے اٹھ کر جگہ کھلی کرے اور پھر ادب سے اس کے سامنے بیٹھ جائے، اسی طرح بچہ کو بیہودہ گوئی، فحش کلامی لعن طعن، دشنام دہی گالی گلوچ سے روکے اور ایسی باتیں کرنے والوں کے میل جول سے منع کرے کیونکہ برے ساتھیوں کی بری باتیں بچے پر ضرور اثر ڈال کر رہتی ہیں اور بچوں کی تربیت کا اصلی راز تو انہیں برے ساتھیوں سے محفوظ رکھنے ہی میں مضمر ہے[3]

---

[1] رب العزت فرماتے ہیں وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ الآیۃ "کہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو اپنی قسموں کے لئے نشانہ مت بناؤ"، اسی طرح خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے بھی منع کر دیا جائے کہ یہ شرک ہے، حدیث شریف میں ہے۔

حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ، "جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا"

[2] حدیث شریف میں ہے اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ "کہ مصیبت بے جا بولنے کے ساتھ وابستہ ہے" کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

زباں اپنی حد میں ہے بے شک زباں | بڑھے ایک نقطہ تو یہ ہے زیاں
کہے ایک جب سن لے انسان دو | کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

[3] جو حضرات خود اپنے بچوں کو سینما یا دوسری تماشہ گاہوں میں لے جاتے ہوں یا ایسے لڑکوں کے ساتھ جانے دیتے ہوں وہ اپنی غفلت اور کوتاہ اندیشی پر غور کریں، فقط حسن عفرلہ

صبر و تحمل

اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب بچے کو استاد مارے تو نہ چیخے چلائے اور نہ شور و شغب برپا کرے اور نہ ہی کسی کی سفارش[1] کا سہارا ڈھونڈے بلکہ صبر و تحمل سے کام لے، یہ بات سمجھانے کے لئے بچے سے یوں کہا جائے کہ دیکھو صبر کرنا بہادر مردوں کا طریقہ ہے اور چیخنا چلانا، رونا پیٹنا، تو ادنیٰ اور کمینہ لوگوں اور عورتوں کا کام ہے۔

ورزش کی اہمیت و فوائد

نیز اسے پڑھنے کے بعد کسی عمدہ کھیل کی اجازت بھی ضرور[2] دی جائے جس سے وہ مکتب کی تکان دور کر کے راحت حاصل کر سکے، لیکن اتنا نہ کھیلنے دیا جائے کہ کھیلنے سے ہی تھک جاوے، کیونکہ بچے کو کھیل کود سے کلیۃً روک کر صرف پڑھنے پڑھانے میں دبائے رکھنا اس کے دل کو مردہ، اس کی ذہانت کو باطل و ناکارہ اور اس کی زندگی کو مکدر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے بالکل ہی جان چھڑانے کے لئے حیلے اور بہانے تلاش کرنے لگ جاتا ہے ؎

نہ تفریط بہتر نہ افراط اچھی توسط کے درجے میں ہر بات اچھی

---

[1] اس طرح بچہ کی قوتِ برداشت کو ترقی دینا اور اس میں صبر و تحمل کے مردانہ اوصاف پیدا کرنا مقصود ہے، نیز سفارش و حمایت کرنے سے استاد کی تنبیہ اور نصیحت کا فائدہ ضائع ہو جاتا ہے۔ فقط عسن غفرلہٗ

[2] اس سلسلہ میں بھی ساتھیوں کی اخلاقی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر صحیح تربیت یافتہ بچے نہ ملیں تو باپ خود اپنے ساتھ لے جائے، نیز صحیح اور درست تربیت کا ایک صحیح دماغ صرف تندرست جسم میں ہی نشوونما پا سکتا ہے، اس لئے بچے کی صحتِ جسمانی کے لئے مناسب ورزش کے ساتھ اس کے جسم اور کپڑے کی صفائی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔

بزرگوں کی تعظیم کے آداب

یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ بچے کو والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کی جو عمر میں اس سے بڑا ہو چاہے اپنا رشتہ دار ہو یا نہ ہو سب کی فرمانبرداری کرنا سکھایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ وہ ان کی طرف عزت کی نگاہوں سے دیکھے، اور ان کے سامنے کھیل کود کو ترک کر دے اور جب سن بلوغ کو پہنچے تو اسے طہارت و پاکیزگی میں سستی نہ کرنے دی جائے اور نماز ختم کرنے پر چشم پوشی کا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے۔ نیز رمضان کے بعض دنوں میں اسے روزہ بھی رکھوایا جائے اور دیباج و ریشم، سونا چاندی پہننے سے بالکل الگ رکھا جائے اور حسب مناسب شریعت اسلامیہ کے حدود و تعزیرات سمجھائے جائیں اور چوری حرام خوری خیانت بددیانتی، جھوٹ اور بے حیائی اور نوخیزی کے دوران میں بچوں کی طبیعت میں پیدا ہونے والی تمام بری باتوں سے خوب اچھی طرح ڈرایا جائے۔ جب کسی بچے کی بچپن سے ہی ایسی اٹھان ہوگی تو بلوغ کے قریب پہنچنے تک وہ ان امور کے اسرار و حقائق بخوبی سمجھ سکے گا۔

غذا کے متعلق عمدہ تخیل

پھر اس دور میں اسے سمجھایا جائے کہ جس قدر بھی حلال غذائیں ہیں یہ بھی ایک طرح کی دوائیں ہی ہیں اور ان سے صرف یہ مقصود ہے کہ انسان انہیں کھا پی کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر سکے۔

لہ حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھاؤ اور نو ۹ برس کی عمر میں بھی نہ پڑھیں تو مار کر پڑھاؤ

ٹلہ یہ اپنے اپنے ماحول اور خاندان کے طرز زندگی پر منحصر ہے، جیسے گرد و پیش میں بچہ رہے گا ویسی ہی بری باتیں اس میں پیدا ہوں گی۔

دنیا کی بے ثباتی

اور یہ بات بھی بخوبی ذہن نشین کرائی جائے کہ دنیا بذاتِ خود ایک غیر مقصود اور بے اصل، بے بقاء اور فنا ہو جانے والی چیز ہے موت اس کی نعمتوں کا خاتمہ کر دیتی ہے اور یہ صرف ایک گذرگاہ ہے، سکون وقرار کا مقام نہیں لیکن عالم آخرت حقیقی امن و سکون کا مقام اور قرار و اطمینان کی جگہ ہے اور موت ہر وقت دنیا کی زندگی کو ختم کر دینے کی تاک میں لگی ہوئی ہے۔

عقلمند کون ہے؟

اور فی الحقیقت عقلمند وہ شخص ہے جو اس دنیائے فانی سے آخرت کے عالم باقی کے لئے زادِ راہ اور نیکیوں کا سرمایہ فراہم کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے قبولیت کا اونچا درجہ نصیب ہو اور جنتوں کی وسیع نعمتیں ملیں، اگر بچے کی ابتدائی ذہنی نشوونما اچھی ہوئی ہو گی تو بالغ ہونے کے دوران میں یہ کلام اس کے لئے نہایت اوقع فی النفس، مؤثر و خوش آئند کا لنقش فی الحجر دل میں گھر کرنے والا ثابت ہوگا۔

اور اگر اس کے برعکس غلط طریقہ سے اس کی ذہنی نشوونما ہونے کی وجہ سے اس میں بیہودگی، بے حیائی، زیادہ کھانے کی خواہش، عمدہ لباس کی طمع، آرائش و زیبائش کی علت، ناز و انداز، تکبّر و غرور کی خصلت پیدا ہو چکی ہو گی تو اس کا دل اس حقیقت کے قبول کرنے سے اسی طرح انکار کر دے گا جس طرح خشک دیوار سوکھی مٹی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، غرضیکہ یہی ابتدائی امور ہیں جن کا پوری طرح خیال رکھنا چاہئے۔

بچے کی فطرت اور والدین کا فرض

کیونکہ بچے کا جوہر قلب ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے کہ خیر و شر اور نیک و بد دونوں

کا اثر لے سکتا ہے، اور یہ ماں باپ کا کام ہے کہ اسے نیکی و بدی کے پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف مائل کردیں، حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ	کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے
وَاِنَّمَا اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ	لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا
اَوْيُنَصِّرَانِهٖ اَوْيُمَجِّسَانِهٖ	نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"
(الحدیث)	

عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک تاریخی شہادت

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین برس کی عمر میں رات کو اٹھ کر اپنے ماموں حضرت محمد بن سوار رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ تہجد کا روحانی منظر دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا؟ جس نے تجھے پیدا کیا، میں نے عرض کیا کہ میں اسے کس طرح یاد کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلنے کے وقت زبان ہلائے بغیر صرف اپنے دل میں تین دفعہ یوں کہا کرو کہ:۔

اَللّٰهُ مَعِیَ، اَللّٰهُ نَاظِرٌ اِلَیَّ،	"اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھ
اَللّٰهُ شَاهِدِیْ،	رہا ہے، اللہ میرے سامنے ہے۔"

میں نے چند راتوں تک یوں ہی کہا، پھر انہیں اس کی اطلاع دی[1] تو فرمایا کہ اب ہر رات میں سات دفعہ یوں ہی کہا کرو، میں نے ایسا ہی کیا اور پھر اس

---

[1] ہر مریدِ حق کو چاہیئے کہ وہ اپنے مرشد کو اپنی کیفیت کی ٹھیک ٹھیک اطلاع دے کر درجہ بدرجہ اصلاح لے اور راہِ سلوک و معرفت کو طے کرے۔ بیعت کا مقصد ہی یہی ہے۔

کی اطلاع بھی عرض کی تو فرمایا ہر رات گیارہ دفعہ کہا کرو، میں نے ایسا ہی کیا جس کے نتیجہ میں مجھے اپنے دل میں اس کی لذت اور حلاوت محسوس ہونے لگی پھر جب اس پر عمل کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا تو فرمایا جو ذکر میں نے تمہیں سکھایا ہے اسے خوب یاد رکھو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو، یہ تم کو دنیا و آخرت میں نفع کا ذریعہ ہوگا۔ میں چند برسوں تک اسی طرح کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اس کی لذت اپنے باطن کی گہرائی تک میں محسوس کرنے لگا۔

پھر ایک دن فرمایا کہ اے سہیل! اللہ جس کے ساتھ ہو جسے دیکھتا ہو، جس کے سامنے ہو کیا وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ خبردار! کبھی خدا کی معصیت اور نافرمانی نہ کرنا چنانچہ میں تنہا رہنے لگ گیا پھر انھوں نے مجھے مکتب میں بھیجنا چاہا تو میں نے کہا کہ مجھے اپنی توجہ بٹ جانے کا خطرہ ہے ہاں! اگر آپ استاد سے یہ شرط طے کرلیں کہ میں کچھ وقت ان کے پاس پڑھا کروں اور پھر جلدی سے پلٹ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو جایا کروں تو بہتر ہو۔

اس کے بعد میں استاد کے پاس گیا اور چھ یا سات برس کی عمر تک قرآن کریم پڑھ کر حفظ کر لیا۔ میں ہمیشہ روزہ رکھا کرتا تھا اور بارہ برس تک جَو کی روٹی میری خوراک رہی، اسی اثنا میں تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک اہم مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو میں نے اپنے گھر والوں سے درخواست کی کہ وہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں وہاں کے علماء سے وہ مسئلہ دریافت کروں۔ چنانچہ میں نے بصرہ آکر وہاں کے علماء سے دریافت کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی میری تشفی نہ کی، اس کے بعد میں حضرت حبیب حمزہ بن عبداللہ عبادانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے عبادان گیا اور ان سے وہی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے مجھے تسلی بخش جواب دیا پھر میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر ان کے ملفوظاتِ قدسیہ سے فیض حاصل کرتا تھا اور آداب سیکھتا رہا، پھر تستر چلا آیا اور اپنی خوراک کا یہ اندازہ

مقرر کیا کہ میرے لئے ایک درہم (تقریباً سوا چار آنہ) کے جو خرید کر پیس کر رکھے جاتے تھے اور اسی میں میرے لئے روٹی پکائی جاتی تھی اور میں ہر رات سحری کے وقت صرف ایک اوقیہ (ایک اونس تقریباً تین تولے) اس میں سے کھاتا اور وہ سالن کے بغیر، اس طرح میرے لئے سال بھر تک یہی ایک درہم کافی ہوتا۔

پھر میں نے یہاں تک ترقی کی کہ تین راتوں کے بعد افطار کرنے لگا۔ پھر پانچ راتوں کے بعد پھر سات راتوں کے بعد، اسی طرح تدریجاً پچیس راتوں تک پہنچ گیا پھر اسی حالت میں متواتر بیس سال تک قائم رہا، پھر کئی برس تک دنیا کی سیاحت کی اور پھر پلٹ کر تستر چلا آیا۔ میں تقریباً ساری ساری رات قیام کرتا تھا، امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر کا ثبوت نہیں ملا کہ انھوں نے اپنے وصال تک کبھی سالن استعمال کیا ہو۔

حاصلِ کلام

یہ واقعہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس لئے نقل نہیں کیا ہے کہ سب لوگ اپنے بچوں کو اسی طرح تیار کریں بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر ابتداء سے بچے کی تربیت کا مکمل انتظام کیا جائے تو وہ ایسے انسانی کمالات کی بلندیوں تک عروج کر سکتا ہے، ورنہ ایسی ریاضتِ شاقہ اختیار کرنا ہر مسلمان کے ذمہ ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے قوانین و احکام اور اپنے نبی مکرم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور انبیاءؑ و صدیقینؓ و شہداءؓ و صالحینؒ و جملہ بزرگانِ دینؒ و اولیاءِ کرام کی صحیح محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرے اور انہی کے راستہ پر چلائے کہ یہی دینِ قویم ہے اور یہی صراطِ مستقیم۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، اٰمِيْنَ ط

آپ کا ادنیٰ خادم

(مولوی) صدر الدین حسن غفرلہٗ

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا

اور اللہ کے پیارے پیارے نام ہیں پس اس کے ساتھ اس کو پکارو

الحمد للہ والمنۃ کہ حجۃ الاسلام ابو حامد امام محمد الغزالی کی کتاب

المقصد الاسنیٰ فی شرح

اسماء الحسنیٰ

کا اُردو ترجمہ جس میں نودنہ نام کے مفصل و مشرح معانی کے علاوہ اسم مشترک اور اسمائے مترادفہ کے متعلق مُوشگاف بحث کی گئی ہے۔ اور اسمائے باری تعالےٰ کا غیر متناہی ہونا ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی ننانویں کے عدد میں منحصر ہونے کی حکمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسم و صفات کے اتحاد و تغائر کے متعلق مشہور مذاہب کے اقوال پیش کر کے فیصلہ کن بحث کی گئی ہے

ترجمہ و حواشی

مرزا محمد نذیر عرشی "مولوی فاضل" و "منشی فاضل"

فہرست مضامین

شرح اسماء الحسنیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُتَفَرِّدِ بِكِبْرِيَائِهٖ وَعَظْمَتِهٖ ○ اَلْمُتَوَحِّدِ بِتَعَالِيْهِ فِيْ صَمَدِيَّتِهٖ ○ اَلَّذِيْ قَصَّ اَجْنِحَةَ الْعُقُوْلِ دُوْنَ حِمٰى عِزَّتِهٖ ○ وَلَمْ يَجْعَلِ السَّبِيْلَ اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ ○ وَقَصَّرَ اَلْسِنَةَ الْفُصَحَاءِ عَنِ الثَّنَاءِ عَلٰى جَمَالِ حَضْرَتِهٖ اِلَّا بِمَا اَثْنٰى بِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ ○ وَاَحْصٰى مِنْ اِسْمِهٖ وَصِفَتِهٖ ○ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَيْرِ خَلْقِهٖ ○ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعِتْرَتِهٖ ○

مجھ سے میرے ایک دینی بھائی نے فرمائش کی جس کی تعمیل ضروری تھی۔ کہ میں اسماءِ حسنیٰ کی شرح لکھوں۔ مگر میں اس کے متعلق اپنے ارادے کا ایک قدم آگے رکھتا تھا۔ تو ہمت کے دو قدم پیچھے جا پڑتے۔ تردد یہ تھا کہ میں اس کا حق اخوت ادا کرنے کے لئے اس کام کا بیڑا اٹھاؤں یا اس مشکل کام کا ذمہ اٹھانے سے بچتے ہوئے اور قوت بشری کو اس مقصد کے حصول کے لئے ناکافی سمجھتے ہوئے اس سے معافی چاہوں اور معافی کیوں نہ چاہتا جب کہ عاقل آدمی کو اس مشکل کام میں پڑنے سے دو باتیں مانع ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ کام فی نفسہٖ بڑا کٹھن اور دشوار حصول ہے۔ کیونکہ وہ اپنی شان کے لحاظ سے چوٹی کا کام ہے جس کے آگے عقل حیران ہے۔ اور آخری منزل چھوڑ اس کی پہلی ہی منزل میں نگاہیں پست ہوئی جاتی ہیں۔ انسانی طاقتوں کا یہ بل بوتہ کہاں ہے کہ خدائی صفات میں بحث و تحقیق کا سلسلہ چھیڑے۔ اور چمگادڑوں کی نگاہوں میں یہ تاب کہاں کہ مہر تاباں کا دیدار کر سکیں۔

دوم یہ کہ ذات باری تعالےٰ کے متعلق جو کچھ کہا جائے ممکن ہے کہ وہ جمہور کے

خلاف واقع ہو۔ اور لوگوں کو اُن کی عادات اور مذہبی مالوفات سے باز رکھنا مشکل ہے لیکن فرمائش کا پاس اور اُس دوست کے شدت اصرار نے ان عذروں کی کوئی پیش نہ جانے دی فَاَسْئَلُ اللّٰہَ تَعَالٰی اَنْ یُّسَہِّلَ الصَّوَابَ ○ وَیُجْزِلَ الثَّوَابَ ○ بِمَنِّہٖ وَلُطْفِہٖ وَسَعَۃِ جُوْدِہٖ اِنَّہُ الْکَرِیْمُ الْجَوَادُ ○ اَلرَّؤُفُ بِالْعِبَادِ ○

مقدمہ

مُناسب ہے کہ اس کتاب کو تین فنوں پر منقسم کیا جائے :۔

(۱) پہلا فن۔ ابتدائی باتوں میں ۔

(۲) دوسرا فن۔ مقاصد خاص میں ۔

(۳) تیسرا فن۔ لواحق اور تتمہ جات میں ۔

پہلے فن کے مضامین گویا مقاصد خاص کی تمہید ہیں۔ اور تیسرے فن کے مضامین مقاصد خاص کا تکملہ ہیں ۔

فن اوّل میں ان باتوں کا بیان ہے :۔

(۱) اسم۔ مسمّٰی اور تسمیہ کے قول کی حقیقت۔ اور اس میں جو اکثر مذاہب کو غلط فہمی لاحق ہوئی ہے، اس کا ازالہ ۔

(۲) اللہ کے اسماء میں سے جو باہم قریب المعنی ہیں مثلاً عَظِیْمٌ، جَلِیْلٌ، کَبِیْرٌ کیا وہ ایک ہی معنی پر حمل کئے جا سکتے ہیں یعنی وہ اسماء مترادف ہیں۔ یا ان کے معانی کے متفاوت ہونا لازم ہے ۔

(۳) جس اسم کے دو معنی ہیں۔ کیا وہ دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ اور ان دونوں معنوں پر اس طرح محمول ہوتا ہے۔ جیسے عموم کا اس کی مسمیات میں حمل ہوتا ہے۔ یا اسم کا حمل ان معنوں میں سے صرف ایک پر متعین ہے ۔

(۴) کیا بندہ کو اسمائے باری تعالےٰ میں سے ہر اسم کے معنی حصّے ملا ہے ۔

فن ثانی میں یہ باتیں شامل ہیں :۔

(۱) نودونہ نام کے معانی ۔

(۲) اس امر کا بیان کہ اہل سُنّت کے نزدیک یہ تمام اسماء صرف ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں +

(۳) اس امر کا بیان کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کی رُو سے یہ اسماء صرف ایک ذات کی طرف جس میں کثرت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکر راجع ہوتے ہیں +

فن ثالث - ان باتوں پر مشتمل ہے :-

(۱) اسمائے باری تعالےٰ ننانویں سے زائد ہیں جو موقوف ہیں +

(۲) ایک کم سو اسماء کے شمار اور تخصیص کا فائدہ +

(۳) اللہ تعالےٰ کو ان صفات مدح سے موصُوف کرنا جائز ہے جن سے وہ بمعنی متصف ہے۔ اور ان صفات کے ساتھ بھی جن میں کوئی نقص کا معنی نہ پایا جائے جبکہ اس میں کوئی منع وارد نہ ہو۔ وہ الفاظ جن میں نقص کا مفہوم شامل ہے، ہرگز خدا کی شان میں نہیں بولے جاتے۔ مگر جب کہ ان میں اجازت آئی ہو۔ تو پھر ان کی اِس طرح تاویل کی جائیگی کہ اللہ تعالےٰ کی شان کے مُناسب ہو +

(۴) بعض اوقات اللہ کی شان میں ایک لفظ کا اطلاق ممنُوع ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے ساتھ اس کے جوڑ کا لفظ شامل کیا جائے۔ تو اس کا اطلاق درست ہو جاتا ہے +

(۵) اللہ تعالےٰ کو اُس کے اسمٔ حُسنےٰ کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ جیسے کہ اُسنے حکم دیا ہے۔ اگر ہم ان اسمائے سے تجاوز کریں۔ یہاں تک کہ اُس کو اس کی اوصاف سے پکاریں۔ تو صرف مدح و جلال کی صفتوں سے پکاسا جائیگا۔ اور ہر صفت یا فعل جس کے ساتھ اس کا موصوف ہونا یا منسُوب ہونا جائز ہے، اس کے ساتھ جب ہی پکاسا جائیگا کہ اس میں مدح و جلال کا مفہوم شامل ہو۔ اس بات کو ہم جہاں اس کا موقع آئیگا صاف طور پر بیان کرینگے۔ انشاء اللہ تعالےٰ +

پہلا فن

ابتدائی باتوں میں

پہلی فصل

اسم، مسمّٰی اور تسمیہ کے معنی

اسم و مسمّٰی کے متعلق بہت لوگوں نے غور کی ہے۔ اور سب نے جدا جدا مسلک اختیار کئے ہیں۔ مگر اکثر نے دھوکا کھایا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اسم ہی مسمّٰی ہے۔ مگر وہ تسمیہ سے علحدہ ہے۔ ایک اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسم، مسمّٰی سے جدا ہے۔ مگر وہ تسمیہ ہی ہے۔ ایک تیسرا گروہ جو الہیات کا کیڑا اور بحث و مناظرہ میں نام آور ہے، کہتا ہے کہ اسم کبھی مسمّٰی ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم اللہ تعالےٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ذات ہے اور موجود ہے۔ اور کبھی مسمّٰی کا غیر ہوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ خالق ہے اور رازق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ خلق (آفرینش) اور رزق (روزی رسانی) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں اس سے غیر ہیں۔ کبھی اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ نہ تو اس کو مسمّٰی کہا جا سکتا ہے اور نہ اس کا غیر۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے اور قادر ہے۔ یہ دونوں لفظ علم اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کی صفات ہیں جن کی نسبت نہ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ ہی ہیں اور نہ یہ کہ اللہ کے غیر ہیں +

یہ اختلاف دو باتوں سے پیدا ہوا ہے :-

ایک تو یہ کہ اسم تسمیہ ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ اسم مسمّٰی ہے یا نہیں؟

حق یہ ہے کہ اسم نہ تسمیہ ہے اور نہ مسمّٰی ہے۔ اور یہ تینوں اسماء متباین ہیں، مترادف نہیں +

اظہار حق کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان تینوں لفظوں کے جدا جدا معنی بتائے جائیں۔ پھر اس قول کا معنے بتایا جائے کہ "فلاں شے فلاں ہے"۔ اور اس قول کا معنے کہ "فلاں شے فلاں کا غیر ہے"۔ حقائق کے معلوم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس پر کاربند نہ ہونیوالا ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو علم تصدیقی ہے یعنی اُس کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔ اس کے الفاظ ایک قضیہ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس قضیہ میں ایک موصوف ایک صفت اور ایک ان دونوں کی باہمی نسبت ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے صرف موصوف کا علم اس کی حد و حقیقت کے تصور سے ہو۔ پھر صرف صفت کا علم اس کی حد و حقیقت کے تصور سے ہو۔ اور پھر اس نسبت پر نظر کی جائے۔ جو صفت کو موصوف کے ساتھ ہے کہ وہ اس کے لئے ثابت ہے یا اس سے منفی ہے +

دیکھو جو شخص مثلاً یہ سمجھنا چاہے کہ ملک قدیم ہے یا حادث؟ تو اس کے لئے لازم ہے کہ پہلے لفظ ملک کے معنی سمجھے، پھر قدیم یا حادث کے۔ پھر ان دونوں وصفوں میں ایک کو ملک کے لئے ثابت کرنے یا اس سے نفی کرنے پر نظر کرے +

اسی طرح ضرور ہے کہ اسم کے معنی، مسمّٰی کے معنی اور تسمیہ کے معنی معلوم کئے جائیں۔ اور اس کے معنی بھی معلوم کئے جائیں۔ کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اور یہ کہ کسی شئے کی ہویت اور غیریت کیا ہے۔ تاکہ یہ امر سمجھ میں آ سکے کہ فلاں شے فلاں ہے یا اُس کی غیر ہے +

ہر شئے کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے۔ ایک ذہن میں اور ایک زبان میں خارجی وجود اصلی اور حقیقی ہے۔ ذہنی وجود علمی اور صوری ہے۔ اور زبانی وجود لفظی و دلیلی ہے +

مثلاً سماء (آسمان) کا ایک وجود فی نفسہٖ ہے۔ اور ایک وجود ہمارے ذہن اور نفس میں ہے۔ کیونکہ آسمان کی صورتِ ہماری نگاہوں کے ذریعے سے ہمارے خیالوں میں منطبع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان معدوم ہو جائے اور ہم مستلا ہوں، تو آسمان کی صورت پھر بھی ہمارے خیال میں موجود ہو گی۔ اسی صورت کو علم کہتے ہیں۔ اور وہ اس کی مثال ہوتی ہے جس کی نسبت علم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ معلوم شئے کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔ وہ ایسی ہے جیسے آئینہ میں شکل دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی مقابل کی

متقابل کی خارجی صورت کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔ اور زبانی وجود لفظ ہے۔ جو چار حصص پر تقسیم ہونے والی آوازوں سے مرکب ہے۔ پہلے حصے کو سین۔ دوسرے کو میم۔ تیسرے کو الف اور چوتھے کو ھمزہ کہتے ہیں۔ اور وہ لفظ سَمَاءٌ ہے۔ پس قول امرذہنی کی دلیل ہے۔ اور امر ذہنی امر موجود کی صورت ہے۔ اگر خارجی وجود نہ ہوتا تو ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ اور اگر ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ تو انسان اس سے مطلع نہ ہوتا اور اگر انسان اس سے مطلع نہ ہوتا۔ تو زبان سے اس کا اظہار نہ کرتا۔ غرض کہ لفظ علم اور معلوم یہ تینوں تباین امور ہیں۔ لیکن تینوں متطابق و متوازی ہیں۔ اس لئے بسا اوقات کم فہم انسان ان میں تمیز نہیں کرسکتا۔ اور فی الحقیقت ان میں امتیاز کیوں نہ ہو۔ جب کہ ہر ایک کے جدا جدا خواص ہیں۔ مثلاً انسان اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الخارج ہے۔ اس کو یہ امور لاحق ہیں۔ کہ وہ سوتا ہے۔ جاگتا ہے۔ زندہ ہے۔ مرجاتا ہے۔ چلتا ہے۔ بیٹھتا ہے و غیر ذالک اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الذہن ہے۔ اس کو یہ باتیں لازم ہیں کہ وہ مبتدا۔ یا خبر اور عام یا خاص اور جزئی یا کلّی یا قضیہ وغیرہ ذالک بنتا رہتا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ وجود فی اللسان ہے۔ اس کو یہ باتیں لاحق ہوتی ہیں۔ کہ وہ عربی۔ یا فارسی۔ یا ترکی یا زنگی زبان سے ہے۔ اور کم حروف کھتا ہے۔ یا زیادہ۔ اور وہ اسم یا فعل یا حرف یا کچھ اور ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وجود حسب مرور ایام بدلتا رہے۔ اور اہل بلاد کی عادات میں متفاوت ہو۔ خارجی اور ذہنی وجود مرور ایام یا لوگوں کے عادات سے ہرگز متغیر نہیں ہوتا +

خارجی اور ذہنی وجود کو تو جانے دو۔ لفظی وجود کو لو۔ کیونکہ اسی کے متعلق بحث کرنا، ہمارا مدعا ہے +

الفاظ سے مراد حروف مقطعہ ہیں۔ جو انسانی اختیار سے بنے ہیں۔ تاکہ اشیاء کی ذات پر دلالت کریں۔ یہ حروف مقطعہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اوّلاً موضوع ہیں۔ دوسرے وہ جو ثانیاً موضوع ہیں +

اوّلاً موضوع کی مثال آسمان۔ درخت۔ انسان وغیرہ ذالک۔ اور ثانیاً موضوع جیسے اسم۔ فعل۔ حرف۔ امر۔ نہی۔ مضارع وغیرہ۔ یہ الفاظ موضوع بوضع ثانی اس لئے ہیں کہ وہ الفاظ جو مختلف اشیاء پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو معنی فی غیرہٖ پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا نام حرف ہے۔ دوسرے وہ جو معنی فی نفسہٖ پر

دلالت کرتے ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اس معنے کے زمانہ وجودی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس قسم کا نام فعل ہے۔ جیسے ضَرَبَ (اُس نے مارا) یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے) دوسرے وہ جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے۔ ان کو اسم کہتے ہیں۔ جیسے آسمان۔ زمین +

پہلے تو اعیان خارجہ پر دلالت کرنے کے لئے الفاظ وضع کے گئے۔ پھر اس کے بعد اسم فعل۔ حرف وغیرہ اقسام الفاظ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کئے گئے کیونکہ الفاظ بھی وضع کئے جانے کے بعد موجود فی الاعیان بنگئے۔ اور ان کی صورتیں ذہن میں منقش ہوگئیں۔ تو وہ بھی اس قابل سمجھے گئے کہ حرکات زبان سے ان پر دلالت ہو۔ الفاظ کا موضوع بوضع ثالث درابع ہونا بھی متصور ہو سکتا ہے۔ حتےٰ کہ اگر اسم کو کئی اقسام پر منقسم کیا جائے۔ اور ہر قسم کا ایک خاص اسم مقرر کیا جائے۔ تو یہ اسم درجہ ثالثہ میں ہوگا۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ اسم نکرہ اور معرفہ وغیرہ پر منقسم ہوتا ہے +

اس تمام بیان سے یہ معلوم کرانا مدعا ہے کہ اسم موضوع بوضع ثانی ہے۔ چنانچہ اگر سوال کیا جائے کہ اسم کی کیا تعریف ہے۔ تو جواب یہ ہوگا کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کے لئے موضوع ہو۔ اور اس میں ایسی شرائط بھی ہم اضافہ کر سکتے ہیں۔ جو اس کو حرف اور فعل سے ممتاز کرتی ہیں۔ مگر یہاں اس کی تعریف بیان کرنا ہمارا مدعا نہیں ہے۔ صرف یہ غرض ہے کہ اسم سے مراد وہ معنے ہے جو تیسرے درجہ میں ہے۔ اور اس کا وجود زبان میں ہے۔ خارج میں یا ذہن میں نہیں +

جب تم کو اتنا معلوم ہو چکا کہ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ تو پھر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو لفظ دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ اُس کے لئے واضع۔ وضع اور موضوع لہ کا ہونا لازم ہے +

موضوع لہ کو مسمّٰے کہتے ہیں۔ اور یہ وہ شئے ہے۔ جس پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ واضع کو مُسمّی (نام رکھنے والا) کہتے ہیں۔ اور وضع کو تسمیہ (نام رکھنا) جب کوئی شخص اپنے بیٹے کے لئے ایسا لفظ تجویز کرتا ہے جو اُس پر دلالت کرے۔ تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا۔ اور اس کے اس لفظ تجویز کرنے کو تسمیہ کہتے ہیں۔ کبھی نام لینے کو بھی تسمیہ کہدیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو پکارے کہ اے زید! تو اس کی اس ندا کو تسمیہ کہینگے۔ گویا لفظ تسمیہ نام رکھنے اور نام لینے کے دونوں معنوں

میں مشترک ہے۔ گو بظاہر نام لینے کی نسبت نام رکھنے کے معنوں میں ہونا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے +

اسم۔ تسمیہ۔ مُسَمّی اور مُسَمّٰے بمنزلہ حرکت۔ تحریک۔ مُحرِّک اور مُحرَّک کے ہیں۔ اور یہ چاروں مختلف اسم مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ حرکت ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرنے پر دال ہے۔ تحریک اس حرکت کی ایجاد پر دال ہے مُحرِّک فاعل حرکت پر۔ مُحرَّک اس شئے پر جس میں حرکت ہے۔ بایں لحاظ کہ حرکت فاعل سے صادر ہوتی ہے۔ یہ متحرک کی طرح نہیں ہے۔ جو صرف فعل حرکت پر دال ہے۔ اور فاعل پر دال نہیں۔ جب ان الفاظ کے مفہومات ظاہر ہو گئے۔ تو اب دیکھنا چاہئے کہ کیا ان کے متعلق یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں سے فلاں فلاں ہے یا اس کا غیر ہے۔ مگر اس بات کے سمجھنے کے لئے کسی چیز کے فلاں ہونے، اور فلاں شئے کے فلاں ہونے، یا فلاں سے غیر ہونے کے معانی سمجھنے لازم ہیں :-

یہ جو ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شئے فلاں ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں +

پہلی صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کہے پانی، جل ہے۔ یا تیغ، شمشیر ہے۔ یہ صورت اُن تمام اشیاء میں جاری ہوتی ہے۔ جو فی نفسہٖ واحد ہوں۔ مگر ان کے دو مترادف نام ہوں جن کے مفہوم کچھ بھی تفاوت نہ رکھتے ہوں۔ صرف حرفوں کا فرق ہو۔ ایسے اسماء کو مترادف کہتے ہیں +

دوسری صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کہے سانڈنی، اونٹنی ہے۔ یا کوتل، گھوڑا ہے۔ یہ صورت پہلی سے جدا ہے۔ اس کے اسماء مترادف نہیں۔ مختلف مفہوم رکھتے ہیں۔ کیونکہ سانڈنی اونٹنی کے ساتھ تیز رفتار کا مفہوم بھی مضاف ہے۔ اور کوتل میں گھوڑے کے ساتھ سواری سے زائد ہونے یا آراستہ و پیراستہ ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ صرف اونٹنی یا گھوڑے میں کوئی اس قسم کا زائد مفہوم شامل نہیں ہے۔ اس قسم کے اسماء کو متداخل کہنا چاہئے۔ کیونکہ اونٹنی سانڈنی کے مفہوم میں اور گھوڑا، کوتل کے مفہوم میں داخل ہے +

تیسری صورت کی نظیر یہ ہے کہ کوئی کہے برف سفید اور ٹھنڈی ہے۔ اس میں سفید اور ٹھنڈی ایک ہی چیز ہے۔ کیونکہ جو سفید ہے وہی ٹھنڈی ہے۔ یہ صورت

نہایت بعید ہے۔ اور اس کا نتیجہ موضوع کی وحدت ہے جو دو وصفوں سے موصوف ہے۔ مطلب یہ کہ ایک ہی شے سفیدی اور ٹھنڈک سے موصوف ہے +

غرض ہمارا یہ کہنا کہ فلاں شے فلاں ہے، ایک کثرت پر دلالت کرتا ہے جس میں ایک طرح سے وحدت ہے۔ کیونکہ اگر وحدت نہ ہو۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں اور فلاں ایک ہی چیز ہے۔ اور کثرت نہ ہو۔ تو فلاں شئے اور فلاں شئے کیونکر کہا جا سکے۔ جو صاف دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے +

اب ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسم، مسمّٰے ہی ہے جس طرح اسمائے مترادف میں کہا جاتا ہے کہ شمشیر، تیغ ہی ہے۔ وہ بہت بڑی غلطی پر ہے۔ کیونکہ مسمّٰے کا مفہوم اسم کے مفہوم سے جُدا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے۔ اور مسمّٰے وہ چیز ہے جس پر دلالت ہوتی ہے۔ اور وہ چیز کبھی غیر ملفوظ ہوتی ہے۔ اور اس لئے اسم عربی۔ ترکی اور فارسی یعنی عرب۔ ترک اور فارس کے لوگوں کا بنایا ہُوا ہوتا ہے۔ اور مسمّٰے کبھی ایسا نہیں ہوتا +

اسم کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ تو اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ اور مسمّٰے کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو عموماً کہتے ہیں یہ کون ہے یا کونسی چیز ہے۔ جیسے کوئی شخص آئے تو پوچھتے ہیں کہ اس کا اسم کیا ہے۔ جواب ملتا ہے کہ زید ہے۔ اور جب مسمّٰے کی نسبت پوچھنا ہو تو کہتے ہیں یہ کون ہے +

اگر کسی خوبصورت ترک کا نام ہنود کا سا (مثلاً مُرلی دھر یا کھڑک سنگھ) رکھ دیا جائے تو کہنا پڑیگا کہ اسم خراب اور مسمّٰے خوب ہے +

اگر کسی کا لمبا اور ثقیل نام رکھ دیا جائے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ نام ثقیل اور مسمّٰے خفیف ہے +

اسم کبھی مجاز ہوتا ہے اور مسمّٰے نہیں ہوتا۔ اسم تو کبھی تفاولاً تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ اور مسمّٰے تبدیل ہو نہیں سکتا +

ان تمام دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسم مسمّٰے سے علٰحدہ ہے۔ اگر غور کرو تو ان کے سوا اور بھی دلائل مل سکتے ہیں۔ لیکن دانا کو اشارہ ہی کافی ہے۔ اور کم فہم کے لئے زیادہ دلائل بھی زیادتی حیرت کے مُوجب ہو جاتے ہیں +

دوسری صورت کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اسم ، مسمّٰے ہی ہے ۔ بایں معنیٰ کہ مسمّٰے ، اسم سے مشتق ہے ۔ پس وہ اس میں داخل ہے ۔ جس طرح اونٹنی ، سانڈنی کے مفہوم میں داخل ہے ۔ تو اگر یہ مان لیا جائے ۔ تو لازم آتا ہے کہ اسم ، تسمیہ ، تسمی اور مسمّٰے ایک ہی چیز ہوں ۔ کیونکہ سب کے سب اسم سے مشتق ہیں ۔ اور اسم پر دلالت کرتے ہیں ۔ اور یہ ایک لفظی مغالطہ ہے ۔ جیسے کوئی کہے کہ حرکت ۔ تحریک ۔ محرّک ۔ اور متحرک سب ایک ہی ہیں ۔ اس لئے کہ وہ حرکت سے مشتق ہیں ۔ اور یہ بڑی غلطی ہے ۔ کیونکہ حرکت محض جنبش پر دلالت کرتی ہے جس میں محل اور فاعل اور فعل پر کوئی دلالت نہیں ۔ محرّک فاعل حرکت پر اور محرّک محل حرکت پر دلالت کرتا ہے ۔ بایں لحاظ کہ وہ مفعول ہے ۔ بخلاف متحرک کے کیونکہ وہ صرف محل حرکت پر دلالت کرتا ہے اور اپنے مفعول پر دال نہیں ہے ۔ اور تحریک فعل حرکت پر دلالت کرتی ہے ۔ بلا فاعل اور محل کی دلالت کے ۔ پس یہ سب متبائن حقیقتیں ہیں ۔ اگرچہ ان سب سے حرکت خارج نہیں ہے ۔ لیکن حرکت فی نفسہا ایک خاص حقیقت رکھتی ہے جو عقل میں آ سکتی ہے ۔ پھر اس کی جو نسبت فاعل کی طرف ہے ، وہ بھی سمجھ میں آتی ہے ۔ اور یہ اضافت ہے جو مضاف سے جدا ہے ۔ کیونکہ اضافت دو چیزوں کے درمیان متعقل ہوتی ہے ۔ اور مضاف کبھی اکیلا بھی متعقل ہوتا ہے ۔ اور اس کی نسبت محل کے ساتھ متعقل ہوتی ہے ۔ اور وہ اس نسبت سے جداگانہ ہے ، جو فاعل کے ساتھ ہے +

بات یہ ہے کہ حرکت کی نسبت اپنے محل کے ساتھ اور اس کی حاجت بدیہی بات ہے ۔ اور فاعل کی طرف اس کی نسبت نظری و کسبی ہے ۔ اس سے دونوں نسبتوں کے وجود کا حکم مراد ہے ۔ نہ تصور ۔ تو اسی طرح اسم کی دلالت بھی ہے ۔ اور اس کا مدلول بھی ہے جس کو مسمّٰے کہتے ہیں ۔ اور اس کی وضع فاعل مختار کا فعل ہے ۔ وہ تسمیہ کہلاتی ہے ۔ اب یہ مداخلت ایسی ہے ۔ جیسے اونٹنی ، سانڈنی کے مفہوم میں اور گھوڑا ، کوتل کے مفہوم میں داخل ہے ۔ کیونکہ سانڈنی ، دراصل اونٹنی ہے جس کے ساتھ خاص صفت شامل ہے پس اونٹنی ، سانڈنی میں داخل ہے ۔ اور مسمّٰے کی یہ کیفیت نہیں ہے کہ وہ اسم کسی صفت بسیط سے اور تسمیہ ہی اسم صفت بسیط ہے ۔ پس اس میں تاویل درست نہیں +

تیسری وجہ جس کا مطلب کئی صفتوں کا ایک محل میں موجود ہونا ہے ۔ وہ بھی دور قیاس ہونے کے علاوہ اسم و مسمّٰے میں جاری نہیں ہو سکتی ۔ اور نہ اسم و تسمیہ میں جاری ہو سکتی

ہے۔ حتیٰ کہ یُوں کہا جا سکے کہ ایک ہی چیز اسم اور تسمیہ کہلانے کے لئے موضوع ہے۔ جیسے کہ برف کی مثال میں پایا جاتا ہے کہ ایک ہی چیز سرد اور سفید کہلاتی ہے۔ ورنہ اس کی وُہی مثال ہوگی۔ جیسے کوئی کہے صدیق وہ ہے جو ابُو قحافہ[1] کا بیٹا ہے۔ کیونکہ اس کی تاویل یہ ہوگی کہ صدیق ہونا اُس شخص کی صفت ہے جو ابو قحافہ کا بیٹا بننے سے منسوب ہے۔ تو "فلاں شے فلاں ہے" کا مطلب یہ ہوگا کہ موضوع ایک ہی ہے۔ حالانکہ دونوں صفتوں کا تباین یقینی امر ہے چنانچہ صدیق کا مفہوم اور ہے۔ ابو قحافہ کا بیٹا ہونے کا مفہوم اور ہے۔ غرض وہ تاویلات اسم و تسمیہ اور اسم و تسمیہ میں حقیقۃً یا مجازاً ہرگز نہیں چل سکتیں جن میں یوں کہا جا سکے کہ "فلاں شے فلاں ہے" ان تاویلات میں حقیقی وہ ہے جو مترادف اسمائیں ہوتی ہے۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ تیغ شمشیر ہے۔ بشرطیکہ لغت کی رُو سے دونوں لفظوں کے مفہوم میں فرق نہ ہو۔ اگر فرق ہو تو دوسری مثال تلاش کرنی چاہئے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقت کے کئی نام ہوں ✦

ہمارے اس قول میں کہ "فلاں شے فلاں ہے" ایک پہلو سے کثرت اور ایک پہلو سے وحدت ہونی چاہیئے۔ اور تمام وجُوہ میں سے زیادہ حقیقی وجہ یہ ہے کہ معنی میں وحدت اور صرف لفظ میں کثرت ہو ✦

اس لمبے چوڑے اختلاف کے متعلق اسی قدر کافی ہے جو لکھا گیا۔ اس سے تم کو معلوم ہو چکا کہ اسم، تسمیہ، مسمّٰی یہ تینوں الفاظ متبائن مفہوم اور مختلف مقصود رکھتے ہیں۔ ان کی یہ نسبت بجائے اس کے کہ "فلاں فلاں ہے" کہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ "فلاں فلاں سے غیر ہے" ✦

تیسرا مذہب جو اسم کو تین قسموں میں منقسم کرتا ہے یعنی ایک وہ جو مسمّٰی ہی ہے دوسرا وہ جو مسمّٰی کا غیر ہے۔ تیسرا وہ جو نہ مسمّٰی ہے نہ مسمّٰی کا غیر ✦

یہ مذہب نہایت کج رَو اور سب سے زیادہ مضطرب ہے۔ ہاں یُوں تاویل ہو سکتی ہے کہ جس اسم کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے۔ اس سے مراد خود اسم نہیں ہے بلکہ اس سے مفہوم اسم مراد ہے۔ اور اسم کا مفہوم اسم سے جُدا ہے۔ کیونکہ مفہوم اسم مدلول ہے اور مدلول دلیل سے علیحدہ ہے۔ اور یہ مذکورہ تقسیم مفہوم اسم پر جاری ہوئی ہے۔

---

[1] ابو قحافہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باپ کے نام ہے ✦

پس یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اسم کا مفہوم کبھی مسمّے کی ذات وحقیقت اور اس کی ماہیت ہوتی ہے اور یہ وہ اسماء الانواع ہیں۔ جو مشتق نہیں ہیں مثلاً انسان۔ علم۔ بیاض۔ اور جو اسما مشتق ہیں وہ حقیقت مسمّے پر دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں حقیقت مبہم رہتی ہے۔ اور وہ مسمّے کی کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً عالم۔ اور کاتب۔ پھر اس کے بعد مشتق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو ایسی وصف پر دلالت کرے جو مسمّے میں حال ہو۔ جیسے عالم ابیض وغیرہ ✦

دوسری قسم وہ جو کسی غیر اور علٰحدہ چیز کے ساتھ اپنی نسبت پر دلالت کرے۔ مثلاً خالق اور کاتب ✦

پہلی قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم جو "کیا ہے" کے جواب میں بولا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کسی شخص کی طرف اشارہ کرکے کہیں "یہ کیا ہے" اور یوں نہ کہیں کہ "کون ہے" تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ "انسان ہے"۔ اگر کوئی یوں کہدے کہ "حیوان ہے" تو یہ ماہیت کے سوال کا جواب ہوگا کیونکہ ماہیت صرف حیوانیت سے نہیں بنی۔ بلکہ حیوان ناطق سے بنی ہے تو انسان حیوان ناطق کا اسم ہے ✦

اگر اس سوال کے جواب میں انسان کی بجائے کہیں "سفید ہے" یا "طویل ہے" یا "عالم ہے" یا "کاتب ہے" تو یہ جواب ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ سفید کا مفہوم ایک مبہم شئے ہے۔ جس میں سفیدی کا وصف ہے۔ کیا معلوم وہ کونسی شے ہے۔ اور عالم کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جس میں علم کا وصف ہو۔ اور کاتب کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جو کتابت کا فعل کرتی ہو۔ ہاں بطور خود یوں سمجھ جائینگے کہ کاتب انسان ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ امور خارجیہ ذریعے سے سمجھینگے خاص لفظ کاتب میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے) ✦

اسی طرح جب رنگ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور پوچھا جائے "یہ کیا ہے" تو جواب ہوگا کہ "سفیدی ہے" اگر اسم مشتق اس کے جواب میں بولا جائے مثلاً "سفید ہے" یا "چمکیلا ہے" تو یہ جواب کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ "کیا ہے" کے سوال سے تو ذات کی حقیقت اور ماہیت مطلوب تھی۔ اور سفید کوئی مبہم شے ہے جس میں سفیدی ہوتی ہے۔ اسی طرح چمکیلا کوئی شے ہے جس میں چمک پائی جاتی ہے۔ غرض یہ تقسیم اسماء کے مدلول ومفہوم میں درست ہے۔ اس قسم کی تعبیر یوں بھی ہوسکتی ہے کہ اسم کبھی تو ذات پر دلالت کرتا ہے

اور کبھی ذات کے غیر پر۔ اور یہ سرسری اطلاق کے طور پر ہوگا ✦

چنانچہ ہمارا یہ کہنا کہ "کبھی ذات کے غیر پر دلالت کرتا ہے" اگر اس کی اس طرح توضیح نہ کر دی جائے کہ اس سے ماہیت کا غیر مراد ہے جو "کیا ہے" کے جواب میں بولی جاتی ہے۔ تو یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ مثلاً عالم ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو علم سے موصوف ہے۔ اور لفظ علم صرف علم پر دال ہے ✦

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب مذکور کے اس قول میں کہ "اسم کبھی مسمی کی ذات ہوتا ہے" دو خرابیاں ہیں۔ اور دونوں کی اصلاح لازم ہے۔ ایک تو یہ کہ اسم کی جگہ مفہوم اسم کہنا چاہئے ✦

دوم یہ کہ ذات کی جگہ ماہیتِ ذات کہنا ٹھیک ہے ✦

اب عبارت یوں ہوئی "مفہوم اسم کبھی ذات کی حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے۔ اور کبھی حقیقت کا غیر ہوتی ہے" ✦

مذکورہ مذہب والوں نے جو یہ کہا ہے کہ "خالق مسمیٰ سے غیر ہے" تو اگر اس میں خالق سے لفظ خالق مراد ہے (اور لفظ ہمیشہ مدلول لفظ سے غیر ہوتا ہے) تو صحیح ہے اور اگر لفظ خالق کا مفہوم مسمیٰ کا غیر مراد ہے تو یہ محال ہے۔ کیونکہ خالق اسم ہے۔ اور ہر اسم کا مفہوم اس کا مسمیٰ ہے۔ اگر اس سے مسمیٰ سمجھ میں نہ آئے۔ تو وہ اس کا اسم نہ ہوگا۔ اور خالق، خلق (پیدا کرنا) کا اسم نہیں ہے اگرچہ خلق اس میں داخل ہے۔ اور کاتب، کتابت کا اسم نہیں ہے۔ اور نہ مسمیٰ تسمیہ کا اسم ہے۔ بلکہ خالق ذات کا اسم ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس سے فعل خلق صادر ہوتا ہے۔ اور خالق سے بھی ذات مفہوم ہوتی ہے لیکن صرف حقیقت ذات مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ ذات اس حیثیت سے کہ اس میں صفت اضافی موجود ہے۔ جیسے ہم باپ کا لفظ بولیں۔ تو اس سے بیٹے کی ذات مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ باپ کی ذات مفہوم ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کو باپ کی طرف اضافت ہے ✦

اوصاف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اضافی۔ دوسرے غیر اضافی۔ اور ان تمام کے ساتھ ذاتیں موصوف ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ خالق وصف ہے۔ اور ہر وصف میں اثبات ہوتا ہے۔ اور اس لفظ کے مضمون میں اثبات نہیں ہے۔ سوا خلق کے۔ اور

خلق، خالق سے غیر ہے۔ اور خالق میں خلق کا کوئی وصف حقیقی نہیں ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مسمےٰ کے غیر کی طرف راجع ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ اسم سے مسمےٰ کا غیر سمجھا جاتا ہے، تناقض ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ دلیل سے مدلول کا غیر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ مسمےٰ سے مراد اسم کا مفہوم ہے۔ تو پھر مفہوم مسمےٰ کا غیر اور مسمےٰ مفہوم کا غیر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور قائل کا یہ قول کہ خالق میں خلق کا کوئی وصف نہیں۔ اور کاتب میں کتابت کا وصف ہے۔ ٹھیک نہیں۔ اس امر کی دلیل کہ وہ اس کا وصف رکھتا ہے، یہ ہے۔ کہ وہ کبھی اس سے موصوف کیا جاتا ہے اور کبھی اس سے اس وصف کی نفی کیجاتی ہے۔ اور اضافت مضاف کا اس طرح وصف ہے جس طرح بیاض وصف ہے جو مضاف نہ ہو۔ وصف اضافت کا بھی اثبات و نفی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ جو شخص زید اور بکر کو جانتا ہے۔ پھر یہ معلوم کرتا ہے کہ زید، بکر کا باپ ہے۔ تو ضرور اس نے ایک نئی بات معلوم کی ہے۔ اور یہ شے یا تو وصف ہے۔ یا موصوف ہے۔ اور وہ شے موصوف کی ذات نہیں، بلکہ وصف ہے۔ اور وہ وصف قائم بنفسہٖ نہیں۔ بلکہ وہ زید کے ساتھ قائم ہے۔

پس اضافتیں اوصاف کی قبیل سے ہیں جن کے موصوف مضافات ہیں۔ مگر ان کا مضمون دو چیزوں کے مابین قیاس کئے بدون سمجھ میں نہیں آتا۔ اور یہ امر ان کو اوصاف ہونے سے منع نہیں کرتا۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ خالقیت کے ساتھ موصوف نہیں۔ تو اس نے کلمہ کفر کہا جیسے کہ یوں کہنا کفر ہے کہ وہ عالمیت کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

مسائل مذکورہ اس خبط میں بایں باعث پڑا ہے کہ متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض[1] کے زمرہ میں شمار نہیں کی گئی۔ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ عرض کے معنی کیا ہیں؟ تو جواب دینگے کہ یہ وہ چیز ہے۔ جو محل میں موجود ہے اور قائم بنفسہٖ نہیں ہے۔

---

[1] حکماء کے نزدیک موجودات عالم دس قسم پر منقسم ہیں۔ جن میں سے ایک جوہر ہے جو قائم بالذات ہوتا ہے۔ باقی نو اعراض ہیں جو قائم بالغیر ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ (۱) کم (۲) کیف (۳) اضافت (۴) این (۵) فعل (۶) انفعال (۷) متیٰ (۸) وضع (۹) اور متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض میں شامل نہیں۔
مترجم

سوال۔ کیا اضافت قایم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں +

سوال۔ کیا اضافت معدوم ہے؟

جواب۔ نہیں۔ بلکہ موجود ہے +

سوال۔ اس کی مثال؟

جواب۔ جیسے کسی کا باپ ہونا اضافت ہے۔ اگر یہ اضافت معدوم ہوتی تو جہان بھر میں کوئی باپ نہ ہوتا +

سوال۔ کیا یہ اضافت (یعنی باپ ہونا) قایم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں +

اب ان کو مجبورًا یہ ماننا پڑیگا کہ وہ محل میں موجود ہے۔ اور بنفسہ قایم نہیں۔ بلکہ محل میں قایم ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے ہی مانتے ہیں کہ عرض سے مُراد وہی چیز ہے۔ جو محل میں موجود ہوتی ہے۔ مگر پھر مُکر جائینگے۔ اور اضافت کو عرض تسلیم کرنے سے صاف انکار کرینگے +

اس مذہب والوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بعض اسم ایسے ہیں۔ جن کو نہ مُسمّےٰ کہ سکتے ہیں۔ اور نہ مسمّےٰ کا غیر۔ کیونکہ وہ اس مثال میں عالم پیش کرینگے۔ اور اس کی نسبت جب عذر کیا جاتا ہے کہ شرع نے اللہ کے حق میں اس کے اطلاق کی اجازت نہیں دی۔ تو کبھی تو یہ جواب ملتا ہے کہ حق و صدق کی تصریح خاص اذن پر موقوف نہیں اور کبھی سائل کو ذرا رعایت دیجاتی ہے۔ اور نگاہ تحقیق انسان کی طرف پھیری جاتی ہے۔ جب کہ وہ علم کے ساتھ موصوف ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ علم انسان سے غیر ہے۔ چنانچہ ایک وقت انسان موجود تھا۔ مگر اس کا علم نہ تھا۔ اور علم کی تعریف انسان کی تعریف سے جدا ہے +

سوال۔ علم انسان سے غیر ہے۔ لیکن جب ایک شخص خاص کی نسبت کہیں کہ وہ عالم ہے اور انسان ہے تو عالم انسان نہ ہوگا۔ نہ اس سے غیر ہوگا۔ کیونکہ انسان اس سے موصوف ہے۔

جواب۔ یہ سوال کاتب اور نجّار میں بھی لازم آتا ہے۔ وہاں بھی کتابت اور نجارت سے انسان موصوف ہے۔ علاوہ ازیں یہ نکتہ تفصیل چاہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ لفظ انسان کا

مفہوم لفظ عالم کے مفہوم سے جدا ہے۔کیونکہ انسان کا مفہوم حیوان ناطق و عاقل ہے۔ اور عالم کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس کو علم ہے پس یہ دونوں لفظ ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم سے جُدا ہے۔ پس اس جہت سے اس سے غیر ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ شے فلاں شے ہے۔ دوسری جہت سے وہ شے فلاں ہے۔ اور اس جہت سے یہ کہنا درست نہیں کہ وہ اس سے غیر ہے۔ اور یہ یوں ہے کہ جب تم ایک خاص ذات پر نظر کرو جو انسان کے ساتھ موسوم ہو۔ اور ساتھ ہی عالم بھی اس کا وصف ہو۔ تو بیشک جو ذات انسان سے موسوم ہے وُہی عالم سے موصُوف ہے جیسے کہ وہ شے جس کا نام برف ہے۔ ٹھنڈی اور سفیدی سے موصُوف ہے۔ تو اس قیاس سے تو وہ وہی ہے۔ اور پہلے اعتبار سے وہ اس سے غیر ہے۔ یہ امر ازرُوئے عقل محال ہے کہ ایک ہی اعتبار میں نہ فلاں شے فلاں ہو اور نہ اس سے غیر ہو۔ جیسے کہ یہ امر محال ہے کہ فلاں شے فلاں ہو اور اسی فلاں سے غیر بھی ہو۔ کیونکہ فلاں اور غیر فلاں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اور یہ تقابل نفی و اثبات کا ہے۔ پس ان کے درمیان واسطہ نہیں ہے ✦

جو شخص مذکورہ تقریر کو سمجھ چکا اس کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب اللہ تعالےٰ کیلئے قدرت اور علم کے اوصاف ذات سے زائد ثابت ہو گئے۔ تو ایک ایسی چیز ثابت ہو گئی جو ذات سے غیر ہے۔ اور یہ غیریت لفظاً نہیں بولی جاتی تو معنے ثابت ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ علم کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ تو اس میں اللہ کا علم داخل ہوتا ہے۔ اور اس کی قدرت اور ذات داخل نہیں ہوتی۔ اور جو چیز تعریف سے خارج ہے۔ وہ اس چیز سے غیر کیوں نہ ہو۔ جو تعریف میں داخل ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ علم کی تعریف بیان کرنے والا جب کہ اس کی تعریف میں قدرت کو داخل ہوتے نہیں دیکھتا تو عذر کر سکتا ہے۔ کہ علم کی تعریف سے قدرت کا نکلجانا میرے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ میں نے علم کی تعریف بیان کی ہے۔ اور قدرت علم سے جُدا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ میں اس کو علم کی تعریف میں داخل کروں ✦

غرض کہ جو شخص اس قول کو تسلیم نہ کرے کہ "جو امر تعریف میں داخل ہے وہ اس امر سے جُدا ہے۔ جو تعریف سے خارج ہے" اور اس مقام پر لفظ غیر کا اطلاق محال قرار دے۔

وہ ان لوگوں میں سے ہے۔ جو لفظ غیر کے معنی نہیں سمجھتے۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ وہ لفظ غیر کے معنی نہ سمجھتا ہو۔ کیونکہ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ ایسا دعوے صرف زبانی ہی زبانی کرتا ہو۔ اور دل میں اس کو غلط سمجھتا ہو۔ اور سچی اور حقیقی بحث سے یہ مدعا نہیں ہوتا کہ کسی کی زبان بند کیجائے۔ بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اُس کے دل کو راہ راست پر لاکر حق کا قائل کیا جائے۔ پھر زبان خواہ حق کی قائل ہو یا نہ ہو +

اگر کوئی شخص کہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسم ہی مسمٰے ہے۔ وہ بایں مجبوری اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کہیں یہ کہنا نہ پڑے کہ "اسم اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے"۔ جس سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ ازل میں اللہ تعالےٰ کا کوئی اسم نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت نہ کوئی لفظ تھا۔ نہ الفاظ ادا کرنے والا تھا۔ اس لئے کہ لفظ حادث ہے۔ اور اللہ قدیم ہے +

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کمزور سی ضرورت ہے۔ جس کا رفع کرنا آسان بات ہے۔ یعنی کہا جا سکتا ہے کہ اسمائے باری تعالےٰ کے معانی ازل میں ثابت تھے۔ اور اسماء نہیں تھے۔ کیونکہ اسماء عربی یا عجمی زبان سے ہیں۔ اور تمام زبانیں حادث ہیں۔ یہ قیاس اُن تمام اسماء میں جاری ہو سکتا ہے، جو معنی ذات یا صفت ذات کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ مثلاً قدُّوس کیونکہ خداوند تعالےٰ ازل میں قدس کی صفت سے موصوف تھا۔ اور مثلاً عالم کیونکہ اللہ تعالےٰ ازل میں عالم تھا +

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجود اشیاء کے تین مرتبے ہیں :-

ایکؔ تو اعیان خارجیہ میں۔ اور خداوند تعالےٰ کی ذات و صفات کا یہ وجود قدامت سے موصوف ہے +

دوسرا وجود ذہن میں ہے۔ اور یہ وجود حادث ہے۔ کیونکہ خود ذہن ہی حادث ہیں +

تیسرا وجود زبان پر۔ اور یہ اسماء ہیں۔ یہ وجود بھی حادث ہے۔ کیونکہ زبان حادث ہے +

ہاں موجود ذہنی سے ہماری مراد علم ہے۔ اور یہ بھی جب خدا کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو قدیم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ازل سے موجود اور عالم ہے۔ اور ازل سے جانتا ہے کہ میں موجود اور عالم ہوں۔ اور اس کا وجود فی نفسہ بھی۔ اور اس کا علم بھی

دونو طرح ثابت ہے۔ اور جو اسماء آیندہ ایک وقت میں اپنے بندوں کو بتانے، اور اُن کی زبان پر چڑھانے، اور اُن کے ساتھ ان کے کانوں کو مانوس کرنے والا تھا وہ بھی اس کو ازل سے معلوم ہیں۔ پس اس تاویل سے یہ کہنا جائز ہو جاتا ہے کہ ازل میں اس کے اسماء تھے +

تیسرے وہ اسما جو فعل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ جیسے خالق، مصور، وہاب، سو ان کے متعلق محققین کے خیالات مختلف ہیں :۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ ازل ہی سے خالق ہونا اس کی صفت ہے +

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ازل سے وہ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے +

مگر اس اختلاف کی کوئی اصلیت نہیں۔ کیونکہ خالق کے دو معنے ہیں۔ ایک معنے تو ازل میں قطعاً ثابت ہے۔ اور دوسرا معنے یقیناً منفی ہے۔ اور اس میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھو تلوار بہرحال تیغ بُرّان کہلاتی ہے۔ خواہ غلاف میں پڑی ہو۔ یا میدان جنگ میں اپنا کام کر رہی ہو۔ فرق اتنا ہے کہ غلاف میں وہ تیغ بُرّان بالقوہ ہے اور میدان مقابلہ میں بالفعل اس صفت سے موصوف ہے +

پیاس بجھانے والا پانی جب کوزہ میں ہوتا ہے، تو بھی پیاس بجھانے والا کہلاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کی یہ صفت بالقوہ ہوتی ہے۔ اور معدہ میں بالفعل پیاس بجھانے والا ہوتا ہے۔ کوزے میں اس کے سیراب کن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ معدے میں پہنچتے ہی پیاس بجھا دیتا ہے۔ اور یہ صفت اُس کی مائیت ہے +

اور تیغ کے غلاف میں بُرّاں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے کسی جزو بدن پر پڑتی ہے اُس کو کاٹ ڈالتی ہے۔ اور یہ وصف اس کی تیزی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا کام کرنے کے لئے فی نفسہٖ کسی جدید وصف کی محتاج نہیں ہوتی +

پس باری تعالےٰ ازل میں اسی طرح خالق ہے۔ جس طرح وہ عالم و قدوس وغیرہ ہے۔ اور اسی طرح ابد میں ہوگا۔ خواہ کوئی ان اسماء سے اُس کو موسوم کرے یا نہ کرے +

بحث و جدل میں حصہ لینے والوں کو زیادہ تر اس وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اسمائے مشترکہ کے معنوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان میں تمیز کریں تو اکثر اختلافات رفع ہو سکتے ہیں +

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ یعنی نہیں عبادت کرتے تم اس کے سوا مگر ناموں کی جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کیا ہے۔ اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ الفاظ کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ جو حروف مقطعہ ہیں۔ بلکہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کا پیش کرنے والا اس کی دلالت کی وجہ نہیں سمجھا سکتا۔ تاوقتیکہ یہ نہ کہے کہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے۔ نہ کہ اسماء کی۔ تو اس کے کلام میں اس امر کی تصریح ہوگی کہ اسماء مسمیات سے جدا ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ اہل عرب مسمیات کو نہیں بلکہ مسمیات کو پوجتے تھے۔ تو اس کا کلام متناقض ہوگا۔ اور اگر یوں کہے کہ وہ لوگ مسمیات کو نہیں بلکہ اسماء کو پوجتے تھے۔ تو اس قول کا مفہوم متناقض نہیں ہوگا تو اگر اسماء ہی مسمیات ہوں۔ تو دوسرا قول پہلے قول کی طرح متناقض ہوتا +

یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ معبودوں کے نام جو انہوں نے بتوں کے لئے مقرر کر رکھے تھے۔ وہ اسماء بلا مسمّٰے تھے (کیونکہ مسمّٰے وہ معنے ہے جو اعیان میں ثابت ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس پر لفظ دلالت کرتا ہے) اور اعیان میں کوئی معبود موجود نہ تھا۔ نہ ذہن میں معلوم تھا۔ بلکہ صرف نام ہی نام زبان پر موجود تھے پس وہ ایسے اسماء تھے جن کے موضوع لہٗ اور معنے کچھ نہ تھے +

جس کا نام حکیم پڑ جائے اور وہ فی الحقیقت حکیم نہ ہو۔ اور وہ حکیم حکیم کہلا کر خوش ہوتا ہو۔ تو طنزاً کہا کرتے ہیں کہ صرف اسم پر خوش ہو رہا ہے۔ کیونکہ یہاں اسم کے کوئی معنے موجود نہیں ہے +

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسم، مسمّٰے سے جدا ہے۔ کیونکہ اس نے اسماء کو تسمیہ سے ملایا ہے۔ اور تسمیہ کو ان سے منسوب کیا ہے۔ اور اس کو ان کا فعل قرار دیا ہے اور فرمایا اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا یعنی وہ نام جو ان کے فعل اور ان کے نام رکھنے سے پیدا ہو۔ اور بتوں کے وجود تو ان کے نام رکھنے سے پیدا نہیں ہوئے تھے +

اگر کوئی کہے کہ اللہ نے فرمایا ہے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى یعنی پاکی سے یاد کر اپنے پروردگار بزرگ کے نام کو" اور پاکی کے ساتھ ذات ہی یاد کی جاتی ہے۔ نہ کہ اسم۔ جواب یہ ہے کہ اسم کا لفظ یہاں صفت کے طور پر بڑھایا گیا ہے۔ اور اہل عرب کے بعض محاورات اسی طرح واقع ہوئے ہیں۔ اس کی مثال خداوند تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ جس میں کاف تشبیہ کے ساتھ لفظ مثل بھی بڑھایا گیا ہے۔ اس میں یہ حجت نہیں ہو سکتی کہ اس میں مثل کا اثبات ہے۔ کیونکہ اللہ نے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ویسے ہی فرمایا ہے، جیسے کہا جاتا ہے لَيْسَ كَوَلَدِهِ أَحَدٌ جس میں ولد کا اثبات ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں کاف زائد ہے۔ یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اسم کے ذریعہ سے مسمیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جس سے مسمیٰ کی تعظیم مراد ہو جس طرح شریف، جناب، حضرت، حضور، درگاہ، سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور کہا کرتے ہیں۔ امیر کے حضور میں سلام عرض ہے۔ پیرومرشد کی جناب میں گیا تھا۔ بندۂ درگاہ کی یہ التماس ہے۔ جس سے امیر اور پیرومرشد اور صاحب درگاہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اظہار عظمت کے لئے ان امور کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جن کا ان سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح اسم گو مسمیٰ کا غیر ہے، مگر اس کو مسمیٰ کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہے۔ اور اس تعلق سے کسی صاحب بصیرت کو اصل وضع میں التباس نہ ہونا چاہئے۔ اور کیوں التباس ہو۔ جب کہ اسم کو مسمیٰ سے غیر کہنے والوں کی دلیل اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے کہ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ یعنی اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ إِنَّ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو۔ کوئی ان سب کو یاد کرے وہ جنت میں جائیگا اور کہتے ہیں اگر اسم، مسمیٰ ہی ہوتا۔ تو مسمیٰ کی تعداد (معاذ اللہ) ننانوے ہوتی۔ اور وہ محال ہے۔ کیونکہ مسمیٰ ایک ہی ہے۔ پس ان لوگوں کو یہاں مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ اسم، مسمیٰ کا غیر ہے۔

یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اسم سے تسمیہ مراد ہونا جائز ہے۔ نہ کہ مسمیٰ۔ جیسے کہ دوسرے فریق نے تسلیم کیا ہے کہ اسم سے کبھی مسمیٰ بھی مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ در اصل مسمیٰ سے غیر ہی ہو۔ اور اس دعوے میں وہ آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى

پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں فریق بخوبی استدلال نہیں کر سکتے۔

اُن دونوں کا جواب یہ ہے کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کا تمام ما فیہ و ما علیہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ رہا مذکورہ بالا استدلال۔ سو اُن کا یہ جواب کہ "اسم و مسمٰے ایک ہی ہیں۔ اور یہاں اسم سے مراد تسمیہ ہے" غلط ہے جس کے دو سبب ہیں:۔

ایک تو یہ کہ جو شخص اسم و مسمٰے کے ایک ہونے کا قائل ہے۔ اس کو یہ کہنا دشوار نہیں کہ یہاں ننانوے مسمٰے ہیں کیونکہ اس قائل کے نزدیک مسمٰے سے مراد مفہوم اسم ہے۔ اور علیم کا مفہوم قدیر کے مفہوم سے جُدا ہے۔ اسی طرح قدوس کا مفہوم خالق کے مفہوم کا غیر ہے۔ علٰے ہذا القیاس تمام اسمائیں سے ہر اسم کا مفہوم و معنٰی جداگانہ ہے۔ اگرچہ سب کا نتیجہ ایک ہی ذات کے وصف پر منتہی جا ہوتا ہے۔ تو گویا یہ قائل یوں کہتا ہے کہ اسم سے مراد اس کا معنٰے ہے۔ اور وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى کے معنٰے میں یوں کہنا ممکن ہے کہ "اللہ تعالٰے کے لئے اچھے اچھے معنے ہیں" کیونکہ مسمّیات معانی ہی ہیں جن میں لامحالہ کثرت ہے۔

دوسرا یہ کہ اسم سے یہاں مُراد تسمیہ ہونا غلط ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تسمیہ کے معنے ذکر اسم یا ذکر وصف کے ہیں۔ اور اسم خواہ ایک ہی ہو۔ اسم کا ذکر کرنے والوں کی کثرت سے تسمیہ میں بھی کثرت آجاتی ہے۔ جیسے ذاکروں اور عالموں کی کثرت سے ذکر اور علم میں کثرت آجاتی ہے۔ خواہ مذکور اور معلوم ایک ہی ہو۔ پس تسمیہ کی کثرت اسمار کی کثرت کی محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محض اسم کا ذکر کرنے والوں کے افعال ہیں۔ لہٰذا کثرت اسماء سے مراد یہاں تسمیات نہیں۔ بلکہ اسمار ہیں۔ اور اسمار وہ الفاظ موضوعہ ہیں۔ جو معانی مختلفہ پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اب تاویل میں کج راہی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ اسم کے مسمٰے ہونے کا اعتراف کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں اسی قدر بحث کافی ہے۔ اگرچہ یہ بحث قلیل المنفعت ہونے کے باعث اس طول کی مستحق نہ تھی۔ لیکن ہمارا مُدعا یہ تھا کہ اس قسم کی مباحث میں غور و خوض کرنے کا طریقہ سکھا دیا جائے۔ تاکہ طالبانِ حق بعض ایسے مسائل میں جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں اس طریقہ سے کام لے سکیں۔

دوسری فصل

اسماء قریب المعنیٰ کا بیان۔ اور اس امر کا ذکر کہ کیا ایسے اسماء کا مترادف ہونا جائز ہے۔ یا ان کے مفہومات کا مختلف ہونا لازم ہے

واضح ہو کہ جن حضرات نے ان اسماء کی شرح کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اُنہوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی اور اس بات کو بعید نہیں سمجھا کہ دو اسم صرف ایک ہی معنے پر دلالت کرتے ہوں۔ مثلاً کَبِیْرٌ اور عَظِیْمٌ۔ قَادِرٌ اور مُقْتَدِرٌ خَالِقٌ اور بَارِئٌ مگر میں اس امر کو نہایت بعید سمجھتا ہوں خصوصاً جب کہ ایسے دونو اسم ننانوے اسماء میں سے ہوں۔ کیونکہ اسم سے حروف مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ معنے مقصود ہیں۔ اور اسماء مترادف کے محض حروف ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اور ان اسماء کی فضیلت صرف ان معنوں کے لحاظ سے ہے جو ان میں مذکور ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی اسم معنے سے خالی رہ جائے۔ اور الفاظ ہی الفاظ رہ جائیں۔ تو اس میں کوئی فضیلت نہ ہوگی۔ ایک معنے پر اگر ہزار الفاظ دلالت کرتے ہوں۔ تو اس معنے کو ایسے معنے پر جس پر صرف ایک اسم دال ہو کوئی فضیلت نہ ہوگی ✦

غرض یہ بات نہایت نادرست معلوم ہو رہی ہے کہ محصور تعداد کو صرف الفاظ کے تکرار سے پورا کیا گیا ہو۔ بلکہ قرین عقل یہ بات ہے کہ ہر لفظ کے تحت میں خاص معنے ہوں۔ تو جب ہم دو لفظ متقارب پائیں۔ تو ان کے اندر دو امروں میں سے ایک امر ضرور رہو گا ✦

ایک امر تو یہ کہ ان دونوں اسموں میں سے ایک اسم ننانوے کی تعداد سے خارج ہے۔ مثلاً اَلْاَحَدُ اور اَلْوَاحِدُ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی مشہور روایت میں اَلْوَاحِدُ آیا ہے۔ اور دوسری روایت میں اَلْوَاحِدُ کی بجائے اَلْاَحَدُ وارد ہوا ہے۔ تو اب اس تعداد کی تکمیل توحید کے معنے سے ہوگی۔ جو خواہ لفظ واحد سے لئے جائیں یا لفظ احد سے۔ یا ان دونوں اسموں کو تکمیل عدد کے لئے دو اسموں

کے قائم مقام سمجھا جائے اور معنی ایک ہی ہوں۔ یہ امر میرے نزدیک دور از عقل ہے +

دوسرا امر یہ کہ ایک اسم کو دوسرے اسم پر کوئی نہ کوئی معنوی فوقیت ہے۔ اور اس میں ایک ایسی دلالت ہے۔ جو دوسرے اسم میں نہیں ہے۔ اس کی مثال اَلْغَافِرُ اور اَلْغَفُوْرُ اور اَلْغَفَّارُ ہیں +

اگر ان کو تین اسم جُدا جُدا تسلیم کیا جائے۔ تو کوئی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ غافر صرف اصل مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ اور غفور گناہوں کی کثرت کے لحاظ سے کثرت مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ حتّٰی کہ جو ذات صرف ایک قسم کے گناہوں کو مغفرت کرے اُس کو غفور نہیں کہہ سکتے۔ اور غفّار تکرار کے طور پر کثرت غفران پر دال ہے۔ یعنی وہ پے در پے گناہ معفرت کرتا ہے۔ حتّٰی کہ جو ذات تمام گناہ بخش دے۔ مگر پہلی ہی مرتبہ بخشے اور دوبارہ کئے ہوئے گناہ کو نہ بخشے وہ اسم غفار کے مستحق نہیں +

یہی کیفیت غَنِیٌّ اور مَلِكٌ کی ہے۔ کیونکہ غَنِیٌّ وہ ہے جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو۔ مَلِكٌ بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے۔ تو مَلِكٌ میں غَنِی سے زائد معنی پائے گئے +

اسی طرح عَلِیْمٌ اور خَبِیْرٌ میں امتیاز ہے۔ کیونکہ عَلِیْمٌ وہ اسم ہے جو صرف علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور خَبِیْرٌ امور باطنہ کے متعلق جو علم ہو اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس اتنا سا تفاوت ہی اسماء کو مترادف نہیں ہونے دیتا۔ اور ان میں آوٹنی اور سانڈنی اور گھوڑے اور کوتل کا سا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے +

اگر اس قسم کے بعض اسماء متقاربہ میں ہم ان دونوں مسلکوں پر چلنے سے عاجز آ جائیں تو چاہئے کہ کم از کم ان دونوں لفظوں کے معنوں میں کسی نہ کسی وجہ سے تفاوت ہونے کا ہم اعتقاد رکھیں۔ اگرچہ ان کے مابہ الافتراق پر کوئی نص ہم کو نہ ملے۔ مثلاً عَظِیْمٌ اور کَبِیْرٌ۔ اب ان میں جو معنوی فرق ہے۔ خدا کے بارہ میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن با اینہمہ ہم کو اصل فرق میں کوئی شک نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اَلْكِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ اس لحاظ سے ان میں ایک ایسا فرق ہے۔ جو خاص تفاوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ ردا (چادر) اور ازار (تہمد) دونوں انسان کے لئے زینت ہیں۔ لیکن ردا، ازار سے اشرف ہے +

اسی طرح اللہ اکبر کو نماز کی کلید بنایا گیا ہے۔ اور جو لوگ افہام ناقدہ رکھتے ہیں اُن کے نزدیک اللہ اعظم ان الفاظ کے قایم مقام نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح اہل عرب اپنے استعمال میں ان دونوں لفظوں میں بڑا فرق رکھتے ہیں۔ چنانچہ کبیر کو ایسے مقاموں میں استعمال کرتے ہیں، جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا ہے اگر یہ دونوں لفظ مترادف ہوتے۔ تو یقیناً ہر مقام میں دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے۔

اہل عرب کہا کرتے ہیں فلان اکبر سناً من فلانٍ یوں نہیں کہتے کہ اعظم سناً۔

اسی طرح جلیل بھی کبیر اور عظیم سے جُدا ہے۔ کیونکہ جلال میں صفات شرف کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلانٌ اجلُّ سناً من فلان اور اکبر سناً ہی کہا کرتے ہیں۔

اور کہا کرتے ہیں الفرس اعظم من الانسان یوں نہیں کہتے کہ اجلُّ من الانسان۔

غرض یہ کہ اسماء گو معنے کی رُو سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لیکن مترادف نہیں ہیں۔

علے الجملہ جو اسماء ننانوے اسماء میں سے ہیں۔ ان میں ترادف محض بعید ہے کیونکہ اسماء سے مراد حروف اور آوازوں کے مخارج نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مفہومات اور معانی مراد ہیں۔ پس یہ ایک اصولی امر ہے۔ جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

ف اس فقرہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر جرح ہے۔ جن کے نزدیک اللہ اعظم کے الفاظ سے بھی افتتاح نماز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المذہب ہیں۔ مترجم

تیسری فصل

مختلف معنوں والے اسم کا بیان

جو اسم چند مختلف معنوں میں مشترک ہے۔ جیسے اَلْمُؤْمِنُ جس سے کبھی تصدیق مراد ہوتی ہے اور کبھی وہ امن سے مشتق ہوتا ہے اور اس سے امن و امان کا افادہ مراد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کو دونوں معنوں پہ اسی طرح محمول بحمل عموم کیا جائے جس طرح علیم کو غیب و آشکارا اور ظاہر و باطن کے علم پر حمل کیا جاتا ہے +

ایسے اسم کو جب لُغت کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک اسم مشترک کو تمام مسمیات پر محمول بحمل عموم کیا جائے۔ کیونکہ اہل عرب مجمل کا اسم بول کر اس سے رجال کا تو ہر فرد مراد لیتے ہیں۔ اور یہی عموم ہے۔ مگر عین کا اسم بول کر اس سے سُورج، اور دینار، اور کفہ میزان، اور چشمہ، اور آنکھ یکبارگی مراد نہیں لیتے۔ اور یہ لفظ مشترک ہے۔ بلکہ ایسا لفظ اپنے ایک معنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور اس معنے کی تمیز قرینے سے ہوتی ہے +

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اصُول میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ اسم مشترک جب مطلقاً وارد ہوا ہو تو اپنے تمام مسمیات پر حمل کیا جاتا ہے جس طرح علیم علم پر حمل کیا جاتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی قرینہ تخصیص پر دلالت نہ کرے +

یہ روایت اگر صحیح ہے۔ تو بعید ہے۔ بلکہ مطلق لفظ عین لغت کی جہت سے مبہم ہے۔ تاوقتیکہ کوئی خاص قرینہ تعیین پر دلالت نہ کرے

تعیمات کو زبان پر لانے سے شرع نے اکثر منع کیا ہے۔ ایسے مقامات میں اسم کا معنے بیان کرنے میں شرع پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اور ہر اسم کا وہی معنے لینا چاہئے جو زیادہ قریب ہو۔ باقی کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ ہاں جب شرع نے کسی لفظ میں خاص تصرف کیا ہو۔ اور اس کی وضع و تصرف کا یہ منشا ہو کہ مطلق لفظ سے اس کے تمام معانی مراد لئے جائیں۔ چنانچہ اسم مُؤمن شرع میں مصدق پر محمول ہو۔ اور لغت کی وضع سے نہیں۔

بلکہ شرع کی وضع سے اُن کے معنے کا فائدہ بھی دے۔ جیسے کہ اسم صَلٰوۃ اور صَوم شرع کے تصرف اور وضع سے بعض ایسے معنوں کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں جنکی مقتضی وضع لغت نہیں ہے۔ اور یہ امر بعید نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی دلیل موجود ہو لیکن اس وقت ایسا نہیں ہو سکتا، جب کہ کوئی دلیل اس امر کی موجود نہ ہو کہ شرع نے وضع کو بدل ڈالا ہے اور میرا ظن غالب یہی ہے کہ شرع نے وضع کو متغیر نہیں کیا +

مُصنفین میں سے جو شخص کہتا ہے کہ "اسمائے باری تعالےٰ میں سے کوئی خاص اسم جب کئی معنوں کا محتمل ہو۔ اور ان میں سے کسی خاص معنے کے ساتھ مخصوص ہونے کی عقلی دلیل موجود نہ ہو۔ تو اس کو تمام معنوں پر بطریق عموم حمل کیا جائیگا" وہ نہایت دور از قیاس بات کا قائل ہے۔ ہاں بعض متقارب معانی ایسے ہیں جن کا اختلاف اضافات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ان کا تشابہ عموم سے ملتا جلتا ہے۔ پس ایسے اسم میں تعمیم اقرب ہے۔ جیسے اَلسَّلَامُ کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ عیب و نقص سے سلامتی مراد ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس اسم سے اس ذات کی بدولت اور اس کی طرف سے خلقت کی سلامتی مراد ہو۔ پس یہ اور اس قسم کے اور اسماء عموم سے مشابہ ہیں +

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زیادہ میلان منع تعمیم کی طرف ہے۔ اور بعض معانی کی تعمیم اجتہاد ہی کے ذریعہ سے پیدا کی جاتی ہے +

اب واضح ہو کہ مجتہد کو تعیین پر آمادہ یا تو یہ بات کرتی ہے کہ وہ معنے زیادہ مناسب ہوتے ہیں جیسے مومن کے معنے "امان دینے والا" جو "ایمان لانے والا" کے معنے کی نسبت اللہ کے حق میں زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ ایمان لانا خدا کے سوا دوسری موجودات کے لئے شایاں ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے کلام کی تصدیق کریں۔ اس لئے کہ اللہ کا رتبہ تصدیق کرنے والے کے رتبہ سے برتر ہے +

یہ بات مجتہد کو تعیین معنے پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنے دو اسموں کو مترادف نہ ہونے دے۔ جیسے مُھَیْمِنٌ کو نگہبان کے سوا دوسرے معنوں پر حمل کیا جاتا ہے کیونکہ نگہبان کے معنوں کے لئے اسم رَقِیْبٌ وارد ہو چکا ہے۔ اور ترادف بعید ہے چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں +

یا یہ بات مجتہد کو تعیین معنے پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنے زیادہ ظاہر اور بلند

سمجھ میں آ جانے والے اور کمال مدح پر زیادہ دلالت کرنے والے ہوتے ہیں +

اسمائے باری تعالےٰ کے بیان میں ہم کو مذکورہ اصول پر چلنا چاہیئے۔ اور ہر اسم سے صرف وہی جداگانہ معنےٰ مراد لینا چاہیئے جو زیادہ قریب ہو۔ اس کے سوا دوسرے معنوں کو نظر انداز کیا جائیگا۔ ہاں ہم الفاظ مشترکہ کی تعمیم جائز نہیں سمجھتے۔ اور علاوہ اس کے کسی اسم میں مختلف اقوال کو ترقی دینا غیر مفید بھی ہے +

چوتھی فصل

اس امر کا بیان کہ بندہ کا کمال اور سعادت اس میں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اخلاق الٰہیہ کا خوگر بنے۔ اور اللہ کے اسماء وصفات کے معانی سے اپنا باطن آراستہ کرے

واضح رہے کہ جو شخص اسمائے باری تعالےٰ کے معانی سے صرف اسی قدر بہرہ یاب ہے کہ ان کو الفاظ کی حیثیت سے سُنتا ہے، لغات کی کتابوں میں ان کی تفسیر پڑھتا ہے اور دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ میں ان کے معانی موجود ہیں۔ تو سمجھو کہ وہ نہایت ہی کم نصیب اور کم رتبہ کا شخص ہے۔ جس کے اس سرمایہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس کی اصلی کامیابی کا باعث ہو سکے۔ کیونکہ صرف الفاظ کا سُننا زیادہ سے زیادہ قوت سامعہ کی سلامتی کا مُستدعی ہے جس سے وہ آوازوں کو محسوس کرتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں چوپائے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں۔ اور اسما کی لغوی وضع کو سمجھنا صرف عربیت جاننے کا مُستدعی ہے۔ اور یہ بھی ایک ایسا رتبہ ہے جس میں ایک ادیب لغت دان بلکہ ایک جاہل عرب اس کے ساتھ شامل ہے +

رہا یہ اعتقاد کہ ان اسمائے معنے اللہ کے لئے ثابت ہیں۔ سو جب یہ اعتقاد کشف کے بغیر ہو۔ تو صرف ان الفاظ کے معنے سمجھنے اور اُن کی تصدیق کرنے کا مستدعی ہے

یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں عام لوگ بلکہ ایک بچہ بھی شریک ہے۔ کیونکہ جب اس کو یہ الفاظ سنا کر ان کے معانی سمجھائے جائیں۔ تو وہ سمجھ جائیگا۔ اور ان پر دل سے یقین کریگا۔

اور نو اور اکثر علما کا درجہ بھی یہی ہے۔ اس جماعت کو دوسرے لوگوں پر جو ان تینوں درجوں میں ان کے شریک ہیں، جو فضیلت ہے اس سے تو انکار ہو نہیں سکتا لیکن اس میں شک نہیں کہ معراج کمال تک پہنچنے میں یہ ایک بھاری نقص ہے۔ کیونکہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ یعنی "نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کی شان کے لئے برائیاں ہیں"۔

اسمائے باری تعالےٰ میں سے مقربین کا حصہ تین امور ہیں:۔

اوّل۔ ان اسمار کے معانی کو مکاشفہ اور مشاہدہ کے طور پر سمجھنا۔ تاکہ ایسی دلیل کے ساتھ ان کے حقائق معلوم ہو جائیں جس میں خطا ممکن نہ ہو۔ اور ان صفات سے اللہ کا موصوف ہونا ان پر اس طرح منکشف ہو جائے جس طرح انسان کو اپنی صفات کے متعلق یقین ہو جاتا ہے۔ جو اس کو احساس ظاہر سے نہیں بلکہ مشاہدۂ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔ اب دیکھو اس مذکورہ اعتقاد میں اور اس اعتقاد میں کس قدر فرق ہے۔ جو والدین کی تربیت اور اُستادوں کی تعلیم سے بطور تقلید حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ مباحثانہ دلائل بھی شامل ہوتے ہیں۔

دوم۔ مقربین کا اس کی صفات جلال کو اس عظمت کی نگاہ سے دیکھنا جس سے ان کو خود ان صفات سے حتی الامکان متصف ہونے کا شوق پیدا ہو جائے۔ تاکہ وہ اس ذریعہ سے نہ صرف بالامکان بلکہ بالصفت خدا کے قریب ہو جائیں۔ اور اس اتصاف کے ساتھ ملائکہ مقربین سے مشابہت پیدا کریں۔ اور جب کسی صفت کی عظمت دل میں سما جاتی ہے۔ تو اُس کے لئے لازم ہے کہ اس صفت کا شوق اور اس جمال و جلال کا عشق اور اس وصف سے اپنے باطن کو آراستہ کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ اگر یہ سعادت کامل طور پر حاصل ہونی ممکن ہو۔ تو کامل طور پر ورنہ بقدر امکان ضرور شوق پیدا ہو۔ اور اس شوق سے خالی ہونے کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس وصف کے اوصاف جلال و کمال میں سے ہونے کا پورا پورا یقین نہ ہو۔ یا دل کسی دوسرے شوق میں ڈوبا ہوا ہو۔ چنانچہ شاگرد جب اپنے اُستاد کو علم میں کامل دیکھتا ہے تو اُس کو شوق برانگیختہ کرتا ہے

کہ اس کے ساتھ تشابہ پیدا کرے۔ اور اس کے قدم بقدم چلے۔ ہاں مثلاً جب اس کو سخت بھوک لگی ہو۔ تو اس وقت ایسا شوق غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے باطن کا کھانے کے شوق میں مستغرق ہونا، علم کے شوق کا مانع ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صفات باری تعالیٰ کے مشاہدہ کرنے والے کا دل ماسوے اللہ کے خیال سے بالکل خالی ہو۔ کیونکہ معرفت کا تخم شوق ہے۔ لیکن اسی وقت جب کہ ساحتِ دل خواہشات کے خار وخس سے پاک ہو۔ ورنہ تخم بار آور نہیں ہوگا ۔

سوم۔ مقربین کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ کسی ممکن حد تک ان صفات کو حاصل کریں۔ اور ان کی خوبیوں سے اپنی باطنی حالت کو آراستہ کریں۔ جس سے بندہ ربانی یعنی رب کا مقرب بن جاتا ہے۔ کیونکہ ان صفات کی بدولت وہ فرشتگانِ ملاءِ اعلیٰ کا رفیق ہو جاتا ہے۔ جو مقربان درگاہ الٰہی ہیں۔ پس جو شخص ان کی صفات کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا کر لیتا ہے۔ وہ اس مشابہت کی مقدار موافق حق تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے ۔

سوال۔ صفات خدا کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کرنا ایک باریک بات ہے۔ جس کو مانتے ہوئے دل کتراتا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے پر ذرا زیادہ روشنی ڈالئے ۔

جواب۔ غالباً یہ امر تم سے اور اوسط درجہ کے کسی عالم سے مخفی نہ ہوگا کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کامل دوسری ناقص۔ کامل ناقص سے اشرف ہے۔ اور چونکہ کمالات کے درجات متفاوت ہیں۔ اور انتہائے کمال صرف ایک ذات پر موقوف ہے۔ حتےٰ کہ کمال مطلق اس کے سوا اور کسی کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ دوسری موجودات کے کمالات ایک دوسرے کی نسبت متفاوت ہیں۔ جس کا کمال جتنا زیادہ ہے، اتنا ہی زیادہ اس ذات کے قریب ہے جس کو کمال مطلق حاصل ہے۔ اور قرب سے مراد رتبہ اور درجہ مراد ہے۔ نہ کہ مکان۔ پھر موجودات ایک اور اعتبار سے دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک زندہ۔ دوسری بیجان اور تم بخوبی جانتے ہو کہ زندہ بیجان کی نسبت اشرف و اکمل ہے۔ اس کے بعد یاد رکھو کہ زندہ کے تین درجے ہیں۔ ایک درجہ ملائکہ کا۔ دوسرا انسان کا۔ تیسرا بہائیم (چوپاؤں) کا۔ زندگی کے صحیح مفہوم کا لحاظ کیا جائے۔ تو اس میں بہائم کا درجہ نہایت گرا ہوا ہے۔ کیونکہ زندہ (حی) وہ چیز ہے، جو ادراک اور فعل صادر کرنے والی ہو۔ اور بہائیم کے ادراک میں بھی نقص ہے اور ان کے فعل میں بھی نقص ہے ۔

بہائم کے ادراک کا نقصان یہ ہے کہ وہ صرف حواس میں مقصور رہے۔ اور حواس کا ادراک غیر مکمل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اُنہیں اشیا کا ادراک کر سکتے ہیں، جو دیکھنے، یا سونگھنے یا سُننے، یا چکھنے، یا ٹٹولنے سے محسوس ہو سکیں۔ اور پھر ساتھ ہی قریب بھی ہوں۔ اگر یہ اشیا سامنے موجود نہ ہوں، تو آلاتِ حس بالکل معطل و بیکار رہتے ہیں +

بہائم کا فعل اس لئے ناقص ہے کہ وہ صرف شہوت اور غضب کے مقتضا میں محصور ہے اور ان میں عقل بھی نہیں۔ جو شہوت و غضب کو روکے +

ملائکہ کا درجہ ان تینوں سے بالا ہے۔ اور یہ وہ مخلوق ہے جس کے ادراک میں مُدرکات کے قرب و بُعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ ان کا ادراک صرف ان اشیا پر موقوف نہیں ہے۔ جن میں قرب و بُعد متصوّر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اشیا اجسام ہوتے ہیں۔ اور اجسام تمام موجودات میں سے خسیس ہیں۔ نیز یہ مخلوق شہوت اور غضب کی مقتضیات سے پاک ہے پس اس کے افعال شہوت اور غضب کے تقاضے سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان افعال کا داعی ایک ایسا امر ہے۔ جو شہوت و غضب سے برتر ہے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کے قرب کی طلب ہے +

انسان کا درجہ ان دونوں مخلوقوں کے مابین ہے۔ گویا وہ بہیمیت (چارپایوں کی صفات) اور ملکیت (فرشتوں کی صفات) سے مرکب ہے۔ اور ابتدائی حالت میں اس پر بہیمیت غالب ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو بعض حواس کے ساتھ ادراک حاصل ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے ادراک کرنے کے لئے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ وہ حس و حرکت سے امر محسوس کی طرف قرب طلب کرے۔ یہاں تک کہ بالآخر اس میں عقل کا نور درخشاں ہوتا ہے جو بدن کی حرکت کئے بغیر اور قرب طلب کئے بدون عالم بالا میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو مکانی قرب و بُعد کو قبول نہیں کرتے۔ غرض کہ پہلے اس میں شہوت و غضب اپنے اپنے مقتضا کے موافق غلبہ دکھاتے ہیں۔ پھر اس کو طلب کمال اور عاقبت بینی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ پس جب وہ شہوت و غضب کو مغلوب کر لیتا ہے تو یہ دونوں طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ تو اس سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کا نفس خیالات اور محسوسات کو ترک کر کے ان امور کے ادراک سے مانوس ہو جائے۔ جو حس اور خیال کی نسبت سے بالا ہیں۔ تو اس کو فرشتوں کے ساتھ اور بھی مشابہت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حیات کی خاصیت ادراک اور عقل ہے۔ اور یہ

دونوں کم اور متوسط اور کامل ہو سکتے ہیں۔ انسان اِن صفتوں میں جُوں جُوں فرشتوں کی پیروی کرتا جائیگا۔ تُوں تُوں درجہ بہیمیت سے دُور اور درجہ ملکیت سے قریب ہوتا جائیگا۔ اور یہ درجہ اللہ تعالےٰ سے قریب ہے۔ اور قریب سے قریب ہونے والی چیز بھی قریب ہوتی ہے +

سوال۔ اس کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان نسبت قایم ہے۔ کیونکہ جب وہ اُس کے اخلاق اپنے وجُود میں پیدا کریگا تو اُس کے مشابہ ہو جائیگا حالانکہ یہ امر عقلاً و شرعاً معلوم ہے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہے نہ کوئی شے اُس کے مشابہ ہے ؟

جواب۔ جب تم اس مماثلت کا معنے سمجھتے ہو۔ جو خدا کی ذات سے بعید ہے تو تم یہ بھی سمجھتے ہو گے کہ خدا کی کوئی مثل نہیں۔ مگر یہ گمان ٹھیک نہیں کہ کسی وصف میں شریک ہونے سے مماثلت لازم آتی ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ دو ضدیں باہم مماثل نہیں ہوتیں۔ اور ان کے درمیان ایک ایسا بُعد ہوتا ہے جس سے زیادہ بُعد خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ پھر بھی وہ دونوں بہت سی اوصاف میں مشارک ہوتی ہیں۔ مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے اور یہ دونوں عرضیت میں اور رنگ میں اور آنکھوں سے محسُوس ہونے میں اور اس کے سوا اور بہت سی باتوں میں باہم مشارک ہیں +

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ موجُود لافی مکان اور سمیع، بصیر، عالم، مرید، متکلم، حیّ، قادر اور فاعل ہے۔ اور انسان میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ تو کیا وہ خدا کو بندہ سے مشابہ کر کے اس کی مثل قرار دیتا ہے۔ حاشا و کلاّ۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو تمام مخلوقات باہم مشابہ ہوتیں۔ کیونکہ سب کی سب کم از کم وجُود میں تو باہم مشارک ہیں۔ بلکہ مماثلت سے مراد نوع اور ماہیت کی مشارکت ہے۔ پس گھوڑا اگرچہ سمجھ میں فائق ہے، مگر انسان کی مثل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ نوع میں اس کے مخالف ہے۔ سمجھ جس میں وہ انسان کے ساتھ مشابہ ہے۔ ایک عرض ہے۔ جو انسان کی ماہیت سے خارج ہے +

خاصیت الٰہی یہ ہے کہ وہ موجود واجب الوجُود بذاتہ ہے، جو تمام ممکنات کو نہایت عمدگی سے موجود کرتا ہے۔ اس خاصیت میں کسی چیز کا مشارک ہونا تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اور اگر بندہ کی بعض صفات حاصلہ کے نام ایسے ہیں جو خدا کی خاصیت کے نام

ہیں۔ تو اس سے مماثلت لازم نہیں آتی۔ مثلاً وہ سمیع، بصیر، عالم، قادر، حی اور فاعل ہے اور بندہ بھی سمع، بصر، علم، قدرت، زندگی، اور فعل سے موصوف ہوتا ہے۔ بلکہ خاصیت الٰہی خاص اللہ کے لئے ہے۔ اور اس کو اللہ ہی جانتا اور پہچانتا ہے ٭

یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ اس کے سوا یا معاذ اللہ اس کی مثل کے سوا اور کوئی چیز اس خاصیت کو سمجھ اور پہچان سکے۔ اور جب اس کی مثل کوئی نہیں۔ تو صرف وہی ایک اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے ٭

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے کہ لَا یَعْرِفُ اللّٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی یعنی "خدا کو خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا" ٭

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ جب انتقال کرنے لگے تو کسی نے پوچھا۔ اب آپ کا جی کیا چاہتا ہے۔ فرمایا "میرا جی چاہتا ہے کہ مرنے سے پیشتر خدا کو پہچان لوں خواہ ایک لحظہ بھر کے لئے" ٭

اس مقام پر اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دلوں میں تشویش انگیز خیالات اٹھا کرتے ہیں۔ اور ان کو نفی و تعطیل کا وہم دامنگیر ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہ ان کو اس قسم کے کلام کے سمجھنے کی قدرت نہیں ہوتی۔ ہم اس بات کو سمجھاتے ہیں۔ سنو!

اگر کوئی کہے کہ "میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں پہچانتا" تو اس کا یہ قول درست ہے۔ اور اگر کہے کہ "میں خدا کو نہیں پہچانتا" تو بھی درست ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نفی و اثبات اکٹھے صادق نہیں آتے۔ بلکہ ایک صادق آسکتا ہے۔ کیونکہ نفی کا صادق آنا اثبات کا کاذب ہوجاتا ہے۔ وبالعکس۔ لیکن جب کلام کی وجہ مختلف ہو۔ تو دونوں قسموں میں صدق متصور ہوسکتا ہے ٭

جیسے کوئی کسی سے پوچھے "کیا تم ابوبکر صدیق کو جانتے ہو" اور وہ یوں جواب دے کہ "صدیق رض ایسے نہیں ہیں جن کو کوئی نہ جانتا ہو۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوسکتا جو ایسے مشہور و معروف بزرگ کو نہ جانتا ہو۔ جن کا نام شہرہ آفاق ہے۔ ممبروں پر انہیں کی تعریفیں ہورہی ہیں۔ مسجدوں میں انہیں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زبانوں پر انہیں کی مدح جاری ہے" تو اس کا جواب صحیح ہوگا ٭

اور اگر وہی سائل کسی دوسرے شخص سے پوچھے "کیا تم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ

کو جانتے ہو" اور وہ یُوں جواب دے کہ "آہ! مَیں کون ہوں، جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو جان سکوں ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

صدیق رضی اللہ عنہ کو وُہی جانے، جو صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو۔ میرا یہ دل گُردہ کہاں کہ اُن کی تعریف کرنے یا اُن کی تعریف کے خواہشمند ہونے کی ہمت کر سکوں مجھ جیسے ناچیز تو ان کا نام ہی نام یا ان کی صفات سُن سکتے ہیں۔ اگر ان کی معرفت کا دم ماریں تو یہ محال ہے"۔ اس شخص کا کہنا بھی بجا سمجھا جائیگا جس کی وجہ تعظیم و احترام ہے +

اسی طرح اس شخص کا قول بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ "مَیں خدا کو جانتا ہوں" اور اُس کا قول بھی جو کہتا ہے "مَیں خدا کو نہیں جانتا" +

بلکہ اگر تم کسی عاقل شخص کو ایک خط دکھا کر پوچھو کہ جس شخص نے اس کو لکھا ہے تم اُس کو جانتے ہو؟ اور وہ جواب دے کہ "نہیں" تو اس کا جواب درست ہے۔ اور اگر یُوں جواب دے کہ "ہاں جانتا ہوں۔ اس کا لکھنے والا انسان، زندہ، قادر، سمیع، بصیر، تندرست ہاتھ والا اور لکھ سکنے والا ہے۔ جب اس کی اتنی صفات مجھ کو معلوم ہیں۔ تو مَیں اس کو کیوں نہ جانوں" یہ جواب بھی بجا ہے۔ لیکن زیادہ درست اور فی الواقع بجا جواب یہ ہے کہ "نہیں مَیں اس کو نہیں جانتا"۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت اس کو نہیں جانتا۔ اور صرف اتنا اس کو معلوم ہے کہ ایسا خط وہی شخص لکھ سکتا ہے جس میں مذکورہ اوصاف ہوں۔ اور خود کاتب کو نہیں جانتا +

اسی طرح بندے صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ انتظام اور محکم عالم ایسے صانع کا محتاج ہے، جو مدبر، حی، عالم اور قدیر، ہو۔ اور اس معرفت کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو عالم سے متعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ عالم ایک مدبر حقیقی کا محتاج ہے۔ دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اس کا مطلب اسمائے باری تعالےٰ ہیں۔ جو ایسی صفات سے مشتق ہیں جو حقیقت ذات میں داخل نہیں ہیں +

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے۔ تو اسمائے مشتقہ اس کا جواب ہرگز نہیں بن سکتے۔ چنانچہ کسی حیوانی وجُود کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے کہ "لمبا ہے۔ سفید ہے۔ یا کوتاہ قد ہے اور سیاہ ہے" +

یا مثلاً پانی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے کہ "ٹھنڈا ٹھنڈا ہے۔ یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے گرم گرم ہے"۔ تو یہ سارے جوابات ماہیت کی رُو سے جواب نہیں ہیں۔ کسی چیز کی معرفت جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت معلوم ہو جائے۔ نہ کہ صرف اسم مشتق۔ چنانچہ ہمارا ایک چیز کو گرم کہنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ایک مبہم شے حرارت سے موصوف ہے اسی طرح ہمارے عالم و قادر کہنے کے یہ معنے ہیں کہ ایک مبہم شے کو علم و قدرت کا وصف حاصل ہے۔

سوال۔ تو ہمارے اس قول سے کہ "وہ واجب الوجود ہے جس سے تمام ممکن الوجود اشیاء ظاہر ہوئی ہیں"؟ اس کی حقیقت مراد ہے؟

جواب۔ توبہ، توبہ واجب الوجود سے تو صرف یہ مراد ہے کہ وہ علت اور فاعل سے مستغنی ہے جس کا مطلب سلب سبب ہے۔ اور ان تمام ممکن الوجود اشیاء کے ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال اللہ تعالے کی طرف منسوب ہیں۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیا ہے؟ اور ہم جواب دیں کہ "وہ فاعل ہے" یا "وہ جس کی کوئی علت نہیں ہے" تو یہ جواب نہیں بن سکتا۔ پھر یہ جواب کیونکر کافی ہو سکتا ہے کہ "جس کی کوئی بھی علت نہیں" کیونکہ یہ ساری تعریفیں اس کی ذات سے خارج ہیں۔ اور ان کا مُدعا صرف کسی خارج الذات اضافت کا اثبات یا نفی ہے۔ اور یہی اسماء۔ صفات اور اضافت ہیں۔

سوال۔ تو پھر اس کی معرفت کا کونسا ذریعہ ہے؟

جواب۔ یہ سوال ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی بچہ یا پیدائشی نامرد پوچھے کہ جماع کی لذت معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ ہے۔ تو ہم اس کو یوں جواب دینگے کہ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک تو یہ کہ تم کو اُس کا وصف سنا دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تم صبر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرو۔ جب تم میں قوت شہوت پیدا ہو جائے۔ اور تم خود اپنی بیوی کے ساتھ شوہرانہ برتاؤ کر کے جماع کی لذت کا اندازہ لگاؤ۔ یہ دوسرا طریقہ ہی ایسا ہے۔ جو پوری معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ پہلے طریقہ

میں بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ اس سے ایک توہم اور کسی دوسری لذت کے ساتھ تشبیہ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب شہوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس لذت کے چکھنے کا موقع ملتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لذت شکر کی مٹھاس کے مشابہ نہیں ہے۔ اور نہ وہ توہم جو اس کے متعلق تھا، ٹھیک تھا۔ ہاں اتنی بات مان لیتا ہے کہ اس کے متعلق جو یہ سُنا کرتے تھے کہ وہ عجیب لذت اور بینظیر لُطف ہے۔ تو یہ تعریف شکر کی نسبت اس لذت کے حق میں زیادہ صادق اور صحیح تھی +

اسی طرح اللہ تعالےٰ کی معرفت کے دو طریق ہیں۔ ایک تو قاصر ہے۔ دوسرا مسدود ہے +

قاصر یہ ہے کہ ہم اس کے اسماؤ صفات کا ذکر کریں۔ اور اپنے متعلق جو صفات ہم کو معلوم ہیں۔ مثلاً ہم قادر ہیں۔ عالم ہیں۔ زندہ ہیں۔ متکلم ہیں۔ ان پر قیاس کر کے اسی نوع کی کامل صفات سے اس کو موصوف سمجھیں۔ جس طرح پیدائشی نامرد کو شکر کے ذائقہ کی مثال سے جماع کی لذت سمجھائی جائے۔ گو ہماری قدرت۔ علم۔ حیات۔ کلام وغیرہ صفات خدا کی قدرت و علم و حیات و کلام وغیرہ سے بالکل بعید ہیں۔ اور دونوں میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ اور ان اوصاف کے ساتھ اللہ کی تعریف کرنے کا فائدہ ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت ہے کیونکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ نامرد کے سامنے لذت جماع کی مثال کے لئے کوئی ایسی لذت پیش کریں۔ جس کو وہ محسوس کرتا ہو۔ جیسے کسی کو میٹھے کھانے کی لذت ہو اور اس کو کہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ شکر لذیذ ہوتی ہے۔ اور اس کو کھاتے وقت خاص مزا آتا ہے۔ اور پرلطف حالت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہیگا۔ ہاں۔ پھر ہم اس کو کہینگے کہ جماع کی لذت بھی ویسی ہی ہے۔ تو کیا آپ کے نزدیک اس تعریف سے اس کو جماع کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو جائیگی جس طرح خود صاحب کیفیت کو معلوم ہوتی ہے۔ حاشا و کلا۔ بلکہ اس وصف سے مُدعا صرف ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت سمجھانا ہے۔ ایہام اس لحاظ سے ہے کہ اس سے یہ توہم ہو سکتا ہے کہ یہ امر علی الجملہ پرلطف ہے۔ تشبیہ اس لحاظ سے کہ اس کو شکر کی مٹھاس سے تشبیہ دیجاتی ہے۔ لیکن تشبیہ کو ہم اس طرح قطع کر سکتے ہیں کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ پس وہ حی (زندہ ہے)، مگر دوسرے احیاء (زندوں) کی طرح نہیں۔ اور وہ قادر ہے مگر دوسرے

قادروں کی مثل نہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ جماع شکر کی طرح لذیذ ہے۔ مگر اس کی لذت کو شکر کی لذت سے کچھ مشابہت نہیں ہے۔ ہاں اسمی مشارکت ہے ✦

چنانچہ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ حی۔ قادر اور عالم ہے تو ابتداءً ان معنوں کو اپنے پر قیاس کر کے سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ایک پیدائشی بہرہ، خدا کے سمیع ہونے کا معنے معلوم کر سکتا ہے۔ اور اسی لئے جب کوئی پوچھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اشیاء کا علم کیونکر ہوتا ہے۔ تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ جس طرح تم کو اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ پھر اگر کوئی پوچھے کہ وہ قادر کیونکر ہے۔ تو ہم جواب دینگے کہ جس طرح تجھ کو قدرت حاصل ہے ✦

غرض کوئی شخص جبھی ایک نئی بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ جب کہ خود اس کے نفس میں اس کے مناسب کوئی بات موجود ہو۔ پس پہلے وہ اپنے وصف کو معلوم کرتا ہے۔ پھر اس پر قیاس کر کے دوسری چیز کے وصف کو سمجھتا ہے ✦

اسی طرح جب اللہ تعالےٰ کی ذات میں ایک ایسا وصف و خاصیت ہو۔ جس کے ساتھ ہمارے وصف کو کوئی مناسبت اور مشارکت نہ ہو۔ اگر ہو تو صرف اسمی مشارکت ہو خواہ ایسی ہی مشارکت ہو۔ جیسی شکر کی لذت اور جماع کی لذت میں ہے۔ تو اس کا سمجھنا محال ہے ✦

پس جو شخص اپنی صفات کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور انہیں پر خدا کی صفات کو قیاس کرتا ہے۔ جس کی صفات مشابہت سے پاک ہیں۔ تو اس کی یہ معرفت بالکل قاصر ہے جس پر ایہام و تشبیہ غالب ہے۔ پس اس کے ساتھ وہ معرفت شامل ہونی چاہئے۔ جس میں مشابہت۔ اصل مناسبت اور مشارکت فی الاسم بالکل منتفی ہوں ✦

اللہ کی معرفت کا دوسرا مسدود طریقہ یہ ہے کہ بندہ اس امر کا منتظر ہے۔ اس کو تمام صفات ربوبیت حاصل ہو جائیں۔ حتےٰ کہ وہ خود رب بن جائے۔ جس طرح ایک بچہ منتظر ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو کر خود شباب کی لذت چکھ لے۔ اور یہ طریقہ مسدود و محال ہے۔ کیونکہ خدا کے سوا ایسی حقیقت کا کسی کو حاصل ہونا محال ہے۔ ورنہ پوری حقیقت دکھا دینے والا یہی طریقہ تھا۔ اور وہ قطعاً مسدود ہے ✦

غرض خدا کی حقیقی معرفت خدا کے سوا کسی دوسرے کو حاصل ہونی محال ہے۔ بلکہ

میں تو کہتا ہوں کہ نبی کی معرفت بھی نبی کے سوا اور حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو شخص نبی نہیں ہے وہ نبی کا نام ہی نام جانتا ہے۔ اس کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے۔ اس خاصہ سے مطلع خاص نبی ہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ میں اس پر بھی اضافہ کرتا ہوں کہ کوئی شخص موت کی حقیقت اور بہشت و دوزخ کی حقیقت مرنے یا بہشت و دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم کریگا۔ کیونکہ جنت سے مراد اسباب لذت ہیں۔ اگر ہم ایک ایسا شخص فرض کریں جس نے کبھی بھی کوئی لذت نہ دیکھی ہو۔ تو اُس کو جنت کا مضمون اس طرح سمجھا دینا غیر ممکن ہے کہ اس کو اس کی خواہش ہو جائے اور دوزخ سے مراد دردرساں امور ہیں۔ تو اگر ہم کوئی ایسا انسان فرض کریں جس نے کبھی کسی قسم کا درد محسوس نہ کیا ہو۔ تو اس کو دوزخ کا مضمون سمجھا دینا از حد مشکل ہے۔ ہاں اگر اس نے کسی قسم کی تکلیف محسوس کی ہو۔ تو ہم اس کو تکلیف سے کئی گُنا تکلیف بتا کر دوزخ متصور کرا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے کھانے۔ عیش منانے اور نظارہ کرنے کی لذتیں چکھی ہوں۔ تو اُس کو سمجھا سکتے ہیں کہ ان تمام لذتوں سے بہت ہی بڑی لذت کا نام جنت ہے۔ اگر جنت کی لذت ان لذتوں کے مخالف ہو۔ تو اُس کے سمجھانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی جیسے کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ لذت شکر کی مثال سے لذت جماع کو ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ اور بہشت کی لذتیں تو ان تمام لذتوں سے جو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں بالاتر ہیں۔ بلکہ وہ ایسی لذتیں ہیں جن کو کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھا کسی کان نے نہیں سُنا۔ اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال بھی نہیں گذرا۔ اگر ہم ان کو مزیدار کھانوں سے تشبیہ دیتے ہیں تو بھی ساتھ ہی کہ لینا پڑتا ہے کہ ان لذتوں کو جنت کی لذت سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر ہم ان کو جماع کی لذت سے تشبیہ دیتے ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں کہ وہ لذتیں کچھ اور ہیں اور یہ کچھ اور۔ تو لوگ ہمارے اس قول پر تعجب کیوں کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی مخلوق نے اللہ کی صفات اور اسماء کے سوا اور کوئی معرفت اس کے متعلق حاصل نہیں کی۔ حالانکہ ہم یہ بھی کہ سکتے ہیں کہ لوگوں کو جنت کے نام اور سُنی سُنائی تعریفوں کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہے۔ اور ہر چیز کا یہی حال ہے جس کا انسان نے نام اور صفت ہی سُنی ہو۔ اور اُس کو چکھا یا محسوس نہ کیا ہو +

سوال۔ عارفین کی معرفت کی غایت کیا ہے؟

جواب۔ عارفین کی انتہائے معرفت یہ ہے کہ وہ معرفت سے عاجز آ جاتے ہیں۔ اور ان کی حقیقی معرفت یہ ہے کہ وہ اس کو پہچان نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ

خدا کے سوا کوئی اور ذاتِ خدا کو پوری معرفت کے ساتھ صفاتِ ربوبیت کے حقیقی اسرار سمیت پہچان سکے۔ پس جب یہ بات اُن کو انکشافِ برہانی کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے۔ تو گویا انہوں نے خدا کو پہچان لیا یعنی وہ معرفت کی اس حد تک پہنچ گئے۔ جو مخلوق کے لئے ممکن ہے۔ یہ وہ حد ہے جس کی طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے کہ "ادراک کے ادراک سے عاجز آ جانا بھی ادراک ہے" بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے کہ "لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ" یعنی "مَیں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے" اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو خدا کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہے جس کے ادا کرنے کے لئے لفظ نہیں ملتے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ "مَیں تیرے محامد اور صفاتِ الٰہیت کا احاطہ نہیں کر سکتا" بلکہ ان کا احاطہ کرنے والا صرف تو ہی ہے۔ اس لحاظ سے کسی مخلوق کو اس کی حقیقتِ ذات کے ملاحظہ کا حصہ نہیں ملا۔ اور اتساعِ معرفت صرف اس کی صفات اور اسماء کی معرفت میں ہے +

سوال۔ تو پھر ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کے مدارج معرفت میں فرق کس بات کا ہے؟

جواب۔ ہم بتا چکے ہیں کہ معرفت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ حقیقی ہے جو اللہ کے سوا اور سب کے حق میں مسدود ہے۔ جو کوئی اس کو حاصل کرنے کی جرأت کرتا ہے جلالِ ایزدی اس کو حیران کر دیتا ہے۔ اور ہیبتِ الٰہی اس کی آنکھیں بند کر دیتی ہے +

دوسرا طریقہ۔ جس سے مراد اسماء و صفات کی معرفت ہے۔ یہ مخلوق کے لئے عام ہے۔ اور اس میں مخلوق کے مدارج متفاوت ہیں۔ پس جو شخص صرف اتنا جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ عالم و قادر ہے۔ وہ اس شخص کی ریس نہیں کر سکتا۔ جو خدا کی ان صفتوں کو اپنی آنکھوں سے ان کے اپنے مظاہر میں ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اُس کے ملک کی عجائبات اور اُس کی حیرت انگیز صنعتوں پر نظر ڈالتا ہے۔ اُس کی حکمت کی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔ اور ان فرشتوں سے اوصاف اپنے اندر پیدا کرتا ہے جو خدا کے مقرب ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس بات کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی +

تم جانتے ہو کہ ایک عالم و متقی کامل مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کو، ان کا

دربان بھی جانتا ہے۔ اور ان کے شاگرد مزنی رحمہ اللہ تعالےٰ بھی جانتے ہیں۔ دربان تو صرف اس قدر جانتا ہے کہ وہ شرع کے ایک عالم ہیں۔ اور لوگوں کو مسائل بتاتے ہیں۔ اور مزنی رح جو ان کو جانتے ہیں۔ تو ان کا جاننا دربان کے مشابہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ پُوری پُوری معرفت اور تفصیلی صفات و معلومات کے ساتھ ان کو جانتے ہیں +

بلکہ جو عالم دس قسم کے علوم بخوبی جانتا ہے۔ اُس کو اس کا وہ شاگرد بھی اچھی طرح جاننے کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ جو صرف ایک علم میں اُس کا شاگرد ہے۔ اور اُس کا وہ خادم جس نے اُس سے کچھ بھی علم نہیں پڑھا اس کو جانتا ہی نہیں۔ بلکہ جو شاگرد ایک علم میں اس کا شاگرد ہے۔ اُس کو گویا اس کے اوصاف میں سے صرف دسواں حصّہ معلوم ہے۔ بشرطیکہ اس ایک علم میں بھی اس کے برابر ہو۔ ورنہ اگر اس میں کچھ بھی اس سے کم ہُوا۔ تو گویا وہ بھی اس کو بخوبی نہیں پہچانتا۔ بلکہ صرف نام ہی نام جانتا ہے +

اسی طرح خدا کی معرفت میں مخلوق متفاوت ہے جس کو جس قدر زیادہ اس کی خدائی کے آثار اور کیفیات معلوم ہیں اسی قدر زیادہ معرفت اس کو حاصل ہے۔ اور اس کی معرفت اسی قدر حقیقی معرفت کے قریب ہے +

سوال۔ جب اس کی ذات کی حقیقی معرفت محال ہے۔ تو کیا اسماء و صفات کی پُوری پُوری معرفت بھی حاصل ہے یا نہیں؟

جواب۔ یہ بھی نہایت بعید ہے۔ خدا کی صفات و اسماء کا حقیقی اور کامل علم بھی خود اسی کو ہے۔ اس لئے کہ جب کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً وہ ایک ذات عالم ہے تو ہم کو ایک مُبہم شئے کا علم ہو جاتا ہے جس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اس میں علم کی صفت موجود ہے۔ اگر ہم اس کی صفت علم کی پُوری حقیقت جانتے ہوتے تو پھر ہمیں اس بات کی نسبت کہ وہ عالم ہے پُورا پورا علم حاصل ہوتا۔ ورنہ نہیں۔ مگر اللہ کے علم کی حقیقت کو تو اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ پس اس کے سوا کوئی بھی اس کی موصوفیت بالعلم کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور اگر کوئی سمجھتا ہے، تو اپنے علم پر قیاس کر کے سمجھتا ہے۔ جیسے کہ ہم شکر کی مثال میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ مخلوق کے علم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ پس مخلوق کی معرفت اس کی ذات و صفات کے متعلق حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہے تو تشبیہی اور الہامی ہو سکتی ہے +

اُوپر کے بیان سے تم کو متعجب نہ ہونا چاہئے۔ دیکھو ایک جادوگر کو خود اس کا دل ہی جانتا ہے۔ یا کوئی دوسرا اس سے بڑھ کر یا برابر کا جادوگر جان سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جس شخص کو جادو کا علم نہیں ہے۔ اور نہ وہ اس کی حقیقت و ماہیت سے واقف ہے۔ وہ تو جادوگر کا نام ہی نام جانتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ اتنا جانتا ہے کہ اس کو جادو کا علم آتا ہے اس سے آگے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ علم کیسا ہے۔ کیونکہ اس کو اس علم کا موضوع ہی معلوم نہیں ہے۔ اور نہ اس کی خاصیت معلوم ہے۔ ہاں اتنا جانتا ہے کہ یہ خاصیت گو مُبہم ہے مگر علوم کی قسم سے ہے۔ اور اس کا ثمرہ تغییر قلوب اور تبدیل اوصاف اور زن و شوہر میں تفرقہ اندازی ہے۔ مگر یہ باتیں اس کی حقیقی شناخت سے بالکل جُدا ہیں۔ اور جس کو جادو کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔ وہ جادوگر کی حقیقت کیا سمجھیگا۔ کیونکہ ساحر (جادوگر) وہ ہے جس کو سحر (جادو) کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسم ساحر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسا اسم ہے جو اس صفت سے مشتق ہے۔ اگر یہ صفت نامعلوم ہے تو یہ اسم بھی نامعلوم ہوگا۔ اور اگر وہ معلوم ہے، تو یہ بھی معلوم ہوگا۔ اور عام لوگوں کو سحر کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک وصف ہے۔ مگر یہ بات ماہیت سے بعید ہے۔

اسی طرح ہم کو اللہ تعالےٰ کی قدرت کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک وصف الٰہی ہے جس کا ثمرہ اور اثر اشیاء کا وجود ہے اور اسم قدرت اس پر منطبق ہے۔ کیونکہ وہ ہماری قدرت کے ساتھ اسی طرح نسبت رکھتی ہے جس طرح جماع کی لذت شکر کی لذت کے ساتھ نسبت رکھتی ہے۔ اور یہ بات اس قدرت کی حقیقت سے بالکل علیحدہ ہے۔ ہاں بندہ جس قدر خدا کی مقدورات میں اپنی نظر وسیع کرتا جائیگا۔ اسی قدر وہ صفت قدرت کے سمجھنے میں زیادہ بہرہ یاب ہوگا۔

جس طرح شاگرد کو اپنے اُستاد کے علم کی جس قدر تفاصیل اور تصانیف معلوم ہوں اسی قدر وہ اس کو زیادہ صحیح طور پر جانتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے عارفین کی معرفت کے تفاوت کا۔ کیونکہ بندہ کا ذہن خدا کے جن معلومات تک پہنچ نہیں سکتا، ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور جن تک پہنچ سکتا ہے، اُن کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ موجودات متناہی ہیں۔ لیکن آدمی کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ ہاں یہ علم جس درجہ تک حاصل ہوتا ہے۔ اس کو متناہی کہہ سکتے ہیں۔ اور ایسے مدارج قلت و کثرت کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ اور اسی

تفاوت سے لوگوں کی معرفت متفاوت ہے۔ اور یہ تفاوت ایسا ہی ہے۔ جیسے مال کی کثرت وقلت کے باعث غنا میں تفاوت ہوتا ہے چنانچہ ایک شخص کے پاس ایک پیسہ ہے۔ اور دوسروں کے پاس ہزاروں روپے ہیں۔ یہی حال علوم کا ہے۔ بلکہ علوم کا تفاوت سب سے بڑا ہے۔ کیونکہ معلومات کی انتہا نہیں ہے۔ اور اموال اجسام میں جن کی انتہا مسلم ہے +

اس بیان سے تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ مخلوق خدا کی معرفت میں کیونکر متفاوت ہے۔ اور اس تفاوت کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ گئے ہو گے کہ یہ قول کہ "اللہ کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا" بالکل درست ہے۔ اور یہ قول بھی صحیح ہے کہ "میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا" کیونکہ اللہ اور اس کے افعال کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پس جب اس کے افعال کو اس کے افعال کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو نظر اسی پر متصور رہیگی۔ اور ان کو اس حیثیت سے دیکھیگی کہ وہ آسمان یا زمین یا درخت یا پہاڑ ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ چیزیں اُس کی صنعت کا نمونہ ہیں۔ پس اس کی معرفت درگاہ خداوندی سے باہر نہیں جاتی۔ اور وہ کہ سکتا ہے کہ "میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا"۔ اور "میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا" +

فرض کرو ایک شخص دنیا بھر میں صرف سُورج کو اور اُس کے نور کو جو دنیا بھر میں پھیل رہا ہے دیکھتا ہے۔ تو اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ "میں سُورج کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھتا" کیونکہ نور جو اس سے پھیلتا ہے وہ بھی اسی میں سے ہے، اس سے خارج نہیں ہے۔ پس تمام موجودات قدرت ازلی کے انوار میں سے ایک نور ہیں۔ اور جس طرح سُورج تمام عالم میں پھیلنے والے نور کا سرچشمہ ہے +

اسی طرح وہ معنے جس کو ادا کرنے سے عبارت قاصر ہے۔ ضرورتًا قدرت ازلیہ سے موسوم کیا گیا۔ اور وہ اس وجود کا سرچشمہ ہے۔ جو ہر موجود پر فائز ہوا ہے لہذا درحقیقت خدا کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے +

پس عارف کہ سکتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ اور عجیب تر یہ کہ اگر کہے کہ "خدا کے سوا کوئی شے جانی نہیں جاتی" تو بھی صحیح ہے +

لیکن پہلا قول اور وجہ سے ہے۔ دوسرا اور وجہ سے ہے۔ اگر اختلاف وجود

کی صورت میں دو متناقض قول غیر صحیح ہوتے۔ تو معاذ اللہ! اللہ کا یہ قول صحیح نہ ہوتا کہ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[۵]۔ حالانکہ وہ صحیح ہے کیونکہ رَامِی[۱]
(پھینکنے والے کے) دو لحاظ ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ فعل بندہ سے
منسوب ہے، دوسرے لحاظ سے رب سے منسوب
اور اس میں کوئی تناقض نہیں ہے ✦ ؛؛
اب ہم اپنے سمندِ بیان کی باگ روکتے ہیں۔ کیونکہ ہم ایسے میدان میں
آ پڑے۔ جس کی انتہا نہیں ہے۔ اور اب

اسماء الحسنیٰ

کے معانی کی تفصیل شروع کرتے ہیں ✦

---

[۵] یعنی تمہیں کنکریاں پھینکیں تو نے جب کہ پھینکیں۔ مگر اللہ نے پھینکی تھیں ✦

دوسرا فن مقاصد خاص میں

پہلی فصل

اللہ کے نو و نہ نام کی شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالےٰ کے نام ننانویں یعنی ایک کم سو ہیں۔ کیونکہ وہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ جو کوئی ان سارے اسماء کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱			۲	۳	۴	۵	۶
هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ			اَلرَّحْمٰنُ	اَلرَّحِیْمُ	اَلْمَلِکُ	اَلْقُدُّوْسُ	اَلسَّلَامُ
۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
اَلْمُؤْمِنُ	اَلْمُهَیْمِنُ	اَلْعَزِیْزُ	اَلْجَبَّارُ	اَلْمُتَکَبِّرُ	اَلْخَالِقُ	اَلْبَارِئُ	اَلْمُصَوِّرُ
۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲
اَلْغَفَّارُ	اَلْقَهَّارُ	اَلْوَهَّابُ	اَلرَّزَّاقُ	اَلْفَتَّاحُ	اَلْعَلِیْمُ	اَلْقَابِضُ	اَلْبَاسِطُ
۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰
اَلْخَافِضُ	اَلرَّافِعُ	اَلْمُعِزُّ	اَلْمُذِلُّ	اَلسَّمِیْعُ	اَلْبَصِیْرُ	اَلْحَکَمُ	اَلْعَدْلُ
۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸
اَللَّطِیْفُ	اَلْخَبِیْرُ	اَلْحَلِیْمُ	اَلْعَظِیْمُ	اَلْغَفُوْرُ	اَلشَّکُوْرُ	اَلْعَلِیُّ	اَلْکَبِیْرُ
۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶
اَلْحَفِیْظُ	اَلْمُقِیْتُ	اَلْحَسِیْبُ	اَلْجَلِیْلُ	اَلْکَرِیْمُ	اَلرَّقِیْبُ	اَلْمُجِیْبُ	اَلْوَاسِعُ

۴۷	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۵۴
اَلْحَکِیْمُ	اَلْوَدُوْدُ	اَلْمَجِیْدُ	اَلْبَاعِثُ	اَلشَّهِیْدُ	اَلْحَقُّ	اَلْوَکِیْلُ	اَلْقَوِیُّ
۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲
اَلْمَتِیْنُ	اَلْوَلِیُّ	اَلْحَمِیْدُ	اَلْمُحْصِیُ	اَلْمُبْدِئُ	اَلْمُعِیْدُ	اَلْمُحْیِیْ	اَلْمُمِیْتُ
۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰
اَلْحَیُّ	اَلْقَیُّوْمُ	اَلْوَاجِدُ	اَلْمَاجِدُ	اَلْاَحَدُ	اَلصَّمَدُ	اَلْقَادِرُ	اَلْمُقْتَدِرُ
۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸
اَلْمُقَدِّمُ	اَلْمُؤَخِّرُ	اَلْاَوَّلُ	اَلْاٰخِرُ	اَلظَّاهِرُ	اَلْبَاطِنُ	اَلْوَالِیُ	اَلْمُتَعَالِیْ
۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۸۴		
اَلْبَرُّ	اَلتَّوَّابُ	اَلْمُنْتَقِمُ	اَلْعَفُوُّ	اَلرَّؤُفُ	مَالِكُ الْمُلْكِ		
۸۵		۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱
ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ		اَلْمُقْسِطُ	اَلْجَامِعُ	اَلْغَنِیُّ	اَلْمُغْنِیْ	اَلْمَانِعُ	اَلضَّارُ
۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹
اَلنَّافِعُ	اَلنُّوْرُ	اَلْهَادِیْ	اَلْبَدِیْعُ	اَلْبَاقِیْ	اَلْوَارِثُ	اَلرَّشِیْدُ	اَلصَّبُوْرُ

(۱) اَللّٰهُ

(خدا ۔ معبود)

یہ اُس موجودہ حق کا نام ہے، جو صفاتِ الٰہیت کا جامع، اوصافِ ربوبیت سے موصوف، اور وجودِ حقیقی سے ممتاز ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود وجود بذاتہٖ کا مستحق نہیں ہے۔ اور ہر موجود نے اسی سے وجود حاصل کیا ہے۔ لہٰذا وہ بذاتہٖ هالك ہے۔ اور دوسری جہت سے موجود ہے۔ فَكُلُّ مَوْجُوْدٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر موجود خدا کی ذات کے سوا فانی ہے۔ ٹھیک بات یہ ہے کہ یہ اسم اس معنے پر دلالت کرنے کے لئے اسمائے اعلام[1] کا کام دے رہا ہے۔ اور اس کے اشتقاق و تعریف کے متعلق جو بعض نے

(۱) اسم علم، جو محض کسی چیز کی ذات پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی صفت کے معنے پر بھی دال ہو۔ جیسے زید، عمر، بکر وغیرہ۔ اسی لئے اسمائے اعلام اکثر غیر مشتق بلکہ جامد الفاظ ہوتے ہیں۔

لکھا ہے وہ محض تکلف و تعسف[۱] ہے ◆

فائدہ۔ یہ نام ننانویں ناموں سے بڑا ہے۔ کیونکہ وہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو بلا استثنا تمام صفات الٰہیت کی جامع ہے۔ باقی تمام نام ایک ایک معنے پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً علم۔ قدرت اور فعل وغیرہ میں سے کسی ایک پر۔ اور اس لئے وہ تمام اسماء کی نسبت اس کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کے لئے حقیقۃً یا مجازاً استعمال نہیں کیا جاتا۔ باقی اسماء کے ساتھ اور کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے قادر۔ علیم۔ رحیم وغیرہ۔ انہیں دو وجوہ سے ظن ہوتا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے ◆

نکتہ۔ تمام اسماء کے معانی کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ بندہ ان کے ثبوت سے متصف ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر رحیم۔ علیم۔ حلیم۔ صبور اور شکور کا اسم بولا جائیگا اگرچہ اس قسم کے اسماء کا اطلاق بندہ پر کسی اور وجہ سے ہو۔ اور اللہ پر ان کا اطلاق اور وجہ سے۔ مگر اللہ کا معنے اس قسم کا نہیں ہے۔ وہ خاص اللہ سے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں پائی جاتی۔ اور اسی خصوص کی وجہ سے تمام اسماء کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نام ہیں چنانچہ یوں کہینگے کہ الصبور اور الشکور اور الجبار اور الملک، اللہ کے نام ہیں۔ یوں نہیں کہتے کہ اللہ، صبور یا شکور کا نام ہے کیونکہ اسم اللہ من حیث ہو معانی الٰہیت پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اور سب کی نسبت اللہ کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔ لہذا سب سے زیادہ مشہور اور ظاہر بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف کے لئے دوسرے اسماء کی ضرورت نہیں۔ اور دوسرے اسما کی تعریف کے لئے اس[۲] کی نسبت لازم ہے ◆

تنبیہ۔ بندہ کو اس اسم سے تألّہ حاصل کرنا چاہیئے یعنی اس کا دل اور خیال اللہ تعالیٰ میں محو ہو۔ اس کے سوا کسی طرف نہ آنکھ اٹھائے۔ نہ توجہ کرے۔ نہ کسی سے امیدوار رہو۔ اور نہ کسی غیر سے ڈرے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ اس اسم کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ موجود حقیقی و برحق ہے اور باقی سب اس کے سوا فانی اور ہالک اور باطل ہیں پس وہ اپنے آپ کو سب سے پہلے ہالک و باطل سمجھیگا۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا "عرب کی شاعری میں سب سے زیادہ سچا شعر

[۲] مثلاً رحمٰن کی تعریف کے لئے کہنا پڑتا ہے کہ رحمٰن، اللہ کا نام ہے ۱۲ منہ

[۱] تعسف بمعنی بے راہ رفتن ۱۲

لبید کہتا ہے کہ ع

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلُ

یاد رکھو کہ خدا کے سوا تمام موجودات فانی ہے +

(۲) اَلرَّحْمٰنُ — نہایت رحم والا

(۳) اَلرَّحِیْمُ — بہت مہربان

یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں۔ اور رحمت مرحوم کی مستدعی ہے۔ اور جو مرحوم ہوگا وہ محتاج ہوگا۔ اور اگر کسی سے کسی محتاج کی حاجت بلا ارادہ وقصد پوری ہوجائے تو اس کو رحیم نہ کہینگے۔ اور جو کوئی اس کی حاجت پوری کرنے کا ارادہ تو کرے، مگر پوری نہ کرے۔ تو اگر وہ اس کے پورا کرنے پر قادر تھا۔ تو رحیم نہیں کہلائیگا۔ کیونکہ اگر اس کا ارادہ کامل ہوتا تو اسے پورا کر دکھاتا۔ اور اگر اس کو پورا کرنے سے عاجز ہو، تو اس کو اس کی رقتِ قلب کے لحاظ سے رحیم کہینگے۔ لیکن وہ ناقص رحیم ہے +

رحمت تامہ یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کی جائے۔ اور اُن کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا جائے +

رحمت عامہ یہ ہے کہ مستحق وغیر مستحق سب کو شامل ہو +

اللہ کی رحمت تامہ بھی ہے اور عامہ بھی۔ اس کی رحمت کا تامہ ہونا۔ تو اس حیثیت سے ہے کہ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کا ارادہ بھی کرتا ہے۔ اور اس کو پورا بھی کر دیتا ہے۔ اور اس کا عامہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہے۔ اور دُنیا و آخرت میں عام ہے۔ اور ضرورت وحاجات اور ان سے زائد امور پر مشتمل ہے۔ غرض کہ وہ رحیم مطلق وبرحق ہے +

نکتہ۔ رحمت کے لئے ایک ایسی پُر درد رقت لازم ہے، جو رحیم کو مخصوص اور اُسے محتاج کی حاجت پورا کرنے پر اکساتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس (تاثر وانفعال) سے پاک ہے۔ شاید تم خیال کرو کہ یہ رحمت کے معنے میں نقص ہے۔ سو واضح ہو کہ یہ امر رحمت کے معنے کے لئے نقصان نہیں۔ بلکہ کمال ہے۔ نقصان اس لئے نہیں ہے کہ کمالِ رحمت کمال ثمرہ پر موقوف ہے۔ اور جب کسی محتاج کی حاجت کو کماحقہٗ پورا کر دیا جائے۔ تو

محتاج کو راحم کے دردِ دل سے کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ راحم کا دردِ دل اس کے ضعفِ قلب اور کمزوریٔ نفس کے باعث ہوتا ہے۔ اور یہ ضعف محتاج کے دعا میں کوئی اضافہ نہیں کر دیتا جب کہ اس کی حاجت پوری طرح مہیا ہو چکی ہو۔

کمال اس لئے ہے کہ جو رحیم رقت اور دردِ دل کے باعث رحم کر رہا ہے ممکن ہے اس کا فعل اپنے نفس سے رقت دور کرنے کی غرض سے ہو۔ تو اس کا یہ معنیٰ ہوگا کہ اپنے نفس کی رعایت کی اور نفس ہی کی غرض کے لئے سعی کی۔ اور یہ امر کمال رحمت کیلئے نقص ہے۔ کمال رحمت یہ ہے کہ راحم کی نظر مرحوم کی طرف مرحوم کی خاطر ہو۔ نہ کہ خود رقت کے درد سے آرام پانے کی غرض سے۔

فائدہ۔ الرحمٰن بہ نسبت الرحیم کے خاص ہے۔ اسی لئے اللہ کے سوا اور کسی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور رحیم کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ پس اس وجہ سے وہ اسم اللہ کے قریب ہے۔ اور علم کا کام دے رہا ہے۔ اگرچہ وہ رحمت سے مشتق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ان دونوں اسموں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے کہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (یعنی کہدو اے محمدؐ کہ خواہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس کو پکارتے ہو (پکارو) بہر صورت (یہ) اُسی کے نام اچھے ہیں)۔

پس اس وجہ سے بھی اور ہمارے اس بیان سے بھی کہ خدا کے شمار کردہ اسماء میں ترادف نہیں ہے۔ لازم آتا ہے کہ ان دونوں اسموں کے معنوں میں فرق کیا جائے۔ چنانچہ مناسب یہ ہے کہ رحمٰن سے ایک خاص رحمت مفہوم ہو۔ جو بندوں کی مقدورات سے بالکل بعید ہو۔ اور یہ وہ ہے جو سعادت اخرویہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پس رحمٰن وہ ہے جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے۔ اول تو ان کو پیدا کرکے۔ دوم ان کو ایمان اور اسباب سعادت کی طرف ہدایت کرکے۔ سوم آخرت میں ان کی بہتری کے سامان کرکے۔ چہارم ان کو اپنے دیدار سے بہرہ ور کرکے۔

تنبیہ۔ اسم رحمٰن سے بندہ کا خاص حصّہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے غافل بندوں پر رحم کرکے ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے نرمی کے ساتھ غفلت کے راستے سے پھیر کر خدا کی راہ دکھلائے۔ اور نافرمان لوگوں کو رحمت کی نظر سے دیکھے استحقار کی نگاہ سے

نہ دیکھے۔ اور جو بُرائی دنیا میں واقع ہو اُس کو ایسا سمجھے کہ خود اسی کے نفس سے وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ لہذا مقدور بھر اس کے ازالہ میں کوتاہی نہ کرے محض اس عاصی کے حال پر ترس کھا کر کہ بچارہ کہیں خدا کے غضب میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور اس کے قرب سے محروم نہ رہے +

اسم رحیم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ حسب وسعت بھوکے کا پیٹ بھرے اپنے پڑوس یا شہر میں فقیر کی حاجت پوری کرے۔ اور اُس کی محتاجی دُور کرے۔ خواہ اپنے مال سے یا اپنے رسوخ و وجاہت کے ذریعے سے۔ یا اُس کے لئے دوسرے سے سفارش کرے۔ اگر ان ساری باتوں سے عاجز ہو۔ تو ایسی شفقت و عنایت کے ساتھ دعا اور اظہار ہمدردی سے اس کا ہاتھ بٹائے کہ گویا اُس کی تکلیف و مصیبت میں شریک ہو +

سوال۔ شاید تم پوچھو کہ جب وہ رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے۔ اور رحیم جب کسی کو مُبتلا یا مُصیبت زدہ۔ یا سزایاب۔ یا مریض پاتا ہے۔ اور وہ اس کی تکلیف کو دُور کرنے پر قادر بھی ہوتا ہے، تو فوراً دُور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالٰے تو ہر بلا کے دُور کرنے اور ہر محتاجی کے رفع کرنے اور ہر مرض کے شفا دینے اور ہر تکلیف کے نجات بخشنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور دُنیا امراض۔ مصائب اور بلیات سے پُر ہو رہی ہے جن کو تمام رفع کر دینے پر وہ قادر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُس رحیم نے اپنے بندوں کو ان تکالیف و مصائب میں مُبتلا رہنے دیا ہے۔ اس کا:-

جواب۔ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی ماں اُس کے پچھنے لگوانے سے گریز کرتی ہے مگر عقلمند باپ اُس کو بزور پچھنے لگوانے پر مجبور کرتا ہے۔ نادان آدمی گمان کرتا ہے کہ رحیم ماں ہے، باپ نہیں۔ مگر دانا سمجھتا ہے کہ باپ کا اپنے بچے کو پچھنوں کی تکلیف پوری رحمت اور اعلےٰ درجہ کی شفقت و عنایت ہے۔ ماں تو ایک دوست نما دشمن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تھوڑی سی تکلیف جو بہت سے آرام کی موجب ہو، وہ بُری نہیں بلکہ غنیمت ہوتی ہے رحیم اپنے مرحوم کے حق میں بہر حال بھلائی چاہتا ہے۔ ہر بُرائی کے ضمن میں کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہے۔ اگر اس بُرائی کو رفع کر دیا جائے۔ تو اس کے ضمن میں بھلائی بھی زائل ہو جائیگی۔ جس سے وہ پہلے کی نسبت بڑی بُرائی بن جائیگی +

چنانچہ گلے ہوئے ہاتھ کا کاٹا جانا بظاہر ایک بُرائی ہے۔ مگر اس کے ضمن میں ایک بہت بھلائی ہے۔ وہ کیا؟ بدن کی سلامتی۔ اگر ہاتھ کاٹا نہ جائے: تو سارے بدن کا ہلاک

ہو جاتا یقینی ہے۔ اس وقت یہ بُرائی بہت ہی بڑی ہو گی۔ غرض کہ ہاتھ کا کاٹا جانا سلامتی بدن کی غرض سے ایک ایسی شر ہے، جو اپنے پہلو میں خیر لئے ہوئے ہے۔ لیکن کاٹنے والے کی اصلی مراد سلامتی بدن ہے۔ جو ایک خالص بھلائی ہے۔ پھر چونکہ یہ مراد ہاتھ کے کاٹنے ہی سے حاصل ہوسکتی تھی، لہٰذا اُس نے ہاتھ کو کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو چونکہ پہلے سلامتی مطلوب لنفسہٖ تھا تھی، اور پھر ہاتھ کاٹنا مطلوب لغیرہٖ۔ لہٰذا یہ دونوں اس کے ارادہ کے تحت میں داخل ہیں مگر ایک مراد امر لذاتہٖ ہے اور دوسرا امر مراد لغیرہٖ۔ مراد لذاتہٖ کا درجہ، مراد لغیرہٖ سے مقدم ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ یعنی میری رحمت میرے غضب سے مقدم ہے۔

پس اس کا غضب شر کا ارادہ ہے، اور اس کی رحمت خیر کا قصد ہے۔ لیکن خیر کا ارادہ محض خیر ہی کے لئے ہے، اور شر کا ارادہ محض شر کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس خیر کی خاطر ہے جو اس کے ضمن میں ہے۔ الغرض خیر مقتضی بالذات ہے۔ اور شر مقتضی بالعرض۔ اور ہر امر مقدر ہو چکا ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی بات منافی رحمت نہیں ہے۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا کوئی ایسی شر ممکن نہیں ہے جس کے تحت میں کوئی خیر نہ ہو، یا تم خیال کرو کہ کیا اس خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ تو اپنی عقل کی کمزوری پر محمول کرو۔ یہ سمجھنا کہ فلاں شر کے ضمن میں کوئی خیر نہیں۔ عقل کے بس کا نہیں ممکن ہے کہ ایسی صورت میں تمہاری کیفیت اس بچے کی سی ہو، جو پچھنے لگوانا محض شر سمجھتا ہے۔ یا اُس نادان شخص کی سی جو قتل قصاص کو شر محض خیال کرتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف مقتول کی خصوصیت کو مد نظر رکھتا ہے، جس کے حق میں بیشک وہ قتل شر محض ہے۔ مگر اس خیر عام کو نہیں دیکھتا، جو قصاص کے ذریعے سے عام تمدن پر عاید ہوتی ہے۔ اور وہ یہ نکتہ نہیں سمجھتا کہ شر خاص کے ذریعے سے خیر عام پر فائز ہونا خود خیر محض ہے۔ اور خیر محض کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔

دوسرے خیال کی نسبت بھی تم اپنی عقل ہی کو قاصر سمجھو۔ اور وہ یہ کہ خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر بھی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ معنی بھی نہایت باریک و دقیق ہیں۔ کسی محال و ممکن کا استحالہ و امکان صاف طور پر یا معمولی غور سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بلکہ اس کے لئے اعلیٰ درجہ کی موشگاف قوت فکریہ درکار ہے۔ پھر بھی اکثر اہل فکر اس کے سمجھنے میں ناکام رہتے

ہیں۔ غرض ان دونوں باتوں میں تم اپنے ذہن و تعقل کا تصور سمجھو +
خدا کے ارحم الراحمین ہونے میں مطلق شک نہ کرو۔ اور یقین رکھو کہ اس کی رحمت
اس کے غضب پر مقدم ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو کوئی محض شر کے لئے خیر کا قصد
کرے۔ خیر کے لئے نہ کرے۔ وہ ہرگز رحیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے +
اس بیان کے ضمن میں ہم اس سربستہ راز کا پتہ بتا گئے ہیں جس کو صاف صاف
بیان کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ فالکنایۃ اولیٰ من الصراحۃ۔ صاحب
نظر ہوگا۔ تو خود سمجھ جائیگا ؎

لَقَدْ اَسْمَعْتَ لَوْ نَادَیْتَ حَیًّا
وَلٰکِنْ لَّا حَیَاۃَ لِمَنْ تُنَادِیْ

یہ خطاب عام لوگوں سے تھا۔ میرے دینی بھائی جن کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے
ان لوگوں سے مستثنےٰ ہیں۔ وہ خدا کے راز سے آشنا۔ اور اس قسم کی تنبیہات سے
مستغنی ہیں +

(۴) اَلْمَلِکُ

(بادشاہ)

مَلِک وہ ہے۔ جو اپنی ذات و صفات میں ہر موجود سے مُستغنی ہے۔ اور
ہر موجود اس کا محتاج ہے۔ بلکہ کوئی چیز اپنی ذات میں، صفات میں، وجود میں، بقا میں
غرض کسی بات میں اس سے مستغنی نہیں ہے۔ ہر موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے
ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شے سے ہے۔ اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات و صفات
میں اس کی مملوک ہے۔ اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔ الغرض ایسی ذات مَلِک
مطلق ہے +

تنبیہ۔ بندہ مَلِک مُطلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ہر چیز سے مُستغنی نہیں ہے
اگر باقی موجودات سے مُستغنی ہے۔ تو خدا کا ضرور ہمیشہ کے لئے محتاج ہے۔ اور ہر چیز
اس کی محتاج بھی نہیں ہے۔ بلکہ اکثر موجودات اس سے مستغنی ہیں لیکن جس صورت میں
کہ وہ بعض سے نہیں تو بعض دیگر سے مستغنی ہو۔ اس وقت وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مَلِک

کہلا سکتا ہے۔

الغرض بندوں میں سے مَلِک وہ ہے جس پر خدا کے سوا کسی کا تسلط نہ ہو بلکہ وہ خدا کے سوا سب سے مستغنی ہو۔ اور وہ اپنی سلطنت پر ایسا قابض ہو کہ فوج اور رعایا اُس کی اطاعت کا دم بھرتی ہوں۔

سچ پوچھو تو بندہ کی خاص سلطنت اس کا دل اور قالب ہیں۔ اور فوج اس کی شہوت عضب۔ اور خواہشات ہیں۔ اور رعیّت اس کی زبان۔ آنکھیں۔ ہاتھ اور تمام جوارح ہیں۔ جب وہ ان پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنے عالم وجود میں بادشاہ بن جاتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں سے مستغنی بھی ہو جائے اور لوگ اپنی فانی و باقی زندگی میں اس کے محتاج ہوں۔ تو وہ رُوئے زمین کا بادشاہ ہے۔ اور یہ رتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ وہ ابدی زندگی کی ہدایت پاتے ہیں۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔ اور دوسرے تمام لوگ ان کے محتاج ہیں۔

اس شاہی سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء کا درجہ ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کی بادشاہی اس قدر ہوتی ہے جس قدر وہ بندوں کو ہدایت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور جس قدر طلب ہدایت میں لوگوں سے مستغنی ہوتے ہیں۔

ان صفات کی بدولت بندہ فرشتوں سے جا ملتا ہے۔ اور خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بادشاہی اس مَلِک برحق کی طرف سے جس کی بادشاہی میں مثل و نظیر نہیں ہو سکتی بندے کے لئے بڑا عطیہ ہے۔

کسی عارف کی یہ گفتگو کس قدر درست ہے۔ جو اُس نے ایک امیر کے ساتھ کی تھی:۔

امیر: "مانگ جو چاہتا ہے"

عارف: "تم کس برتے پر میرے معطی بننے کا دم بھرتے ہو۔ حالانکہ میرے دو غلام تمہارے آقا ہیں"

امیر: "وہ کون؟"

عارف: "حرص اور خواہش نفسانی۔ میں ان دونوں پر متسلط ہوں۔ اور وہ دونوں تم پر متسلط ہیں۔ میں ان دونوں کا مالک و مختار ہوں۔ وہ دونوں تمہارے مالک ہیں"

ایک شخص نے کسی بزرگ سے التماس کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا "تم دُنیا میں بادشاہ بنے رہو۔ پھر آخرت میں بادشاہ ہو جاؤ گے" مطلب یہ تھا کہ تم دُنیا کی حرص و خواہش چھوڑ دو۔ کیونکہ آزادی اور استغنا ہی بادشاہی ہوتی ہے +

(۵) اَلْقُدُّوْسُ

(تمام عیبوں سے پاک)

قُدُّوْس کے معنے وہ ذات جو ان تمام اوصاف سے پاک ہے۔ جن کو حس یا قوتِ خیال یا وہم یا عقل یا فکر، ادراک کر سکیں +

قُدُّوْس کی تعریف میں ہم یہ نہیں کر سکتے کہ وہ ذات جو عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ کیونکہ اس قسم کی تعریف ایک طرح سے ترک ادب ہے۔ اسی لئے اگر کہا جائے کہ حضور گورنر دام اقبالہٗ قوم کے جُلاہے نہیں ہیں۔ نہ نائی ہیں۔ تو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے وجہ یہ کہ کسی صفت کی نفی سے اُس کے امکان کا وہم ہوتا ہے۔ اور اس ایہام ہی میں نقص ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ قُدُّوْس کے معنے ہیں وہ ذات جو اوصاف کمال میں سے اُس وصف سے بھی پاک ہے جو اکثر لوگوں کے ظن میں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ پہلے اپنے آپ میں غور کرتے ہیں۔ اپنی صفات کو پہچانتے ہیں۔ اور ان کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں:۔

ایک۔ وہ جو ان کے حق میں کمال ہیں۔ مثلاً ان کا اپنا علم۔ قدرت۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ ارادہ۔ اختیار وغیرہ۔ اور ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ اور ان ناموں کو اسمائے کمال کہتے ہیں +

دوم۔ وہ جو ان کے لئے نقص ہیں مثلاً ان کا جہل۔ عجز۔ کورچشمی۔ بہرہ پن۔ گونگاپن وغیرہ۔ پس ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ وہ خدا کی زیادہ سے زیادہ تعریف یوں ہی کر سکتے ہیں کہ اُس کو اپنے مذکورہ اوصاف کمال سے موصوف کریں۔ اور اپنے مذکورہ نقص اس سے نفی کر دیں۔ حالانکہ وہ نہ صرف ان کے اوصاف نقص سے منزہ ہے بلکہ ان کے اوصاف کمال سے مبرا ہے۔ بلکہ جو بڑی سے بڑی صفت مخلوق کے تصور میں آ سکتی ہے۔ وہ اس سے اور اس کی مشابہ و مماثل صفات سے پاک ہے۔ اگر ان صفات کے اطلاق کی اجازت نہ ہوتی۔ تو ان میں سے اکثر کا اطلاق نادرست ہوتا۔ مقدمہ کی چوتھی فصل میں ہم یہ بتا

بخوبی سمجھا آئے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ۔ بندہ کا قدّوس یہ ہے کہ اپنے ارادہ اور علم کو منزہ کرے۔ علم کو تخیلات۔ محسوسات۔ موہومات سے اور ان تمام ادراکات سے جن میں بہائم شریک ہیں پاک کرے۔ بلکہ اس کی جولانی نظر اور تگاپوئے علم، ان ازلی و ابدی امور کے لئے ہو۔ جو نہ قریب ہیں کہ حس کے ساتھ محسوس ہوں۔ نہ بعید ہیں کہ حس سے غائب ہوں۔ بلکہ وہ فی نفسہٖ محسوسات اور تخیلات سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور علوم سے اس طرح مستفید رہتا ہے کہ اگر اس کی حس و تخیل کا آلہ مفقود بھی ہو جائے۔ تو پھر بھی وہ ان علوم شریفہ و کلیہ و الٰہیہ سے سیراب ہوتا رہتا ہے جو ازلی و ابدی معلومات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان شخصی حیثیات سے جدا ہیں۔ جو سدا متغیر و متبدل ہوتی رہتی ہیں۔

اپنے ارادہ کو ان انسانی لذات کے ساتھ تعلق رکھنے سے پاک کرے۔ جو شہوت اور غضب کی مقتضیات اور خوراک۔ جماع۔ لباس۔ نظارہ کی لذائذ کہلاتی ہیں۔ اور ان لذتوں سے بھی پاک کرے جو صرف حس اور قلب کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ غرض کہ خدا کے سوا کوئی اس کے ارادہ کا مطمح نظر نہ ہو۔ خدا کی ذات کے سوا کسی چیز میں اس کو لذت نہ ملتی ہو۔ خدا کے دیدار کے سوا کسی چیز کا اس کو شوق نہ ہو۔ خدا کے قرب کے سوا کسی چیز سے اس کو مسرت نہ ہوتی ہو۔ اگر اس کی بجائے اس کو جنت اور اس کی تمام نعمتیں بھی دلائی جائیں۔ تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور گھر والے کو چھوڑ کر خالی گھر پر کبھی راضی نہ ہو۔

الغرض حسی و خیالی ادراکات میں تو بہائم بھی اس کے شریک ہیں۔ لہٰذا اس کو چاہیئے کہ اس رتبہ کو چھوڑ کر اس درجہ پر ترقی کرے، جو انسان سے مخصوص ہے۔ بشری شہوانی لذات میں بھی بہائم مقابلہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کو ترک کر دینا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صاحب ارادہ کی عظمت اس کی مراد کی عظمت کے موافق ہے۔ مَنْ هِمَّتُهٗ مَا يَدْخُلُ فِيْ بَطْنِهٖ فَقِيْمَتُهٗ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ چنانچہ جس شخص کا منتہائے ہمت وہی ہے جو پیٹ میں ٹھوس لیا۔ تو اس کی قیمت بھی وہی ہوگی جو اس سے نکلتا ہے۔ اور جس شخص کا منتہائے ہمت خدا کے سوا کوئی نہ ہو۔ تو اس کا درجہ بھی حسب ہمت ہے جس شخص کا علم محسوسات و تخیلات کے درجہ سے ترقی کر گیا۔ اور ارادہ مقتضائے شہوات سے پاک ہو گیا وہ بارگاہ قدس میں باریاب ہوا۔

(۶) اَلسَّلامُ

(تمام نقصانات سے محفوظ)

سَلام وہ ہے جس کی ذات عیب سے۔ اور صفات نقص سے۔ اور افعال شر سے محفوظ ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو جو نسی بھی سلامتی موجود ہے۔ وہ اس کے ساتھ منسوب یا اس سے صادر شدہ ہے۔ اور تم اُوپر یہ بات بخوبی سمجھ آئے ہو کہ خدائے تعالےٰ کے افعال شر سے محفوظ ہیں یعنی اس شر مطلق سے لذاتہ مراد ہو۔ اور اس کے ضمن میں کوئی خیر اس سے بڑھ کر نہ ہو۔ اور کوئی شر اس قسم کی موجود نہیں ہے۔ کما سبق الایماء الیہ ۔

تنبیہ۔ جس بندہ کا دل بدظنی۔ کینہ۔ حسد اور ارادہ شر سے محفوظ ہے۔ اور اس کے اعضا معصیات و منہیات سے سلامت رہیں۔ اور اس کے صفات کجی اور برگشتگی سے بچے رہیں۔ وہ صحیح و سالم دل کے ساتھ خدا کو ملیگا۔ اور یہ وہ بندہ ہے۔ جو اَلسَّلامُ کے خطاب کا مستحق اور اپنی صفات کے لحاظ سے اس اَلسَّلامُ حقیقی کے اوصاف سے قریب ہے۔ جس کی صفات کی مثل و نظیر نہیں ہوسکتی ۔

صفات کی کجی سے ہماری یہ مراد تھی کہ عقل غضب و شہوت کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ کیونکہ حق تو یہ تھا کہ اس کے برعکس ہوتا یعنی شہوت اور غضب دونوں عقل کے قابو میں ہوتے جب حالت اس کے برعکس ہوئی، تو کجی و برگشتگی لازم تھی۔ جب بادشاہ رعیت بن جائے اور مالک غلام ہو جائے۔ تو سلامتی کیسی؟

سَلام سے وہ شخص متصف ہوسکتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھوں سے لوگ سلامت ہوں۔ اور جو شخص خود اپنے آپ سے سلامت نہیں ہے۔ وہ اس خطاب کا کیونکر مستحق ہوسکتا ہے؟

(۷) اَلمُؤمِنُ

(اپنے وعدہ میں سچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا)

مُؤمِنُ سے مراد وہ ذات ہے، جو اسباب امن مہیا کرنے اور خوف و خطر کی راہیں بند کرنے والا ہو۔ اور اسی لئے امن و امان اس سے منسوب کیا جائے ۔

امن، خوف ہی کے مقام میں متصور ہو سکتا ہے۔ اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے احتمال سے ہوتا ہے۔ اور مومن مُطلق وہ ذات ہے کہ جس قدر امن و امان تصور میں آ سکتا ہے، وہ اسی سے مُستفاد ہو۔ وہ ذات پاک اللہ تعالےٰ ہے +

اندھا، چونکہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے وہ ہلاکت کے پیش آجانے سے ڈرتا ہے ثابت ہوا کہ اس کی آنکھیں ہلاکت سے امن دلاتی ہیں۔ کٹے ہوئے ہاتھوں والا بھی کسی ایسی آفت سے غیر مطمئن ہے جس کا دفیعہ ہاتھوں سے ہو سکتا ہے۔ پس سالم ہاتھ بھی آفت سے امن دلانے والا ہوا۔ علےٰ ہذا تمام حواس اور اعضائے بدن۔ اور المؤمن ان سب اعضاء کا خالق۔ اور نقش بنانے والا۔ کمیل کرنے والا۔ اور طاقت بخشنے والا ہے +

فرض کرو ایک کمزور آدمی دشمنوں سے بچنے کے لئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ سخت مشکل میں گھر گیا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں رہی ہے۔ اگر سکت ہے تو پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ اگر ہتھیار ہے تو اکیلا دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے پاس فوج ہے۔ تو اس کے شکست پانے کا اندیشہ ہے۔ کوئی قلعہ بھی نہیں کہ اس میں پناہ گزین ہو بیٹھے۔ ایسی حالت میں اس کو ایک ایسا مددگار مل جاتا ہے۔ جو اُس کی کمزور طاقتوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اپنی غیبی فوج اور اسلحہ سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کے اردگرد ایک سنگین قلعہ بنا کھڑا کرتا ہے۔ یہ مددگار جس نے اس کو پورا امن و امان بخشا ہے۔ فی الواقع **المؤمن** کہلانے کا مستحق ہے +

بندہ اپنی اصل فطرت میں کمزور ہے۔ اور اس کے باطن کو دیکھو تو امراض اور بھوک پیاس وغیرہ آفات اس میں بھری پڑی ہیں۔ ظاہر دیکھو۔ تو وہ آگ میں جلجانے۔ پانی میں ڈوب جانے۔ اور زخم اور چوٹ وغیرہ آفات کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس کو ان تمام آفتوں سے بچانے والی وہی ذات پاک ہے۔ جس نے مرض کو دور کرنے کے لئے دوائیں۔ اور بھوک۔ پیاس کو رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اور اعضا دئیے ہیں تاکہ بدنی نقصان پہنچانے والی چیزوں کو دفع کریں۔ حواس عطا کئے ہیں، تاکہ کسی آنے والے خطرے کی اطلاع دیتے رہیں سب سے بڑا خوف آفت کی ہلاکت کا ہے۔ اور اس سے صرف **کلمہ توحید** نجات دلاتا ہی اس کی طرف بھی اللہ ہی ہدایت بخشتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ فَقَدْ اٰمِنَ مِنْ عَذَابِیْ یعنی "کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ

میرا قلعہ ہے۔ جو شخص میرے قلعہ میں آجاتا ہے۔ اس کو عذاب کا کوئی اندیشہ نہیں "۔
غرض کہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے۔ جن کو خاص وہی مہیا کرتا ہے۔ وُہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے۔ فَهُوَ الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی "اُس ذات پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اس پر چلنے کی ہدایت کی"۔
پس وہی مومن مطلق و برحق ہے +

تنبیہ۔ اس وصف سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ تمام مخلوق کو اس کی طرف سے امن ہو بلکہ ہر خوف زدہ شخص دینی و دنیوی خطرات کے دفعیہ میں اس کی امداد کا امیدوار ہو۔ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَاْمَنْ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ یعنی جو شخص اللہ تعالےٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کا ہمسایہ اُس کے ظلموں سے محفوظ ہونا چاہیئے "+

مومن کے نام کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے۔ جو لوگوں کو راہ نجات دکھا کر۔ اور طریق خدا سمجھا کر عذاب الٰہی سے امن دلائے۔ اور یہ انبیاؑ و اولیا کا منصب ہے۔ اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِنَّکُمْ تَتَهَافَتُوْنَ فِی النَّارِ تَهَافُتَ الْفَرَاشِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ یعنی تم دوزخ میں پروانوں کی طرح گرو گے۔ اور میں تم کو تمہارے اطراف بدن سے پکڑ کر تھاموں گا +

سوال۔ شاید تم کہو کہ ہر خوف درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس خدا کے سوا کوئی چیز خوف دلانے والی نہیں ہے۔ وُہی ہے جو بندوں کو ڈراتا ہے۔ وُہی ہے جس نے ڈرنے کے اسباب بنائے ہیں۔ تو اس کی طرف امن کو کیونکر منسوب کیا جاتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ خوف بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ امن بھی اسی کی طرف سے وہی خوف و امن کا سبب پیدا کرنیوالا ہے۔ اور اس کا مُخَوِّف ہونا اس کے مؤمن ہونے کا مانع نہیں ہے۔ جس طرح اس کا مُذِلّ ہونا اس کے مُعِزّ ہونے کا مانع نہیں۔ بلکہ وُہی معزّ ہے وُہی مُذِل بھی ہے۔ اور اس کا خافض ہونا اس کے رافع ہونے کا مانع نہیں ہے۔ بلکہ وہی خافض بھی ہے رافع بھی۔ اسی طرح وہ مومن (امن دینے والا) بھی ہے۔ اور مُخَوِّف (ڈرانیوالا) بھی۔ لیکن مومن اس کا اسم مقرر ہے مُخَوِّف نہیں +

(۸) اَلْمُھَیْمِنُ

(نگہبان یا گواہ)

اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے عملوں۔ رزقوں اور عمروں کا انصرام کر رہا ہے۔ اس کا انصرام اپنی اطلاع اور غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے۔ جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف۔ اس پر قابض اور اس کا حافظ ہو۔ وہ اس کا مُھَیمِن کہلاتا ہے۔ حالات کی واقفیت کا مطلب علم ہے۔ قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے۔ اور حفظ عقل کی طرف راجح ہوتا ہے۔ جس میں یہ تینوں معنے جمع ہوں۔ وہ مُھَیمِن ہے۔ یہ تینوں مطلقاً اور کامل طور پر صرف خداوند تعالیٰ میں جمع ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کو کتب قدیم میں خدا نام لکھا ہے۔

تنبیہ۔ جو شخص لگاتار اپنی اخلاقی حالت کے متعلق غور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے تمام نشیب و فراز اور اسرار سے واقف ہو جائے۔ اور ساتھ ہی اپنے دل کے احوال و اوصاف کو درست رکھنے پر قادر ہو جائے۔ اور ہمیشہ اس کی درست حالت قایم رکھنے میں معروف ہے۔ وہ اپنے دل کا مُھَیمِن ہے۔ اور اس کی واقفیت اور قدرت اور حفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے بندوں کے باطنی اسرار سے فراست و استدلال کے ذریعہ سے واقف ہو کر ان کو راہ راست پر قایم رکھنے کے لئے کمربستہ ہو جائے تو اس معنے سے ان کا حصہ اس سے اور بھی زیادہ اور مکمل ہوگا۔

(۹) اَلْعَزِیْزُ

(غالب۔ قوی۔ قاہر)

عَزِیز کے معنے وہ عالی قدر شے جس کی مثل شاذ و نادر مل سکتی ہو۔ جس کی ازحد حاجت ہو۔ اور جس کا حاصل ہونا بھی مشکل ہو۔ کسی شے میں جب تک یہ تینوں معانی جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم عَزِیز کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بہت سی اشیا ایسی ہیں کہ ان کی نظیر تو کم ملتی ہے لیکن چونکہ نہ ان کی شان بڑی ہے اور نہ ان سے چنداں زیادہ نفع ملتا ہے۔ اس لئے وہ عَزِیز نہیں کہلاتیں۔ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی شان بھی بڑی ہے۔

فائدہ بھی ان سے بہت ہے۔ اور ان کی نظیر بھی کوئی نہیں۔ لیکن چونکہ ان کا حصول چنداں دشوار نہیں ہے۔ اس لئے ان کو عزیز نہیں کہا جاتا +

مثلاً سورج اور زمین، جن کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور دونوں سے اپنی اپنی جگہ نفع بھی بہت ملتا ہے۔ اور ان کی حاجت بھی اشد ہے۔ لیکن ان کو عزیز نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ان کو دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ غرض عزیز ہونے کے لئے ان تینوں اوصاف کا جمع ہونا لازم ہے +

ان تینوں معنوں میں کمال و نقصان کے مراتب بھی پائے جاتے ہیں۔ عزیز کی قلت وجود کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہو۔ کیونکہ ایک سے کم کوئی عدد نہیں ہو سکتا اور اس کی مثل کا وجود محال ہو۔ ایسی ذات خدا ہی کی ہے۔ کیونکہ مثلاً سورج اگرچہ وجود میں ایک ہی ہے۔ لیکن امکان میں ایک نہیں ہے۔ اس کی مثل کا وجود بھی ممکن ہے +

عزیز کی شدت حاجت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز ہر بات میں اس کی محتاج ہو یہاں تک کہ اپنے وجود و بقا اور صفات میں بھی۔ یہ کمال صرف خدائے تعالےٰ میں ہے اور اس میں کوئی شے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دشوار حصول ہونے کا کمال یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی استدلالی نظر اور قیاسی رائے کے ساتھ اُس کی ذات و صفات کا پورا پورا پتہ لگانے سے بالکل عاجز ہو۔ یہ بات بھی خدا ہی سے خاص ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ "خدا کی باتیں خدا ہی جانے" +

الغرض وہ ایسا عزیز مطلق و برحق ہے کہ اس صفت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا +

تنبیہ۔ بندوں میں سے عزیز وہ ہے کہ بندگان خدا اپنی حیات اخروی اور سعادت ابدی کے لئے اس کے محتاج ہوں۔ ایسا رتبہ بلاشبہ بہت کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔ یہ رتبہ انبیاء صلوات اللہ علیہم کا ہے۔ پھر ان کے بعد عزت میں شارک وہ لوگ ہیں جو ان کے قرب زمانہ سے ممتاز ہیں۔ جیسے خلفائے راشدین، اور انبیاء علیہم السلام کے وارث علمائے کرام +

(۱۰) اَلْجَبَّارُ

(بڑا دباؤ والا)

جَبَّار وہ ہے، جو ہر شخص پر بطور جبر اپنا حکم جاری کرے۔ اور اُس پر کسی کا حکم جاری نہ ہو سکتا ہو۔ اور جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی نہ نکل سکے۔ اور اُس کی بارگاہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ساری ہمتیں پست ہوں۔ تو جبّار مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو مجبور کر سکتا ہے۔ اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اور ان دونوں باتوں میں اس کی مثل کوئی نہیں ہے +

تنبیہ۔ بندوں میں سے جبّار وہ ہے کہ اتباع کے درجہ سے ترقی کر کے دوسروں کو اپنا تابع بنائے۔ اور سب سے بڑا رتبہ حاصل کرے۔ حتّٰے کہ لوگوں کو اپنی ہیئت وصورت سے اپنی عادت وسیرت کے مطابق چلنے پر مجبور کرے۔ غرض وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ اور خود چنداں فائدہ نہ اُٹھائے۔ لوگوں کا فائدہ مقدم سمجھے۔ اپنے فائدے کی حرص نہ کرے۔ لوگوں کو اپنا مطیع بنائے۔ خود کسی کی اطاعت نہ کرے۔ جو شخص اس کی زیارت کرے، وہ اس کے دیدار میں ایسا محو ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے۔ اس کا ایسا شوق ہو کہ خود اپنی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے۔ اور کوئی شخص اُس کو دھوکا دینے اور اپنا تابع بنانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اِس وصف سے خاص سیّد البشر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہرہ ور ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ وَاَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی "اگر موسےٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے، تو اُن کو میرے تابع ہوئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ اور مَیں اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور میرے لئے یہ بات باعث فخر نہیں" +

(۱۱) اَلْمُتَکَبِّرُ

(عظمت وبزرگی والا)

مُتَکَبِّر وہ ہے، جو اپنے مقابلہ میں سب کو حقیر سمجھتا ہو۔ اور بزرگی وعظمت کا حق دار صرف اپنے آپ کو جانتا ہو۔ اس لئے دوسروں کو غلاموں کی حیثیت سے دیکھتا ہو۔ اگر یہ

بات صحیح ہو۔ تو وہ تکبر حق، اور اس کا فاعل متکبر برحق ہوگا۔ اور یہ بات علی الاطلاق خاص خدا کے لئے مقصود ہے +

اگر وہ تکبر اور استعظام باطل ہو۔ اور اس متکبر کو فی الحقیقت امتیازی عظمت جو اس کے زعم میں ہے حاصل نہ ہو۔ تو اس کا تکبر بے جا اور مذموم ہوگا۔ خدا کے سوا جو شخص خاص اپنے آپ کو عظمت و بزرگی کا مستحق قرار دے اُس کا قیاس غلط اور اُس کی نظر باطل ہے +

تنبیہ۔ بندوں میں سے متکبر وہ زاہد ہے جو عارف بھی ہو +

عارف کے زاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو چیز اُس کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو، وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔ اس لئے وہ دنیا و آخرت سب کو حقیر سمجھیگا۔ اور اُن کو خدا کی یاد میں خلل انداز ہونے کے باعث اپنی نظروں سے گرا دیگا۔ غیر عارف کا زہد ایک قسم کا معاملہ اور معاوضہ ہے۔ کیونکہ وہ متاع دنیا کے عوض میں متاع آخرت کی خریداری کرتا ہے۔ ایک چند روزہ چیز سے اس لئے دستبردار ہوتا ہے کہ اس کے عوض میں دائمی نعمت کئی گنا حاصل کرے۔ یہ بیع سلم نہیں تو اور کیا ہے۔ جس شخص کو نعمتیں کمانے اور عیش منانے کی خواہش اپنا غلام بنائے ہوئے ہو۔ وہ حقیر ہے۔ متکبر وہی شخص ہے جو ہر نفسانی خواہش کو اس خیال سے حقیر سمجھتا ہو کہ ان میں چوپائے بھی شریک ہیں +

(۱۲) اَلْخَالِقُ | (۱۳) اَلْبَارِئُ

(ہر چیز کا پیدا کرنے والا) | (ہر چیز کا موجد)

(۱۴) اَلْمُصَوِّرُ

(مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانیوالا)

لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسماء مترادف ہیں۔ اور ہر اسم کے معنی پیدا کرنا اور اختراع کرنا ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے۔ وہ پہلے تقدیر کی محتاج ہے۔ پھر تقدیر کے موافق ایجاد کی۔ اس کے بعد تصویر کی۔ اور اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ ایک شے کی تقدیر کرتا ہے، اس کا خالق ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس کا اختراع

کرتا ہے، اس کا بادِیُٔ ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مخترعات کی صورتوں کو باہم عمدہ ترتیب دیتا ہے، مُصَوِّر ہے +

مثلاً ایک عمارت کا بنانا منظور ہو۔ تو پہلا کام انجینیر کا ہوگا۔ جو اس عمارت کی نوعیت و صُورت تجویز کر کے ایک نقشہ تیار کرتا ہے۔ اور اُس پر اینٹ۔ پتھر۔ چُونہ۔ لکڑی وغیرہ صرف ہونے والے مصالح کی مقدار کا اندازہ لگا کر اُس کے اخراجات کا تخمینہ کرتا ہے۔ اس کے بعد معمار کا کام شروع ہوتا ہے۔ جو اس نقشہ کے موافق عمارت کی نیاو ڈالتا ہے۔ اور مصالح کی تجویز کردہ مقدار کے اندر اندر پُوری عمارت بنا کھڑی کرتا ہے۔ ابھی تک وہ عمارت غیر مکمل اور نا قابل سکونت ہوتی ہے کہ ایک تیسرے صنّاع یعنی مصوّر کے ہاتھ سے وہ ایک شاندار قصر اور شاہی ایوان بن جاتی ہے +

یہ تو انسانی کاموں کی مثال تھی۔ خدا کا کام اس سے برتر ہے۔ وہ خود ہی اندازہ قایم کرتا ہے۔ خود ہی بناتا ہے۔ اور خود ہی اُس کی ظاہری صورت کو آراستہ کرتا ہے۔ یا یُوں کہو کہ وُہی خالق وہی بادیٔ اور وہی مُصَوِّر ہے +

مثال کے طور پر انسان کو لو۔ جو اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس وجُود کے لئے سب سے پہلے ایک مجسمہ ضروری تھا جس کو انسانی صفات سے متصف کیا جا سکے۔ یہ مجسمہ مٹی اور پانی دونوں کی ترکیب سے تیار ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ صرف مٹی ایک خشک اور ٹھوس چیز ہے جس میں نرمی اور لچک نہیں ہے۔ اور صرف پانی ایک تر اور سیال شے ہے۔ جو قایم اور متماسک نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں خشک اور تر چیزوں کا مرکب اور معتدل مادہ اس مجسمہ کے لئے مناسب تھا۔ اس کے بعد آگ کا جز بھی ان میں شامل ہونا بہتر تھا جس سے مٹی اور پانی کا قوام مستحکم ہو جائے۔ اس کے بعد ضروری تھا۔ کہ اس پانی مٹی کی خاص مقدار مُعین ہو۔ کیونکہ اگر تھوڑی سی مقدار ہو۔ تو اس مجسمہ سے انسانی افعال سرزد نہیں ہو سکتے اور ضعف و ہلاکت سے اس کا وُہی حال ہو، جو کیڑے کوڑے کا ہوتا ہے۔ اتنی بڑی مقدار بھی فضول تھی کہ یہ مجسمہ پہاڑوں اور ٹیلوں کے برابر بن جاتا۔ کیونکہ اتنے بڑے قد و جسامت کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہ ساری باتیں اندازہ اور تجویز ہیں۔ جن کو دوسرے لفظوں میں تقدیر کہتے ہیں +

پس اللہ تعالےٰ ان امور کی تقدیر اور تقدیر کے موافق ایجاد کرنے کے لحاظ سے خالق

ہے۔ اور محض ایجاد کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کے لحاظ سے بادیٔ ہے۔ محض ایجاد اور چیز ہے۔ اور ایجاد بوفق تقدیر اور چیز +

اسم مُصَوِّر خدا پر اس حیثیت سے صادق آتا ہے کہ اس نے تمام اشیاء کی صُورتوں کو نہایت خوبی سے مرتب کیا ہے۔ اور ان کو اچھی صورت پر بنایا ہے۔ اور یہ اوصاف فعل سے ہے۔ اس کی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے۔ جو تمام عالم صورت کو پہلے بالاجمال اور پھر بالتفصیل جانتا ہو۔ کیونکہ تمام عالم ایک شخص کا حکم رکھتا ہے۔ جو باہم ایک دوسرے کو کسی غرض مطلوب پر مدد دینے والے اعضاء سے مرکب ہو۔ اس کے اعضاء و اجزاء آسمان اور ستارے اور زمین اور ان کے مابین کی اشیاء مثلاً پانی۔ ہوا وغیرہ ہیں۔ اس کے اجزاء ایسی محکم ترتیب سے مرتب ہیں کہ اگر اس ترتیب میں تغیر آجائے۔ تو نظام میں خلل آجائے اس لئے جو جز اوپر رہنا چاہئے، وہ بالائی سمت سے مخصوص ہے۔ اور جو نیچے ہونا مناسب ہے وہ زیرین سمت سے خاص ہے۔ جیسے کہ معمار دیواروں کی بنیاد میں پتھر اور ان کے بالائی حصے پر لکڑی رکھتا ہے۔ نہ اتفاقاً، بلکہ اس کے نزدیک یہ ترتیب مکان کی مضبوطی کیلئے ضروریات سے ہے۔ اگر اس ترتیب کے خلاف پتھر کو اوپر اور لکڑی کو نیچے رکھا جائے۔ تو عمارت ضرور منہدم ہو جاتی۔ اور ہیئت ہرگز قایم نہ ہو سکتی۔ اسی پر ہم کرۂ ارض و کرۂ ماء وغیرہ کا نیچے ہونا۔ اور ستاروں کا اوپر ہونا قیاس کر سکتے ہیں +

اگر تھوڑے سے اجزائے عالم کا ذکر اور ان کی ترتیب کی حکمت بیان کرنے لگیں۔ تو ایک دفتر ہو جائیگا۔ اس تفصیل کا جتنا کسی کو علم ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ وہ مصوِّر کے معنے سے واقف ہوگا۔ یہ ترتیب و تصویر اجزائے عالم میں سے ہر جز میں موجود ہے۔ اگرچہ وہ چھوٹا سا ہی ہو۔ یہاں تک کہ چیونٹی اور کیڑے میں بلکہ چیونٹی اور کیڑے کے ہر عضو میں موجود ہے۔ ہر ایک جاندار کا ایک چھوٹا سا عضو آنکھ ہے۔ اگر اس کی صورت کی تفصیل لکھیں۔ کلام ختم نہ ہوگا۔ جو شخص آنکھ کے طبقات ان کی ہیئت شکل۔ مقدار۔ رنگ اور ان کی وجہ حکمت سے واقف نہیں۔ وہ ان کی صُورت سے واقف نہیں۔ اور نہ ان کے مصوّر سے واقف ہے۔ صرف نام ہی نام جانتا ہے۔ یہی حال ہر حیوان و نبات کی صورت بلکہ ان کے ہر جز کی صورت کا ہے +

تنبیہ۔ اسم مصوّر سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اس کے نفس میں تمام وجود کی

صورت بہ ترتیبہ حاصل ہو۔ حتےٰ کہ وہ تمام ہیئت عالم کو محیط ہو۔ گویا کہ تمام عالم اس کے زیر نظر ہے۔ پھر تمام پر تفصیلی غور کرے۔ چنانچہ انسانی صورت کے بدن اور اعضائے جسمانی کا حال معلوم کرے۔ ان کے انواع۔ عدد۔ ترکیب۔ اور انسان کی آفرینش و ترکیب کی حکمت کو سمجھے۔ پھر اس کی معنوی صفات اور معانی شریفہ کو معلوم کرے۔ جن سے اس کے ادراکات اور ارادے وابستہ ہیں۔ اور اسی طرح حیوانات اور نباتات کی صورتوں کو اپنے مقدور بھر ظاہر و باطن سے ملاحظہ کرے۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا نقش اور صورت اس کے ذہن میں منقش ہو جائے ✦

یہ حال تو صور جسمانیہ کی معرفت کا تھا۔ اور یہ سلسلہ روحانیات کی ترتیب کی نسبت بہت مختصر ہے۔ جس میں ملائکہ اور ان کے مراتب اور ان کے مقررہ تصرفات کی معرفت داخل ہے۔ ملائکہ کے یہ تصرفات وہ ہیں جو وہ آسمانوں اور ستاروں میں کرتے ہیں۔ پھر قلوب بشریہ میں ہدایت و ارشاد کا تصرف کرتے ہیں۔ اور حیوانات میں ان کو اپنی حاجات کا احساس دلانے کا تصرف کرتے ہیں ✦

غرض کہ اس اسم سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ وہ صور علمیہ کا جو صور وجودیہ کے مطابق ہوں اکتساب کرے۔ کیونکہ علم اس صورت میں منقش فی النفس کا نام ہے۔ جو صورت معلوم کے مطابق ہو۔ اور صور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم صور کے اعیان میں موجود ہونے کا سبب ہے۔ اور وہ صور جو اعیان میں موجود ہوں وہ انسان کے دل میں صور علمیہ کے حاصل ہونے کا سبب ہیں۔ اور اس طرح بندہ خدا کے اسماء میں سے اسم مُصَوِّر کے معنے سے علم حاصل کرتا ہے اور نیز وہ اپنے نفس میں صور حاصل کرنے کے باعث گویا کہ وہ مُصَوِّر ہے۔ اگرچہ بطور مجاز ہو۔ کیونکہ یہ صورت اس میں بالتحقیق اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اختراع سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ بندہ کے فعل سے۔ لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ✦

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ خود متغیر کریں۔ اور اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ مِنْ رَحْمَتِہٖ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا ✦

اَلْخَالِقُ اور اَلْبَارِئُ میں بندہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مگر مجازِ بعید، جس کی توجیہ یہ ہے کہ خلق اور ایجاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنے علم کے مطابق کام میں لایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے علم اور قدرت پیدا کی ہے۔ اور اس کو اپنی تقدیر اور علم کے موافق مقدرات کے حاصل کرنے کا موقع میسّر ہے۔ اور امور موجودہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جن کا حصول ہرگز بندوں کی قدرت میں نہیں ہے۔ جیسے آسمان ستارے۔ زمین۔ حیوانات اور نباتات وغیرہ۔ دوسرے وہ جن کا حصول صرف بندوں کی قدرت سے وابستہ ہے۔ اور یہ وہ ہیں، جو اعمال عباد کہلاتے ہیں۔ جیسے صناعات۔ سیاسات عبادات اور مجاہدات۔ چنانچہ جب بندہ ریاضتوں کے ساتھ اپنے نفس کے مجاہدہ میں اور اپنی مخلوق کی سیاست میں ایسے مدارج پر پہنچ جائے جن میں وہ ایسے امور کے استنباط کا امتیاز حاصل کرے۔ جن کو پہلے کسی نے استنباط نہ کیا ہو۔ اور ساتھ ہی وہ ان کے کرنے اور ان کی ترغیب دینے پر قادر بھی ہو۔ تو اس کو اس چیز کا مخترع کہا جائیگا جس کا پہلے وجود نہ ہو۔ چنانچہ شطرنج وضع کرنے والے کے حق میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا واضع اور مخترع ہے کیونکہ اُس نے ایک ایسی چیز وضع کی ہے جو پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اُس نے کوئی ایسی چیز وضع کی جس میں کوئی نیکی نہیں ہے: تو وہ مدح و ستائش کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح ریاضات۔ مجاہدات۔ سیاسات اور صناعات میں جو نیکیوں کا سرچشمہ ہیں، صور اور ترتیبات ملحوظ ہیں۔ جن کو لوگ ایک دوسرے سے سیکھ لیتے ہیں۔ اور پہلے استنباط کرنے والی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ گویا یہ واضع ان صور کا مخترع اور خالق ہے۔ حتے کہ اس پر یہ اسم مجازاً اطلاق کیا جا سکتا ہے +

اللہ کے اسماء میں سے کئی اسماء ایسے ہیں۔ جن کو بندہ کی طرف مجازاً نقل کیا جائیگا۔ اس قسم کے اسماء بہت ہیں۔ اور بعض ایسے اسماء ہیں۔ جو بندہ کے حق میں حقیقۃً ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے حق میں مجازاً جیسے اَلصَّبُوْرُ اور اَلشَّکُوْرُ +

یہ مناسب نہیں ہے کہ اسم کی مشارکت تو دیکھ لی جائے۔ مگر مذکورہ تفاوت پر غور نہ کیا جائے +

(۱۵) اَلْغَفَّارُ

(بہت بخشنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے۔ جو خوبی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور بُرائیوں اور گناہوں کو دنیا میں پردہ ڈال کر۔ اور آخرت میں بخش کر رفت و گذشت کر دیتی ہے +

غفر کے معنے ستر۔ اللہ کا پہلا ستر اپنے بندے کے عیوب پر یہ ہے۔ کہ اُس کے بدن کے بدنما اور گھناؤنے حصے جو آنکھوں کو بُرے معلوم ہوتے ہیں اُس کے باطن میں چھپا دیئے۔ جو اُس کے جمال ظاہری کے رنگ و روغن میں نہاں ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ بندہ کے باطن اور ظاہر کی صفائی او عدم صفائی اور خوبصورتی اور بدصورتی میں کس قدر فرق ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے انسان کے جسم کا کونسا حصہ دکھایا ہے۔ اور کونسا چھپایا ہے +

دوسرا ستر یہ کہ اس کے بُرے خیالوں۔ مذموم ارادوں اور مکروہ عقیدوں کو اس کے دل کی اندھیری کوٹھری میں بند کیا ہے۔ تاکہ کوئی شخص ان شرمناک بھیدوں سے واقف نہ ہو۔ اگر خلقت کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا۔ اور اس کے وسوسوں اور دل کے کھوٹ۔ خیانت اور بدظنی کا پتہ لگ جاتا۔ تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے۔ بلکہ اُس کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کرتے۔ غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے اس کے اسرار اور مخفی امور کو کس طرح دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھا ہے +

تیسرا ستر یہ ہے کہ وہ بندہ کے ایسے گناہ بخش دیتا ہے۔ جن سے وہ سرعام رسوا ہونے کا مستوجب ہوتا ہے۔ اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر بندہ ایمان پر ثابت رہا۔ تو اُس کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا۔ تاکہ ان نیکیوں کے ثواب سے اس کے بڑے بڑے گناہ دب جائیں +

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے متعلق جو بات مخفی رکھنی مناسب سمجھتا ہو۔ وہ دوسرے کے متعلق بھی مخفی رکھے +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ سَتَرَ عَلٰى مُؤْمِنٍ عَوْرَتَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی جو شخص کسی مومن کی عیب پوشی کرے۔ قیامت کے

روز خدا اُس کے عیب ڈھانپیگا ۔

غیبت کرنے والا ، عیب جوئی کرنے والا ، دل میں کینہ رکھنے والا ، برائی کا بدلہ لینے والا ، یہ سب اس مبارک صفت سے محروم ہیں ۔ اس وصف سے متصف صرف وہی شخص ہے جو مخلوق خدا کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے ۔ مخلوق میں کمال بھی ہے ، نقص بھی ۔ خرابی بھی ہے ، خوبی بھی ۔ جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے ۔ وہ اس اسم سے پورا بہرہ مند ہے ۔ جیسے کہ روایت ہے کہ ایک بار حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت ایک مُردہ کُتے کے پاس سے گذرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی ۔ لوگوں نے کہا یہ مردار کس قدر سڑا ہوا ہے ، حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی چمکیلی ہے ۔ جس سے آپ کا مُدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے حصّے کا ذکر کرنا چاہیئے ۔

(۱۶) اَلْقَھَّارُ

(زبردست یا غلبہ رکھنے والا)

قَھَّار وہ ہے ، جو اپنے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کی کمر توڑ ڈالے ۔ ان کو ہلاک کرے یا ذلیل بنا کر قہر رسیدہ کرے ۔ بلکہ قَھَّار وہ ذات ہے ، جس کے قہر و قدرت کے نیچے ہر موجود مسخر اور اُس کے قبضہ میں عاجز ہو ۔

تنبیہ ۔ بندوں میں سے قَھَّار وہ ہے ، جو اپنے دشمنوں کو موردِ قہر بنائے ۔ انسان کا سب سے زیادہ سرکش دشمن نفس ہے ، جو اس کے پہلو میں موجود ہے ۔ شیطان سے بھی بڑھ کر اس کی دشمنی پر آمادہ ہے ، جو اس کو دھوکا دیا کرتا ہے ۔ جب بندہ اپنے نفس کی خواہشوں کو قابو میں کر لیتا ہے ۔ تو شیطان بھی دب جاتا ہے ۔ کیونکہ شیطان انہیں خواہشات کے ذریعے سے انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے ۔ شیطان کا ایک جال عورتیں ہیں ۔ جس شخص میں شہوت کی قوت نہ ہو ، وہ اس پھندے میں نہیں پھنستا ۔ اسی طرح جو شخص دین کی اطاعت اور عقل کی تابعداری سے اس خواہش کو روکے وہ اس سے امن میں رہتا ہے جب آدمی اپنے نفس کی شہوات پر قابض ہو جاتا ہے ۔ وہ تمام لوگوں کو قابو میں کر لیتا ہے ۔ پس اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا ۔ کیونکہ اس کے دشمنوں کا بڑے سے بڑا مُدعا یہ ہو گا کہ اس کے جسم کو ہلاک کر دیں ۔ اور یہ گویا اس کی رُوح کو زندہ کرتا ہے ۔ کیونکہ جو شخص اپنی زندگی میں

خواہشات کو مار لیتا ہے۔ وہ موت کے بعد ابدی زندگی پاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں کام آئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے اللہ کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔

(۱۷) اَلْوَهَّابُ

(بہت عطا کرنے والا)

ہبہ کے معنے عوض اور غرض کے بغیر بخشش۔ جب اس قسم کی بخششیں بکثرت ہوں۔ تو ان کے فاعل کو جَوَّاد اور وَهَّاب کہتے ہیں۔ اور حقیقی جود و عطا اور ہبہ صرف اللہ تعالٰی سے متصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہی ہر محتاج کی حاجت بلا معاوضہ اور بلا کسی فوری یا بہ دیر حاصل ہونے والی غرض سے پوری کرتا ہے۔ جو کوئی کسی غرض کیلئے کچھ عطا کرے جو فی الفور یا بدیر حاصل ہونے والی ہو۔ اور وہ غرض یا محض مدح وستائش ہو، یا باہمی دوستی، یا رفع الزام، یا حصول رتبہ و شہرت ہو۔ تو وہ اپنی عطا کا عوض پا رہا ہے۔ وَهَّابٌ یا جَوَّادٌ کے لقب کا حقدار نہیں۔ کیونکہ عوض ہمیشہ عین ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ جو کہ ابھی حاصل نہیں۔ اور عطا کرنے والے کا مُدعا اس عطا سے وہی ہو۔ وہ عوض ہے۔ پس جس شخص نے اس لئے عطا و بخشش کی کہ اُس کی عزت ہو۔ یا اُس کی تعریف کی جائے۔ یا اس لئے کہ اُس کی بہ نسبت بدگوئی نہ کیجائے۔ تو وہ شخص گویا ایک قسم کا لین دین کر رہا ہے حقیقی جَوَّاد وہ ہے جس سے طالب کو بلا معاوضہ فائدے حاصل ہوں۔ بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے بخلوص نیت کرتا ہے۔ اور وہ کام اس کی اصلی غرض اور وہی اس کا عوض ہے۔

تنبیہ۔ بندہ سے جُود و بخشش متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تاوقتیکہ وہ اس کام کے کرنے کو اس کے ترک سے اولیٰ خیال نہیں کرتا۔ اس وقت وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ پس اس کا فعل کسی ذاتی غرض پر مبنی ہوگا۔ لیکن جو شخص اپنا تمام مال حتےٰ کہ اپنی جان بھی خاص اللہ کے لئے دے ڈالے، نہ بہشتی نعمتوں کے حصول کے لئے۔ نہ عذاب دوزخ کے خوف سے اور کسی فوراً یا بدیر حاصل ہونے والے مطلب کے لئے جو بشری مطالب میں سے ہو۔ البتہ یہ شخص ایک طرح سے وہّاب اور جوّاد کے خطابات کا مستحق ہے۔ اس سے کم تر درجہ وہ شخص ہے، جو اس غرض سے بخشش کرے کہ بہشت کی نعمتیں حاصل ہوں۔ اور اس سے

نیچے اُس شخص کا درجہ ہے جو اپنے ذکرِ خیر کی خاطر سخاوت کرے +

جو شخص اپنے جود وعطا کے عوض میں ایسی چیز کا طالب ہو جس کا دست بدست لین دین نہیں ہو سکتا۔ تو وہی لوگ اس کو جواد کے لقب کا حق دار سمجھتے ہیں۔ جن کے نزدیک صرف مادّی چیزیں عوض ہو سکتی ہیں +

سوال۔ جو شخص اپنا تمام ملوکہ مال بلا کسی عاجل و آجل غرض کے خالصاً لوجہ اللہ دے ڈالتا ہے۔ اس کو کیوں[۱] جواد نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ وہ کوئی حظ نہیں پاتا؟

جواب یہ ہے کہ اس کا حصّہ خاص خدا کی ذات۔ اُس کی رضا اور اس کا دیدار اور اس کا وصال ہے۔ اور یہ حصہ وہ سعادت عظمےٰ ہے جس کو انسان اپنے افعال اختیاریہ کی بدولت حاصل کرتا ہے۔ اور یہ وہ حصہ ہے جس کے آگے سارے حصے ناچیز ہیں +

سوال یہ جو کہا کرتے ہیں کہ خدا کا عارف جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ تو خدا کی ذات کے سوا اور کوئی غرض اس کو مدنظر نہیں ہوتی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر بندہ کا فعل غرض سے خالی ہو نہیں سکتا۔ تو خاص خدا کی خاطر عبادت کرنے والے اور کسی دوسری غرض کے لئے عبادت کرنے والے میں کیا فرق ہے؟

جواب جمہور کے نزدیک حظ و غرض ہا سے مراد لوگوں کے مشہورہ اغراض ہیں جو شخص ان سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس کا مقصود خدا کی ذات کے سوا اور کوئی شے نہیں رہتی۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اغراض کو ترک کر دیا +

یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کا لحاظ نہ خاص آقا کے لئے کرتا ہے بلکہ اُس انعام و اکرام کے لئے کرتا ہے۔ جو اس کو اپنے آقا سے حاصل ہوتا ہے۔ اور آقا اپنے غلام کے ساتھ حسن سلوک کوئی خاص اُس کی ذات کے لئے نہیں کرتا بلکہ اُس خدمت گزاری کی خاطر کرتا ہے۔ جو اپنے غلام سے مطلوب ہوتی ہے۔ گر باپ جو اپنے بیٹے کی پرورش اور اُس کے ساتھ ہر طرح حسن سلوک کرتا ہے۔ تو خاص اسی کی ذات کے لئے کرتا ہے کسی غرض کے لئے نہیں جو بیٹے سے مطلوب ہو۔ بلکہ اگر بالکل کوئی فائدہ بیٹے سے حاصل نہ بھی ہوتا ہو۔ تو بھی اس کے مصالح میں برابر مدد دیتا رہیگا +

---

[۱] یہ سوال مذکورہ تنبیہ پر عاید ہوتا ہے جس کے تعارض کہا تھا کہ بندہ سے جود و بخشش متصور ہی نہیں ہو تو پھر کے جو کہا تھا کہ بندہ اپنا مال و جان خدا کی خاطر دے ڈالے وہ جواد کہلانے کا مستحق ہے۔ تو یہ گویا ایک تجوّز کی صورت نکالی تھی ۱۲ منہ مترجم

اور جو شخص کوئی چیز طلب کرے جس سے خاص اُس چیز کی ذات مطلوب نہ ہو۔ بلکہ اُس کے ذریعہ سے کوئی اور شے حاصل کرنا منظور ہو۔ تو گویا وہ اس چیز کا طالب نہیں ہے کیونکہ اس کی طلب کا وہ اصلی مُدعا نہیں ہے۔ بلکہ اصلی مُدعا اور شے ہے جیسے ایک شخص سونے کی جستجو میں ہے۔ تو سونا اُس کا مطلب لذاتہٖ نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے مطلوب ہے کہ اُس کے ذریعہ سے پوشاک اور خوراک کا سامان حاصل کرے۔ اور پھر یہ امور بھی مطلوب لذاتہٖ نہیں ہیں۔ بلکہ اس لئے مطلوب ہیں کہ ان کے ذریعے سے آرام اور دفع تکلیف کا مقصد حاصل ہو یہ امور البتہ مطلوب لذاتہٖ ہیں۔ ان سے آگے اور کوئی شے حاصل کرنا مقصود نہیں ہے غرض سونا طعام کا ذریعہ ہے اور طعام آرام کا وسیلہ ہے۔ اور آرام ہی اصل مقصود ہے۔ یہ آگے کسی اور چیز کا واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح بیٹا والد کے حق میں واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ باپ کو بیٹے کی سلامتی خاص بیٹے کی خاطر مطلوب ہے۔ کیونکہ بیٹے کی ذات ہی اس کی ملحوظ خاطر ہے اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت جنت کی خاطر کرتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس کی عبادت کو طلب جنت کا واسطہ بنایا ہے۔ اس کا آخری مقصد نہیں بنایا۔ واسطے کی علامت یہ ہے کہ اگر مطلوب اس کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو اس واسطہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔ جیسے اگر مذکورہ مقاصد سونے کے بغیر حاصل ہو جائیں تو کوئی سونے کا نام بھی نہ لے۔ کیونکہ اصلی غرض کا حاصل کرنا منظور ہے۔ سونے کا حاصل کرنا منظور نہیں +

اگر اُس شخص کو جو جنت کی خاطر عبادت کرتا ہے یونہی جنت حاصل ہو سکتی۔ تو وہ کبھی خدا کی عبادت نہ کرتا۔ کیونکہ اس کی محبوب و مطلوب صرف جنت ہے نہ کہ کوئی اور شئے۔ لیکن جس کا اصلی مطلوب و محبوب خاص خدا کی ذات ہے۔ اور کوئی نہیں۔ بلکہ خدا کے دیدار اُس کے قرب اور ملاء اعلےٰ کی موافقت سے مسرور رہنا اس کی غرض ہے۔ اس کی نسبت جو کہا جائیگا۔ کہ وہ خدا کی عبادت خاص خدا ہی کے لئے کرتا ہے، تو اس کا یہ معنے نہیں ہوگا۔ کہ وہ کسی مُدعا کا طالب نہیں ہے۔ بلکہ یہ معنے ہو گا کہ اس کا مُدعا خاص خدا کی ذات ہے۔ اس کے سوا اور کوئی غرض اس کو مدنظر نہیں ہے۔ اور جو شخص دیدار الٰہی اور اس کی معرفت اور مشاہدہ اور تقرب کے سرور کی لذت پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ اس کا شائق نہیں ہو سکتا۔ اور جو اس کا شائق نہیں۔ اس کی نسبت یہ تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ ذات خداوند اُس کی مقصود ہو لہٰذا اس کی عبادت کی وہی کیفیت ہوگی۔ جیسے کوئی مزدور اجرت کی طمع پر کام کرتا ہے۔ اکثر

لوگ اس لذت سے ناآشنا اور اس کے معنے سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ مشاہدۂ ذات باری کی کیا لذت ہے۔ وہ زبان ہی زبان سے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں کا میلان صرف بڑی آنکھوں والی پیاری پیاری حوروں کی طرف ہے +

اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر خدا کی لذت یعنی اس کے دیدار اور قرب کو غرض و مُدعا کہا جا سکتا ہے۔ تو اغراض و مقاصد سے بری ہونا محال ہے۔ اور اگر غرض و مقصد سے وہ معنے مراد ہو۔ جو عموماً مشہور ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ غرض نہیں ہے اور اگر اس سے مراد وہ شے ہو جس کا حصول بندہ کے حق میں عدم حصول سے بہتر ہو۔ تو اس کو غرض میں شمار کیا جائیگا +

(۱۸) اَلرَّزَّاقُ

(روزی پہنچانے والا)

رَزَّاق سے مراد وہ ذات پاک ہے۔ جس نے روزی کی محتاج مخلوقات کو پیدا کر کے اس کو روزی پہنچائی اور اس کے لئے روزی سے فائدہ اُٹھانے کے اسباب پیدا کئے +

رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری رزق، جس سے مراد غذا و خوراک ہے۔ جو اشیاء ظاہرہ کے لئے ہے۔ اور یہ اشیاء بدن ہیں +

دوسرا رزق باطن ہے۔ اس سے مراد معرفت اور کشف ہے یہ قلب اور رُوح کے لئے ہے +

دوسرا رزق زیادہ قابل عزت ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ابدی زندگی ہے۔ اور رزق ظاہری کا ثمرہ یہ کہ ایک خاص محدود مدت تک جسم کی قوت قایم رہتی ہے۔ اللہ تعالےٰ یہ دونوں رزق پیدا کرتا ہے۔ اور دونوں فریقوں کو ان سے بہرہ ور بناتا ہے وَلٰکِنَّہٗ[1] یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ +

تنبیہ۔ اس وصف سے بندہ کا اصلی حصہ دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس وصف کی حقیقت سمجھے۔ اور یقین کرے کہ خدا کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے لہٰذا ہمیشہ خدا ہی کو روزی رساں سمجھے۔ اور اس کے متعلق خدا ہی پر توکل کرے۔ جیسے کہ

[1] خدا جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراخی کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے ۱۲

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو:۔

حاتم:۔ اُس کے خزانے سے +

سائل:۔ کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینکدیتا ہے +

حاتم:۔ اگر زمین اُس کی اپنی نہ ہوتی۔ تو بیشک اس کو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی +

سائل:۔ تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو +

حاتم:۔ اس لئے کہ اُس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے +

سائل:۔ معاف کیجئے میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا +

حاتم:۔ اس لئے کہ حق کے آگے باطل ٹھیر نہیں سکتا +

بندہ کے حصے میں دوسرا امر یہ ہے کہ خدا اُس کو نیک ہدایت کرنے والا علم۔ اور نیکی کا رستہ دکھانے والی زبان۔ اور صدقہ و خیرات دینے والا ہاتھ عطا کرے۔ اور وہ اپنے نیک اقوال و اعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابل عزت رزق پہنچنے کا موجب ہو اور خدا جب اپنے بندے پر رحمت کی نظر کرتا ہے۔ تو اُس کی طرف لوگوں کی حاجات بڑھا دیتا ہے۔ اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے مابین وصول رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ تو اس وصف سے بخوبی بہرہ یاب ہو جاتا ہے +

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْخَازِنُ الْاَمِیْنُ الَّذِیْ یُعْطِیْ مَا اٰمَرَبِہٖ طَیِّبَۃً بِہٖ نَفْسُہٗ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِیْنَ یعنی دیانت دار خزانچی کہ جو کچھ اس کے مالک نے فرمایا ہو، دل کی خوشی سے دیتا ہے وہ خیرات و صدقہ دینے والا ہے +

بندوں کے ہاتھ خدا کے خزانے ہیں۔ پس خدا نے جس شخص کے ہاتھوں کو بدنوں کے رزق کا خزانہ۔ اور اُس کی زبان کو دلوں کے رزق کا خزانہ بنایا ہو۔ اس نے اس وصف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے +

(۱۹) اَلْفَتَّاحُ

(مشکل کشا۔ یا بندوں میں حکم کرنیوالا)

فتّاح وہ ہے، جس کی عنایت سے ہر مغلق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور جس کی ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے کبھی وہ اپنے انبیاء کے ہاتھ پر ممالک فتح کرتا ہے اور دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر، تاکہ بخشے واسطے تیرے خدا) اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اُٹھا کر ان کے لئے عالم ملکوت اور جمال کبریائی کی طرف دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا یعنی اللہ لوگوں پر جو رحمت کے دروازے کھولتا ہے، کوئی اُن کو بند نہیں کر سکتا۔" اور جس کے ہاتھ میں غیب کی کنجیاں اور رزق کی کنجیاں ہوں۔ وہ فتّاح کہلانے کا سب سے بڑا حق دار ہے۔

تنبیہ بندے کو یہ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی زبان کے ساتھ مشکلات الٰہیہ کے نکات حل ہوں۔ اور اُس کی معرفت سے وہ دینی دنیوی امور آسان ہو جائیں جو لوگوں کے لئے مشکل ہو رہے ہیں۔ تاکہ اس کو اسم اَلْفَتَّاح سے پورا حصہ مل سکے۔

(۲۰) اَلْعَلِيْمُ

(بہت جاننے والا)

اس کے معنے ظاہر ہیں۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن اور دقیق و جلیل چیز کا علم اوّل سے آخر تک رکھتا ہو۔ اور یہ علم وضوح و کشف کے سبب سے زیادہ مکمل طریقے سے ہو۔ جس سے زیادہ ظاہر کوئی بھی مشاہدہ اور کشف تصوّر میں نہیں آ سکتا۔ پھر یہ کہ وہ معلومات کے ذریعے سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ تمام معلومات اُس کے ذریعے سے حاصل کئے گئی ہوں۔

تنبیہ۔ بندہ کا عَلِیْم کے اسم سے جو حصہ ہے۔ وہ مخفی نہیں لیکن اس کا علم خدا کے علم سے تین باتوں میں جُدا ہے:۔

(۱) ایک تو یہ کہ بندہ کی معلومات گو کتنی ہی زیادہ ہوں۔ مگر وہ ایک محدود مقدار رکھتی ہیں۔ پس ان معلومات کے ساتھ اُن کو کیا نسبت جو بے انتہا ہیں۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ کا کشف اگرچہ خوب روشن ہو۔ مگر اس حد تک نہیں پہنچ سکتا جس کے بعد وضوح اور روشنی کا درجہ ممکن نہ ہو۔ بلکہ اس کا مشاہدہ ایسا ہوگا، جیسے ایک باریک پردے سے دیکھ رہا ہو۔ اور پھر درجات مشاہدہ میں جو فرق ہے، اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ باطنی بصیرت کا حال ظاہری بصارت کا سا ہے۔ اور طلوع فجر کے وقت کسی چیز کے دکھائی دینے اور سورج نکلنے کے بعد دکھائی دینے میں بڑا فرق ہے۔

(۳) سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیا کے علم سے حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اشیا اس کے علم سے مستفاد ہیں۔ اور بندہ کو جو اشیا کا علم ہے۔ وہ اشیا کے تابع اور اشیا ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس فرق کے سمجھنے سے ابھی تمہارا ذہن قاصر ہو۔ تو شطرنج کی بازی سیکھنے والے کے علم کو واضع شطرنج کے علم سے ملا کر دیکھو۔ اور غور کرو کہ واضع کا علم شطرنج کے وجود کا سبب ہے اور شطرنج کا وجود شطرنج سیکھنے والے کے علم کا سبب ہے۔ اور واضع کا علم شطرنج کے وجود سے مقدم ہے۔ اور سیکھنے والے کا علم مؤخر ہے۔ اسی طرح اشیا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سب سے مقدم اور ان سب کا سبب ہے۔ اور ہمارا علم اس کے خلاف ہے۔

علم کی بدولت بندے کا شرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی صفات سے ہے لیکن سب سے زیادہ شریف علم وہ ہے، جس کا موضوع زیادہ شریف ہو۔ اور سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت سب معرفتوں سے زیادہ افضل ہے۔ بلکہ تمام اشیا کی معرفت کو جو شرف حاصل ہے، وہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت ہے یا اس طریق کی معرفت ہے۔ جو بندہ کو اللہ سے قریب کر دیتا ہے۔ یا اس امر کی معرفت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی معرفت اور اُس کے قرب کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ جو معرفت اس سے خارج ہو۔ اس میں زیادہ بھلائی نہیں ہے۔

(۲۱) اَلْقَابِضُ	(۲۲) اَلْبَاسِطُ
(بندوں کی روزی محدود کرنیوالا)	(بندوں کی روزی فراخ کرنیوالا)

یہ اُس معبود برحق کے نام ہیں جو موت کے وقت جانوں کو جسموں سے قبض کرتا ہے

زندگی کے وقت جسموں میں جانیں ڈالتا ہے۔ اور اغنیائ سے خیراتیں بند کرلیتا ہے۔ محتاج لوگوں کے لئے رزق وافر کردیتا ہے۔ اور اغنیائ کے لئے رزق کشادہ کردیتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو کبھی فاقہ کرنے کا موقع نہیں پڑتا۔ فقیروں کو تنگ دست بنادیتا ہے۔ یہاں تک کہ بیچارے عاجز آجاتے ہیں۔ وہ دلوں کو قبض کرتا ہے۔ اور اپنی بے پروائی۔ بزرگی اور جلال کا پورا پورا احساس دلاکر ضیق میں ڈالدیتا ہے۔ اور پھر اپنے لطف و احسان اور جمال کے فیضان سے ان پر بسط کی حالت طاری کردیتا ہے +

تنبیہ بندوں میں قابض و باسط وہ ہے جس کو خدا کی طرف سے عجیب عجیب حکمتیں اور جامع کلمات عطا ہوئے ہوں۔ پس کبھی تو وہ خدا کی نعمتوں اور عنایتوں کا حال سُنا کر لوگوں کے دل باغ باغ بنادیتا ہے۔ اور کبھی اُس کے جلال اور کبریا اور اس کے عذاب و بلا کے اقسام اور اپنے دشمنوں سے اُس کے انتقام کا حال سُنا کر ڈرائے، اور ان کے دل میں سنسنی ڈالدے۔ جیسے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ ایک بار تو یہ بات سُنا کر صحابہؓ کے دل عبادت سے تنگ کردئیے کہ اللہ تعالےٰ آدم علیہ السلام کو قیامت کے دن فرمائیگا ابعث بعث النار (دوزخی جماعت روانہ ہو) حضرت آدم علیہ السلام پوچھینگے کہ کتنے دوزخی! تو خدا فرمائیگا، ہزار میں سے نوسو ننانویں جس سے صحابہ کے دل ٹوٹ گئے اور وہ عبادت سے سُست ہوگئے۔ جب صبح ہوئی۔ اور آپ نے اُن کی سُستی اور قبض کیحالت ملاحظہ فرمائی۔ تو ان کے دلوں کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا۔ اور یہ فرماکر ان پر بسط کی حالت طاری کردی کہ وہ قیامت کے دن تمام سابقہ اُمتوں میں سے اس طرح ممتاز نظر آئیگی جس طرح ایک سفید رنگ کے بیل کے بدن پر سیاہ خال +

(۲۳) اَلْخَافِضُ
(نافرمانوں کو پست کرنیوالا)

(۲۴) اَلرَّافِعُ
(فرمانبرداروں کو بلند کرنیوالا)

ان ناموں سے مراد وہ موجود برحق ہے جو کفار کو بدبختی میں مُبتلا کرکے پست کردیتا ہے۔ اور مومنوں کو کامیابی بخش کر بلند کردیتا ہے۔ اپنے اولیا کو قرب کی بلندی بخشتا ہے اور اپنے دشمنوں کو دُوری کے گڑھے میں ڈالتا ہے۔ جو شخص محسوسات اور متخیلات سے اپنا مشاہدہ اور بُری خواہشات سے اپنا ارادہ بلند کرلیتا ہے۔ اس کو وہ موجود برحق ملائکہ مقربین

کے مقام تک ترقی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مشاہدہ محسوسات پر، اور اپنی ہمت کو ان خواہشاتِ نفسانی پر، جن میں چوپائے بھی اس کے شریک ہیں، مائل رکھتا ہے۔ تو اُس کو وہ اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔ اور یہ کام خاص خداوند تعالےٰ کے لئے ہیں۔ لہٰذا وہ خَافِض و رَافِع ہے۔

تنبیہ۔ ان اسموں سے بندہ کا یہ حصّہ ہے کہ حق کو بلند اور باطل کو پست کرے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ حق بات کہنے والے کی تائید کرے۔ اور غلط بات بیان کرنے والے کو دھمکائے۔ خدا کے دشمنوں سے دشمنی کرے، تاکہ ان کو پست کرے۔ اور خدا کے دوستوں سے دوستی رکھے، تاکہ ان کو عالی رتبہ ہونے میں مدد دے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے کسی ولی سے فرمایا ہے کہ:۔

"تم نے دنیا میں زہد کیا تھا۔ اُس کے عوض میں تم کو راحت مل گئی۔ اور مجھ کو جو یاد کیا تو میرا دیدار بھی حاصل ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے کسی میرے دوست سے دوستی اور کسی دشمن سے دشمنی بھی کی"؟

(۲۵) اَلْمُعِزُّ
(عزت دینے والا)

(۲۶) اَلْمُذِلُّ
(ذلیل کرنے والا)

یہ وہ ذات ہے کہ جس کو چاہے بادشاہی دے جس سے چاہے چھینے۔ سچی بادشاہی یہ ہے کہ محتاجی کی ذلت اور شمولیت کی مجبوری اور نادانی کے عیب سے نجات حاصل ہو۔ پس اُس نے جس شخص کے دل سے پردہ اُٹھا دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اس ذات والا صفات کے جمال کا نظارہ کر لیا۔ اور اُس کو قناعت کی توفیق بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اُس کی بدولت مخلوق سے بے پرواہ ہو گیا۔ اور اُس کو قوت و طاقت بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی صفات پر غالب آ گیا۔ تو اُس کو اس جہان میں بھی عزت اور بادشاہی عطا کی۔ اور پھر آخرت میں بھی تقرب کی عزت بخشیگا۔ اور فرمائیگا۔ يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ الخ یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف جا۔

اور جو شخص مخلوق پر نظر رکھتا ہے حتّٰی کہ اُس کا محتاج بن جاتا ہے۔ اور اُس پر اس قدر حرص غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حد تک قناعت نہیں کرتا اور جہالت کے اندھیرے میں پڑا رہتا ہے۔ اس کو خدا نے بالکل ذلیل کر دیا۔ اور اس سے ملک چھین لیا۔ یہ خدا کے کام ہیں جس

طرح چاہے کرے۔ وہی عزت دینے والا ہے وہی ذلت دینے والا جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اور یہ ذلیل وہ ہے جس کو خدا ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے کہ:-

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ

(الآیہ) یعنی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور گھات میں بیٹھے اور شک کیا۔ اور تم کو آرزوؤں نے دھوکا دیا یہاں تک کہ خدا کا حکم آیا۔ اور غرور نے تم کو خدا کی نسبت غلط فہمی میں ڈال رکھا۔ پس آج تم سے فدیہ منظور نہیں کیا جائیگا +

(۲۷) اَلسَّمِیْعُ

(بہت سُننے والا)

سمیع وہ ذات ہے۔ جس کے ادراک سے کوئی سُننے کی بات مخفی نہیں رہتی۔ خواہ باریک سے باریک ہو۔ وہ رات کے وقت صاف پتھر پر چلنے والی چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ بھی سنتا ہے۔ حمد کہنے والوں کی حمد سنکر جزائے خیر دیتا ہے۔ دُعا کرنے والوں کی دُعائیں سُنکر قبول کرتا ہے۔ اس کی شنوائی کانوں اور کان کے پردوں کے بغیر ہی ہے جس طرح کہ اس کے دوسرے افعال بلا اعضاء کے اور کلام بے زبان کے ہے۔ اور اس کی شنوائی حدوث و تجدد سے پاک ہے +

جب تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ اُس کی شنوائی ایسے تغیرات سے پاک ہے۔ جو مسموعات کے تازہ وقوع کے وقت عارض ہو سکتے ہیں۔ اور تم نے اس کو اس امر سے منزہ سمجھ لیا ہے کہ وہ کان یا کسی دوسرے آلہ سے سُنتا ہو۔ تو تم آپ سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہو کہ اس کی شنوائی کیا ہے وہ ایک صفت ہے جس سے اشیاء کی صفات کی پوری پوری ماہیت اُس پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ جو شخص اس امر پر غور نہیں کرتا۔ وہ تشبیہ[۱] کے خیال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تم اس سے بچو اور ذرا غور و فکر سے کام لو +

تنبیہ۔ بندہ کو حس کی حیثیت سے شنوائی کا جو حصہ حاصل ہے۔ وہ ناقص ہے

---

[۱] یعنی خدا کی شنوائی کو حیوانات کی شنوائی جیسی سمجھنے لگتا ہے ۱۲ مترجم

کیونکہ وہ تمام مسموعات کو ادراک نہیں کر سکتا۔ بلکہ صرف انہیں آوازوں کو محسوس کر سکتا ہے جو اس کے قریب ہوں۔ پھر یہ کہ اس کا ادراک ایک عضو کے ذریعے سے ہے اور وہ ایک ایسا آلہ ہے جو مختلف آفات میں گھرا ہوا ہے۔ اگر آواز دھیمی ہو۔ تو وہ ادراک کر نہیں سکتا۔ اگر دور ہو تو بھی سُن نہیں سکتا۔ اگر آواز بڑی ہو، تو شنوائی کا پردہ ہی پھٹ جاتا ہے۔ اور شنوائی باطل ہو جاتی ہے ✦

شنوائی سے بندہ کا دینی حصہ دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالٰے سمیع ہے۔ لہذا اپنی زبان کو بُرے کلام اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھے ✦ دوئم یاد رکھے کہ اس کو سُننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ خدا کا کلام سُنے جو اس نے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ذریعے سے خدا کی راہ پر چلنے کی ہدایت حاصل کرے۔ غرض اس کے سوا اور کسی بات میں اپنی شنوائی استعمال[1] نہ کرے ✦

(۲۸) اَلْبَصِیْرُ

(بہت دیکھنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے۔ جو ہر چیز کو صاف صاف دیکھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ مٹی میں چھپی ہوئی چیزیں بھی اُس کی نظر سے مخفی نہیں ہیں۔ اس کا دیکھنا بھی پُتلی۔ ڈھیلے اور پپوٹے وغیرہ سے پاک ہے۔ اور اس معنے سے بری ہے کہ اُس کی ذات میں اشیا کی صورتیں اور رنگ منطبع ہوتے ہوں۔ جیسے انسان کی آنکھ میں منطبع ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ امور ان تاثرات و تغیرات کی قبیل سے ہیں۔ جو تجدد و حدوث کے متقضی ہیں۔ جب وہ ان امور سے پاک ہے۔ تو اس کا دیکھنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دیدنی اشیا کی ٹھیک ٹھیک صفات منکشف ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بینائی اُس بینائی سے کہیں زیادہ روشن اور تیز ہے۔ جو آنکھوں کو حاصل ہے۔ اور جو اکثر صاف اور ظاہر چیزوں کو محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے ✦

---

[1] شاید تم اعتراض کرو کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ سارا دن قرآن ہی سنتے رہیں اور دُنیا کی کوئی بات درمیان نہ آئے۔ نہیں نہیں تم اس کا مطلب نہیں سمجھے مصنف علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو شبا روزی کاروبار میں جو مختلف معاملات میں پیش آتے ہیں ان کے متعلق ہر وقت قرآنی احکام کا پابند رہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو اُس کو ضرور قبول کرے خواہ احکام الٰہی کے لباس میں اس کو سنائی گئی ہو یا سرکاری قانون کی صورت میں پیش کی گئی ہو یا دوستانہ مشورے کے رنگ میں۔ جو بات اس کے خلاف ہو اُس کو قبول کرنا تو جبا رہا سننا بھی گوارا نہ کرے ✦ مترجم

تنبیہ۔ وصف بصر میں حس کی حیثیت سے جو حصہ بندہ کو حاصل ہے، وہ ظاہر ہے لیکن وہ ضعیف و قاصر ہے۔ کیونکہ اس کی طاقت دُور تک کام نہیں کرتی۔ اور نہ اشیاء میں جاتی ہے۔ بلکہ صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرتی ہے پوشیدہ باتوں سے قاصر ہے +

دینی حصہ دو چیزیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ یقین رکھے کہ اس کو بینائی اس لئے دیگئی ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں اور عجائب ملکوت اور آسمانوں پر نظر کرے، تا کہ اس کو عبرت حاصل ہو۔

کسی نے حضرت عیسٰے علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں سے کوئی شخص آپ جیسا ہوگا؟ فرمایا ہاں جس شخص کی نظر عبرت کے لئے ہو۔ اور خاموشی غور و فکر کے لئے اور کلام، خدا کے ذکر کے لئے! وہ مجھ جیسا ہے +

دوم یاد رکھے کہ وہ ہر وقت خدا کی نظر میں ہے۔ لہٰذا اُس کی نظر سے بے پروائی نہ کرے۔ جو شخص لوگوں سے ایسی باتیں چھپاتا ہے، جو اللہ سے نہیں چھپاتا۔ وہ گویا خدا کی نظر سے بے پروائی کر رہا ہے +

اس صفت پر ایمان لانے کا ایک ثمرہ مراقبہ ہے۔ پس جو شخص جانتا ہے کہ خدا اُس کو دیکھ رہا ہے۔ اور پھر کسی گناہ کے قریب جاتا ہے، وہ کیسا دلیر اور گستاخ ہے! اور اگر یہ گمان رکھتا ہے کہ خدا نہیں دیکھتا۔ تو وہ کتنا بڑا کافر ہے!!!

(۲۹) اَلْحَکَمُ

(مخلوقات کا حاکم)

حَکَمْ وہ حاکم ہے۔ جو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ اور جس کے آگے سب مخلوق سر تسلیم خم کرتی ہے۔ جس کے حکم کو کوئی نامنظور نہیں کرسکتا۔ اور نہ اُس کے فیصلے کو واپس کرسکتا ہے۔ جس کا بندوں کے حق میں یہ حکم ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo وَ اَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی یعنی انسان کو وہی ملیگا۔ جو اُس نے کمایا۔ اور اُس کی کمائی عنقریب دیکھی جائیگی۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍo یعنی بھلے لوگ نعمتوں میں ہونگے۔ اور بُرے لوگ دوزخ میں!

بھلے اور بُرے لوگوں کے متعلق خوش قسمتی اور بدبختی کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے بھلائی اور بُرائی کو، بھلے اور بُرے لوگوں کی سعادت و شقاوت کا سبب بنا دیا ہے

جیسے کڑوی دواؤں اور زہروں کو ان کے کھانے والوں کے لئے شفا اور موت کا باعث بنا دیا ہے۔ چونکہ حکمت کا معنے اسباب پر مسببات کو مترتب کرتا ہے۔ لہٰذا خداوند تعالےٰ حکم مطلق ہے۔ کیونکہ وہی تمام اسباب مہیا کرتا ہے +

حُکم سے قضا و قدر کے معنے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اسباب وضع کرتا ہے تاکہ وہ مسببات تک منتہی ہوں۔ پھر ان کلی و اصلی اور ثابت و مستقر اسباب کو جو نہ زائل ہوتے ہیں اور نہ متغیر ہوتے ہیں نصب کرنا قضا ہے۔ جیسے کہ زمین آسمان۔ ستارے اور ان کی حرکات جو متناسب اور دایم ہیں۔ نہ ان میں تغیر آتا ہے اور نہ وہ آگے پیچھے ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا تحریری حکم اپنی میعاد کو پہنچ جائیگا۔ چنانچہ فرمایا فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا یعنی پس کر دیا اُنہیں دو دن میں سات آسمان اور ہر آسمان کو اس کا امر وحی کیا۔ پھر ان متناسب محدود اور مقدر و محسوب اسباب کو ان مسببات کی طرف متوجہ کرنا قدر ہے۔ جو ان اسباب سے لحظہ بلحظہ حادث ہوتے ہیں +

غرض کہ حکم وہ پہلی اور کلی تدبیر اور چوٹی کا امر ہے جو آنکھ کے جھپکے سے بھی جلد وقوع پا جاتا ہے۔ اور قضا اسباب کلیہ و دائمہ کا اصولی طور پر وضع کرنے کا نام ہے۔ اور قدر سے مراد ان اسباب کلیہ کو ایک متناسب و محسوب مقدار کے ساتھ محدود و معدود مسببات کی طرف ایسے اندازہ کے ساتھ تحریک دینا ہے۔ جو کم و بیش نہ ہو۔ اس لئے کوئی چیز اس کی قضا و قدر سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اور یہ بات ذیل کی مثال سے بخوبی سمجھ آسکتی ہے

تم نے کبھی نہ کبھی گھڑی کا صندوق دیکھا ہوگا۔ جس سے اوقات نماز کا پتہ لگتا ہے۔ اگر نہیں دیکھا تو ہم اس کی کیفیت بتا دیتے ہیں:۔

ایک آلہ بشکل ستون ہوتا ہے۔ جس میں معین اور خاص مقدار کا پانی ہوتا ہے۔ اس کے اندر اور پانی کے اوپر ایک اور مجوف آلہ ہوتا ہے۔ جو ایک طرف سے دھاگے کے ساتھ بندھا ہوتا ہے اور دوسری طرف سے پانی پر تیرتا رہتا ہے۔ اس دھاگے کا دوسرا ایک چھوٹے سے ظرف کے نیچے پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ جو کہ وہ ستون نما آلہ کے اوپر دھرا رہتا ہے۔ اس ظرف میں ایک گیند اور اس کے نیچے ایک طشتری اس طرح رکھی ہوتی ہے کہ اگر گیند طشتری میں آگرے۔ تو اُس کی آواز سنائی دے۔ ستون نما آلہ کے نیچے ایک خاص مقدار کا

سوراخ ہوتا ہے۔جس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے بہتا رہتا ہے۔جب سارا پانی نیچے بہ جاتا ہے۔تو پانی پر تیرنے والا آلہ نیچے لٹک جاتا ہے۔ادھر اُس کے نکلنے سے دھاگے کو جو کشش ہوتی ہے تو اس کے دوسرے سرے کی تحریک سے گیند طشتری میں آ گرتا ہے۔اور اُس کے گرنے کی آواز سن کر آس پاس کے لوگ خبردار ہو جاتے ہیں۔ایک گھنٹے کے ختم ہونے پر یہ گیند ایک بار گرتا ہے۔گیند کے دو بار گرنے کا درمیانی عرصہ پانی کے نکلنے اور بہ جانے کی مقدار سے ہوتا ہے۔اور یہ بات سوراخ کے مقدار پر موتوف ہے جس سے پانی نکلتا ہے۔اور یہ امر حساب کے طریقے سے معلوم کیا جاتا ہے +

غرض کہ پانی کے بمقدار معلوم نکلنے پر سوراخ کی کشادگی کا اندازہ موقوف ہے۔ اور اس اندازے پر پانی کی بالائی سطح نیچے اُترتی ہے جس پر مجوف آلہ کا معین عرصہ میں نیچے لٹک جانا اور دھاگے کا کھچ جانا اور گیند کا نیچے گر کر آواز پیدا کرنا منحصر ہے۔اور یہ تمام امور اپنے اپنے سبب کے مقدار اور اندازہ پر مقرر کئے جاتے ہیں۔جو نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔اور ممکن ہے گیند کا طشتری میں گرنا ایک دوسری حرکت کا سبب بنا دیا جائے۔اور یہ حرکت ایک تیسری حرکت کا سبب ہو۔اسی طرح بہت سے مراتب تک یہ سلسلہ چلا جائے جس سے عجیب عجیب حرکات وقوع پائیں۔جو محدود و مقرر ہوں۔اور جن کا سبب پانی کا بہنا ہو +

جب تم اس صورت کو سمجھ گئے۔تو اب اس امر پر غور کرو کہ اس آلہ کے واضع کو تین امور کی ضرورت ہوگی +

(۱) تدبیر۔وہ اس بات کا حکم ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کون کون سے آلات و اسباب درکار ہونگے۔اور کس کس قسم کی حرکات سے کام لینا پڑیگا۔اسی کو حکم کہتے ہیں +

(۲) اُن آلات کو مہیا کرنا جو اس کام کے اصول ہیں۔یعنی:-

ا۔ ستون نما آلہ۔جو پانی سے پُر کیا جائے +

ب۔ مجوف آلہ جو پانی پر رکھا جائے +

ج۔ دھاگا۔جو اس کے ساتھ باندھا جائے +

د۔ جس میں گیند رکھا جائے +

۷۔ طشتری میں گیند گر کر آواز پیدا کرے + یہ قضا ہے +

(۳) وہ سبب قایم کرنا۔ جو اس محدود و مقدر حرکت کے جاری ہونے کا موجب ہو۔ اور وہ ستون نما آلہ کے نیچے کا سوراخ ہے۔ جو ایک خاص معین مقدار سے بنایا جائے۔ جس میں پانی نکلنے سے پانی کی بالائی سطح نیچے اترے۔ اور اس پر تیرنے والا مجوف آلہ نکل جائے پھر دھاگا تن جائے۔ اور گیند والے ظرف کو حرکت ہو۔ اس کے ساتھ ہی گیند طشتری میں آگرے جس سے ایک آواز پیدا ہو۔ حاضرین کے کان کھڑے ہو جائیں اور وہ گھنٹہ ختم ہوتا معلوم کرکے کوئی نماز کو دوڑے۔ کوئی کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور یہ تمام امور ایک خاص مقدار پر قایم کئے جاتے ہیں۔ جو پہلی حرکت کے تابع ہوتی ہے۔ اور یہ حرکت پانی کی ہوتی ہے +

اب تم بخوبی سمجھ گئے ہوگے کہ یہ تمام آلات اصول ہیں۔ جن کا ہونا مطلوبہ حرکت کے لئے لازمی ہے۔ اور حرکت کا خاص اندازہ ہونا چاہئے۔ تاکہ اس سے پیدا ہونیوالا نتیجہ خاص اندازے سے اور مقدار پر ہو +

اسی پر قیاس کرکے تم حوادث کے واقع ہونے کا حال سمجھ سکتے ہو۔ جو اپنی میعاد کے آجانے پر۔ یعنی اپنے سبب کے موجود ہونے پر اپنے وقت سے مقدم و موخر نہیں ہوتے اور یہ تمام حوادث اور ان کی میعاد ایک معین و محدود مقدار پر ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ٥ (بیشک جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ اس کو پورا کرکے رہتا ہے (اور) اللہ نے تو ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھیرا ہی رکھا ہے) چنانچہ آسمان ستارے زمین۔ سمندر۔ دریا۔ اور ہوا وغیرہ تمام بڑے بڑے اجسام جو عالم میں موجود ہیں وہ مذکورہ آلات کی مثل ہیں۔ اور آسمان اور چاند، سورج وغیرہ ستاروں کو مناسب حساب کے ساتھ حرکت دینے والا سبب اس سوراخ کے مثل ہے جس سے پانی نکلتا تھا۔ پھر سورج اور چاند وغیرہ کی حرکت کو زمین میں حوادث واقع ہونے کا موجب بنانا ایسا ہے جیسے پانی کی حرکت کو ان حرکات کا موجب بنایا جاتا ہے۔ جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیند گر پڑتا ہے جو انقضائے ساعت کی خبر دیتا ہے +

آسمان کی مختلف حرکات سے زمین میں تغیرات اس طرح واقع کرتی ہیں کہ مثلاً سورج جب اپنی رفتار کے ساتھ مشرق میں پہنچتا ہے۔ تو عالم میں روشنی

ا؎ سورہ الطلاق +

پھیل جاتی ہے۔ اور لوگوں کو اشیائے عالم کا دیکھنا اور محسوس کرنا میسر ہوتا ہے جس سے اُن کو مختلف مشاغل میں مصروف ہونے اور کاروبار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور جب سُورج مغرب میں جا چھپتا ہے تو لوگ کاروبار چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ جب سُورج خاص موسم میں آسمان کے عین بیچ میں تا ہے۔ تو ہوا گرم ہو جاتی ہے۔ تپش بڑھ جاتی ہے۔ اور میوے پک جاتے ہیں۔ جب سُورج دوسری فصل میں آسمان کے ایک کنارے پر جا رہتا ہے۔ تو سردی کا موسم آجاتا ہے۔ اور جاڑا پڑنے لگتا ہے۔ جب سُورج اوسط درجے پر ہوتا ہے تو موسم معتدل ہو جاتا ہے۔ اور بہار کا موسم آجاتا ہے۔ نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ سبزیاں اُگتی ہیں۔ غرض ان مشہور باتوں سے جو تم کو پہلے ہی معلوم ہیں۔ بہت سی غیر معلوم باتیں دریافت کر سکتے ہو +

فصلوں کا تمام اختلاف خاص تناسب پر قایم ہے کیونکہ وہ چاند سُورج کی حرکات سے وابستہ ہے۔ خدا نے فرمایا ہے وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ یعنی سُورج اور چاند کی حرکتیں حساب کے موافق ہیں۔ پس اس تناسب کا قایم کرنا اور اسباب کلیہ کا بنانا قضا ہے۔ اور پہلی تدبیر جو چشم زدن میں انجام پاتی ہے، حکم ہے۔ اللہ تعالٰے ان امُور کے لحاظ سے با انصاف حَکَم ہے +

جس طرح آلہ اور دھاگے اور گیند کی حرکت آلہ بنانے والے کے ارادہ سے خارج نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مقصود وہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں جو اچھے یا بُرے، مفید یا مضر حوادث واقع ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالٰے کے ارادہ سے خارج نہیں ہوتے۔ وہ اللہ کی خواہش اور مرضی سے ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے اس نے یہ اسباب مہیا کئے ہیں۔ اور یہی معنے ہے اس کے قول کا کہ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ +

عام مثالوں کے ذریعہ سے امور الٰہیہ کا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن اس قسم کی مثالوں سے مراد صرف تنبیہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مثال کے زیادہ پیچھے نہ پڑو۔ مطلب کی بات کا لحاظ رکھو اور تمثیل و تشبیہ سے بچو +

تنبیہ۔ بندہ کے حصہ میں جو حکمت و تدبیر اور قضا و تقدیر ہے وہ تم مذکورہ مثال سے سمجھ گئے ہو گے۔ اور یہ ایک معمولی بات ہے۔ بڑی بات جو بندہ

کے حصے میں ہے۔ وہ ریاضات و مجاہدات کی تدبیر اور سیاسات کی تقدیر ہے۔ جس سے دین و دُنیا کی عام بہبودی وابستہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہمیں دُنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ اور آباد کیا۔ تاکہ وہ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں +

دینی حصہ جو خدا کے اس وصف کے مشاہدہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ وہ یقین رکھے کہ ہر امر پہلے ہی سر انجام ہو چکا ہے۔ اور اس سے گریز کی صورت نہیں۔ وَقَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ یعنی "قلم (قدرت) ہونے والی بات کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے"۔ اور یہ سمجھے کہ اسباب اپنے مُسبّبات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ اور ان اسباب کا مُسبّبات کو زندگی بخشنا اور میعاد مقررہ تک قایم و دایم رکھنا واجب اور اٹل ہے +

پس جو چیز وجود میں داخل ہوتی ہے وہ وجوب میں داخل ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کا موجود ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ واجب لذاتہٖ نہیں ہوتی۔ لیکن قضائے ازلی کی رُو سے جو پھر نہیں سکتی واجب ہے۔ اس سے بندہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا گیا ہے وہ ضرور ہی ہونے والا ہے۔ غم والم محض زائد ہے۔ اور وہ طلب رزق میں مطمئن، تسلی یافتہ اور غیر مضطرب ہوگا +

سوال۔ اس بیان پر دو اعتراض لازم آتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ غم والم، زائد کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا وہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا نہیں ہے؟ اس کا بھی تو سبب ہے۔ جب یہ سبب جاری ہوتا ہے۔ تو غم والم کا عارض ہونا واجب ہو جاتا ہے +

(۲) یہ کہ جب ہر امر پہلے ہی سرانجام کو پہنچ چکا ہے۔ تو پھر فعل و عمل کس لئے کیا جاتا ہے۔ وہ سعادت یا شقاوت کے سبب سے فارغ ہو چکا ہے؟

جواب پہلے اعتراض کا یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے۔ وہ ضرور ہوگا۔ اب غم زائد ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تقدیر پر زائد اور اس سے خارج ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فضول اور لغو ہے۔ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ تقدیر کو دفع نہیں کر سکتا۔ جو امر ہونے والا ہے اس کا غم کرنا خالص جہل پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر اس امر کا ہونا تقدیر میں لکھا ہے تو اس سے ڈرنا اور غم کرنا اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور وہ ایک طرح مصیبت کے خوف سے قبل از وقت اپنے آپ پر مصیبت نازل کر لیتا ہے۔ اور اگر اس کا

کا ہونا مقدر نہیں ہے۔ تو غم کے کیا معنے۔ غرض ان دونوں صورتوں سے غم زائد ہے۔

عمل و فعل کے متعلق خود آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ قول جواب ہے کہ اعملوا فکل میسر لما خلق له جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے لئے سعادت مقدر ہے وہ کسی سبب کے ساتھ مقدر ہے۔ تو اس کا سبب اس کو میسر ہو جاتا ہے۔ اور وہ طاعت ہے۔ اور جس شخص کے لئے بدبختی مقدر ہے۔ وہ بھی کسی نہ کسی سبب سے مقدر ہے اور وہ یہ کہ وہ اسباب سعادت پر کاربند ہونے میں سستی کرتا ہے۔ اور کبھی اس سستی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اگر میں خوش قسمت ہوں تو عمل کی ضرورت نہیں۔ اور اگر بدبخت ہوں۔ تو عمل سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور یہ جہل ہے۔ کیونکہ وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ اگر خوش قسمت ہوا۔ تو اسی لئے خوش قسمت ہوگا کہ وہ خوش قسمتی کے اسباب یعنی علم و عمل پر چلتا ہے۔ اگر یہ اسباب اس کو میسر نہ ہوئے۔ اور وہ ان پر نہ چلا۔ تو یہ اس کی بدبختی کی نشانی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فقیہ بننے کی تمنا کرتا ہے۔ جو امامت کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ تو یہ مشورہ دیا جائیگا کہ علم پڑھو۔ خوب کوشش اور لگاتار محنت کئے جاؤ۔ اور وہ کہے کہ خدا نے ازل میں میری امامت کا درجہ لکھ دیا ہے۔ تو میں اس کوشش کا محتاج نہیں ہوں اگر اللہ تعالےٰ نے میرے لئے جہل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ تو میری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے تو اس کو یہی کہنا پڑیگا کہ اگر تیرے دل میں یہ خیال جاگزین ہو گیا ہے۔ تو یقیناً تیرے لئے ازل ہی سے جہل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ جو ازل سے امام لکھا گیا ہے۔ اس کے لئے اسباب بھی مہیا ہوتے ہیں۔ اور وہ ان اسباب کو کام میں لاتا ہے۔ اور وہ ایسے بیہودہ خیالات اور وساوس کو دور کرتا رہتا ہے۔ جو اس کو سستی اور ناکارہ پن پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ جو شخص کوشش نہیں کرتا۔ وہ قطعاً امامت کا درجہ نہیں پاتا۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے۔ اور اس کے لئے کامیابی کے اسباب میسر ہو جاتے ہیں۔ اس کی حصول غرض کی تہیا بیچی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ برابر اپنی کوشش پر قایم رہے۔ اور کوئی مانع ایسا پیش نہ آئے جو اس کی رفتار کو روک دے۔

اس لحاظ سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سعادت اس شخص کا حصہ ہے۔ جس کو خدائے تعالیٰ نے قلب سلیم عطا کیا ہے۔ اور سلامت قلب ایک ایسی صفت ہے۔ جو کوشش سے حاصل

کی جاتی ہے۔ جس طرح فقہ نفس اور فقہ امامت کوشش سے حاصل کی جاتی ہے، کچھ بھی فرق نہیں۔ ہاں مشاہدۂ حُکم میں بندوں کے مختلف مرتبے ہیں۔ بعض خاتمہ کو دیکھتے ہیں۔ کہ ان کا انجام کس حالت پر ہوتا ہے۔ اور بعض ابتدا کا لحاظ کرتے ہیں کہ خدا نے ازل میں کیا لکھ دیا ہے۔ اور یہ لوگ اعلےٰ درجہ پر ہیں۔ کیونکہ خاتمہ ابتدا کے تابع ہے بعض ماضی و مستقبل دونوں سے دست بردار ہیں، وہ ابن الوقت ہیں۔ یہ لوگ موجودہ حالت کا لحاظ کرتے ہیں۔ اور خدا کی تقدیر کے مواقع پر راضی ہیں۔ وہ پہلے سارے لوگوں سے افضل ہیں۔ بعض حال و ماضی و استقبال سب سے کنارہ کش ہیں۔ ان کا دل حُکم میں مستغرق اور شہود میں مصروف ہے۔ یہ درجہ سب سے بالاتر ہے +

(۳۰) اَلْعَدَلُ

(مُنصف یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا)

عَدَلُ کے معنے عادل۔ اور یہ وہ ذات ہے جس سے عدل کا فعل صادر ہو جو ظلم و ستم کے خلاف ہے۔ وہ شخص عادل کو نہیں پہچان سکتا، اس کے عدل کو نہیں پہچانتا لہٰذا جو شخص اس وصف کو معلوم کرنا چاہے۔ اس کو چاہیئے کہ حتے المقدور اللہ تعالےٰ کے تمام افعال کا (جو بالائے آسمان سے لیکر زیر زمین تک تعلق رکھتے ہیں) علم حاصل کرے۔ حتےٰ کہ جب وہ خدا کی آفرینش میں باوجود اپنے مکرر اور سہ کرر غور و فکر کے کسی قسم کی کجی اور قصور نہ پائیگا۔ تو بارگاہ ربّ العزت کی شان و عظمت اس کو دم بخود بنا دیگی۔ اور اس کے کاموں کا اعتدال و انتظام اس کو حیران کر دیگا۔ اُس وقت عدل خداوندی کے معانی کا کوئی حصہ اس کے ذہن میں آسکتا ہے +

اللہ تعالےٰ نے کئی قسم کی جسمانی و رُوحانی اور کامل و ناقص موجودات بنائی ہیں۔ اور ہر شے کو اس کی آفرینش عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے وہ جواد (عالی حوصلہ) ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو اُس کی مناسب ترتیب میں رکھا ہے۔ اس لحاظ سے وہ عدل ہے +

چنانچہ عالم کے بڑے بڑے اجسام زمین۔ پانی۔ ہوا۔ آسمان اور ستارے ہیں۔ خدا نے ان کو پیدا کر کے ایک مناسب ترتیب دی ہے +

زمین کو سب سے نیچے رکھا ہے۔ اس پر پانی کو جگہ دی ہے۔ پھر پانی پر ہوا کا مقام

بنایا ہے۔ اور ہوا پر آسمان قایم کئے ہیں۔ اگر اس ترتیب کو اُلٹ دیا جائے۔ تو سارا نظام باطل ہو جائے۔ شاید یہ عدل و نظام کے لئے اس ترتیب کے مناسب ہونے کی شرح اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا ہم عام لوگوں کے فہم و ادراک کا لحاظ رکھ کر کہتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے بدن کے متعلق غور کرے، جو مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ جیسے کہ عالم کا بدن مختلف اجسام سے مرکب ہے۔ انسانی بدن کو پہلے تو خدا نے ہڈی۔ گوشت اور چمڑے سے مرکب کیا ہے۔ ہڈیوں کو کھوکھلے ستون بنایا ہے۔ اور گوشت کو ان کا غلاف بنایا ہے۔ اور چمڑے کو گوشت کا غلاف قرار دیا ہے۔ اگر یہ ترتیب بالعکس ہو جائے۔ اور اندر کی چیز باہر رکھی جائے تو سلسلہ درہم برہم ہو جائے ٭

اگر یہ بات بھی تمہارے نزدیک باریک ہے۔ تو ایک اور مثال سنو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھیں۔ ناک اور کان پیدا کئے ہیں۔ تو وہ ان اعضاء کے پیدا کرنے میں تو جواد ہے۔ اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں عدل ہے۔ مثلاً آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اگر اُس کو گدی پر۔ یا پاؤں پر۔ یا ہاتھ پر یا کھوپری پر بنایا ہوتا۔ تو جس قدر اس کے نقصان کا اندیشہ تھا، وہ مخفی نہیں۔ اور اسی طرح اُس نے ہاتھوں کو کندھوں سے متعلق کیا ہے۔ اگر ان کو سر کے ساتھ یا کولھوں میں۔ یا گھٹنوں پر لگا دیتا۔ تو اس سے جو خلل آتا۔ وہ محتاج دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کئے ہیں۔ کیونکہ وہ جاسوس ہیں۔ ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے۔ تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائیگا۔ بالاجمال اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اُس نے جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اُسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں طرف یا بائیں طرف یا اوپر یا نیچے بنائی جاتی۔ تو ناقص یا باطل یا خراب یا بدنما اور غیر متناسب ہوتی۔ ناک کو چہرہ کے وسط میں پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسارہ میں بنایا ہوتا۔ تو اُس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آجاتی۔ اور تجھے اس کی حکمت کا بخوبی پتہ لگ جاتا ٭

واضح ہو کہ سورج کو جو خدا نے چوتھے آسمان پر بنایا ہے۔ تو یہ کوئی لغو بات نہیں ہے بلکہ اس نے بجا کیا ہے۔ اور اُس کو ایسے مقام پر رکھا ہے۔ جو اس کے مقاصد حاصل ہونے

کے لئے مناسب ہے۔ مگر تم اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ کیونکہ تم کو عالم بالا اور عالم سفلی میں غور و فکر کرنے کی کم استعداد ہے۔ اگر تم ان میں نظر کرو۔ تو ایسے عجائبات ملاحظہ کرو جن کے آگے تمہارے بدن کے عجائبات ہیچ ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ آسمان و زمین کی آفرینش لوگوں کی آفرینش سے بڑی ہے۔ کاش کہ تم کو اتنی توفیق ہوتی کہ اپنے نفس کی عجائبات کو سمجھتے اور اس میں اور اس کے اردگرد کے اجسام میں غور کرنے سے فراغت پاتے۔ تاکہ اس زمرہ میں شریک ہو جاتے جس کے بارہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ یعنی عنقریب ہم ان کو اپنے نشان زمانے میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھائینگے۔"

یہ مرتبہ تو تم کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں شامل ہو۔ جن کے بارہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ یعنی اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کے عجائبات دکھاتے ہیں تاکہ وہ ارباب یقین میں شامل ہو جائے۔" اور اس شخص کے لئے آسمانوں کے دروازے کیونکر کھولے جائینگے جس کو دنیا کے فکر و تردد نے اپنے دھندوں میں غرق کر رکھا ہو۔ اور حرص و ہوا نے اپنا غلام بنا لیا ہو +

الغرض یہ بیان اس اکیلے اسم کی راہ معرفت کی پہلی منزل دکھانے کے لئے ایک اشارہ تھا۔ اس کی پوری پوری شرح کے لئے کئی بڑے دفتر درکار ہونگے۔ اور اسی طرح ہر اسم کے معنے کی شرح۔ کیونکہ تمام اسماء افعال سے مشتق ہیں۔ جن کا سمجھنا افعال اور ان اشیاء کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے افعال سے موجود ہیں۔ اور جو شخص ان کا مجمل یا مفصل علم نہیں رکھتا پس اس کے پاس ان کے متعلق محض تفسیر ولغت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کا مفصل علم تو حاصل ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ رہا بالاجمال علم، سو وہ مقدور بھر حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اسی پیمانہ پر بندہ کو اسماء کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اتنی سمجھ بھی تمام علوم کو حاوی ہے۔ اس قسم کی کتاب سے مدعا یہ ہے کہ اس کی ابتدائی اور موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کیا جائے۔ بس +

تنبیہ۔ عدل سے بندہ کا جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں۔ اپنی صفات کو اعتدال پر لانے کا پہلا حق یہ ہے کہ شہوت اور غضب کو عقل و دین کے ارشاد کا پابند بنائے۔ اور اگر یہ

نے عقل کو شہوت اور غضب کا خادم بنا دیا تو وہ ظلم کا مرتکب ہوگا۔ یہ تو اپنے نفس کے متعلق عدل کا خلاصہ تھا۔ اور اس کی تفصیل تمام حدود شرع کی رعایت ہے۔ اور ہر عضو کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے، جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اور اپنے عیال و اولاد کے متعلق اور اگر رئیس ہے تو اپنی رعیت کے متعلق جو عدل چاہئے وہ ظاہر ہے +

لوگ خیال کیا کرتے ہیں کہ ظلم ایذا ہے اور عدل لوگوں کے حق میں نفع رسانی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ درست نہیں۔ بلکہ اگر کوئی بادشاہ ہتھیاروں۔ کتابوں۔ اور اموال سے بھرا ہوا خزانہ کھولے۔ اور اموال تو غنی لوگوں کو دے ڈالے۔ اسلحہ اہل علم کے حوالہ کرے اور ان کو قلعوں کی کنجیاں دیدے۔ کتابیں فوجی لوگوں کو بخش دے۔ اور ساتھ ہی مسجدیں ان کے حوالہ کر دے۔ تو اس نے نفع تو پہنچایا۔ لیکن اس نے ظلم بھی کیا۔ اور عدل سے کنارہ کشی کی۔ کیونکہ ہر ایک چیز کو اس کے غیر مناسب مقام میں استعمال کیا۔ اور اگر مریض کو دوائیں پلانے، پچھنے لگانے اور فصد کھولنے میں ایذا دی اور جبر کیا۔ اور مجرموں کو مارنے۔ ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے اور قتل کر ڈالنے کی سزا دی تو وہ عادل سمجھا جائیگا۔ کیونکہ ہر امر کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے +

دین کی جہت سے اس وصف کے مشاہدہ میں بندہ کا حصہ اس بات کا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ عادل ہے اس کی تدبیر اور حکم اور تمام افعال کے متعلق اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ وہ بندہ کی مراد کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ یہ ساری باتیں انصاف ہیں۔ اور ویسی ہی ہیں جیسی چاہئیں۔ اگر وہ اس کام کو نہ کرتا جو اس نے کیا ہے۔ تو اس سے کوئی اور خرابی پیدا ہو جاتی۔ جو اس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتی۔ جیسے کہ اگر مریض کو پچھنے نہ لگوائے جائیں تو ایسا نقصان پہنچے۔ جو پچھنوں کی رو سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اور اس بات پر ایمان لانا تمام ظاہری و باطنی انکار و اعتراض کی جڑ کاٹ ڈالتا ہے +

زمانہ کو برا بھلا نہ کہنا چاہئے۔ اور نہ اشیا کو فلک سے منسوب کرنا چاہئے۔ اور نہ اس پر اعتراض کرنا چاہئے۔ جیسے عام لوگوں کی عادت ہے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب خدا کے حکم کے تابع ہیں۔ اور سب کے سب ایک مناسب ترتیب سے اپنے مسببات کے ساتھ مرتب ہیں۔ اور ان کی ترتیب اعلےٰ درجہ کے عدل و لطف پر مبنی ہے +

(۳۱) اَللَّطِیْفُ

(باریک بین)

اس اسم کی مستحق وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے۔ اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی جمع ہو جائے۔ تو لطف کے معنے پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا کمال علم و عمل میں خاص خدا کے لئے متصور ہے +

خدا کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے۔ اس کی تفصیل ہو نہیں سکتی بلکہ ہر مخفی بات اُس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے، جیسے کھلی بات۔ کچھ بھی فرق نہیں افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی بھی شمار میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو۔ اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو جس قدر وہ ان کو جانتا ہو گا۔ اسی قدر وہ اسم لطیف کے معنے سمجھتا ہو گا۔ اس بات کی شرح بڑا طول چاہتی ہے۔ اور امید نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہو سکیں۔ ہاں اس کی بعض باتوں کا اشارہ کیا جا سکتا ہے +

خدا کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین کو ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ متولد ہوتا ہے۔ تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ تولد کے وقت خدا اس کو سکھا دیتا ہے کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے۔ خواہ رات کا اندھیرا ہو۔ نہ اور کوئی اس کو سکھاتا ہے۔ اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ انڈے کو توڑ کر چوزہ نکالتا ہے۔ اور اس کو دانے چگنے سکھاتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ اس کے پیدا ہونیکے وقت دانت نہیں بناتا۔ کیونکہ ابھی دودھ پینے کی عمر میں دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر جب اس کے بعد طعام چبانے کے لئے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے، تو دانت اُگاتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ کئی طرح کے دانت بناتا ہے۔ ایک ڈاڑھیں ہیں جو طعام کو پیسنے کے لئے ہیں۔ اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں۔ اور ایک سامنے کے دانت ہیں۔ جو کاٹنے کی خاطر ہیں۔ پھر یہ کہ وہ زبان کو جس سے ظاہری غرض کلام ہے طعام کو دانتوں کی چکی میں ڈالنے کے کام

پر مامور کرتا ہے +

ایک لقمہ کے میسر ہونے کے متعلق خدا کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے۔ جو بندہ کو بلا مشقت ہاتھ آتا ہے۔ اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں ایک مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہو سکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا۔ کسی نے بیج بویا۔ کسی نے سینچا۔ کسی نے فصل کو کاٹا کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا۔ کسی نے اس کو پیسا۔ کسی نے گوندھا۔ کسی نے پکایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کی تفصیل اختتام کو نہ پہنچی +

الغرض اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے **حکیم** ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا **جواد** ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی **مصوّر** ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مقام مناسب میں رکھا ہی **عدلؓ** ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی **لطیف** ہے۔ اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسما کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا +

بندوں پر اس کا ایک لطف یہ ہے کہ اُس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے۔ اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے +

ایک لطف یہ ہے کہ تھوڑی سی بہت یعنی دنیوی عمر میں خفیف کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت حاصل کرنے کی توفیق دیتی ہے۔ کیونکہ اس عمر کو ابد کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں +

ایک لطف یہ ہے کہ وہ لید اور خون میں سے صاف دودھ۔ اور سخت پتھروں سے نفیس جواہر۔ اور مکھی سے شہد۔ اور کیڑے سے ریشم۔ اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ۔ اپنی امانت کا حامل۔ اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے۔ اور یہ بھی وہ **لطف** ہے جو شمار میں نہیں آ سکتا +

تنبیہ اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ کہ وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ خدا کی طرف بلانے۔ اور سعادت آخرت کی ہدایت کرنے میں ان کے ساتھ ملائمت کرے۔ بلا اس کے کہ تحقیر سختی۔ لڑائی اور تعصب کرے +

سب سے اچھا لطف جس میں قبول حق کی ایک کشش موجود ہوتی ہے۔ وہ پاک عادات

اچھے خصائل اور نیک اعمال ہیں۔ کیونکہ چکنی چپڑی باتوں کی نسبت یہ امور زیادہ مؤثر اور پُرلطف ہوتے ہیں۔

(۳۲) اَلْخَبِيْرُ

(آگاہ۔ دانا۔ عالم۔ عارف)

خَبِیْرُ وہ ہے، جس سے کوئی باطنی خبر مخفی نہیں۔ عالم سفلی اور عالم بالا میں کوئی بات ہو۔ کوئی ذرہ حرکت کرے۔ یا ساکن ہو۔ کوئی جان بیقرار ہو۔ یا مطمئن ہو۔ اس کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔ اور معنے کے رُو سے علیم ہے۔ لیکن علم کو جب باطنی بھیدوں سے منسوب کیا جائے تو وہ خبرۃ کہلاتا ہے۔ خبرۃ والے کو خبیر کہتے ہیں۔

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ ہر بات سے جو اس کے اپنے بدن اور قلب کے عالم میں جاری ہوتی ہو، خبر رکھتا ہو۔ قلب جن چھپی ڈھکی بُرائیوں سے متصف ہوجاتا ہے۔ مثلاً بدباطنی، خیانت، دُنیا کے دون کے لئے ہر وقت مارے مارے پھرنا۔ بُرائی کی نیت رکھنا اور بھلائی ظاہر کرنا، اخلاص ظاہر کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا۔ اور اندر کچھ بھی نہ ہونا۔ ان کو پوری تجربت والا آدمی ہی معلوم کرتا ہے۔ جو اپنے نفس کا خوب امتحان لیتا رہا ہو۔ اور اس کے مکر و تلبیس اور فریب کو اچھی طرح تاڑتا رہا ہو۔ اور اس کے مقابلہ اور مخالفت کے لئے کمربستہ ہوجائے۔ اور اس سے بچنے لگے۔ ایسا بندہ خَبِیْر کہلانے کا پُورا مستحق ہے۔

(۳۳) اَلْحَلِيْمُ

(بُردبار)

حَلِیْم وہ ذات ہے، جو نافرمان لوگوں کی نافرمانی اور اپنے حکم کی مخالفت ہوتے دیکھے۔ پھر بھی وہ غضب میں بیقرار نہ ہو۔ نہ اُس کو غصہ عارض ہو۔ اور باوجود پُورے قدرت کے وہ بے حوصلگی کے ساتھ انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ یعنی اور اگر خدا لوگوں کی بد اعمالیوں پر گرفت کرنے لگے۔ تو رُوئے زمین پر کسی جان دار کو

زندہ نہ چھوڑے۔

تنبیہ - حَلِیْم کے وصف سے بندہ کا حصہ ظاہر ہی ہے۔ اتنا سمجھ لو کہ حلم بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے۔ جو شرح وتفصیل کا محتاج نہیں۔

(۳۴) اَلْعَظِیْمُ

(بزرگ - بڑا)

واضح ہو کہ عَظِیْم کا اسم اپنی وضع اول میں اجسام پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جسم عَظِیْم ہے۔ اور جب ایک جسم دوسرے جسم سے طول عرض اور عمق میں زیادہ بڑا ہو تو کہتے ہیں یہ جسم اس جسم سے اعظم ہے۔

اسم عَظِیْم دو قسم کی اشیاء پر بولا جاتا ہے۔ ایک تو وہ شے جو ساری کی ساری نظر آجاتی ہے۔ دوسری وہ جس پر پورے طور سے نگاہ کا محیط اور حاوی ہونا متصور نہ ہو سکے جیسے زمین - آسمان وغیرہ۔ دیکھو ہاتھی ایک عظیم مخلوق ہے۔ پہاڑ بھی ایک عظیم شے ہے لیکن یہ چیزیں نگاہ میں پوری کی پوری سما سکتی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے نیچے کی اشیاء کے مقابلہ میں عظیم ہیں۔ اور زمین کی نسبت یہ امر متصور ہی نہیں ہو سکتا کہ نگاہ ہر سمت سے اس پر حاوی ہو سکے یہی حال آسمان کا ہے۔ پس یہ چیزیں مدرکات بصر میں مطلقاً عظیم ہیں۔

مدرکات بصیرت (جو باتیں عقل میں آسکتی ہیں) میں بڑا تفاوت ہے۔ بعض کی کنہ حقیقت پر عقل محیط ہو سکتی ہے۔ اور بعض پر محیط ہونے سے قاصر ہے۔ جن اشیاء کی کنہ و حقیقت پر محیط ہونے سے عقل قاصر ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن پر بعض عقول کا حاوی ہونا متصور ہو سکے۔ اگرچہ اکثر عقول ان سے قاصر ہوں۔

دوم وہ جن کا عقل کے احاطہ میں آنا حقیقۃً کسی طرح متصور ہو ہی نہ سکے۔ اور یہ وہ عظیم مطلق ہے۔ جو تمام عقول کی حدود سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حقیقت اور بھید کو پانا تصور میں آسکتا ہی نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا بیان فن اول میں گذر چکا ہے۔

تنبیہ - بندوں میں سے عظیم انبیاء و علماء ہیں۔ جن کی تھوڑی سی صفات کا بھی اگر کوئی عقلمند تصور کرتا ہے۔ تو ہیبت و رعب سے اس کا سینہ بھر جاتا ہے

اور دل میں اُن کی عظمت کے خیال کے سوا اور کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے ہر نبی اپنی امت کے حق میں اور شیخ اپنے مرید کے حق میں اور استاد اپنے شاگرد کے حق میں عظیم ہے۔ کیونکہ عقل اس کی صفات کے احاطہ سے قاصر ہے۔ تو اگر وہ اس کے برابر ہو جائے یا اس سے بڑھ جائے تو بھی اس کی طرف اضافت کرنے سے عظیم نہیں کہلائیگا۔

جو عظیم خدا کے سوا کسی اور چیز کے لئے فرض کیا جائے وہ ناقص ہے۔ ایسا عظیم، عظیم مطلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی عظمت ایک شے چھوڑ کر دوسری شے کی طرف اضافت کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ بخلاف خدا کی عظمت کے، کیونکہ وہ عظیم مطلق ہے۔ بطریق اضافت عظیم نہیں۔

(۳۵) اَلْغَفُوْرُ

(بہت بخشنے والا)

یہ اسم غَفَّار کا ہم معنے ہے۔ لیکن اس میں ایک قسم کا مبالغہ پایا جاتا ہے۔ جو غَفَّار میں نہیں کیونکہ غفار کا مبالغہ تکرر مغفرت کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ فعّال کا صیغہ کثرت فعل پر دال ہے۔ اور فعول کا صیغہ فعل کی عمدگی اور کمال اور وسعت پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ غفور ہے۔ بایں معنے کہ وہ پوری اور کمل غفران والا ہے حتیٰ کہ وہ مغفرت کے انتہائی درجوں کو پہنچا ہوا ہے۔ اس کے متعلق بھی پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

(۳۶) اَلشَّکُوْرُ

شَکُوْرُ وہ ہے، جو تھوڑی سی طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا فرماتا ہے۔ اور چند روزہ عملوں کے بدلے آخرت میں غیر محدود نعمتیں دیتا ہے۔ اور جو کوئی نیکی کا کئی گنا عوض دے اُس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا۔ اور جو کوئی محسن کی تعریف کرے، اُس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا۔

اگر عوض در جزا کی زیادتی کے معنے کا لحاظ کرو۔ تو اللہ تعالےٰ کے سوا شکور مطلق کوئی نہیں۔ کیونکہ وہ عوض میں جس قدر زیادہ دیتا ہے۔ اس کا شمار وحصر نہیں ہے۔ دیکھو بہشت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا

هَنِيْئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ یعنی خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیو، بعوض اُن عملوں کے جو تم نے گذشتہ دنوں میں کئے" اور اگر تم تعریف کے معنے کا لحاظ کرو تو خدا کے سوا کسی چیز کی تعریف کرنے والے کی تعریف خدا ہی کی تعریف بن جاتی ہے۔ اور پروردگار عالم جب اپنے بندوں کے عملوں کی تعریف کرتا ہے۔ تو اپنے ہی فعل کی تعریف کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر وہ شخص شکور کہلا سکتا ہے۔ جس کو کچھ ملے اور شکر کرے، تو وہ ذات جو بندہ کو عطا بھی کرے، اور بندہ ہی کا شکریہ ادا ادا کرے۔ وہ تو شکور کہلانے کی نہایت ہی حقدار ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی جو تعریف کرتا ہے۔ وہ اس قسم کی ہے۔ جیسے وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ (اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں) اور جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ (کیا اچھے بندے تھے (کہ بات بات میں خدا کی طرف) رجوع کرتے تھے) وغیرہ۔ اور یہ تمام خدا کا عطیہ ہے +

تنبیہ۔ بندہ دوسرے بندے کے حق میں شاکر یوں ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کے احسان پر اُس کی تعریف کرے۔ اور کبھی اس کی نیکی کا کئی گنا عوض دے۔ اور یہ بات اچھی خصلتوں میں سے ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکریہ کب ادا کرے گا)+

خدا کے حق میں اس کا شکر بصورت مجاز اور توسع کی قسم سے ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ تعریف کریگا۔ تو اس کی پوری تعریف نہ ہو سکیگی۔ اگر اس کی اطاعت کریگا۔ تو اس کی اطاعت خود اللہ کی ایک دوسری نعمت ہے۔ بلکہ قابل شکر نعمت کے علاوہ عین اس کا شکر بھی ایک دوسری نعمت ہے +

اللہ کی نعمتوں کے شکر کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اس کی نافرمانیوں میں استعمال نہ کرے۔ بلکہ اس کی اطاعت کے کام میں لائے۔ اور یہ بھی خدا کی توفیق اور رہنمائی کے ساتھ ہے +

بندہ کے شاکر ہونے میں اور اس بات کے تصور میں ایک باریک نکتہ ہے جس کو ہم نے کتاب احیاء علوم الدین کی کتاب الشکر میں بیان کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کرو یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں +

(۳۷) اَلْعَلِیُّ

(بہت اونچا)

عَلِیُّ وہ ہے: جس کے رتبہ سے بڑا کوئی رتبہ نہیں۔ اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ علی، عُلُوّ سے مشتق ہے۔ اور یہ اس علوّ (بلندی) سے ماخوذ ہے جو سفل (پستی) کا مقابل ہے۔ اور وہ یا تو محسوس درجوں میں ہوتا ہے۔ سیڑھیوں اور زینوں میں اور ان تمام اجسام میں جو ایک دوسرے سے نیچے اوپر ہوں۔ اور یا موجودات کے عقلی مراتب میں ہوں۔ جو ایک قسم کی عقلی ترتیب سے مرتب ہوں۔ پس جس چیز کو مکان کی فوقیت ہو، اس کو علوِ مکانی ہے۔ اور جس کو رتبہ فوقیت ہے اس کو رتبہ کا علو ہے۔ اور عقلی درجات، حسی درجات۔ درجاتِ عقلیہ کی مثال وہ تفاوت ہے۔ جو سبب مسبّب اور علت ومعلول اور فاعل ومفعول اور قابل ومقبول اور کامل وناقص کے مابین ہوتا ہے +

چنانچہ تم ایک سبب فرض کرو تو وہ دوسری شے کا سبب ہو۔ اور دوسری شے تیسری کی سبب ہو۔ اور تیسری چوتھی کی۔ اور مثلاً یہ سلسلہ دس درجوں تک چلا جائے۔ تو دسویں شے آخری رتبے میں واقع ہوگی۔ لہٰذا وہ سب سے اسفل ہے۔ اور پہلا سبب پہلے درجے میں واقع ہے۔ لہٰذا وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور پہلا جو دوسرے سے اوپر ہوگا تو یہ فوقیت معنوی ہے مکانی نہیں۔ اور علوّ سے مراد فوقیت ہے +

تدریجِ عقلی کے معنے سمجھنے کے بعد واضح ہو کہ موجودات کی تقسیم متفاوت درجات میں عقل کی رُو سے جس طرح بھی کی جائے، اللہ تعالیٰ تمام اقسام کے درجوں سے بالاتر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے برتر کوئی درجہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ وہ عَلِیِّ مطلق ہے۔ اور جو اس کے سوا ہیں۔ وہ اپنے سے نیچے والوں کی طرف سے نسبت کرنے سے علی ہیں اور اوپر والوں کے مقابلے میں سافل اور گھٹیا ہیں +

عقلی کی تقسیم کی مثال یہ ہے کہ موجودات سبب اور مسبب پر منقسم ہیں۔ سبب مسبب سے ایک درجہ اوپر ہے۔ پس مطلق فوقیت صرف مسبب الاسباب کا حصہ ہے۔ اسی طرح موجودات مردہ اور زندہ میں منقسم ہے۔ اور زندہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن کو صرف حسی ادراک حاصل ہے۔ اور وہ حیوان ہیں۔ دوسرے وہ جن کو حسی ادراک کے ساتھ

عقلی ادراک بھی حاصل ہے۔ اور ادراک عقلی والی موجودات کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کے معلومات میں شہوت اور غضب رکاوٹ ڈالیں۔ اور وہ انسان ہے۔ دوسرے وہ جن کا ادراک مکدرات کے معارضہ سے پاک ہے۔ اس آخری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ان مکدرات میں مبتلا ہونا ممکن ہے، لیکن ہمیشہ سلامتی ہی حاصل رہی ہو، جیسے کہ ملائکہ۔ دوسری قسم میں وہ ذات ہے جس کے حق میں ایسی باتیں محال ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس تقسیم میں تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ فرشتہ انسان سے اُوپر ہے۔ اور انسان حیوان سے اوپر اور اللہ تعالیٰ سب سے اوپر۔ پس وہ علیٰ مطلق ہے۔ کیونکہ وہ خود زندہ اور جہان کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور علماء کے علوم کو پیدا کرنے والا۔ اور پاک اور ہر قسم کے عیوب سے منزہ ہے۔ ادھر بے جان چیز درجات کمال میں سب سے نیچے کے درجے میں واقع ہوئی ہے۔ انتہائی رُتبے میں خدا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ غرض اسی طرح اس کی فوقیت اور علوّ کو سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نام پہلے ادراک بصر کے لحاظ سے مقرر کئے گئے ہیں۔ اور عوام کا درجہ ہے۔ پھر جب خواص لوگ عقلی ادراکات سے بہرہ ور ہوئے۔ اور ان کو آنکھ کے ادراک اور عقل کے ادراک میں موازنہ محسوس ہوا۔ تو اس سے مطلق الفاظ بطور استعارہ اخذ کر لئے۔ جن کو خواص نے سمجھ لیا۔ اور عوام نے نہیں سمجھا۔ جن کا ادراک حواس ظاہری سے آگے ترقی نہیں کر سکتا۔ جو جانوروں کا درجہ ہے۔ چنانچہ وہ کسی عظمت کا تصور محض طول و عرض کی رُو سے، اور علوّ کا تصور ظرف مکانی کی رُو سے۔ اسی طرح فوقیت کا تصور بھی ظرف مکانی کی رُو سے سمجھتے ہیں۔

اس بیان سے تم خدا کے عرش کے اوپر ہونے کا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔ کیونکہ وہ تمام اجسام سے بڑا ہے۔ گویا وہ تمام اجسام کے اوپر ہے۔ اور وہ ذات موجود جو اجسام کی حدود سے محدود ہونے اور مقادیر کے ساتھ متقدر ہونے سے منزہ ہے۔ وہ رتبہ میں سب کے سب اجسام کے اُوپر ہے۔ لیکن اس فوقیت کو عرش کے ساتھ جو ذکر کیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ کہ عرش تمام اجسام سے بالا ہے۔ پس جو عرش سے بھی بالا ہو گا۔ وہ سب سے بالا ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خلیفہ سُلطان کے اُوپر ہے۔ جس سے بتانا مقصود ہو کہ جب وہ سلطان سے بالا ہے۔ تو اُن تمام لوگوں سے بھی بالا ہو گا: جو سُلطان سے نیچے ہیں یاد ہو گو آدمی جو فوق کے معنے صرف ظرف مکان سمجھتا ہے واقعی ہنسی کے لائق ہے اور با ایںہمہ

اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں دو معزز شخص مجلس میں کس کس وجہ پر بیٹھتے ہیں، تو اُس کو کہنا پڑیگا کہ یہ شخص اُس شخص کے اُوپر بیٹھتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کے دائیں جانب بیٹھتا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس شخص کا اس شخص کے اوپر بیٹھنا یوں ہو سکتا تھا کہ اس کے سر پر بیٹھتا یا اُس جگہ پر بیٹھتا جو اس کے سر پر بنی ہوئی ہوتی۔ پھر اگر اس کو کہا جائے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ وہ نہ اس کے اوپر بیٹھتا ہے نہ اس کے نیچے بلکہ اس کے پہلو پر بیٹھتا ہوگا۔ تو وہ اس اعتراض سے آگ بگولا ہو کر کہیگا کہ تم بھی کیا آدمی ہو کہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہو۔ ابھی اس فوقیت سے مراد رتبہ کی فوقیت اور صدر کا قرب تھا۔ نہ کہ سر پر یا سر سے اونچے بیٹھنا۔ دیکھو صدر مدارج مجلس کا منتہٰے ہوتا ہے۔ جو شخص صدر سے قریب ہے وہ اس شخص کے اُوپر ہے۔ جو صدر سے دُور ہے +

اس بیان سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جس ترتیب کی دو طرفیں ہوں۔ اس میں بلا تعیین ایک طرف کو فوق اور علو سے اور دوسری کو اُس کے مقابل کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں +

تنبیہ۔ بندہ کا علیؔ ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ جو درجہ حاصل کر سکتا ہے اس سے اُوپر کوئی نہ کوئی درجہ ضرور رہتا ہے۔ اور یہ انبیا و ملائکہ کے درجے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بندہ کوئی ایسا درجہ حاصل کرے۔ جو انسان کی جنس سے سب سے اُونچا ہو، اس کے اوپر کوئی درجہ نہ ہو۔ یہ درجہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ لیکن وہ علو مطلق کے مقابلہ میں قاصر ہے کیونکہ ایک تو وہ صرف بعض موجُودات کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ کل کے لحاظ سے۔ دوسرے وہ وجود اور واقع کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ بطریق وجُوب۔ بلکہ یہ امکان اس کے متقارن ہے کہ کوئی ایسا انسان پایا جا سکے جو اس سے بھی بالا ہو +

پس علیؔ مطلق وہ ہے۔ جس کو بحسب وُجُوب فوقیت حاصل ہو۔ نہ کہ بالاضافت اور نہ کہ بحسب وُجُود، جس کے ساتھ نقیض کا امکان متقارن ہو +

(۳۸) اَلْکَبِیْرُ

کَبِیْرُ سے مُراد صاحب کبریا۔ اور کبریا سے مراد ذات کمال ہے۔ اور کمال ذات کے معنے کمال وجُود۔ اور کمال وجُود میں دو باتیں شامل ہیں:۔

پہلی بات اس کا ازلی و ابدی و دوام ہے۔ پس جس وجُود کے شروع میں عدم ہو یا آخر میں، وہ ناقص ہے۔ اور اسی لئے جب کسی انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے۔ تو اس کو کبیر

کہتے ہیں جس سے مراد کبیر السن یا لمبی عمر والا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے اس کو عظیم السن نہیں کہتے۔ کبیر اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس جب وہ شخص کبیر کہلاتا ہے، جس کے وجود کی مدت ایک محدود درجہ تک لمبی ہوتی ہے۔ تو وہ ذات جو ازل سے ابد تک قایم و دایم ہے اور جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے وہ تو بطریق اولے کبیر ہے ۔

دوسری بات یہ کہ اس کا وجود وہ ہے۔ جس سے ہر موجود کا وجود ہے۔ پس جس شے کا وجود فی نفسہٖ مکمل ہو۔ جب وہ کامل اور کبیر ہو۔ تو وہ ذات جس سے تمام موجودات کا وجود ہو۔ سب سے پہلے کامل اور کبیر ہے ۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے کبیر وہ کامل شخص ہے جس کی صفات کمال صرف اس میں بند نہ ہوں بلکہ دوسروں پر بھی اثر کریں۔ پس جس شخص کو اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے۔ اس کو کچھ نہ کچھ اس کے کمال کا فیض پہنچے ۔

بندہ کا کمال اس کی عقل۔ پرہیزگاری اور علم میں ہوتا ہے۔ پس کبیر وہ عالم اور پرہیزگار شخص ہے۔ جو لوگوں کو ہدایت کرے اور اس قابل ہو کہ لوگوں کا پیشوا ہو۔ جس کے نور اور علم سے لوگ روشنی حاصل کریں۔ اسی لئے حضرت عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "جو شخص صاحب علم ہو کر عمل بھی کرے وہ عالم بالا میں عظیم کہلاتا ہے ۔

(۳۹) اَلْحَفِیْظُ

(نگہبان)

حَفِیْظ بہت بڑی نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ معنے حفظ کے معنے کو سمجھنے ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور حفظ دو طرح پر ہے :-

ایک تو موجودات کے وجود کو ہمیشہ قایم رکھنا۔ اس کے مقابلہ میں اعدام ہے اور اللہ تعالےٰ آسمان۔ زمین۔ ملائکہ وغیرہ لمبی زندگی والی موجودات اور حیوانات و نباتات وغیرہ چھوٹی عمر والی موجودات کا حافظ ہے ۔

دوم۔ جو حفظ کے زیادہ ظاہر معنے ہیں وہ متعدی اور متضاد چیزوں کو ایک دوسری سے بچانا ہے۔ اور اس متعدی سے وہ متعدی مراد ہے جو پانی اور آگ کے درمیان ہے

کیونکہ وہ دونوں طبعًا ایک دوسرے کے مخالف۔ اور ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہیں۔ یا تو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور یا آگ، پانی کو بخار کی صورت میں بدل کر ہوا بنا دیتی ہے۔ اور حرارت و برودت کا باہمی تضاد اور معاندت ظاہر ہے۔ جو ایک دوسرے کو دباتی رہتی ہیں۔ اس طرح رطوبت اور یبوست میں جو مخالفت ہے، ظاہر ہے۔ اور تمام اجسام ارضی انہیں مخالف ارکان سے مرکب ہیں۔ کیونکہ جاندار کے لئے حرارت غریزی کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ نہ رہے تو زندگی نہ رہے۔ اور رطوبت بھی ضروری ہے، جو اس کے بدن کی غذا ہوتی ہے، جیسے خون وغیرہ۔ اور یبوست لازم ہے، جس کے ساتھ اس کے اعضاء منضبط اور باہم پیوستہ وچسپاں رہتے ہیں خصوصًا وہ اجزاء جو سخت ہیں، جیسے ہڈی۔ اور برودت بھی ضروری ہے۔ جو حرارت کی تیزی کو کم کرے تاکہ وہ معتدل رہے۔ اور باطنی رطوبتوں کو فورًا جلانے اور تحلیل کرنے نہ پائے +

یہ چاروں ارکان باہم متعادی اور متنازع ہیں۔ اور اللہ تعالٰے نے ان کو انسان کے چڑے اور جاندار کے بدن اور نباتات کے جسم میں اور تمام مرکبات میں جمع کر دیا ہے۔ اگر وہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ باہم بگاڑ پیدا کر کے ایک دوسرے سے پھٹ جاتے۔ اور ان کی باہمی ترکیب و امتزاج باطل ہو جاتا۔ اور وہ معنے باطل ہو جاتا جس کو ترکیب و مزاج کے ساتھ قبول کرنے کے لئے وہ مستعد ہوا تھا +

اللہ تعالٰے اس کی حفاظت پہلے تو تعدیل قوٰے سے اور پھر امداد مغلوب سے کرتا ہے +

تعدیل یہ ہے کہ مثلًا قوت بارد کا درجہ قوت حار کے برابر ہو۔ تاکہ جب وہ دونوں جمع ہوں، تو ایک دوسری پر غالب نہ ہو سکیں۔ بلکہ ایک دوسری کی مدافعت کریں۔ کیونکہ جب ان میں سے کوئی غالب نہیں ہوتی تو مغلوب کون ہو۔ پس وہ ایک دوسری کا مقابلہ کریں۔ اور ان کے مقابلے اور برابری کے ساتھ ساتھ بدن کا قوام باقی رہے۔ اسی سے مراد اعتدال مزاج ہے +

دوم۔ مغلوب کو اس چیز کے ساتھ امداد دینا جس سے وہ اپنی طاقت تازہ کر کے غالب کا مقابلہ کرے۔ مثلًا حرارت برودت کو فنا کرتی اور سوکھاتی ہے۔ پس جب وہ غالب آتی ہے۔ تو برودت اور رطوبت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور حرارت اور یبوست غالب آتی ہیں

اور ضعیف کی امداد سرد و تر جسم کے ساتھ ہو سکتی ہے، اور وہ پانی ہے پیاس کا مطلب یہی ہے کہ سرد و تر چیز کی ضرورت پیش آتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے سرد و تر اشیاء برودت اور رطوبت کی مدد کے لئے بنائی ہیں کہ جب ایک ان میں سے غالب ہو، تو اُس کی مخالف چیز کو مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے جس سے وہ دب جائے۔ اور یہ امداد ہے۔ اور یہ غذا و دوا کے بنانے سے اور ایسے آلات و اوزار پیدا کرنے سے جو اس میں کام دیتے ہیں۔ اور ان کو استعمال کی توفیق عطا فرمانے سے یہ امداد تکمیل کو پہنچی ہے۔ اور یہ تمام امور حیوانات اور متضاد اجزاء کے مرکبات کے بدنوں کی حفاظت کے لئے ہیں۔ اور یہی اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اپنے جسم کی داخلی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور وہ بعض خارجی اسباب سے بھی ہلاکت کا نشانہ بنا رہتا ہے۔ جیسے خونخوار درندے اور جانی دشمن۔ پس ان سے محفوظ رکھنے کیلئے چند ایسے جاسوس پیدا کئے ہیں، جو دشمن کے قریب آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے مقدمۃ الجیش ہیں۔ جیسے آنکھ کان وغیرہ۔ پھر اس کے لئے طاقتور ہاتھ۔ اور اسلحہ عطا کئے ہیں۔ جن میں سے بعض مدافعانہ کام دیتے ہیں، جیسے زرہ اور ڈھال۔ اور بعض جارحانہ جیسے تلوار۔ چھری۔ بندوق وغیرہ۔ پھر بسا اوقات انسان دفع آفت سے عاجز آ جاتا ہے۔ اس کو آلہ گریز سے مدد دی ہے۔ اور پاؤں سے چلنے والے جانداروں کے لئے پاؤں ہیں۔ اور پرندے کے لئے بازو ہیں +

اسی طرح خدائے جلت قدرتہ کی حفاظت عالم علوی و عالم سفلی کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر حاوی ہے۔ یہاں تک کہ میوے کے گودے کو سخت چھلکے اور پوست کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے۔ اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ رہے۔ اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے، جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان سے بعض تلف کرنے والے جانداروں کا دفیعہ ہوتا ہے۔ پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں۔ جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ۔ پنجے اور کچلیاں ہیں۔ بلکہ پانی کے قطرہ قطرہ کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہیں۔ جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں +

دیکھو اگر پانی کو کسی برتن میں مدت تک پڑا رہنے دیا جائے۔ تو وہ ہوا بن جاتا ہے اور ہوا اُس سے تری کی صفت دُور کر دیتی ہے +

اگر تم پانی کے کسی برتن میں انگلی ڈبو دو۔ اور پھر اُس کو نکال کر اُلٹی کر دو تو اس سے

ایک قطرہ نیچے کو ڈھلک آئیگا۔ لیکن اُنگلی کے سرے پر آکر رہجائیگا۔ اُنگلی سے جُدا نہ ہوگا حالانکہ پستی کی طرف بہنا اس کا طبعی خاصہ ہے۔ اگر وہ بہ جائے تو چھوٹا ہونے کے باعث ہوا کے غلبہ سے فنا ہوجائیگا۔ اسی لئے وہ برابر جُھکا رہتا ہے۔ حتےٰ کہ اُس کے ساتھ باقی تری بھی شامل ہوجاتی ہے جس سے وہ ایک بڑا قطرہ بنجاتا ہے۔ اور فوراً ہوا کو چیرتا ہوا نیچے گرجاتا ہے ہوا اُس کو اپنی جنس میں ملا لینے پر قادر نہیں ہوسکتی۔ اور یہ اس کی حفاظت کی ایک صورت ہے جب کہ وہ کمزور اور اُس کا مخالف (یعنی ہوا) طاقتور ہوتا ہے۔ اور اُس کو باقی تری کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حفاظت ایک فرشتے کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو اس پر مؤکل ہے +

حدیث شریف میں وارد ہوُا ہے کہ مینہ کی ہر بُوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ بُوند زمین میں اپنی قرار گاہ پر جا پہنچتی ہے +

اور حق یہ ہے، ارباب بصائر کا باطنی مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ غرض اس حدیث پر نہ صرف تقلید کی رُو سے یقین کرنا چاہئے۔ بلکہ از روئے عقل بھی اس کو درست ماننا چاہئے +

خدا کا آسمان و زمین اور ان کی درمیان کی اشیاء کو پیدا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق بحث کا سلسلہ بڑا طویل ہے، جیسے کہ باقی تمام افعال کے متعلق ہے۔ اور اسی سے اس اسم کے معنے معلوم کئے جا سکتے ہیں نہ صرف لُغوی اشتقاق کے سمجھنے سے۔ اور مجمل طور پر حفیظ کے معنے معلوم ہو چکے +

تنبیہ۔ بندوں میں سے **حفیظ** وہ ہے، جو اپنے اعضا اور دل کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اپنے دین کو غضب کے حملے۔ شہوت کے فریب۔ نفس کے مکر، اور شیطان کے وسوسے سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ وہ تباہی کے گڑھے کے قریب ہے۔ اور ان بربادی بخش مُہلکات نے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے +

(۴۰) اَلْمُقِیْتُ

(مخلوق کو قُوت یا روزی پہنچانیوالا)

اس کے معنے ہیں غذاؤں کا پیدا کرنے والا۔ اور بدنوں کی غذا یعنی کھانے کی چیزیں بدنوں تک پہنچانے والا۔ اور دلوں کی غذا یعنی معرفت دلوں تک پہنچانے والا۔ پس مُقیت، رازق کا ہم معنے ہے۔ لیکن اس کی نسبت خاص ہے۔ کیونکہ رزق غذا اور غذا

کے سوا دوسری چیزوں کو شامل ہے۔ اور غذا وہ چیز ہے جو صرف قوام بدن کو کافی ہو سکے۔
مُقِیتٌ، مستولے (غالب) اور قادر کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ استیلا قدرت
اور علم کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ ان معنوں پر خداوند تعالےٰ کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ وَ
کَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا یعنی اور اللہ ہر چیز پر مطلع اور قادر ہے۔
غرض اس لحاظ سے **مُقِیتٌ** کے معنے میں قدرت اور علم کا مفہوم داخل ہے
علم کا بیان تو گذر چکا۔ قدرت کا بیان آگے آئیگا۔ اس معنے کی رُو سے خدا کی صفت مُقیت
صرف صفت قادر کی نسبت اور صرف صفت عالم کی نسبت زیادہ مکمل ہے کیونکہ
وہ اکٹھا دونوں معنوں پر دال ہے۔ اور اس جہت سے یہ اسم ترادف سے نکل گیا۔

(۴۱) اَلْحَسِیْبُ

(کافی)

حَسِیْبُ سے مراد ہے کافی۔ اور یہ وہ ہے کہ جو کوئی اس کا ہو جائے، وہ اس
کے لئے کافی ہو۔ اور اللہ تعالےٰ سب کے لئے حَسِیْب اور کافی ہے۔ اس وصف کی
حقیقت خدا کے سوا اور کسی کے لئے متصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کفایت کے محتاج کو جو
اس کی حاجت ہوگی۔ تو اپنے وجود۔ اور دوام وجود اور کمال وجود کے لئے ہوگی۔ اور خدا
کے سوا ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ہر
چیز کے لئے کافی ہے نہ کہ صرف اشیاء کے لئے، یعنی وہ اکیلا ہی کافی ہے کہ اس کے ساتھ
اشیاء کا وجود متحصل ہو۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود ہمیشہ رہے۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود
مکمل ہو۔ اور تم کو یہ ظن بھی نہیں کرنا چاہئے کہ جب تم کو کھانے، پینے کی۔ اور زمین، آسمان اور
سورج وغیرہ کی ضرورت ہوئی۔ تو تم اس کے سوا کسی اور کے محتاج ہوئے۔ اور وہ تمہارے لئے
کافی نہ تھا۔ کیونکہ اسی نے کھانے پینے کی چیزیں اور زمین و آسمان اور سورج وغیرہ چیزیں بنائی
ہیں۔ وہی تمہارے لئے کافی ہیں۔ اور یہ بھی خیال تک نہ کرو کہ جو بچہ ماں کا محتاج ہے جو اس کو
دودھ پلاتی ہے۔ اور پرورش کرتی ہے۔ اللہ اس کا حَسِیْب اور کافی ہے۔ بلکہ اللہ
ہی اُس کے لئے کافی ہے جس نے اُس کی ماں کو پیدا کیا۔ اور اُس کے پستانوں میں دودھ
بنایا۔ اور بچے کو دودھ پینے کی ہدایت کی۔ اور ماں کے دل میں شفقت اور محبت ڈال دی۔

یہاں تک کہ اس نے بچے کو دودھ پینے دیا۔ پس نہیں اسباب سے کفایت حاصل ہوئی ہے۔ اور اللہ اکیلا بچے کے لئے ماں کو پیدا کرنے والا ہے +

اگر تم سے کہا جائے کہ اکیلی ماں بچے کے لئے کافی ہے۔ تو تم فوراً ہاں میں ہاں ملا دو اتنا کہنے کی توفیق نہ ہوگی کہ ماں اُس کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دودھ کا محتاج ہے۔ اور جب دودھ نہ ہو تو ماں کہاں کافی ہوگی۔ اگر کہو گے یہ کہو گے کہ ہاں بچہ دودھ کا محتاج تو ہے۔ مگر دودھ بھی تو ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس وہ ماں کے سوا اور کسی کا محتاج نہ ہوا۔ مگر تم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ دودھ ماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کیا ماں اور کیا دودھ دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہیں۔ پس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی ایسی شئے نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو۔ بلکہ اشیاء ایک دوسری سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور سب کی سب خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں +

تنبیہ۔ بندہ کو اس وصف میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر بطریق مجاز بعید۔ اور بلحاظ سرسری نظر اور ظن عام کے۔ مجاز ہونا اس لحاظ سے ہے کہ گو وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کیلئے ہے۔ لیکن وہ فی الحقیقت کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ہی فی الحقیقت کافی ہو سکتا ہے کیونکہ بنفسہ تو خود اس کا اپنا وجود بھی قایم نہیں ہے اور نہ بنفسہ اپنے آپ کے لئے کافی ہے تو غیر کے لئے کب کافی ہو سکتا ہے +

بندہ کا کافی ہونا خلق عام کے لحاظ سے اس لئے ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ مستقل بالکفایت ہے۔ تو بھی وہ اکیلا کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے محل کا محتاج ہے۔ جو اس کے فعل اور کفایت کو قبول کر سکتا ہو۔ کم از کم ایک کا محتاج ہوگا۔ جو محل علم ہے۔ تاکہ وہ تعلیم میں کافی بن سکے۔ اور ایک معدہ چاہیئے، جو کھانا پہنچنے کی جگہ ہوتا ہے۔ تاکہ وہ بدن میں کھانا پہنچانے کے لئے کافی ہو سکے۔ علاوہ ان کے وہ اور بہت سی اشیاء کا محتاج ہوگا جن کا کوئی شمار نہیں ہے۔ اور ان میں سے کوئی شئے بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور خدا کا کافی ہونا اس لئے صحیح ہے کہ وہ خالق فعل ہے۔ اور خالق محل ہے۔ اور شرائط قبول کا خالق ہے +

بندہ کا کافی کہلانا سرسری نظر سے اس لئے ہے کہ بسا اوقات ایک فاعل پر نظر پڑتی ہے۔ اور اس کے سوا اور کسی کا خیال بھی دل میں نہیں گزرتا۔ پس وہ دیکھتا ہے یہ فاعل ہی کافی ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے +

ہاں بندہ کا حصہ جو اس اسم سے ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کی ہمت و ارادہ میں خاص اللہ تعالےٰ اُس کے لئے کافی ہو۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کا ارادہ نہ کرے۔ نہ جنت کی خواہش رکھے۔ نہ اُس کا دل دوزخ سے بچنے کی تدبیریں کرنے میں مصروف رہے۔ بلکہ خاص خدا کے خیال میں ڈوبا رہے۔ اور جب اس کے جلال کا پرتو اس پر پڑے تو کہے "بس یہی مجھے کافی ہے۔ اس کے سوا مجھے اور کچھ درکار نہیں۔ باقی اشیا خواہ ہاتھ سے جائیں یا رہیں +

(۴۲) اَلْجَلِیْلُ

(بزرگ قدر)

جلیل کے معنے جلال کی صفتوں سے موصوف۔ اور جلال کی صفتیں ہیں۔ غنی، مُلک، تقدس، علم، قدرت وغیرہ۔ جو پیچھے مذکور ہو چکیں +

پس ان سب صفات کا جامع جلیل مطلق ہے۔ اور جو ان میں سے بعض کے ساتھ موصوف ہو۔ اس کی جلالت اُسی قدر ہے جتنی صفتوں سے وہ موصوف ہو +

جلیل مطلق صرف اللہ تعالےٰ ہے۔ گویا کبیر کا مطلب کمال ذات ہے اور جلیل کا کمال صفات ہے۔ اور صفات سب کی سب ادراک بصیرت کی طرف منسوب ہیں بایں حیثیت کہ وہ بصیرت پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ اور بصیرت ان پر حاوی نہیں ہوتی۔ صفات جلال جب اس بصیرت کی طرف منسوب کی جائیں، جو اس کو ادراک کرتی ہے۔ تو ان کو جمال کہتے ہیں۔ اور ان سے متصف ہونے والا جمیل کہلاتا ہے +

اسم جمیل اصل میں صورت ظاہری کے لئے موضوع ہے۔ جو نظر سے محسوس ہوتی ہے۔ جب کہ وہ اس طرز کی ہو کہ نگاہ پسند کرے۔ پھر وہ صورت باطنی کے لئے منقول کیا گیا جو بصیرت (عقلی نگاہ) سے ادراک کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص سیرت جمیلہ رکھتا ہے۔ اس میں خلق جمیل ہے۔ اور یہ صورت نظر عقلی سے ادراک کی جاتی ہے نہ کہ ظاہری نظر سے۔ غرض کہ باطنی صورت جب کہ کامل۔ متناسب۔ اور ان تمام کمالات کی جامع ہو، جو اس کے لائق ہوں۔ اور جیسی چاہئیں۔ تو وہ صورت بصیرت باطنہ کے لئے جو ادراک کرتی ہے، پسندیدہ اور دلکش ہے۔ جس کے نظارے سے ایک ایسی لذت۔ لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ جو بصارت ظاہری کے ذریعے سے ظاہری صبیح و ملیح شکلوں کا نظارہ

کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتا +

جمیل مطلق خاص اللہ تعالےٰ ہے۔ کیونکہ دنیا میں جو جمال و کمال اور حسن و دلربائی ہے۔ وہ اسی کی ذات کے انوار اور صفات کے آثار سے ہے۔ اور ایسا موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ جس کو کمال مطلق حاصل ہو۔ اور اس کا کوئی ثانی وجوداً یا امکاناً نہ ہو۔ اسی لئے اس کا عارف، اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرنے والا، اس قسم کی لذت اور سرور محسوس کرتا ہے۔ جس کے آگے جنت کی نعمتیں اور ظاہری صورتوں کی خوش نمائیاں ہیچ ہیں۔ بلکہ صورت ظاہری کے جمال کو معانی باطنہ کے جمال سے جو کہ بصیرت کے ذریعہ سے ادراک میں آسکتا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس امر کو ہم نے احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ میں بیان کیا ہے +

پس ثابت ہوا کہ وہ جلیل اور جمیل ہے۔ اور ہر جمیل دیدار کرنے والے کے لئے محبوب و معشوق ہوتا ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ محبوب ہو۔ مگر ان لوگوں کے نزدیک جو اس کی معرفت سے بہرہ رکھتے ہیں۔ جیسے ظاہری دلپسند صورتیں محبوب ہوتی ہیں مگر ان لوگوں کے نزدیک جو آنکھیں رکھتے ہیں۔ نہ کہ اندھوں کے نزدیک +

تنبیہ۔ بندوں میں سے جلیل اور جمیل وہ ہے جس کی باطنی صفات اچھی ہوں۔ جن سے ارباب بصیرت کے دل لذت پائیں۔ رہا جمال ظاہری۔ سو وہ ایک کم قدر چیز ہے +

(۴۳) اَلْکَرِیْمُ

(بزرگ)

کریم، وہ ہے کہ جب قدرت پائے۔ تو معاف کرے۔ اور جب وعدہ کرے تو اُس کو پورا کر دکھائے۔ اور جب دینے لگے، تو توقع سے بڑھ کر دے۔ یہ نہ دیکھے کہ کس کو دیتا ہے اور کتنا دیتا ہے۔ جب اس کو چھوڑ کر کسی اَور کے سامنے حاجت پیش کیجائے تو اُس کو منظور نہ کرے۔ جو شخص اس سے التجا کرے، اُس کو یوں ہی نہ ٹالے۔ بلکہ اُس کو وسیلوں اور سفارشوں کا بھی محتاج نہ رکھے۔ پس جس میں یہ تمام صفات سچ مچ جمع ہوں۔ بناوٹی نہ ہوں، وہ کریم ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالےٰ ہے +

تنبیہ۔ ان صفات سے مزین ہونے کا فخر کبھی کبھی بندہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔
لیکن صرف بعض امور میں، اور ایک قسم کی تکلیف سے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے کبھی کبھی وہ کریم
کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ لیکن کریم مطلق کی نسبت سے وہ ناقص ہے،
اور بندہ اس صفت سے کیوں نہ موصوف ہو جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ "انگور کی بیل کو کرم نہ کہو۔ کیونکہ کرم مسلمان آدمی ہو سکتا ہے"۔
کہتے ہیں کہ انگور کی بیل کو کرم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ اور اچھے پھل والا
درخت ہے۔ جس کا پھل قریب ہی سے بآسانی ہاتھ آ جاتا ہے، نہ کانٹے ہیں۔ اور نہ کوئی اور
آزار رساں چیز ہے۔ بخلاف کھجور کے۔

(۴۴) اَلرَّقِیْبُ

(نگہبان)

رقیب کے معنے علیم و حفیظ یعنی ہر شے کی حالت سے بخوبی واقف
اور اس کا نگہبان۔ پس جو ذات کسی شے کی ایسی نگہبان ہو کہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو
اور اس پر لازمی طور سے ہمیشہ نظر رکھے، اس کو رقیب کہتے ہیں۔ گویا اس صفت کے مفہوم
میں علم اور حفظ داخل ہیں۔ لیکن اس اعتبار سے کہ وہ لازم و دائم ہیں اور اس شے
سے نسبت رکھتے ہیں۔ جس سے خدا آفات کو دفع کرتا ہے۔

تنبیہ۔ بندہ کے لئے مراقبہ کا وصف اس وقت محمود ہے۔ جب کہ وہ خدا کے
لئے اور اپنے دل کے لئے ہو۔ اور یہ اس طرح ہے کہ مراقبہ کرنے والا یقین رکھے کہ اللہ تعالے
ہر امر میں اس کا رقیب اور شاہد ہے۔ اور یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور شیطان
بھی۔ اور یہ دونوں موقع کے انتظار میں ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کریں
لہذا وہ ان سے بچنے کی تدبیر کرے کہ ان کی گھاتوں۔ مکروں اور جست کرنے کے موقعوں کو
تاڑتا رہے۔ حتےٰ کہ ان کے تمام راستے اور سوراخ بند کر دے۔ یہ مراقبہ ہے۔

(۴۵) اَلْمُجِیْبُ

(دُعا قبول کرنے والا)

مُجِیب وہ ہے، جو سائل کے سوال کو پُورا کرے۔ دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول فرمائے۔ لاچار لوگوں کی ضرورت مُہیّا کرے۔ بلکہ التجا سے پہلے انعام دے۔ اور دُعا سے پیشتر بخشش کرے۔ اور وہ صرف خداوند تعالےٰ ہے۔ کیونکہ وہی حاجتمندوں کی حاجت کو اُن کے سُوال سے پہلے جانتا ہے۔ بلکہ ازل ہی سے اس کو اس کا علم ہے۔ مخلُوقات کی حاجت روائی کے لئے کھانے۔ اور غذائیں بنائی ہیں۔ اور تمام کے تہیہ کے لئے اسباب و آلات مُیسّر کردئے۔

تنبیہ۔ بندہ کو چاہئے کہ سب سے پہلے خدا کے امر و نہی کے لئے مُجِیب بنے۔ پھر بندوں کے لئے مُجِیب بنے۔ یعنی خدا نے جو اس کو نعمتیں عطا کی ہیں۔ اُن میں سے سائل کا سوال پُورا کرے۔ اپنے مقدور بھر سائل کی مدد کرے۔ یا اگر کچھ بھی مقدور نہ ہو۔ تو نرمی سے جواب دے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور سائل کو نہ جھڑکنا) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ دُعِیْتُ اِلٰے کُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ یعنی اگر بکری کے پائے پکا کر بھی مجھے دعوت دیجائے، تو مَیں قبول کرلوں۔ اور اگر ایک ذراع (جانور کی پنڈلی) بھی مجھے ہدیہ میں دیجائے، تو مَیں بخوشی لے لوں"۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوتوں میں تشریف لیجانا اور ہدیئے قبول فرمانا محض دلداری کی غرض سے تھا۔ بعض کمینے اور متکبر لوگ جو ہر قسم کے ہدیئے کے قبول کرنے اور دعوت کے منظور کرنے سے اپنی شان کو برتر سمجھتے ہیں۔ اور اپنی شان و عظمت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور التجا کرنے والے کے دل کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ خواہ اس کو سخت صدمہ پہنچے۔ ایسے لوگوں کا اس اسم کے معنے میں کوئی حصّہ نہیں ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

(۴۶) اَلْوَاسِعُ

(وسیع المعلومات یا وسیع الغنا)

واسِعُ، سَعَةٌ (وسعت) سے مشتق ہے۔ اور وسعت کبھی علم میں ملحوظ ہوتی ہے، جب کہ علم وسیع ہو۔ اور صاحب علم معلومات کثیرہ پر حاوی ہو۔ اور کبھی احسان اور عطائے نعمت سے منسوب کی جاتی ہے۔ خواہ کوئی لحاظ کرو۔ اور کسی تقدیر کو لو، بہرحال **واسع** مطلق اللہ تعالےٰ ہے۔ کیونکہ اگر اس کے علم کو لو۔ تو اس کی معلومات کے سمندر کا کوئی کنارہ ہی نہیں بلکہ اس کے کلمات لکھنے کے لئے سمندروں کو سیاہی کی جگہ استعمال کیا جائے۔ تو سمندر ختم ہو جائینگے اگر اس کے احسان اور نعمت کو دیکھا جائے۔ تو اس کی مقدورات کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر وسعت گو کیسی ہی بڑی ہو۔ وہ ایک نہ ایک طرف تک ضرور اختتام کو پہنچیگی۔ اور جو ذات کسی طرف بھی اختتام پذیر نہیں ہے۔ وہ وسعت کے اسم کی زیادہ حق دار ہے۔ لہذا اللہ تعالےٰ ہی **واسع** مطلق ہے۔ کیونکہ ہر **واسع** اپنے سے زیادہ **واسع** کے مقابلہ میں غیر **واسع** یعنی تنگ ہے۔ اور جو وسعت نہ کسی طرف پر منتہی ہو جائے۔ ممکن ہے کوئی اور وسعت اس سے بھی زیادہ بڑی ہو۔ لیکن جس ذات کی نہ کوئی نہایت ہو۔ اور نہ کوئی طرف ہو۔ اس سے زیادہ وسعت تصور ہی میں نہیں آسکتی ✦

تنبیہ۔ بندے کی وسعت علوم اور اخلاق میں ہوتی ہے۔ پس اگر اس کے علوم بکثرت ہوئے۔ تو اپنے وسعت علم کے موافق وہ **واسع** ہے۔ اور اگر اس کے اخلاق وسیع ہوئے۔ حتےٰ کہ نہ محتاجی کا خوف اس کو تنگدل کر سکے۔ نہ حاسد کا غصہ۔ اور نہ حرص کا غلبہ تو وہ بھی **واسع** ہے۔ مگر یہ سب وسعتیں کسی نہ کسی حد پر ختم ہو جاتی ہیں۔ حقیقی **واسع** اللہ تعالےٰ ہی ہے ✦

(۴۷) اَلْحَکِیْمُ

(حقائق اشیاء کا عالم)

حَکِیْمُ کے معنے صاحب حکمت۔ اور حکمت سے مراد ہے۔ افضل چیز کو افضل علم سے جاننا۔ اور تمام اشیاء سے بزرگ اللہ تعالےٰ ہے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ:-

"خدا کی باتیں خدا ہی جانے"

لہٰذا وہ حقیقی حکیم ہے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑی شے کو افضل علم کے ساتھ جانتا ہے یعنی سب سے بڑی ذات خدا کی ہے۔ اور افضل علم وہی ہے، جو ازلی و دائمی ہو۔ اس کا زوال متصور نہ ہو۔ واقع کے ایسا مطابق ہو کہ اس میں کسی قسم کے خفا اور شبہ کا دخل نہ ہو۔ ایسے علم کے ساتھ خاص خداوند تعالیٰ متصف ہے +

اس شخص کو بھی حکیم کہہ دیا کرتے ہیں۔ جو عجیب عجیب صنعتی اشیا بنائے۔ اور ان کی بناوٹ میں خوبیاں اور استحکام پیدا کرے۔ اس صفت کا کمال بھی خاص خدا کے لئے ہے۔ لہٰذا وہ حکیم مطلق ہے +

تنبیہ۔ جو شخص تمام اشیا کو جانتا ہو، مگر خدا کو نہ جانتا ہو۔ وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ افضل شے کو نہیں جانتا۔ اور حکمت کے تمام علوم سے زیادہ افضل علم ہے۔ اور علم کی بزرگی اس چیز کی بزرگی پر موقوف ہے۔ جس کی نسبت علم ہو۔ اور خدا سے بڑھ کر کوئی شے بزرگ نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص خدا کو پہچانتا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ گو باقی تمام مروّجہ علوم سے بے بہرہ ہو۔ اور ان کے متعلق کچھ بیان کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو +

یاد رکھو کہ خدا کی حکمت اور بندے کی حکمت میں فرق ہے۔ جو خدا کی نسبت بندے کے علم اور خود خدا کے علم میں فرق ہے۔ خیال کرو ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔ اور اس سے سمجھ سکتے ہو کہ ان دونوں حکمتوں میں کس قدر فرق ہے۔ تاہم یہ علم تمام علوم سے زیادہ نفیس اور زیادہ موجب خیر ہے وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا یعنی جس شخص کو حکمت دیگئی، اُس کو خیر کثیر دیگئی +

جو شخص خدا کو پہچان لیتا ہے۔ تو اُس کا طرز کلام دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ وہ جزئیات اور گھٹیا باتوں میں بہت کم خوض کرتا ہے۔ بلکہ اس کا ہر کلام مجمل اور کلی اور اور معنے خیز ہوتا ہے۔ وہ دنیوی فوائد کا کم خیال کرتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے عاقبت میں فائدہ دینے والی بات کہتا ہے۔ اور چونکہ اس کی یہ حالت لوگوں کے نزدیک اس کی معرفت الٰہی کی نسبت زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا لوگ اس کے کلمات کلیہ کو اکثر حکمت کہا کرتے ہیں۔ اور ان کے قائل کو حکیم کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی مثال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے یا قوال ہیں:-

(۱) رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ ✦

(۱) سب سے بڑی حکمت خدا کا خوف ہے ✦

(۲) اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ الْاَمَانِيَّ ✦

(۲) دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا اور آخرت کے لئے نیک کام کئے۔ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کے تابع ہوا۔ اور اللہ سے بیہودہ التجائیں کرتا رہا ✦

(۳) مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى ✦

(۳) تھوڑی اور کافی چیز اس چیز سے اچھی ہے۔ جو زیادہ ہو اور بیہودگی میں ڈالے ✦

(۴) مَنْ اَصْبَحَ مُعَافًا فِيْ بَدَنِهِ، اٰمِنًا فِيْ سِرْبِهِ، عِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ، فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا ✦

(۴) جو شخص تندرست رہے، اور اپنے گھر میں امن سے بسے، اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو، گویا دنیا ساری کی ساری اس کے کام آرہی ہے ✦

(۵) كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ، وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ ✦

(۵) پرہیزگار بنو تاکہ سب سے بڑے عابد قرار پاؤ، قناعت کرو تاکہ سب سے زیادہ شاکر بنو ✦

(۶) اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ ✦

(۶) مصیبت زبان کھولنے پر منحصر ہے ✦

(۷) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ ✦

(۷) بندہ کی اچھی مسلمانی یہ ہے کہ جو امر مہمل اس کا نہ ہو اس کو چھوڑ دے ✦

(۸) اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهِ ✦

(۸) نیک بخت وہ ہے۔ جو دوسروں سے عبرت پکڑے ✦

(۹) اَلصَّمْتُ حِكْمَةٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهُ ✦

(۹) خاموشی حکمت ہے جس پر چلنے والے کم ہیں ✦

(۱۰) اَلْقَنَاعَةُ مَا لَا يَنْفَدُ ✦

(۱۰) قناعت وہ مال ہے جو کم نہیں ہوتا ✦

(۱۱) اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ وَالْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهُ ✦

(۱۱) صبر نصف ایمان ہے۔ اور یقین پورا ایمان ہے ✦

غرض اس قسم کے کلمات کو حکمت اور ان کو قائل کو حکیم کہتے ہیں ✦

(۴۸) اَلْوَدُوْدُ

(نیک بندوں کو دوست رکھنے والا)

وَدُوْد، وہ ہے جو تمام مخلوق کے لئے بہتری چاہتا ہو۔ لہذا ان کے ساتھ بھلائی کرے۔ اور ان کی تعریف بھی کردیا کرے۔ یہ اسم رحیم کے معنے کے قریب قریب ہے۔ لیکن رحمت کی نسبت مرحوم کی طرف ہوتی ہے۔ اور مرحوم وہ ہوتا ہے، جو محتاج اور لاچار ہو۔ رحیم کے افعال تو مرحوم کو ضعیف چاہتے ہیں۔ ودود کے فعال نہیں چاہتے۔ بلکہ وُدّ (دوستی) کا نتیجہ یہ ہے کہ بلا تحریک۔ آپ سے آپ نعمت بخشی جائے پس جس طرح خدا کی رحمت کے معنے یہ ہیں کہ وہ مرحوم کے لئے بھلائی اور حاجت روائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور رحم کے باعث درد دل کے عارض ہونے سے وہ منزہ ہے۔ اس طرح اس کی مَوَدَّت (دوستی) یہ ہے کہ وہ بخشش نعمت۔ احسان اور انعام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دوستی کے بے اختیاری سیلان سے مبرا ہے۔ اس کی رحمت و مودت جو مرحوم و مودود کے حق میں صادر ہوتی ہے۔ تو رقت یا دوستی کے میلان کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ صرف اس کے ثمرہ اور فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔ پس فائدہ ہی رحمت و مودت کا نچوڑ ہے اور یہ خاص خدا کا حق ہے۔ مرحوم و مودود کا نہیں۔ خدا فائدہ رسانی کا ذمہ وار نہیں ہے۔

تنبیہ۔ اللہ کے بندوں میں سے وَدُوْد وہ ہے جو مخلوق کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ اور اس سے بھی اعلےٰ وہ شخص ہے۔ جو ان کو اپنے پر مقدم سمجھے چنانچہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ کاش میں دوزخ کا پل بن جاتا۔ تاکہ لوگ مجھ پر سے صحیح و سلامت گزر جاتے۔ اس صفت کا کمال یہ ہے کہ غصہ، کینہ اور جو تکلیف پہنچی ہو۔ وہ اس ایثار و احسان کا مانع نہ ہو۔ جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگ میں جب کہ کسی باطن کافر کے پتھر مارنے سے آپ کا اگلا دانت ٹوٹ گیا تھا۔ اور چہرہ مبارک خون آلودہ ہوگیا تھا۔ فرمایا تھا کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی الٰہی میری قوم کو ہدایت دے۔ کیونکہ وہ کچھ جانتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی بدسلوکی آپ کو اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکی۔ جو آپ ان کی فائدہ رسانی کے متعلق رکھتے تھے۔ اور جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر تم چاہو کہ مقربین سے بھی سبقت لے جاؤ

تو بدسلوکی کرنے والے سے نیک سلوک کرو۔ نہ دینے والے کو دے۔ ظلم کرنے والے کو معاف کر۔

(۴۹) اَلْمَجِیْدُ

(شریف۔ بزرگ)

مَجِیْدُ، وہ ہے جس کی ذات شریف۔ جس کے افعال پسندیدہ۔ اور جس کی عطا گراں قدر ہو۔ غرض جس کے شرف ذات کے ساتھ حسن افعال شامل ہو۔ اس کو مجید کہتے ہیں۔ اور ماجد بھی اسی کو کہتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اسم مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور گویا وہ الجلیل اور الوھّاب اور الکریم کے معنوں کا جامع ہے۔ ان دونوں کے متعلق پیچھے ذکر گذر چکا ہے۔

(۵۰) اَلْبَاعِثُ

(مُردوں کو مرے پیچھے اُٹھا کھڑا کرنے والا)

بَاعِثُ، وہ ہے جو قیامت کے دن خلقت کو زندہ کریگا۔ اور اہل قبور کو کھڑا کریگا۔ بعث آخرت میں اُٹھائے جانے کو کہتے ہیں۔ اور اس اسم کو سمجھنا بعث کی حقیقت سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے اکثر لوگ اس کے متعلق مجمل توہمات اور مبہم تخیلات میں مبتلا ہیں۔ بڑا شک ان کو یہ ہے کہ موت تو ایک عدم ہے۔ اور بعث از سر نو ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے۔ اور یہ ایجاد ویسے ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم ہے، غلط ہے۔ اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم محض نہیں ہے بلکہ موتے کی قبر یا تو آگ کا گڑھا ہوتی ہے یا گلستان جنت کا ایک چمن ہوتی ہے۔ اور موتے یا تو خوش قسمت اور نجات یافتہ ہوتے ہیں۔ یا بدنصیب اور زیر عذاب تو جو ہیں بھلا اگر وہ مرنے والا نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو موتے نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس عزت پاتے ہیں۔ خدا نے جو اپنا فضل ان پر کیا ہے اس سے خوش ہیں۔

دوسرا گروہ بھی زندہ ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں کافر مقتولوں کو پکار کر فرمایا تھا۔ "مَدْ قُتِّلُوا جو مجھ سے وعدہ کیا تھا، میں نے اُس کو درست پایا۔ تم سے جو وعدہ خدا نے کیا تھا، کیا تم نے بھی اس کو درست پایا؟"

آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو کیونکر پکار رہے ہیں، جو مر چکے ہیں۔ فرمایا "تم میری بات کو ان کی نسبت کچھ زیادہ سُننے والے نہیں ہو (یہ بھی سُنتے ہیں) مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔"

باطنی مشاہدہ ارباب بصائر کو بتلا رہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک بار اس کا تصرف جسم سے بند ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے کہتے ہیں مر گیا۔ جب وہی تصرف پھر جاری ہو جاتا ہے، تو کہا جاتا ہے زندہ ہو گیا۔ اور اس بھید کی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

اُن لوگوں کا یہ خیال بھی بالکل بے سروپا ہے کہ مردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد ہے، جو پہلی ایجاد جیسی ہے۔ بلکہ مردہ کا زندہ ہونا ایک دوسری پیدائش ہے۔ جو پہلی پیدائش سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ انسان کی صرف دو پیدائشیں نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سی پیدائشیں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَنُنْشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ یعنی ہم تم کو ایسی حالت میں پیدا کریں گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔" اور اسی طرح اللہ تعالےٰ نے انسانی پیدائش میں خون بستہ اور مضغہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ یعنی پھر ہم نے اس کو دوسری پیدائش میں پیدا کیا۔" بلکہ نطفہ خاک کی ایک پیدائش ہے۔ اور جما ہوا خون نطفہ کی ایک پیدائش ہے۔ اور روح کی پیدائش کے شرف و جلالت اور اُس کے ایک امر ربانی ہونے کی وجہ سے اس مقام پر خدا نے فرمایا۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (پھر آخر کار، ہم ہی نے اُس کو (گویا بالکل)، دوسری ہی مخلوق (کی صورت میں)، بنا کھڑا کیا تو (سُبحان اللہ)، خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو سب، بنانیوالوں میں بہتر (بنانے والا) ہے"، اور فرمایا وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یعنی تم سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے"۔ پھر اصل رُوح کو پیدا کرنے کے بعد ادراکات حسیہ کا پیدا کرنا ایک علٰحدہ پیدائش ہے۔ پھر تمیز کا پیدا ہونا، جو ساتویں سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایک پیدائش ہے۔ پھر پندرہ سال کی عمر یا اس سے

کم و بیش کی عمر میں عقل کا پیدا ہونا ایک اور پیدائش ہے۔ یہ ہر پیدائش ایک طور ہے۔ وَ قَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا اللہ تعالےٰ نے تم کو کئی طرز و طور میں بنایا ہے +

پھر کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے اس کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور ہی جداگانہ پیدائش ہے۔ اور وہ ایک طرح کا بعث ہے۔ اللہ تعالےٰ نے باعث الرسل ہے۔ جیسے کہ باعث یوم النشور بھی ہے۔ اور جس طرح شیر خوار بچے کو تمیز حاصل کرنے سے پیشتر اُس کی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے۔ اسی طرح تمیز والے کو عقل حاصل کرنے سے پہلے اس کی حقیقت اور اس کے عجائبات کا جاننا دشوار ہے۔ اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ولایت، پیدائش عقل کے اوپر ایک خاص طور کمال ہے۔ جس طرح عقل، پیدائش تمیز سے اوپر ایک جدا طور کمال ہے۔ اور تمیز پیدائش جو اس سے اوپر ہی ایک علٰحدہ طور کمال ہے +

چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ خود ان کو حاصل نہ ہو جائے۔ وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ حتےٰ کہ ہر شخص کسی امر کو ماننے یا سچ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ تا وقتیکہ اُس کو دیکھ نہ لے اور خود حاصل نہ کرلے۔ اور کبھی چھپی اور غائب بات پر یقین نہیں کرتا۔ اس لئے لوگ طبعًا ولایت و نبوت اور ان کے عجائبات بلکہ ان کی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں۔ اور دوسری پیدائش اور آخرت کی زندگی کو نہیں مانتے۔ کیونکہ انہوں نے اب تک ان امور کو دیکھا اور برتا نہیں ہے۔ اگر صرف تمیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالم عقل اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں، تو وہ اس کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا۔ پس جو شخص غیر حاصل شے پر ایمان لائے، وہ گویا غیب پر ایمان لایا۔ اور یہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے +

جب طور عقل اور اس کے ادراکات اور اُس کی پیدائش سابقہ، ادراکات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ تو آخرت کی پیدائش تو نہایت ہی بعید ہے۔ لہٰذا دوسری پیدائش کو پہلی پیدائش پر قیاس نہ کرنا چاہئے +

یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کے لئے مراتب کمال طے کرنے کے زینے ہیں۔ حتےٰ کہ وہ اس بارگاہ احدیت کا قرب حاصل کرتا ہے۔ جہاں تمام کمالات کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک دو قبول اور حجاب وصول

میں متردد رہتا ہے۔اگر مقبول ہو جائے تو اعلے علیین پر ترقی کر جاتا ہے۔ ورنہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے +

مطلب یہ کہ ان دونوں پیدائشوں میں لفظی مناسبت کے سوا اور کوئی تعلق نہیں ہے۔اور جو شخص نشأۃ (پیدائش) اور بعث کے معنے نہیں جانتا۔ وہ اسم الباعث کے معنے نہیں سمجھ سکتا۔ اور ان کی شرح طویل ہے، جانے دیتے ہیں +

تنبیہ۔ بعث کی حقیقت کا مطلب ہے۔ مردوں کو دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا، اور جہل سب سے بڑی موت ہے۔اور علم سب سے پاکیزہ زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علم و جہل کا ذکر کیا ہے۔اور ان کو حیات و موت سے موسوم کیا ہے +

جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے۔ گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لاتا ہے۔اور ایک پاکیزہ زندگی بخشتا ہے۔ پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھائے۔ تو ان کو گویا ایک طرح سے زندہ کرتا ہے۔اور یہ انبیاءؑ اور اُن کے وارث علماؒ کا کام ہے +

(۵۱) الشَّهِيْدُ

(حاضر)

اس اسم کے معنے علیم کے معنوں سے ملتے ہیں۔اور ساتھ ہی اضافت کی خصوصیت بھی ملحوظ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ "عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" ہے۔ یعنی غیب اور شہادت کو جانتا ہے۔ غیب سے مراد چھپی باتیں ہیں اور شہادت سے مراد ظاہر باتیں۔ پس اگر مطلق علم کا لحاظ کیا جائے۔ تو وہ عَلِیم ہے اور اگر غیب اور چھپی باتوں سے نسبت دی جائے، تو وہ خَبِیر ہے۔ اور اگر امور ظاہرہ سے نسبت دی جائے، تو وہ شَہِید ہے +

کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے کاموں کے متعلق شہادت دیگا۔ جن کو وہ جانتا اور دیکھتا ہے۔ اس اسم کی بحث عَلِیم اور خَبِیر کی بحث کے قریب ہے۔ اس کو ہم دوبارہ لکھنا نہیں چاہتے +

(۵۲) اَلْحَقُّ

(ثابت)

یہ باطل کے مقابلے میں ہے۔ اور تمام اشیاء اپنی اضداد کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہیں +

جس چیز کی نسبت خبر دیجاتی ہے، وہ یا تو مطلقاً باطل ہوگی یا مطلقاً حق ہوگی یا ایک وجہ سے حق اور ایک وجہ سے باطل ہوگی۔ پس بذاتہٖ ممتنع وہی ہے جو مطلقاً باطل ہو۔ اور واجب بذاتہٖ وہی ہے جو مطلقاً حق ہو۔ اور ممکن بذاتہٖ مگر واجب بغیرہٖ وہ ہے جو ایک وجہ سے باطل اور ایک وجہ سے حق ہو۔ پس چونکہ اپنی ذات کی حیثیت سے اس کا وجود نہیں ہے۔ اس لئے وہ باطل ہے اور غیر کی جہت سے وجود کا استفادہ کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس وجہ سے جو وجود کا افادہ کرنے والے سے متصل ہے۔ موجود ہے۔ لہذا وہ اس وجہ سے حق ہے اور اپنے نفس و ذات کی جہت سے باطل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ یعنی اس کی ذات کے سوا باقی ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔" اور وہ اسی طرح ازلاً و ابداً ایک ہی حال پر قائم ہے مختلف حالات قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے سوا ہر شے ازل سے ابد تک من حیث الذات وجود کی مستحق نہیں ہے۔ اور اپنے غیر کی جہت سے مستحق ہے۔ لہذا وہ بذاتہٖ باطل ہے۔ اور بغیرہٖ حق ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ حق مطلق وہ ہے، جو موجود حقیقی بذاتہٖ ہے اور جس سے ہر حق اپنی حقیقت اخذ کرتا ہے +

حق کے ایک اور معنے بھی ہیں، یعنی وہ امر معقول جس کی عقل تصدیق کرے اور وہ موجود ذہنی ہے۔ جس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ وہ حق ہے۔ پس وہ اپنی ذاتی حیثیت سے امر موجود کہلاتا ہے۔ اور جب عقل سے اس کو نسبت دیجائے جس نے اس کی حالت معلوم کی ہے، تو اس کو حق کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی تمام موجودات میں سے حق کہلانے کا زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور معلومات میں سے حق کہلانے کی زیادہ حقدار خدا کی معرفت ہے۔ کیونکہ وہ فی نفسہٖ حق ہے۔ یعنی ازلاً و ابداً معلوم کے مطابق ہے۔ اور اس کی مطابقت لذاتہٖ ہے۔ بغیرہٖ نہیں ہے۔ اس کا علم ایسا نہیں ہے

جیسے اس کے غیر کے وجود کا علم۔ کیونکہ غیر کے وجود کا علم اسی وقت تک رہتا ہے۔ جب تک کہ وہ غیر موجود رہتا ہے۔ جب وہ معلوم ہوگیا۔ تو اس کے وجود کا اعتقاد بھی باطل ہوگیا +

اقوال کو بھی حق کہہ دیتے ہیں، چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں قول حق ہے۔ اور فلاں قول باطل ہے۔ اس لحاظ سے تمام اقوال سے زیادہ حق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔ کیونکہ وہ ازلاً و ابداً لذاتہٖ صادق ہے، نہ کہ لغیرہٖ +

غرض کہ خارجی موجودات کو حق کہیں یا ذہنی موجودات کو جن کو معرفت کہتے ہیں۔ خواہ زبانی موجود کو حق کہیں، جس کو نطق کہتے ہیں۔ بہرحال حق کہلانے کی زیادہ حقدار وہی شے ہے۔ جس کا وجود ازلاً و ابداً لذاتہٖ ثابت ہو۔ اور اس کی معرفت ازلاً و ابداً لذاتہٖ حق ہو۔ اور اس کی شہادت ازلاً و ابداً لذاتہٖ حق ہو۔ اور یہ تمام امور موجود حقیقی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، اور کسی سے نہیں +

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو باطل سمجھے۔ خدا کے سوا اور کسی کو حق نہ جانے۔ بندہ اگرچہ حق ہے، مگر بنفسہٖ حق نہیں ہے، بلکہ خدا کے ساتھ حق ہے۔ کیونکہ وہ اسی کے ساتھ موجود ہے، بذاتہٖ موجود نہیں ہے، بلکہ بذاتہٖ باطل ہے اگر حق تعالےٰ نے اس کو نہ بنایا ہوتا۔ تو اس کو خود بخود بن جانے کا کوئی حق نہ تھا +

اس لحاظ سے ان دو تاویلوں کے سوا جو شخص اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں)، کا دعوےٰ کرتا ہے وہ سخت خطا پر ہے +

پہلی تاویل یہ ہے کہ اَنَا الْحَقُّ سے مراد اَنَا بِالْحَقِّ ہے، یعنی میں حق تعالےٰ کے ساتھ ہوں۔ یہ تاویل بعید ہے۔ اس لئے کہ لفظوں میں اس معنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور اس لئے یہ امر صرف اس قائل سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ حق کے سوا جو شے ہے، وہ بالحق ہے +

دوسری تاویل یہ کہ وہ حق تعالےٰ میں مستغرق ہے۔ حتےٰ کہ اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ اور جو چیز کسی چیز کی کلیت کو حاوی ہو اور اسی میں مستغرق ہو۔ تو کہا جاتا ہے یہ چیز وہ ہے، جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے ع

اَنَا مَنْ اَهْوٰی وَمَنْ اَهْوٰی اَنَا

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ۔۔۔ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری +

اس سے مراد استغراق ہے +

چونکہ اہل تصوف پر من حیث الذات اپنے نفس کی فنا کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی زبان پر باغلب احوال اسمائے باریتعالےٰ میں سے ھُوَالحَقُّ جاری رہتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقی ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ نہ کہ اس ذات کو جو فی نفسہ ہلاک ہونے والی ہے۔ اور اہل کلام چونکہ افعال کے ساتھ دلیل پکڑنے کے عادی ہیں، اس لئے اُن کے مُنہ پر اکثر اسم الباری ہی جاری رہتا ہے جس کے معنے خالق کے ہیں۔ اور اکثر لوگ خدا کے سوا ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ پس اپنے مشاہدات سے اس کے متعلق شہادت قایم کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کے اس قول سے مخاطب ہیں۔ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ[1] وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ (کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی) صدیقین اس کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتے لہٰذا وہ اس کے متعلق اسی سے دلیل قایم کرتے ہیں، اور وہ خدا کے اس قول سے مخاطب ہیں کہ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ[2] (کیا تمہاری تسلی کو یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد (حال) ہے +

(۵۳) اَلْوَکِیْلُ

(کارساز)

وَکِیْلٌ وہ ہے۔ جس کے سپرد امور کئے جائیں۔ لیکن اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جس کے سپرد بعض امور ہوں، اور وہ ناقص ہے۔ دوم جس کے سپرد تمام امور ہوں، اور وہ اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں +

ایک اور طریق سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو بذاتہ موکول الیہ (جس کے سپرد کیا جائے) ہونے کا مستحق نہ ہو۔ بلکہ وہ موکول الیہ بنانے سے بنا ہو۔ اور یہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ امور اس کے سپرد کئے جائیں۔ اور اس کو مختار بنایا جائے +

دوم وہ جو بذاتہ اس بات کا مستحق ہے کہ امور اس کے سپرد ہوں۔ اور دل اس پر اسرار رکھتے ہوں۔ کسی دوسرے کے اختیار دینے اور سپرد کرنے سے نہیں، بلکہ وہ خود بخود

[1] پ۹ اعراف ع۲۳ [2] پ۲۵ حٰم السجدہ ع۶ +

اور بذاتہ وکیل ہو) وہ وکیل مطلق ہے +

ایک اور لحاظ سے وکیل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ وکیل جو سپرد شدہ امور کو بلا کسی قسم کی کمی کے پورا کرے۔ دوئم وہ جو پورا نہ کرے +

وکیل مطلق وہ ہے جس کے سپرد تمام اشیاء ہیں۔ اور وہ تمام کے اہتمام میں لگا ہوا ہے۔ اور سب کو اپنی اپنی جگہ پورا کر رہا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالےٰ ہے اور اس سے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ بندہ کو اس اسم کے معنے میں کس قدر دخل حاصل ہے +

(۵۴) اَلْقَوِیُّ

(توانا)

(۵۵) اَلْمَتِیْنُ

(استوار)

قوت پوری قدرت پر اور متانت سخت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ حاوی اور پوری قدرت والا ہے قویؔ ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ سخت قوت والا ہے مَتِیْنؔ ہے۔ اور یہ بیان قدرت کے معنے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جس کا ذکر آئندہ آئیگا +

(۵۶) اَلْوَلِیُّ

(محب۔ مددگار)

وَلِیٌّ۔ محب و مددگار ہے۔ اس کی محبت و دوستی کے معنے بیان ہو چکے اس کی مددگاری کے معنے ظاہر ہیں کہ وہ دین کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے۔ اور دین کے خیر خواہوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ مومنوں کا محب و مددگار ہے۔" اور فرمایا کَذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ یعنی ایسا اس لئے ہے کہ اللہ مومنوں کا مولےٰ یعنی ناصر و مددگار ہے۔ اور کافروں کا کوئی مولےٰ نہیں ہے۔" اور فرمایا کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ یعنی اللہ نے لکھدیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئینگے +

تنبیہ۔ بندوں میں سے ولیؔ وہ ہے۔ جو اللہ اور اس کے دوستوں سے پیار کرے اور ان کو مدد دے۔ اور اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھے۔ اللہ کے دشمن نفس اور

شیطان ہیں۔ پس جو شخص ان دونوں سے تعلق توڑ دے۔ اور اللہ کے کام میں مدد دے اور اُس کے اولیاء کو دوست رکھے۔ اور اُس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے۔ وہی بندوں میں سے ولی ہے +

(۵۷) اَلْحَمِیْدُ

(مستحق حمد)

حَمِیْد، وہ ہے جو تعریف کے لائق ہو۔ اور جس کی ثنا کی جائے۔ اللہ تعالےٰ ازل سے خود اپنی تعریف کے ساتھ حمید ہے۔ اور ابد تک اپنے بندوں کی تعریف کے ساتھ حمید رہیگا۔ اور یہ معنے جلال و کمال کی صفتوں سے ذکر کرنے والوں کے ذکر کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ حمد اسی کو کہتے ہیں کہ اوصاف کمال کا اس حیثیت سے کہ وہ کمال ہیں ذکر کیا جائے +

تنبیہ۔ بندوں میں سے حمید وہ ہے جس کے عقاید و اخلاق اور اعمال و اقوال سب کے سب بلا شائبہ قابل تعریف ہوں۔ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان سے قریب کے انبیاء، اور ان کے سوا اولیاء علماء ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے عقاید و اخلاق اور اعمال و اقوال کی خوبی کے موافق حمید ہے۔ چونکہ کوئی شخص گو اس کے محامد کتنے ہی بکثرت ہوں۔ مذمت اور نقص سے خالی نہیں ہے۔ لہذا حمید مطلق خاص اللہ تعالےٰ ہے +

(۵۸) اَلْمُحْصِیْ

(ہر چیز کو احاطہ علم میں کرنے والا)

مُحْصِی کے معنے عالم کے ہیں۔ لیکن جب علم کو معلومات کے ساتھ اس لحاظ سے منسوب کیا جائے کہ وہ معلومات کو محیط ہوتا ہے۔ اور ان کو گنتی اور شمار میں لاتا ہے۔ تو اُس کو اِحصا کہا جاتا ہے۔ اور مُحْصِی مُطلق وہ ہے، جس کے علم میں ہر معلوم کی حد اور اس کی تعداد اور مبلغ ظاہر ہو۔ بندہ اگرچہ اپنے علم سے بعض معلومات کا احصار کر سکتا ہے۔ مگر وہ اکثر حصر سے عاجز آجاتا ہے۔ پس اس اسم میں اس کا دخل اسی طرح

کم ہے۔ جس طرح علم کی اصل صفت میں کم ہے +

(۵۹) اَلْمُبْدِئُ
(ابتداءً پیدا کرنے والا)

(۶۰) اَلْمُعِیْدُ
(دوبارہ پیدا کرنے والا)

ان اسموں کا معنے ہے مُوجِد۔ لیکن اگر اس ایجاد سے پہلے ویسی ایجاد نہ گذر چکی ہو تو اس کو ابداء کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے بھی ویسی ایجاد گذر چکی ہو، تو اس کو اعادہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہی نے لوگوں کو ابتداءً پیدا کیا ہے۔ اور وہی ان کو دوبارہ پیدا کریگا۔ اور تمام اشیاء کا اسی سے آغاز ہوا اور اسی تک انجام ہوگا +

(۶۱) اَلْمُحْیِیْ
(مخلوق کو زندہ کرنیوالا)

(۶۲) اَلْمُمِیْتُ
(مارنے والا)

ان دونوں اسموں کا مطلب بھی ایجاد ہے۔ لیکن موجود اگر حیات ہو تو اس کے فعل کو احیاء (زندہ رکھنا) کہتے ہیں۔ اور اگر موت ہو تو اس کے فعل کو اماتۃ (مار ڈالنا) کہتے ہیں۔ اور موت و حیات کا خالق اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ اسی لئے سوائے اس کے اور کوئی مُحْیِیْ اور مُمِیْتُ نہیں ہے۔ اسم اَلْبَاعِثُ کے بیان میں حیات کے معنے کی طرف اشارہ گذر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں +

(۶۳) اَلْحَیُّ
(زندہ)

حَیّ وہ ہے جو فعل کی اعلےٰ طاقت رکھنے والا اور اعلےٰ درجہ کا صاحب ادراک ہو۔ حتےٰ کہ جس میں بالکل فعل و ادراک نہیں ہے وہ میّت (مردہ) ہے۔ اور ادراک کا ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ صاحب ادراک اپنے آپ کو جانتا ہو۔ پس جو شے اپنے آپ کو نہ جانتی ہو۔ وہ جماد اور میّت ہے۔ حیّ کامل و مطلق وہ ہے جس کے ادراک کے تحت میں تمام مدرکات، اور اس کے فعل کے تحت میں تمام موجودات درج ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی قابل ادراک شے اس کے علم سے اور کوئی مفعول اس کے فعل سے خارج نہ ہے۔ اور یہ

ساری باتیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ لہٰذا وہ حیّ مطلق ہے۔ اور اس کے سوا جو شے حیّ ہے بلا اس کی حیات اس کے ادراک اور فعل کے موافق ہے۔ اور ایسی تمام اشیا قلت میں محصور ہیں۔ واضح ہو کہ احیاء (زندہ چیزیں) متفاوت ہیں۔ پس ان کے مراتب ان کے تفاوت کے موافق ہیں۔ جیسے کہ ملائکہ۔ انسان۔ اور چوپاؤں کے مراتب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

(۶۴) اَلْقَیُّوْمُ

(کارخانۂ عالم کا سنبھالنے والا)

واضح ہو کہ تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی محل کی محتاج ہیں جیسے اعراض اور اوصاف۔ پس ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہٖ قایم نہیں ہیں۔

دوم وہ جو کسی محل کی محتاج نہیں ہیں۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہٖ قایم ہیں۔ جیسے جوہر۔ لیکن جوہر گو قایم بنفسہٖ اور اپنے قیام کے محل سے مستغنی ہے۔ تاہم ایسے امور سے مستغنی نہیں ہے، جو اس کے وجود کے لئے لازم ہیں۔ پس وہ قائم بنفسہٖ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے قیام میں گو محل کی محتاج نہیں ہیں۔ مگر کسی اور شے کے وجود کی محتاج ہیں۔ پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جاتا ہے، جس کی ذات بذاتہٖ مکتفی ہے۔ اور اس کا قیام کسی اور شے کے ساتھ نہیں ہے۔ اور نہ اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود اس کے وجود کے دوام کے لئے شرط ہو وہ مطلقاً قایم بنفسہٖ ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی تمام موجودات اس کے ساتھ قایم ہوں۔ یہاں تک کہ تمام اشیا کا وجود اور دوام وجود اسی کے ساتھ ہو۔ تو قیّوم ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا قیام بذاتہٖ ہے۔ اور ہر شے کا قیام اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندہ کا دخل اس وصف میں آتا ہوتا ہے، جتنا وہ غیر اللہ سے مستغنی ہے۔

(۶۵) اَلْوَاجِدُ

(غنی)

وَاجِدُ وہ ہے، جس کے لئے کوئی شے نایاب نہ ہو۔ اور وہ فاقد (تنگدست) کا مقابل ہے۔ اغلب یہ ہے کہ جس کو وہ شے ہاتھ نہ آئی ہو جو اس کے وجود کے لئے ضروری نہیں۔ اس کو فاقد نہیں کہا جاتا۔ اور جس کو وہ شے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو اس کی ذات سے

اور اُس کی ذات کے کمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اُس کو واجد (غنی) نہیں کہتے بلکہ واجد وہ ہے۔ جس کے لئے کوئی بھی ضروری شے نایاب نہ ہو۔ اور جو امر صفات الٰہیہ اور ان کے کمال کے لئے لازمی ہے وہ اللہ تعالٰے کے لئے موجود ہے۔ پس وہ اس لحاظ سے واجد ہے۔ اور واجد مطلق ہے۔ اور اس کے سوا دوسری موجودات اگر صفات کمال اور ان کے اسباب میں سے کسی شے کے لحاظ سے واجد ہیں۔ تو بہت سی اشیاء کے لحاظ سے فاقد ہیں۔ اس لئے وہ صرف اضافی طور پر واجد کہلا سکتی ہیں +

(۶۶) اَلْمَاجِدُ

(بزرگی والا)

یہ اسم مجید کا ہم معنٰے ہے۔ جیسے عالم، علیم کے معنٰے ایک ہیں لیکن فعیل کے صیغے میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اور مجید کے معنے بیان ہو چکے +

(۶۷) اَلْوَاحِدُ

(تنہا۔ یگانہ۔ ایک)

یہ وہ ہے جو نہ تقسیم ہو۔ نہ دو ہو سکے تقسیم نہ ہونے والی چیز کی مثال جیسے جوہر واحد (جزو لایتجزٰے) اور جو تقسیم نہ ہو۔ اس کو واحد کہتے ہیں جس کا مطلب یہ کہ اس کا کوئی جز نہیں۔ اسی طرح نقطہ کا کوئی جز نہیں۔ اور اللہ تعالٰے کے واحد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس کی ذات کا انقسام محال ہے۔ اور جو چیز دو نہ ہو سکے یہ وہ ہے۔ جس کی نظیر نہیں ہے مثلاً سورج۔ کیونکہ وہ اگرچہ جسم کی قبیل سے ہونے کے باعث وہمًا منقسم ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی نظیر نہیں ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اس کی نظیر ہو پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جائے، جو اپنے وجود کی خصوصیت میں اس طرح منفرد ہو کہ کسی اور کا اس میں شریک ہونا متصور ہی نہ ہو سکے، وہ ازلًا و ابدًا واحد مطلق ہے +

بندہ اُس وقت واحد سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے ابنائے جنس میں کسی خاص پسندیدہ خصلت کے اندر کوئی اس کی نظیر نہ ہو۔ اور یہ یکتائی بھی صرف اس کے ابنائے جنس کے لحاظ

سے ہوگی۔ اور نیز خاص زمانہ کے لحاظ سے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے زمانہ میں اس کی نظیر پیدا ہو جائے۔ نیز یہ یکتائی بعض خصائل کی رُو سے ہوگی۔ تمام کی رُو سے نہیں پس پُوری وحدانت (یکتائی) خاص خدا کے لئے ہے ۔

(۶۸) اَلصَّمَدُ

(بے نیاز)

صَمَدُ وہ ہے۔ جس کی طرف حاجات میں رُجوع کیا جاتا ہے۔ اور ضروریات کے لئے جس کی درگاہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ پیشوائی کے مراتب اس پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جس شخص کو دینی و دنیوی مہمات میں اپنے بندوں کا مرجع بنا دیتا ہے اور اس کی زبان اور ہاتھوں سے اپنے بندوں کی حاجتیں پُوری کراتا ہے۔ تو اس کو اس اسم کے معنے سے اُس نے حصہ بخشا ہے۔ لیکن صَمَد مطلق وہ ہے کہ تمام حوائج میں اس کی طرف رجُوع کیا جاتا ہے۔ اور وہ خاص اللہ تعالےٰ ہے ۔

(۶۹) اَلْقَادِرُ　|　(۷۰) اَلْمُقْتَدِرُ

(قدرت والا)　|　(صاحب مقدرت)

اِن دونوں اسموں کے معنے ہیں "صاحب قدرت"۔ لیکن مقتدر میں زیادہ مُبالغہ ہے۔ قُدرت سے مراد وہ معنے ہے، جس سے کوئی چیز ارادہ اور علم کی تقدیر سے اور ان دونوں کے اقتضا کے موافق موجُود کی جاسکے۔ اور قادر وہ ہے، جو اگر چاہے کرے، اگر چاہے نہ کرے۔ اور اُس کے لئے یہ شرط نہیں کہ ضرور کرنا ہی چاہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اسی وقت قیامت برپا کرنے پر قادر ہے۔ اگر وہ چاہے ابھی برپا کرے۔ اگر برپا نہیں کرتا، تو اس لئے کہ وہ برپا کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ پہلے ہی اس کے علم میں اس کی میعاد اور وقت مقدر ہو چکے ہیں۔ پس اس سے قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اور قادر مطلق وہ ہے۔ جو ہر موجود کو از سرِ نو بناتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کی امداد سے مستغنی ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ ہے ۔

بندہ کو بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے لیکن وہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ صرف بعض ممکنات

کو مادی ہوتی ہے۔ اور کسی چیز کو پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ بلکہ بندہ کے مقدور میں جو امور ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ جب کہ اس کے مقدور کے تمام اسباب، وجود مہیا ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام ایک باریک بحث چاہتا ہے، جس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے +

(۷۱) اَلْمُقَدِّمُ | (۷۲) اَلْمُؤَخِّرُ

(اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف بڑھانے والا) (اپنے دشمنوں کو اپنے دربار سے پیچھے ہٹانے والا)

مُقَدِّم و مُؤَخِّر وہ ہے، جو قریب و بعید کرتا ہے جس کو قریب کرتا ہے اس کو مقدم کرتا ہے جس کو دُور ہٹاتا ہے اس کو مؤخر کرتا ہے۔ وہ انبیاء و اولیاء کو قرب بخشنے اور راہ راست پر چلانے کے لئے مُقدّم کرتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو دُور ہٹا کر اور اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال کر مؤخر کر دیتا ہے +

مثلاً جب ایک بادشاہ جب دو شخصوں کو اپنا قرب بخشے۔ لیکن ان میں سے ایک کو اپنی طرف زیادہ قریب کرلے تو کہا جاتا ہے کہ اس کو مقدم کیا، یعنی اُس کو دوسرے شخص کے آگے رکھا +

یہ تقدیم کبھی مکان میں ہوتی ہے، اور کبھی رتبہ میں۔ اور بہر حال پیچھے رہنے والے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اور ایک ایسے مقصد کا ہونا بھی لابدی ہے، جو اصلی غرض و غایت ہو جو مقدم ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے، اور جو متاخر ہوتا ہے اسی کی طرف سے +

مقصد اللہ تعالیٰ ہے، اور اللہ کی طرف اس کے مقرب ہیں۔ چنانچہ اس نے پہلے ملائکہ کو تقدیم بخشی ہے۔ پھر انبیاء کو۔ پھر اولیا کو۔ پھر علماء کو۔ اور ہر متاخر اپنے ماقبل کے لحاظ سے مؤخر ہوتا ہے۔ اور اپنے مابعد کی نسبت سے مقدم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی یہ تقدیم و تاخیر دینے والا ہے۔ کیونکہ اگر آپ ان کے تقدم و تاخر کو ان کے فضائل کی کثرت و قلت اور ان کی صفات کے کمال و نقصان پر موقوف سمجھو۔ تو آخر وہ ذات بھی کوئی ہے۔ جس نے ان کو علم و عبادت کی ترقی کے لئے اُکسایا ہے۔ یا جس نے صراط مستقیم کے برخلاف چلنے پر ان کو آمادہ کیا ہے۔ اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے بس کی ہیں لہٰذا وہ مُقَدِّم اور مُؤَخِّر ہے۔ اور اس میں رتبہ کی تقدیم و تاخیر مُراد ہے۔

اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص علم و عمل میں سبقت کر جائے۔ وہ صرف اسی سے متقدم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا اس کو تقدیم بخشے تو وہ متقدم ہو سکتا ہے یہی حال متاخر کا ہے۔ اور اللہ تعالٰے کے یہ دو قول اس امر کی کافی تصدیق کرتے ہیں :-

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری خیر خواہی نے قدم بڑھایا وہ دوزخ سے دُور رہینگے"۔

(۲) وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اُس کی ہدایت پر چلاتے۔ مگر ان کی نسبت مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ضرور دوزخ کو پُر کر دُنگا۔

تنبیہ صفات افعال سے بندے کا حصّہ ظاہر ہی ہے۔ اس لئے ہم بخوف تطویل ہر اسم کے بیان میں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ بیانات سابقہ سے اس بات کا بخوبی پتہ مل سکتا ہے۔

(۷۳) اَلْاَوَّلُ (سب سے پہلا) | (۷۴) اَلْاٰخِرُ (سب سے پچھلا)

واضح ہو کہ اوّل کسی شے کی نسبت سے اوّل ہوتا ہے۔ اور آخر بھی کسی شے کی نسبت سے آخر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔ پس ایک ہی چیز ایک ہی جہت سے ایک ہی چیز کی نسبت سے اوّل اور آخر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جب تم وجود کی ترتیب پر نظر کرو۔ اور موجودات کے باترتیب سلسلہ کو غور سے دیکھو۔ تو اللہ تعالٰے ان کے لحاظ سے اوّل ہے کیونکہ تمام موجودات نے اس سے وجود حاصل کیا ہے اور وہ خود موجود بذاتہٖ ہے۔ اور اس نے کسی سے وجود حاصل نہیں کیا۔ اور جب ترتیب سلوک پر نظر کی جائے۔ اور خدا کی طرف سیر کرنے والوں کی منزلوں کو دیکھا جائے۔ تو وہ آخر ہے کیونکہ اُس کی درگاہ عارفین کے مدارج ترقی کی سب سے آخری منزل ہے۔ اور اس کی معرفت سے جو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ اس کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور آخری منزل اللہ تعالٰے کی معرفت ہے۔ اس لئے وہ اولیاء کے سیر و سلوک کے لحاظ سے آخر ہے اور موجودات کے وجود کے لحاظ سے اوّل ہے۔ پس اوّل اسی کی طرف سے آغاز ہے

اور اٰخر اشی کی طرف انجام اور انتہا ہے ✦

(۷۵) اَلظَّاھِرُ | (۷۶) اَلْبَاطِنُ

(آشکارا بلحاظ قدرت) | (پوشیدہ بلحاظ فراست)

یہ دونوں وصف بھی اضافی ہیں۔کیونکہ ظاھر ایک شے کے لئے ظاہر اور دوسری شے کے لئے باطن ہوتا ہے۔اور ایک ہی جہت سے ظاھر و باطن نہیں ہوتا۔بلکہ ادراک کی طرف نسبت کرنے سے ایک جہت سے ظاھر اور دوسری جہت سے باطن ہوتا ہے۔وجہ یہ کہ ظاھر و باطن ہونا ادراکات کی طرف نسبت کرنے سے ہوا کرتا ہے۔اور اللہ تعالٰے کو اگر حواس کے ادراک سے طلب کیا جائے۔تو وہ باطن ہے۔اور اگر عقل سے بطریق استدلال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔تو وہ ظاھر ہے ✦

سوال۔ اللہ تعالٰے کا ادراک حواس کی نسبت سے باطن ہونا تو ظاہر ہے لیکن عقل کی جہت سے ظاہر ہونا ذرا باریک بات ہے۔کیونکہ ظاہر تو وہ بات ہوتی ہے جس کے ادراک میں لوگ اختلاف نہ کرتے ہوں۔بخلاف اس کے خدا کی ذات کو معلوم کرنے میں بہت سے لوگ شک میں گرفتار ہیں۔پس اس کو کیونکر ظاھر کہا جا سکتا ہے ✦

جواب۔ اللہ تعالٰے کا مخفی ہونا اس کے شدت کے ظہور کے باعث ہے۔ اس کا ظہور اس کے باطن ہونے کا موجب ہے۔گویا اس کا نور ہی اس کے نور کا حجاب ہے شاید تم اس کلام سے تعجب ظاہر کرو۔لہذا ہم ایک مثال سے تم کو سمجھاتے ہیں۔دیکھو اگر تم کسی حرف پر نظر ڈالو، جو کسی کاتب نے لکھا ہو۔تو اس سے تم کو ایک ایسے کاتب کے وجود کا پتہ ملیگا۔جو عالم۔قادر۔سمیع اور بصیر ہے۔اور اس سے تم کو کاتب کی ان صفات کا یقین کامل ہو جائیگا۔اور جس طرح اس ایک حرف نے کاتب کے اوصاف کی فیصلہ کن شہادت دی ہے۔اسی طرح آسمان و زمین کی جو چیز ستارے۔سورج۔چاند۔حیوان نباتات اور صفت و موصوف وغیرہ ہے۔وہ خود بخود اپنے ایک ایسے مُدبّر کا پتہ دے رہی ہے۔جس نے اس کا اہتمام کیا ہے اور اس کو خاص انداز سے پراور خاص صفات کے ساتھ بنایا ہے۔بلکہ انسان اپنے جس عضو اور جس ظاہر یا باطن جزبلکہ جس اختیاری یا جبری صفت و حالت

کو دیکھتا ہے۔ وہ چلا چلا کر اپنے خالق۔ اپنے مالک۔ مختار اور اپنے مدبر کا پتہ بتا رہی ہے۔ ایسی طرح ہر چیز اس کی شہادت دیتی ہے جس کو انسان اپنی ذات سے خارج دیکھتا ہے۔ اگرچہ ان اشیا کی شہادتوں میں اختلاف ہو۔ بعض شہادت دے رہی ہوں۔ اور بعض نہ دیتی ہوں تاہم سب کو ان شہادتوں سے یقین حاصل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ یہ شہادتیں بکثرت ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ امر شدت ظہور کے باعث مخفی اور باریک بن گیا ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ جو اشیا حواس کے ذریعہ سے محسوس کی جاتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ ظاہر وہ چیزیں ہیں جو آنکھ سے محسوس ہوں۔ اور آنکھ کی محسوسات میں سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر سورج کا نور ہے۔ جو تمام اشیا پر منعکس ہو کر ان کو روشن کر رہا ہے۔ اور جو شے دوسری اشیا کو روشن کر رہی ہے، وہ خود کیوں نہ روشن ہوگی۔ مگر اس کا روشن ہونا بہت سے لوگوں پر مخفی ہے حتٰے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ رنگدار اشیا میں صرف سُرخ و سیاہ رنگ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ رنگ کے ساتھ روشنی اور نور بھی شامل ہے اور یہ لوگ رنگین اشیا کے ساتھ روشنی کا قایم ہونا اس وقت تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان کو سایہ اور اندھیرے میں اور روشنی میں اشیا کی مختلف حالتوں کا فرق دکھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ رات کے وقت جب سُورج چھپ جاتا ہے اور اس کی روشنی رنگین چیزوں سے منقطع ہو جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی کیا صورت ہے، اور دن میں کیا تھی۔ گویا نور کی غیر موجودگی میں نور کے وجود کا پتہ لگتا ہے۔ اور نور کے وجود و عدم میں صاف فرق معلوم ہو جاتا ہے +

فرض کرو کہ ایک شخص سُورج کی روشنی تمام اشیائے عالم پر پڑتی دیکھتا ہے۔ اور سُورج اس کی زندگی کے اندر اندر کبھی غروب نہیں ہوتا۔ حتٰے کہ کبھی اس کو یہ موقع نہیں ملا کہ ان اشیا کو اندھیرے میں دیکھے۔ اور روشنی اور اندھیرے میں فرق سمجھے۔ اس شخص کے لئے محال ہے کہ نور کو کوئی خاص چیز سمجھے۔ جو موجودہ اشیا کی رنگت سے زائد ہے۔ تمام اشیا سے زیادہ ظاہر وہی چیز ہے۔ بلکہ وُہی تمام اشیا کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اگر خدا کا بعض امور کے لئے (معاذ اللہ) معدوم یا غائب ہونا فرض کیا جائے۔ تو آسمان و زمین اور ہر چیز جس سے وہ بے تعلق ہے منہدم ہو جائیگی۔ اور پھر ان دونوں حالتوں کا فرق بخوبی معلوم ہو جائیگا۔ اور اس کا وجود قطعی طور پر معلوم ہو جائیگا۔ لیکن چونکہ تمام اشیا شہادت اور حالات

میں متفق ہیں۔ اور سب ایک ہی نظم و نسق پر اپنی آواز اٹھا رہی ہیں۔ اس لئے وہ عام نظروں سے مخفی ہے۔

قربان جائیے اُس ذات پاک کے جو اپنے نور ہی کے باعث مخلوق کی نظروں سے نہاں اور اپنے شدت ظہور کے سبب سے مخفی ہے وہ ایسا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی شے ظاہر نہیں۔ وہ ایسا باطن ہے جس سے زیادہ کوئی چیز باطن نہیں ہو سکتی۔

تنبیہ۔ اوپر کی باتوں سے تم کو خدا کی صفات کے متعلق تعجب میں مبتلا نہ ہو جانا چاہئے کیونکہ خود انسان جس امر کی بدولت انسان کہلاتا ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اگر اس کو انسان مناسب و مرتب افعال کے ذریعے سے سمجھا جائے، تو وہ ظاہر ہے۔ اور اگر حس کے ادراک کے ذریعے سے طلب کیا جائے، تو وہ باطن ہے۔ کیونکہ حس صرف اس کے ظاہری بشرہ کو محسوس کر سکتی ہے۔ اور انسان صرف ظاہری بشرہ سے انسان نہیں کہلاتا۔ بلکہ اگر یہ بشرہ بلکہ اس کے تمام اجزا بدل جائیں۔ تو بھی وہ وہی انسان رہیگا، جو پہلے تھا۔ اور تعجب نہیں کہ انسان کے بدنی اجزا بچپن میں اور ہوتے ہوں۔ اور پھر بڑھاپے میں اور ہوتے ہوں۔ کیونکہ وہ طول زمان سے گھستے مٹتے جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ نئے اجزا جو غذا کے ذریعے سے پیدا کئے جاتے ہیں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ تاہم انسان کی سابقہ ہویت نہیں بدلتی۔ پس یہ ہویت حواس سے باطن ہے اور عقل کے لئے ظاہر ہے۔ جو اس کو اس کے آثار و افعال سے سمجھ لیتی ہے۔

(۷۷) اَلْبَرُّ

(اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنیوالا)

بَرّ کے معنے محسن، اور برّ مطلق وُہی ہے جس کی طرف سے تمام نیکیاں اور احسانات ظہور میں آتے ہیں۔ اور بندہ اسی قدر برّ ہے جس قدر کہ نیکی کرتا ہے۔ خصوصاً اپنے والدین اُستاذ اور اپنے شیوخ کے ساتھ۔

روایت ہے کہ جب موسےٰ علیہ السلام سے پروردگار نے بات چیت کی تو اُنھوں نے پایۂ عرش کے سامنے ایک شخص کو کھڑے ہوئے پایا۔ موسےٰ علیہ السلام اس شخص کی بلندی منزلت سے متعجب ہوئے۔ اور عرض کیا الٰہی! یہ بندہ کونسے عمل کی

بدولت اس درجہ تک ترقی کر گیا۔ فرمایا یہ شخص میرے کسی بندے کے حق میں میری دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا تھا۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا تھا +

یہ تو بندے کی نیکی کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو احسان بے پایاں کرتا ہے، اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ اگر غور کرو تو ہمارے بعض گذشتہ بیانات میں اس کے متعلق اشارات پاؤ گے +

(۷۸) اَلتَّوَّابُ

(گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا)

تَوَّاب وہ ہے، جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ اُنکی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اور جوان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا۔ اور ڈرا دھمکا کر اپنے راہ پر لاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں۔ تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں۔ اور توبہ کرنے لگتے ہیں۔ اور خدا اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے +

تنبیہ۔ جو حاکم اپنی مجرم رعایا کی درخواست رحم کو منظور کرتا ہے۔ اور جو دوست اپنے خطاکار رفیق کا عذر قبول کرتا ہے، وہ اس اسم سے بہرہ یاب ہے +

(۷۹) اَلْمُنْتَقِمُ

(نافرمانوں سے بدلہ لینے والا)

مُنْتَقِمْ وہ ہے جو سرکشوں کی گردنیں توڑتا اور باغیوں کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اس کی یہ سخت گیری اُس وقت ہوتی ہے۔ جب وہ اتمام حجت کر چکتا ہے اور نافرمانوں کو باز آنے کے لئے مہلت و قدرت دے لیتا ہے۔ ایسا انتقام فوری عذاب کی نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر فی الفور عذاب نازل کیا جائے۔ تو نافرمان پورے طور پر گناہ میں غرق نہ ہوگا اور اس سے وہ انتہائی عذاب کا مستوجب قرار نہ پائیگا +

تنبیہ۔ بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے۔ پس جب وہ کسی گناہ کے قریب جائے

یا کسی عبادت یا کسی کام میں سستی کرے، تو اس کو سزا دینی چاہیئے۔ جیسے کہ ابو زید سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اوراد و وظائف میں سستی کی۔ تو میں نے اُس کو یہ سزا دی کہ سال بھر اُس کو پانی نہ پینے دیا[1] اور پیاسے مارا۔

(۸۰) اَلْعَفُوُّ
(گناہوں کو مٹانے والا)

عَفُوٌّ وہ ہے جو گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور تقصیرات سے درگذر کرتا ہے۔ اور غفور کے قریب قریب ہے لیکن عفوّ میں زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ غفران میں پردہ ڈالنے کے معنے شامل ہیں۔ اور عفو میں مٹا دینے کے معنے داخل ہیں اور مٹا دینا پردہ ڈالنے کی بہ نسبت ابلغ ہے۔

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ مخفی نہیں ہے اور وہ یہ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ اس کو معاف کرے بلکہ اُس کے ساتھ احسان کرے جس طرح اللہ تعالےٰ دُنیا میں سرکشوں اور کافروں کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ اصلاً پر فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا۔ بلکہ کبھی ان کو توبہ پر اکساتا ہے۔ اور جب وہ لوگ توبہ کرتے ہیں۔ تو ان کے گناہ مٹا دیتا ہے کیونکہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں"۔ اور گناہ معاف کرنے کا یہ انتہائی درجہ ہے۔

(۸۱) اَلرَّؤُوْفُ
(بہت شفقت کرنیوالا)

رَؤُف کے معنے صاحب رافت۔ اور رافت حد درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں۔ پس وہ رحیم کا ہم معنے ہے۔ مگر اس میں کسی قدر مبالغہ بھی شامل ہے۔ اور رحیم کا ذکر گذر چکا۔

---

[1] غالباً مطلب یہ ہوگا۔ طعام کے بعد معمولی چند گھونٹ پانی پینے کے علاوہ دوسرے وقتوں میں پانی نہ پیتے تھے۔ اور شدت کی پیاس جھیلتے رہتے تھے ۱۲ مترجم

(۸۲) مَالِكُ الْمُلْكِ

(ملک کا مالک)

مَالِكُ الْمُلْكِ وہ ہے، جو اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے، جسے چاہتا ہے جلاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے مارتا ہے۔

اس اسم میں مُلک کے معنے مملکت کے ہیں۔ اور مالک کے معنے پوری قدرت والا۔ اور تمام موجودات ایک مملکت ہیں، جن کا وہ مالک اور سب پر قادر ہے۔ موجودات سب کی سب ایک مملکت ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ وابستہ ہیں۔ گو ایک جہت سے وہ اشیاء بکثرت ہیں۔ مگر دوسری جہت سے ان میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال بدن انسانی ہے۔ جو انسان کی ایک مملکت ہے اور اس میں بہت سے اعضاء اور اجزاء پائے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب صرف اپنے ایک مُدبّر کی غرض پوری کرنے میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت میں مصروف ہیں۔ لہٰذا ان سب کا مجموعہ گویا ایک مملکت ہے اسی طرح تمام عالم گویا ایک ہی وجود ہے۔ اور عالم کے اجزاء اس کے اعضاء ہیں۔ جو ایک ہی مقصود پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وجود الٰہی کے موافق جس خیر کا حاصل ہونا ممکن ہو وہ حاصل ہو جائے۔ اور وہ ایک ہی مملکت اس لئے ہے کہ اس کے تمام کاروبار ایک ہی نظم و نسق کے سلسلے میں مرتبط رہیں۔ اور صرف اللہ اس مملکت کا مالک ہے۔ اور ہر بندہ کی مملکت اس کا وجود ہے۔ اور چونکہ صفات قلب اور جوارح میں اس کا حکم جاری رہتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی قدرت حاصلہ کے موافق اس اپنی مملکت کا مالک ہے۔

(۸۳) ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

(بزرگی اور عزت والا)

یہ وہ ذات ہے۔ جو تمام جلال و کمال کی واحد سزاوار ہو۔ اور تمام کرامت و مکرمت اسی سے صادر ہو۔ پس وہ جلال کی سزاوار فی ذاتہ ہے۔ اور کرامت اس کی طرف سے خلقت کو پہنچتی ہے۔ خلقت کے حق میں اس کی جو کرامت ہے۔ وہ شمار نہیں کی جا سکتی۔ اس کا یہ ارشاد اس کرامت پر دلالت کرتا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ یعنی اور ہم نے

بنی آدم کو معزز کیا ۔

(۸۴) اَلْوَالِیُ

(تمام امور کا متولی)

یہ وہ ہے : جو تمام خلقت کے ہر قسم کے امور کا مدبر اور متولی ہے ۔ اور ولایت تدبیر اور قدرت اور فعل چاہتی ہے ۔ اور جب تک اس کے لئے یہ تمام اوصاف جمع نہ ہوں ۔ اس پر اسم والی صادق نہیں آسکتا ۔ اور تمام امور کا والی خاص اللہ تعالےٰ ہے ۔ کیونکہ پہلے وہ اکیلا تدبیر کرتا ہے ۔ اور پھر اکیلا ہی اس تدبیر کو جاری کرتا ہے ۔ اس کے بعد خود ہی اس کو جاری رکھتا ہے ۔

(۸۵) اَلْمُتَعَالِیُ

(مخلوقات کی صفات سے منزہ)

یہ اسم عَلِیّ کا ہم معنے ہے ۔ مگر اس میں ساتھ ہی کسی قدر مبالغہ شامل ہے ۔

(۸۶) اَلْمُقْسِطُ

(عادل و منصف)

مُقْسِطُ وہ ہے ۔ جو مظلوم کو ظالم سے داد دلاتا ہے ۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوشنودی کے ساتھ ظالم کی خوشنودی بھی شامل کرے ۔ اور یہ اعلےٰ درجہ کا عدل و انصاف ہے ۔ جس پر خدا کے سوا اور کوئی قادر نہیں ۔ مثال اس کی یہ روایت ہے کہ :-

ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے ۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے ۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ کے قربان ہوں ، آپ کس بات سے ہنسے ۔ فرمایا میری امت میں سے دو آدمی خدا کے سامنے دو زانو بیٹھے ہونگے ۔ ایک کہیگا یا رب ، اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے ۔ اللہ دوسرے کو فرمائیگا ۔ اپنے بھائی کو بدلہ دے ۔ وہ عرض کرے گا ۔ اے رب العزت : میری کوئی بھی نیکی نہ رہی خدا مُدعی کو فرمائیگا اب تو اپنے بھائی کے ساتھ

کیا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی۔ وہ عرض کریگا یارب میرے گناہ اس پر لاد دے +

اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہوگا جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگینگے کہ کوئی ان کے گناہ اُٹھالے +

آپ نے فرمایا، پھر خدا کہیگا یعنی مُدعی سے۔ آنکھ اُٹھا کر دیکھ۔ وہ کہیگا۔ اے پروردگار میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں، جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کس نبی یا کس ولی یا کس شہید کے لئے ہے۔ اللہ فرمائیگا جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کریگا۔ اے پروردگار! اتنی قیمت کس کے پاس ہوگی۔ اللہ فرمائیگا۔ تیرے پاس ہے وہ عرض کریگا۔ اے پروردگار! میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں۔ اللہ فرمائیگا۔ اپنے بھائی کو عفو کرنے کے عوض میں۔ وہ عرض کریگا۔ اے پروردگار! میں نے معاف کیا۔ اللہ کہیگا! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لیجا +

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خدا سے ڈرو! اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کرادیگا۔ انتصاف و انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں +

اس اسم میں سے بندہ کا اعلےٰ حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے انصاف دلائے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے۔ اور اپنے نفس کو کسی ذات سے انصاف نہ دلائے +

(۸۷) اَلجَامِعُ

(تمام مخلوقات کو جمع کرنیوالا)

جَامِع وہ ہے، جو ملتی جلتی چیزوں، جُدا جُدا چیزوں۔ اور ایک دوسرے کی مخالف چیزوں کو باہم ملائے +

ملتی جُلتی چیزوں کو جمع کرنے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بہت سے انسان زمین پر جمع کئے ہیں۔ اور پھر سب کو حشر کے میدان میں جمع کریگا +

جُدا جُدا چیزوں کو جمع کرنے کی مثال جیسے کہ اس نے آسمانوں، ستاروں، ہوا، زمین

دریا۔ حیوانات۔ نباتات اور مختلف معادن کو جمع کیا ہے۔ اور یہ تمام اشیاء شکل میں رنگ میں۔ ذائقہ میں اور دیگر تمام اوصاف میں ایک دوسرے سے متبائن ہیں۔ اس طرح اس نے ہڈی پٹھے۔ رگ عُضلہ۔ مغز۔ جلد۔ خون اور تمام اخلاط کو حیوان کے بدن میں جمع کیا ہے یہ چیزیں بھی سب کی سب باہم متبائن ہیں۔

ایک دوسری کے مخالف اشیا کو باہم ملانے کی مثال جیسے اس نے حرارت۔ برودت۔ رطوبت اور یبوست کو حیوانات کے مزاج میں جمع کیا ہے۔ حالانکہ یہ اشیاء باہم متنافر اور ایک دوسری پر غلبہ کرنے والی ہیں۔ اور جمع کرنے کی صورتوں میں سے یہ اعلےٰ درجہ کی صورت ہے۔ خدا کے جمع کرنے کی تفصیل وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو اسکی پیدا کردہ اشیاء کی تفصیل جانتا ہو۔ اور اس بات کی شرح طویل ہے۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے جامع وہ ہے، جو نشست و برخاست وغیرہ کے ظاہری آداب کے ساتھ قلب کے باطنی حقائق کو جمع کرے۔ پس جس شخص کی معرفت کامل اور سیرت پسندیدہ ہو، وہ جامع ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ کامل وہ ہے جس کا نور معرفت اس کے تقوےٰ کے نور کو بجھا نہ دے۔

صبر اور بصیرت کو جمع کرنا تقریباً محال ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو زہد و تقوےٰ پر صبر حاصل ہے۔ اس میں باطنی روشنی نہیں ہے۔ اور جس میں باطنی روشنی ہے، اُس میں صبر نہیں۔ جامع وہ ہے جو اپنے آپ میں صبر اور بصیرت دونوں جمع کرلے۔

(۸۸) اَلْغَنِیُّ (بے پروا)

(۸۹) اَلْمُغْنِیْ (لوگوں کو بے پروا کرنے والا)

یہ وہ ہے، جس کو اپنی ذات و صفات میں کسی غیر سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اغیار کے ساتھ علاقہ رکھنے سے وہ پاک ہے۔ پس جس شے کی ذات یا صفات کسی ایسے امر سے متعلق ہوں جو اس کی ذات سے خارج ہو اس شے کا وجود یا کمال اس خارجی امر پر موقوف ہے۔ پس وہ محتاج اور فقیر ہے جس کو طلب و کسب کی ضرورت ہے۔ ایسی بے تعلقی اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی مُغنی بھی ہے۔ یعنی غنی بھی کر دیتا ہے۔ مگر جس کو وہ غنی بنا تا ہے۔ اس کا مطلق غنی بن جانا متصور نہیں

ہو سکتا۔ کم از کم وہ مُغنِی کا تو محتاج ہوا۔ پس غنی مطلق کہاں رہا۔ بلکہ غیر اللہ سے بھی مستغنی ہوتا ہے تو اس لحاظ سے کہ اس کی تمام ضروریات خدا مہیا کر دیتا ہے۔ نہ بایں معنے کہ اُس کو کوئی حاجت ہی نہیں رہتی۔ اور غنی حقیقی تو وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی حاجت قطعاً نہیں ہوتی۔ اور جو شے محتاج ہے۔ اور اپنی حاجت کی چیزیں حاصل کر رہی ہے وہ مجازاً غنی ہے۔ غیر اللہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو صورت تسلیم کیجا سکتی ہے۔ وہ صرف یہی ہے۔ تاہم جب اس کو خدا کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں رہتی، تو اُس کو غنی کہا جاتا ہے۔ اگر یہ ہو سکتا کہ اصل حاجت بھی اس کے ساتھ لگی نہ رہے۔ تو خدا کا یہ فرمان (معاذ اللہ) صحیح نہ ہوتا کہ اَللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ یعنی اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر یہ تصور کرنا صحیح نہ ہوتا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا باقی تمام اشیاء سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ تو خدا کے لئے مُغنِی کا وصف (معاذ اللہ) درست نہ ہوتا +

(۹۰) اَلْمَانِعُ

(اپنے دوستوں کو تکلیف سے روکنے والا)

مانع وہ ہے، جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان و ابدان سے، نقصان و ہلاکت کے اسباب دُور کرتا ہے۔ اور حفیظ کے معنے بیان ہو چکے۔ حفظ کے لئے منع اور دفع ضروری ہے۔ پس جو شخص حفیظ کے معنے سمجھتا ہے وہ مانع کے معنے بھی سمجھ سکتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ منع سبب مُہلک کی طرف نسبت کرنے سے مستفاد ہے۔ اور حفظ اُس چیز کی طرف نسبت کرنے سے جو ہلاک سے محفوظ ہے۔ اور وہ منع سے مقصوُد ہے +

خلاصہ یہ کہ چونکہ منع کا فعل حفظ کے لئے کیا جاتا ہے اور حفظ کا فعل منع کے لئے نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا ہر حافظ دافع و مانع ہے۔ لیکن ہر مانع کا حافظ ہونا ضروری نہیں۔ مگر اس وقت جب کہ وہ تمام اسباب ہلاک و نقص کا مانع مطلق ہو جس سے حفظ کا حاصل ہونا لازمی ہو جاتا ہے +

(۹۱) اَلضَّارُّ
(قدرو شر کا خالق)

(۹۲) اَلنَّافِعُ
(نفع و خیر کا پیدا کرنیوالا)

یہ وہ ہے جس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام اللہ کی طرف منسوب ہیں۔ یا تو وہ ان امور کا اجرا ملائکہ۔ انسان اور جمادات کے ذریعے سے کرتا ہے۔ یا بلاواسطہ خود کرتا ہے۔ پس یہ نہ سمجھنا کہ زہر خود بخود مار ڈالتا ہے۔ اور طعام خود بخود سیر کردیتا ہے۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ فرشتے۔ انسان شیطان یا کوئی اور مخلوق۔ مثلاً فلک۔ ستارہ یا دوسری چیز خود بخود نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ بلکہ یہ تمام اشیاء اسباب مسخر ہیں جو صرف وہی کام کرسکتے ہیں۔ جن پر وہ مامور ہیں۔ اور یہ تمام امور قدرت ازلیہ کے تعلق سے ہیں۔ جیسے عام لوگوں کے اعتقاد میں قلم کاتب کے ساتھ تعلق رکھنے کی حیثیت سے ہے۔ مثلاً سلطان جب کسی انعام یا سزا کے حکمنامہ پر دستخط کرتا ہے۔ تو اس کا ضرر یا نفع قلم کی طرف سے نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اُن لوگوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے جن کے قبضے میں قلم ہے۔ اسی طرح تمام وسائط و اسباب کا حال ہے۔ ہم نے عام لوگوں کے خیال میں اس لئے کہا کہ جاہل آدمی ہی قلم کو کاتب کا مسخر سمجھتا ہے۔ اور عارف جانتا ہے کہ قلم خدا کا مسخر ہے۔ جس کی تسخیر میں خود کاتب بھی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالےٰ نے کاتب کو پیدا کیا۔ اور اُس کو لکھنے کی قدرت دی۔ اور ساتھ ہی اس کے دل میں لکھنے کی ایسی پکی خواہش بھی ڈال دی جس میں کوئی تردد نہیں۔ تو خواہ مخواہ اس کی انگلیوں اور قلم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ اس کے خلاف ہرگز نہیں کرسکتا۔ پس در اصل کاتب خدا ہے۔ جو انسان کے قلم اور اس کے ہاتھ کے ذریعے لکھتا ہے۔ جب تم انسان کے متعلق یہ بات سمجھ چکے۔ تو جمادات کے متعلق خود بخود سمجھ سکتے ہو *

(۹۳) اَلنُّورُ
(روشن کرنے والا)

یہ وہ ذات ظاہر ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہے۔ کیونکہ جو چیز فی نفسہ ظاہر ہو۔ اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرنے والی ہو۔ اس کا نام نور ہے۔ اور جب وجود کا مقابلہ

عدم سے کیا جائے۔ تو یقیناً وجود ہی میں پورا ظہور پایا جائیگا۔ اور عدم سے بڑھ کر کوئی اندھیرا نہیں ہوسکتا۔ پس جو عدم کی تاریکی سے بلکہ عدم کے امکان سے بھی بری ہے اور تمام اشیا کو عدم کی تاریکی سے نکالکر وجود کی روشنی میں لاتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ نور کہلانیکا مستحق ہے +

وجود ایک نور ہے، جو اس کی ذات کے نور سے تمام اشیار کو حاصل ہے پس وہ آسمان و زمین کا نور ہے۔ اور جیسے زمین کا ذرہ ذرہ سورج کے وجود پر دال ہے اسی طرح آسمان و زمین کی موجودات میں سے ذرہ ذرہ اپنے وجود کے جواز سے اپنے موجد کے وجود کے وجوب پر دلالت کرتا ہے +

چنانچہ ہم اسم ظاہر کے بیان میں جو لکھ چکے ہیں۔ اس سے نور کے معنے بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور اس کے معنوں کے بیان میں جو فضول موشگافیاں کی گئی ہیں۔ پھر اُن کی ضرورت نہ رہیگی +

(۹۴) اَلْھَادِیْ

(ہدایت کرنے والا)

ھَادِیْ وہ ہے، جو اپنے خاص خاص بندوں کو اپنی ذات کی شناخت کا راستہ بتاتا ہے۔ حتےٰ کہ وہ اُس کی ذات سے اشیاء پر دلیل قایم کرتے ہیں۔ اور عام بندوں کو مخلوقات کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ حتےٰ کہ وہ مخلوقات سے اس کی ذات پر دلیل ٹھیراتے ہیں۔ اور ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پوری کرنے کی سمجھ دیتا ہے چنانچہ بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان کو منہ میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے۔ اور چوزے کو اُس کے انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ شہد کی مکھی کو ایسے شش پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ اردگرد کچھ خالی جگہ نہ رہے، تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے۔ یہ تفصیل بڑی لمبی ہے۔ خدا کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے اَلَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی یعنی وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اُس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو راہ دکھائی" اور

لہ چنانچہ خدا فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اللہ آسمان و زمین کا نور ہے ۱۲ منہ مترجم

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی یعنی اور جس نے ہر چیز کا اندازہ کیا پھر ہدایت کی +

بندوں میں ھَادِی انبیاء اور علماء ہیں۔ جو مخلوقات کو سعادت اخرویہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور صراط مستقیم پر چلاتے ہیں۔ بلکہ خود اللہ تعالےٰ ان کی زبانی ہدایت کرتا ہے۔ اور وہ اس کی قدرت وتدبیر کی تحت میں کام کرتے ہیں +

(۹۵) اَلْبَدِیْعُ

(موجد)

بَدِیْع وہ ہے جس کی کوئی مثال نہ گذری ہو۔ پس اگر ذات صفات اور افعال میں اور اُس کے متعلقہ ہر امر میں اُس کی کوئی مثل نہ گذری ہو۔ تو وہ بَدِیْع مُطلق ہے اور اگر کوئی اس قسم کی شے گذر چکی ہو۔ تو وہ بدیع مُطلق نہیں رہیگا۔ یہ اسم مُطلقاً۔ خدا سے خاص ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ قَبْل (پہلے) کا معنے کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا۔ پس کوئی اُس جیسی شے اس سے پہلے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد جو چیز موجود ہوئی ہے۔ وہ اس کی ایجاد سے بنی ہے۔ اور وہ اپنے موجد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ پس وہ ازلاً و ابداً بَدِیْع ہے +

بندوں میں سے جو شخص نبوت۔ یا ولایت یا علم میں ایسی فوقیت حاصل کرے کہ اُس کی نظیر سابق میں نہ گذری ہو۔ یا اُس کے زمانہ میں کوئی اس کی نظیر موجود نہ ہو۔ تو اپنے مخصوص اوصاف میں خاص زمانہ کے اندر بَدِیْع ہے +

(۹۶) اَلْبَاقِیْ

(باقی رہنے والا)

یہ وہ موجود ہے۔ جو لذاتہٖ واجب الوجود ہے لیکن جب اُس کو ذہن میں زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو وہ باقی کہلائیگا۔ اور جب زمانہ ماضی سے نسبت دیجائے۔ تو اس کو قَدِیْم کہا جائیگا +

بَاقِیْ مطلق وہ ہے جس کے وجود کی تقدیر زمانہ مستقبل میں کسی آخری حد تک منتہی نہ ہو۔ جس کے لئے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ابدی ہے۔ اور قَدِیْم مُطلق وہ ہے۔

جس کے زمانہ میں وجود کی درازی کا ماضی میں کوئی آغاز نہیں۔ اور اس کے لئے یہ لفظ مقرر کیا گیا کہ وہ ازلی ہے +

جب تم تسلیم کرتے ہو کہ وہ لذاتہٖ واجب الوجود ہے۔ تو یہ تمام معنے اس میں آ جاتے ہیں۔ یہ اسماء جو مقرر کئے گئے ہیں۔ تو ذہن میں اس وجود کو ماضی و مستقبل کی طرف منسوب کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ماضی و مستقبل کے مفہوم میں متغیرات کا معنے شامل ہے اس لئے کہ وہ دونوں زمانے ہیں۔ اور زمانہ میں حرکت و تغیر ہی داخل ہیں۔ کیونکہ حرکت بذاتہا ماضی اور مستقبل کا مجموعہ ہے۔ اور متغیر تغیر کے واسطے سے زمانہ میں داخل ہوتا ہے۔ پس جو ذات تغیر اور حرکت سے بالاتر ہے۔ وہ زمانہ میں سے نہیں ہے۔ اور نہ اس میں ماضی و استقبال ہے۔ یہ امور تو ہمارے ہی لئے ہیں، جن پر زمانہ گذرتا ہے۔ اَب کچھ اور حالت ہے۔ پھر کچھ اَور ہوگی۔ اس کے بعد کچھ اور ہو جائیگی۔ یہاں تک کہ جو حالت گذر چکی ہے وہ ماضی۔ جو موجود ہے وہ حال۔ اور جو آنے والی ہے مستقبل کہلاتی ہے۔ اور جہاں نہ آغاز ہے نہ انجام وہاں زمانہ ہی نہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ہی نے تو زمانہ کو پیدا کیا ہے۔ پس وہ زمانہ سے پیشتر ہے۔ اور زمانہ سے بعد جُوں کا تُوں رہیگا +

کسی کا یہ خیال بالکل دور از عقل ہے کہ بقا کی صفت باقی کی ذات سے زائد ہو اور اس سے بھی زیادہ بعید خیال یہ ہے کہ قدامت کی صفت قدیم کی ذات سے زائد ہو ان خیالوں کی بیہودگی اس سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر بقاء کی بقاء اور صفات کی بقاء اور قدامت کی قدامت اور صفات کی قدامت کا خبط لازم آتا ہے +

(۹۷) اَلْوَارِثُ

(فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا)

وَارِث وہ ہے، جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ ہے۔ جو خلقت کے فنا ہو جانے کے بعد باقی ہے۔ اور آخر ہر شے کا مرجع وہی ہے۔ اُس وقت وہ یوں فرمائیگا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر خود ہی یوں جواب دیگا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (اللہ واحد و قہار کی بادشاہی ہے) یہ سوال نہ ااُن اکثر لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے کی جائیگی۔ جو خود

بادشاہ اور صاحب ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں۔ اس وقت اصل معاملہ ان پر آئینہ ہو جائے گا۔ لیکن جو لوگ صاحب بصیرت ہیں۔ وہ ہمیشہ سے خود بخود اس ندا کا معنیٰ سمجھے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہی ندا بلا حرف و آواز ہر وقت سُن رہے ہیں۔ اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لمحہ میں اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ اسی لئے وہ ازلی و ابدی ہے۔ اس بات کو کچھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو توحید فی الفعل کی حقیقت جانتا ہے۔ اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کی قلمرو میں فاعل واحد، وہی واحد و یکتا ہے۔

اس بات کو ہم نے احیاء العلوم کے باب توکل کے آغاز میں بیان کیا ہے۔ شوق ہو تو اس میں مطالعہ کرو۔ کیونکہ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

(۹۸) اَلرَّشِیْدُ

(صاحب رشد)

یہ وہ ذات پاک ہے جس کی تدبیریں ٹھیک ٹھیک اپنے مقاصد پر فائز ہوں۔ بلا اس کے کہ کوئی معاون اُن کی اعانت کرے۔ یا کوئی راہنما اُن کو راہ پر قایم رکھے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر بندے کو جتنی جتنی دینی و دنیوی تدبیرات کی ہدایت بخشی ہے۔ اتنی ہی تدبیرات کی ٹھیک راہ پر چلنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔

(۹۹) اَلصَّبُوْرُ

(بڑا صبر کرنے والا)

یہ وہ ہے۔ جس کو کوئی تیزی اور تندی کسی کام کو جلد اور قبل از وقت کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ تمام امور کو خاص انداز سے پر قایم کر کے محدود راہ پر چلاتا ہے۔ اور ان کو نہ کسی سُست کار بندے کی طرح مقررہ وقت سے پیچھے ڈالتا ہے۔ اور کسی جلد باز کی طرح قبل از وقت کرنے لگتا ہے۔ بلکہ وہ ہر کام کو اس کے مقرر وقت پر، مُناسب طریقے سے کرتا ہے۔ یہ تمام امور بلا کسی مخالف کی مخالفت کے انجام پاتے ہیں۔

بخلاف اس کے بندے کا صبر مخالف کے مقابلے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے

صبر کے معنے ہی یہ ہیں کہ عقل و دین کی خواہش۔ شہوت و غضب کی خواہش کے مقابلے میں ثابت قدم رہے۔ جب دو مخالف خواہشیں باہم کھینچا تانی کرتی ہیں۔ اور جلد بازی کی خواہش دھیمی ہو کر تاخیر اختیار کرتی ہے۔ تو اس خواہش والا صَبُوْر کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس نے جلدبازی کی خواہش کو پست کر لیا ہے۔

اللہ تعالےٰ میں جلدبازی کا کوئی باعث ہی نہیں ہے۔ پس جب وہ شخص جس میں عجلت کا باعث موجود ہے (گو وہ کمزور ہی ہو گیا ہے) صبور کہلاتا ہے۔ تو وہ ذات اس سے بھی زیادہ اس اسم کی حقدار ہے جس میں اس قسم کا کوئی بھی باعث موجود نہیں ہے۔

خاتمہ

فصل اوّل

واضح ہو کہ مذکورہ اسماء صفات میں سے ہر اسم کے بعد تنبیہات لکھنے کا خیال مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان دو قولوں کی بنا پر سوجھا:۔

(۱) تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی خدا کے اخلاق کی پیروی کرو"

(۲) اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی کَذَا وَکَذَا خُلُقًا مَنْ تَخَلَّقَ بِوَاحِدٍ مِنْہَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ یعنی اللہ تعالےٰ کے فلاں فلاں اخلاق ہیں، جو شخص ان میں سے ایک خلق بھی پیدا کرلے، وہ جنت میں جائیگا"

صوفیہ کے کلام کا ماحصل وہی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اس کا سیاق وسباق کچھ اس قسم کا ہے جس سے حلول[1] و اتحاد کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ مگر عقلمند آدمی ایسا گمان بھی نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ وہ حضرات جو مکاشفات کے فضائل سے ممتاز ہیں۔

میں نے شیخ ابو علی فارمدی سے سُنا ہے جو اپنے شیخ ابوالقاسم کرکانی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نود ونہ نام بندہ سالک کے اوصاف بن سکتے ہیں"

اگر اس سے کوئی ایسی صورت مراد ہے، جو ہماری مذکورہ تنبیہات سے مناسبت رکھتی ہو، تو صحیح ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی صورت خیال میں نہیں آسکتی۔ اور پھر کہا جائیگا کہ مذکورہ الفاظ میں ایک قسم کا توسع اور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسمائے حسنےٰ کے معانی باریتعالےٰ کی صفات ہیں۔ اور اس کی صفات کسی غیر کی صفت نہیں بن سکتیں۔

[1] صوفیہ میں سے جو حضرات وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ ان پر بعض علمائے شریعت کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ خالق اور مخلوق کو وجود میں متحد مانتے ہیں۔ یا خالق کا مخلوق میں حلول تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں خیال ملحدانہ ہیں۔ صوفیہ اپنے خیال کی توضیح میں کہتے ہیں کہ اتحاد وحلول کا قول بیشک ملحدانہ ہے۔ مگر ہم اس خیال سے بری ہیں۔ ہمارے قول وحدت الوجود کا یہ مطلب ہرگز نہیں ۱۲ عرشی

اس کے یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ غیر خدا ایسی صفات سے موصوف ہو سکتا ہے، جو خدا کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے اُستاد کا علم حاصل کیا ہے حالانکہ اُستاد کا علم شاگرد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک اور علم اُس کے علم کی مثل حاصل ہوتا ہے +

اگر کسی کا یہ گمان ہو کہ اس سے مراد مذکورہ صورت نہیں ہے، تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کہ قائل کے اس قول میں کہ اسمائے باریتعالےٰ کے معانی غیر اللہ کے اوصاف بن سکتے ہیں۔ یا تو ان اوصاف سے عین خدا کے اوصاف مراد ہیں یا ان کی مثل۔ اگر مثل مراد ہیں۔ تو ضرور یا تو مطلقاً اور من کل الوجوہ ان کی مثل مراد ہونگے یا ان کی مثل من حیث الاسم ہونگے اور عموم صفات میں مشارکت ہوگی۔ نہ کہ خواص معانی میں۔ پس یہ دو قسمیں ہوئیں۔ اور اگر عین صفات باریتعالےٰ مُراد ہیں۔ تو ضرور یا تو یہ صفات باریتعالےٰ کی صفات میں سے بندے کی طرف منتقل ہو کر آئی ہونگی یا نہیں۔ اگر منتقل ہو کر نہیں آئیں تو پھر ضرور یا تو بندے اور باریتعالےٰ کی ذات متحد ہو گئی ہوگی۔ لہٰذا جو صفت اِس کی ہے وہی اُس کی ہے۔ یا ان میں حلول ہوگا۔ پس یہ پانچ احتمال ہوئے یعنی:۔

(۱) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل مطلق ہونا +

(۲) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل من حیث الاسم ہونا +

(۳) خدا کی صفات کا بندے میں منتقل ہو جانا +

(۴) خدا کی ذات اور بندے کی ذات کا متحد ہو جانا +

(۵) حلول +

ان پانچوں صورتوں میں سے صرف دوسری صورت صحیح ہے کہ بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل من حیث الاسم ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات میں سے بندے کے لئے وہ امور ثابت ہوتے ہیں۔ جو ان صفات کے مناسب ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ صرف نام کی شرکت رکھتے ہیں۔ پوری پوری مماثلت نہیں رکھتے جیسے کہ ہم تنبیہات میں بیان کرتے آئے ہیں +

پہلی صورت یعنی بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل مطلق ہیں، محال ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک یہ صفت بھی لازم ہے کہ بندے کا علم تمام معلومات پر محیط ہو ..

یہاں تک کہ آسمان وزمین میں کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے خارج نہ رہے۔ اور یہ کہ اس کو ایک ایسی قدرت حاصل ہو، جو تمام مخلوقات پر شامل ہو۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعے سے آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق کہلاتا ہو۔ یہ باتیں غیر اللہ کے لئے بھلا کیونکر ثابت ہوسکتی ہیں۔ اور بندہ کیونکر زمین وآسمان اور ان کی درمیان کی چیزوں کا خالق ہوسکتا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان اشیاء میں سے ہے۔ تو اپنے آپ کا خالق وہ کیونکر ہوسکتا ہے اگر یہ صفات دو بندوں کے لئے ثابت ہوں، جو ایک دوسرے کے خالق ہوں۔ تو گویا ہر ایک اپنے خالق کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور یہ سب واہیات اور محال باتیں ہیں +

تیسری صورت یعنی عین صفات ربُوبیّت منتقل ہو کر بندہ میں آجاتی ہیں۔ یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ اوّل تو صفات کا اپنے موصُوف سے جدا ہونا محال ہے۔ اور یہ محال ذات قدیمہ سے خاص نہیں۔ بلکہ اشیائے حادثہ میں بھی ایسا ہونا محال ہے۔ چنانچہ یہ امر ممکن نہیں کہ زید کا علم بعینہٖ عمرو میں منتقل ہوجائے۔ بلکہ صفات کا قیام صرف موصُوف کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسرے اگر یہ صفات منتقل ہوتی ہوں، تو لازم ہے کہ جس میں سے منتقل ہوں وہ ان سے خالی رہ جائے۔ پس ذات باریتعالےٰ ربُوبیّت اور صفات ربوبیّت سے خالی رہ جائیگی۔ اور یہ بھی صاف طور پر محال ہے +

چوتھی صورت یعنی اتحاد بھی بالکل محال ہے۔ کیونکہ قائل کا یہ قول کہ بندہ رب بنگیا، فی نفسہٖ متناقض ہے۔ بلکہ اس قسم کے محال احتمالوں کو خدا کے حق میں کرنا تو خلاف ادب ہے۔ ہم ایک عام قول پیش کرتے ہیں۔ کہ قائل کا یہ قول کہ ر [illegible] فلاں شے بنگئی مطلقاً محال ہے۔ کیونکہ مثلاً جب زید کو علٰحدہ اور عمرو کو علٰحدہ عقل تسلیم کرتی ہے۔ پھر جب کہا جائے کہ زید، عمرو بن گیا اور اس کے ساتھ متحد ہوگیا۔ تو پھر یا تو دونوں موجود ہونگے یا دونوں معدوم ہونگے۔ یا زید موجُود اور عمرو معدوم ہوگا یا عمرو موجود اور زید معدوم ہوگا۔ اور یہ چاروں صورتیں غیر ممکن ہیں۔ کیونکہ اگر دونوں موجُود ہونگے۔ تو ایک دوسرے کا عین نہ ہوئے ہونگے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کا عین موجُود ہے۔ اور مقصُود صرف یہ ہے کہ دونوں کا مکان متحد ہوجائے۔ مگر یہ بھی صفات کے اتحاد کا موجب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ علم۔ ارادہ۔ قدرت وغیرہ مختلف اوصاف ایک ذات میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ان کا محل بھی متبائن نہیں ہوتا۔ تاہم قدرت علم نہیں بن جاتی۔ اور نہ علم ارادہ ہوجاتا ہے

اگر دونوں معدوم ہونگے، تو دونوں متحد کہاں ہونگے۔ بلکہ دونوں کا وجود ہی نہ رہا۔ ایک معدوم اور دوسرا موجود ہو تو بھی اتحاد نہیں۔ کیونکہ موجود معدوم کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتا +

خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا مطلقاً متحد ہونا محال ہے۔ اور یہ حکم نہ صرف ان اشیا میں جاری ہے، جو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ بلکہ اُن اشیاء میں بھی جو ایک دوسری کی مثل ہیں۔ چنانچہ اس سیاہی کا وہ سیاہی بنجانا، ویسے ہی محال ہے۔ جیسے اس سیاہی کا وہ سفیدی بنجانا یا وہ علم بنجانا محال ہے +

بتنے اور مربے کے درمیان جو تبائن ہے۔ وہ سیاہی اور علم کے تبائن سے زیادہ ہے۔ پس سرے سے اتحاد ہی باطل ہے۔ اور اتحاد جو عموماً مشہور ہے۔ اور کہدیا کرتے ہیں کہ یہ چیز وہ بنگئی۔ یہ محض بطور توسع اور مجاز کے کہا کرتے ہیں۔ جو صوفیوں اور شاعروں کی عادت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی بات کو دلچسپ بنانے اور خوبصورتی کے ساتھ سمجھانے کے لئے استعارہ کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ع

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدی

اور یہ قول جو شاعر کے خیال میں قابل تاویل ہے۔ کیونکہ اس کا یہ دعوٰے ہرگز نہیں کہ عاشق مطلقاً معشوق بنگیا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ عاشق کی حالت معشوق کی سی اور معشوق کی حالت عاشق کی سی ہے۔ کیونکہ وہ معشوق کی خاطر اسی طرح مصروف فکروغم ہے جس طرح اپنی جان کی خاطر ہوتا ہے۔ اور معشوق اس کو ویسے ہی محبوب ہے۔ پس اس حالت کو مجازاً اتحاد قرار دیدیا +

انہیں معنوں پر ابویزید کا یہ قول حمل کیا جاسکتا ہے کہ "میں اپنی ہستی سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے نکلجاتا ہے۔ اب جو دیکھتا ہوں۔ تو میں وہ (یعنی حق) ہوں"۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور ارادوں سے قطع تعلق کرلیتا ہے۔ تو اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کا خیال نہیں رہتا۔ اور اس کے دل میں اللہ کا جلال و جمال اس قدر سماجاتا ہے کہ وہ اسی میں مستغرق ہوجاتا ہے۔ بعینہ وہی نہیں بنتا۔ اور اس سے مشابہ ہونے اور بالکل وہی بنجانے میں بڑا فرق ہے۔ لیکن بعض اوقات کہدیا کرتے ہیں کہ فلاں شے بالکل فلاں شے ہے۔ لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شے فلاں شے جیسی ہے۔ جیسے کہ شاعر کبھی تو کہتا ہے۔ "تو من شدی من تو شدم" اور کبھی کہتا ہے ع

تو مثلِ من شدی و من مثلِ تو شدم

اس مقام پر عقاید کا قدم مستحکم رہنا مشکل ہے۔ کیونکہ جس شخص کو معقولات میں پوری مہارت نہیں ہے۔ وہ ان دونوں صورتوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ اپنے کمال ذات پر نظر کرتا ہے۔ جس میں حقانیت کے جوہر چمکتے ہوتے ہیں۔ تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں حق ہوں۔ اور اَنَا الحَقّ کی صدا بلند کرنے لگتا ہے۔ یہ شخص درحقیقت نصاریٰ کی سی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جو یہی خیال حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کو خدا سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس شخص کی سی غلطی کر رہا ہے جو آئینہ میں کوئی رنگ دار صورت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ صورت اور رنگ آئینہ کا ہے۔ حالانکہ خود آئینہ کی نہ صورت ہے اور نہ رنگ ہے۔ بلکہ اس کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں رنگین صورتیں اس طرح منقش ہوتی ہیں کہ ظاہری امور کی طرف دیکھنے والے کو خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت آئینہ کی ہے۔ حتےٰ کہ بچہ جب انسان کی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے۔ تو اس کو شک ہوتا ہے کہ آئینہ میں انسان موجود ہے۔ اسی طرح قلب فی نفسہٖ صورت اور ہیئت سے خالی ہے۔ اور اس کی ہیأت صرف یہ ہے کہ وہ ہیأت اور صورت کے معنوں اور حقائق کو قبول کرتا ہے۔ پس جو چیز اس میں حلول کرتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ متحد ہو جانے والی چیز کے مثل ہوتی ہے، تحقیقاً متحد نہیں ہوتی اور جو شخص بوتل میں شراب دیکھے۔ اور وہ بوتل و شراب کی جُدا جُدا حقیقتوں کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی تو کہیگا بوتل کوئی چیز نہیں جو کچھ ہے شراب ہے۔ اور کبھی کہیگا شراب کوئی شئے نہیں جو کچھ ہے بوتل ہے۔ چنانچہ اس خیال کو ایک شاعر نے یوں باندھا ہے ؎

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَاقَتِ الْخَمْرُ	کانچ کا پیالہ صاف ہے اور شراب شفاف
فَتَشَابَهَا فَتَشَاكَلَ الْاَمْرُ	دونوں یکساں نظر آتے ہیں کچھ (فرق) معلوم نہیں
فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَّلَا قَدَحٌ	ہوتا۔ گویا (پیالہ اور شراب مجموعہ) شراب ہی
وَكَاَنَّمَا قَدَحٌ وَّلَا خَمْرٌ	ہے۔ اور پیالہ نہیں۔ اور گویا (یہ مجموعہ) پیالہ

ہی ہے۔ اور شراب نہیں +

جو شخص اَنَا الحق کا دعوےٰ دار ہے۔ یا تو اس کا وہی مطلب ہے۔ جو "تو من شدی من تو شدم" کا ہے۔ یا اس بارہ میں اس غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے جس میں نصاریٰ گرفتار ہیں کہ لاہوت اور ناسوت باہم متحد ہیں +

ابو یزید کا قول سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی اگر ان سے ثابت ہے۔ تو یا ہوں

نے اللہ کی طرف سے بطور حکایت کہا ہوگا چنانچہ اگر ان کو یہ کہتے سُنا جاتا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (نہیں کوئی معبود میرے سوا پس میری عبادت کر) تو لامحالہ کہا جاتا کہ وہ اِن کلمات کو جو قرآن مجید میں سے ہیں بطور حکایت ادا کرتے ہیں۔ اور یا اُنہوں نے صفت قدس میں سے اپنے حصّے کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ اس لئے اپنے نفس کی تقدس کی خبر دینے کے لئے سُبحانی کہدیا۔ اور عام خلق کے مقابلہ میں اپنی شان کی عظمت کا اندازہ کرکے مَآ اَعْظَمَ شَاْنِیْ کہدیا۔ اور ساتھ ہی وہ جانتے ہونگے کہ میرا تقدس اور عظمت مخلوق کے مقابلے میں ہے ورنہ اس تقدس اور عظمت کو خدا کے تقدس اور عظمت سے کوئی نسبت نہیں۔ اور یہ الفاظ بھی سُکر اور غلبہ کے حال میں ان کی زبان پر جاری ہوئے ہونگے۔ کیونکہ ہوشیاری اور اعتدال حال میں ایسے توہم خیز اور مشتبہ الفاظ سے اپنی زبان کو بچانا لازم ہے۔ سُکر کی حالت میں یہ خیال نہیں رہتا ✦

اِن دونوں تاویلوں کی حد سے گذر کر تم اتحاد ورد دل میں لاؤ گے، وہ قطعی محال ہے۔ بزرگان دین کے منصب عالی سے وعدہ ... اگر کہیں امرِ محال کے قائل نہ ہوجاؤ۔ بلکہ چاہیئے کہ لوگوں کو خدا کے ذریعہ سے شناخت کرو۔ نہ کہ خدا کو لوگوں کی نظیر دینے سے ✦

پانچویں صورت یعنی حلول بھی محال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کہا جائے کہ رب نے بندہ میں حلول کیا ہے یا بندہ نے رب میں حلول کیا ہے۔ تعالی اللّٰہ رب الارباب عن قول الظالمین ✦

بفرض محال اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے بندہ اور رب کا اتحاد لازم نہیں آتا۔ اور نہ بندہ کا رب کی صفات سے متصف ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ حال (حلول کنندہ) کی صفات محل (جائے حلول) کی صفت نہیں بن سکتیں۔ بلکہ حال کی صفات جُوں کی تُوں رہتی ہیں ✦

حلول کا محال ہونا: اس وقت سمجھ میں آئیگا جب کہ حلول کے معنے روشن کر دیئے جائیں کیونکہ معانی مفردہ جب تک بطریق تصور ذہن میں حاضر نہ ہوں۔ ان کی نفی واثبات کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ پس جو شخص حلول کے معنے نہیں سمجھتا۔ وہ اس بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ حلول ثابت ہے۔ یا محال ہے ✦

واضح ہو کہ حلول سے دو نسبتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو وہ نسبت جو جسم اور اس کے

مکان میں ہوتی ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے۔ یہ نسبت ہمیشہ دو جسموں کے مابین ہوتی ہے تو جو ذات جسمیت سے بری ہے۔ اُس کے حق میں اس قسم کی نسبت محال ہے +

دوسری وہ نسبت جو عرض اور جوہر کے مابین ہوتی ہے۔ کیونکہ عرض کا مقام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جوہر میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور یہ امر اُس ذات کے حق میں محال ہے جو بنفسہٖ قایم ہے +

اس بحث میں خدا کا ذکر تو سُوءِ ادب ہے۔ خدا کے سوا جو چیز قایم بالذات ہو اُسے کسی دوسری چیز قایم بالذات میں حلول کرنا محال ہے۔ پس دو بندوں میں بھی حلول کا پایا جانا محال ہے۔ تو بندہ اور رب کے مابین حلول کیونکر پایا جا سکتا ہے +

جب حلول، انتقال، اتحاد، اور اتصاف بامثال صفات اللہ محال قرار پایا۔ تو اہل تصوف کے مذکورہ قول کا وہی مطلب ہوگا جو ہم تنبیہات میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ مطلقاً یہ کہنا کہ اسمائے باریتعالیٰ کے معانی، بندہ کے اوصاف ہو سکتے ہیں جائز نہیں۔ ہاں کسی ایسی تقیید اور شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے۔ جو توہم اور اشتباہ سے خالی ہو۔ ورنہ یہ مطلق الفاظ توہم پیدا کرتے ہیں +

سوال اس قول کا کیا مطلب ہے کہ بندہ ان تمام اوصاف سے متصف ہونے کے باعث سالک ہے واصل نہیں۔ سلوک اور وصول کے کیا معنے ہیں؟

جواب واضح ہو کہ سلوک سے مراد اخلاق۔ اعمال اور علوم کی درستی ہے۔ اور یہ ظاہری اور باطنی حالت کی اصلاح و آراستگی ہے۔ بندہ جب اس حالت میں مشغول ہوتا ہے۔ تو گویا خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مگر وہ اس لئے اپنے باطن کا تصفیہ کر رہا ہے کہ وصول کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اور وصول یہ ہے کہ نورِ حق اُس کے سامنے جلوہ گر ہو۔ اور وہ اس نور میں مستغرق ہو جائے۔ اور اپنی پہچان کو دیکھے۔ تو اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کو نہ پہچانے۔ اور اگر اپنے قصد کو دیکھے تو اللہ کے سوا اور کوئی اس کا مقصود نہ ہو۔ پس وہ بالکل خدا ہی کے مشاہدہ اور قصد میں مشغول ہو جائے۔ اور اس بارہ میں اپنے آپ پر نظر نہ کرے۔ تاکہ اس کا ظاہر عبادت کے ساتھ اور باطن تہذیب اخلاق کے ساتھ آباد و آراستہ ہو جائے۔ اس تمام کیفیت کا نام طہارت ہے۔ اور یہ آغاز ہے۔ سرانجام اس کا یہ ہے کہ وہ بالکلیہ اپنے نفس سے تعلق قطع کر لے۔ اور خالص خدا کا ہو جائے۔ اس وقت

وہ گویا وہی بن جائیگا۔ یہ وصُول ہے۔

سوال۔ صوفیہ کے کلمات سے ایسے مشاہدات کا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ جو ان کو طریق ولایت میں میّسر ہوتے ہیں۔ اور عقل ولایت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے۔ وہ محض عقلی بحث ہے؟

جواب واضح ہو کہ طریق ولایت میں کسی ایسے امر کا واقع ہونا جائز نہیں جو عقل کے نزدیک محال ہو۔ ہاں ایسی بات کا ظہور پذیر ہونا جائز ہے جس سے عقل قاصر ہو۔ مثلاً ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہوجانا جائز ہے کہ کل کو فلاں شخص مرجائیگا۔ اور کوئی دوسرا شخص عقل کے ذریعہ سے یہ بات معلوم نہیں کرسکتا۔ بلکہ عقل ایسی بات کے معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ اور یہ معلوم ہوجانا جائز نہیں کہ اللہ کل اپنا ایک شریک پیدا کریگا۔ کیونکہ عقل اس کو محال قرار دیتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

اس سے زیادہ بعید یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنی مثل بنالیگا۔ پھر اس سے زیادہ دور از امکان یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنا آپ بنالیگا۔ یعنی میں وہی بنجاؤنگا۔ کیونکہ اس کا معنے یہ ہے کہ میں حادث ہوں اور اللہ مجھ کو قدیم بنادیگا۔ میں آسمان و زمین کا خالق نہیں ہوں، اللہ مجھ کو ان اشیا کا خالق بنالیگا۔ اور یہ قول مشہور ہے کہ نظرت فاذا انا هو یعنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خدا ہوں۔

اگر اس کی تاویل نہ کی جائے۔ اور ظاہری معنوں پر اس کو حمل کیا جائے۔ تو اس کا یہی مطلب ہوگا۔ اور جو شخص اس قسم کی محال بات کی تصدیق کرے، اس کو عقل کا ادنٰے اسی ادنٰے حصہ بھی نہیں ملا۔ اور وہ معلوم اور غیر معلوم میں تمیز نہیں کرسکتا۔ تعجب نہیں کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہوجانا جائز ہے کہ شریعت باطل ہے۔ اور اگر وہ حق ہے، تو خدا اس کو باطل کردیگا۔ اور اس نے انبیاء کی تمام باتوں کو جھوٹی بنادیا۔

جو شخص یہ کہے کہ سچ کا جھوٹ بنجانا محال ہے۔ وہ صرف عقل کے بھروسہ پر ایسا کہتا ہے کیونکہ سچ کا جھوٹ بنجانا حادث کے قدیم بنجانے، اور بندہ کے رب بنجانے، سے زیادہ بعید نہیں ہے اور جو شخص ایسی بات میں جو عقلاً محال ہو اور ایسی بات میں جس سے عقل قاصر ہو فرق نہیں سمجھتا وہ مخاطب ہونے کے بھی قابل نہیں ہے۔ وہ جانے اور اس کا جہل جانے۔

فصل دوم

مقاصد اور غایات میں

اس فصل میں بیان کیا جائیگا کہ اہل سُنت کے مذہب پر یہ اسمار کثیرہ ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں۔ غالباً تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ یہ اسمار بکثرت ہیں۔ جن میں ترادف نہیں ہے۔ اور ہر اسم کے معنے دوسرے اسم کے معنے میں شامل ہیں۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام اسمار سات صفتوں میں منقسم ہوجاتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ صفات گو سات ہیں۔ مگر افعال اور اضافتیں اور سلب بہت ہیں، جو حصر سے زائد ہیں پھر ان تینوں قسموں میں سے دو دو قسموں کی ترکیب ہوسکتی ہے۔ یعنی صفت اور اضافت کی صفت اور سلب کی سلب اور اضافت کی۔ اور ہر ایک مجموعہ کے مقابلہ میں اسم وضع ہوسکتا ہے۔ اور اس طرح بہت سے نام پیدا ہوسکتے ہیں۔ جن میں سے بعض ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض ذات مع سلب پر۔ بعض ذات مع اضافت پر بعض ذات مع سلب و اضافت پر۔ بعض سات صفتوں میں سے ایک صفت پر۔ بعض صفت اور سلب پر بعض صفت اور اضافت پر۔ بعض صفت اور فعل پر۔ بعض صفت فعل اور اضافت پر بعض سلب یہ دس قسمیں ہوئیں:۔

(۱) جو اسم ذات پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ ہے۔ اور اس کے قریب قریب اسم الحق ہے۔ جب کہ اس سے ذات واجب الوجود ہونے کی حیثیت سے مراد ہو۔

(۲) جو اسمائے ذات مع سلب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال اَلْقُدُّوْسُ اور اَلسَّلَامُ اور اَلْغَنِیُّ اور اَلْاَحَدُ وغیرہ ہیں چنانچہ القدوس وہ ہے۔ جو تمام خیالات اور توہمات کی نسبت سے پاک اور مسلوب عنہ ہے۔ السلام وہ ہے جس سے عیوب مسلوب ہیں۔ الغنی وہ ہے جس سے حاجت مسلوب ہے۔ الاحد وہ ہے جس سے نظیر اور تقسیم مسلوب ہے۔

(۳) جو اسماء ذات مع اضافت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال اَلْعَلِیُّ

اور اَلْعَظِیْمُ اور اَلْاَوَّلُ اور اَلْاٰخِرُ اور اَلظَّاھِرُ اور اَلْبَاطِنُ وغیرہ ہیں عَلِی وہ ذات ہے، جو تمام ذاتوں سے رتبہ میں برتر ہے۔ اس کو اضافت کہتے ہیں عظیم خدا کی ذات پر اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ ادراکات کی حدود سے متجاوز ہے اوّل وہ ہے جو موجودات سے سابق ہے۔ آخر وہ ہے جس کی طرف موجودات کا انجام ہے۔ ظاہر خدا کی ذات دلالت عقل کی نسبت سے ہے۔ باطن خدا کی ذات حس و وہم کے ادراک کی نسبت سے ہے۔ وقس علیٰ ہذا غیرہ +

(۴) جو اسمائے ذات مع سلب و اضافت کے معنے رکھتے ہیں۔ ان کی مثال اَلْمَلِكُ اور اَلْعَزِیْزُ ہے۔ کیونکہ ملک اس ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور اُس کی محتاج ہر چیز ہو۔ اور عزیز وہ ہے جس کی نظیر نہ ہو۔ اور اس کا حاصل کرنا۔ اور اس تک پہنچنا۔ دشوار ہو +

(۵) جو اسمار کسی صفت کے معنے میں ہیں ان کی مثال اَلْعَلِیْمُ اور اَلْقَادِرُ اور اَلْحَیُّ اور اَلسَّمِیْعُ اور اَلْبَصِیْرُ ہے +

(۶) جن اسمار کا مطلب علم مع اضافت ہو۔ ان کی مثال اَلْخَبِیْرُ اور اَلْحَکِیْمُ اور اَلشَّھِیْدُ اور اَلْمُحْصِیْ ہے۔ خبیر کی دلالت علم پر باطنی امور کے لحاظ سے ہے اور شہید کی دلالت علم پر مشاہدات کے لحاظ سے ہے۔ اور حکیم کی دلالت اشرف المعلومات کے لحاظ سے ہے۔ محصی کی دلالت اس حیثیت سے ہے کہ وہ معلومات محصورہ و معدودہ پر محیط ہے +

(۷) جو اسمار، قدرت مع اضافت کا مفہوم رکھتے ہیں اُن کی مثال اَلْقَھَّارُ اور اَلْقَوِیُّ اور اَلْمُقْتَدِرُ اور اَلْمَتِیْنُ ہیں کیونکہ قوت کمال قدرت ہے۔ اور متانت شدت قدرت ہے۔ اور قہر تاثیر قدرت ہے +

(۸) جن اسمار کا مفہوم ارادہ مع اضافت یا مع فعل ہے۔ ان کی مثال اَلرَّحْمٰنُ اور اَلرَّحِیْمُ اور اَلرَّؤُفُ اور اَلْوَدُوْدُ ہے۔ کیونکہ رحمت کا مفہوم وہ ارادہ ہے جو کسی محتاج ضعیف کی حاجت روائی سے مضاف ہو۔ رأفت سے مراد شدت رحمت ہے۔ اور یہ لفظ رحمت کا مفہوم مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ وُدّ کے معنے وہ ارادہ جو احسان و انعام سے مضاف ہو۔ رحیم کا فعل محتاج کا مستدعی ہے۔ ودود کا فعل اس کا

مُستدعی نہیں۔ بلکہ وہ انعام بطریق ابتداً کا مستدعی ہے۔ اور یہ اس مادہ کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جو احسان اور ضعیف کی قضائے حاجت سے مضاف ہے۔ اور اس کی وجہ تم اوپر پڑھ آئے ہو +

(۹) جو اسماء صفاتِ فعل کا مفہوم رکھتے ہیں۔ ان کی مثال اَلْخَالِقُ اور اَلْبَارِئُ اور اَلْمُصَوِّرُ اور اَلْوَهَّابُ اور اَلرَّزَّاقُ اور اَلْفَتَّاحُ اور اَلْقَابِضُ اور اَلْبَاسِطُ اور اَلْخَافِضُ اور اَلرَّافِعُ اور اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ اور اَلْعَدْلُ اور اَلْمُقِيْتُ اور اَلْمُجِيْبُ اور اَلْوَاسِعُ اور اَلْبَاعِثُ اور اَلْمُبْدِئُ اور اَلْمُعِيْدُ اور اَلْمُحْيِيْ اور اَلْمُمِيْتُ اور اَلْمُقَدِّمُ اور اَلْمُؤَخِّرُ اور اَلْوَالِيْ اور اَلْبَرُّ اور اَلتَّوَّابُ اور اَلْمُنْتَقِمُ اور اَلْمُقْسِطُ اور اَلْجَامِعُ اور اَلْمَانِعُ اور اَلْمُغْنِيْ اور اَلْهَادِيْ وغیرہ

(۱۰) جو اسمائے فعل پر کسی زیادتی کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال اَلْمَجِيْدُ اور اَلْكَرِيْمُ ہے۔ کیونکہ مجید وسعت اکرام پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ شرف ذات بھی شامل ہو۔ یہی معنے کریم کے ہیں۔ اور لطیف فعل کی نرمی پر دال ہے +

پس یہ اور ان کے سوا باقی تمام اسماء جس قدر ہیں وہ ان دس قسموں سے خارج نہیں ہیں مذکورہ اسماء پر غیر مذکورہ اسماء کو بھی قیاس کر لو۔ کیونکہ اس سے اسماء کا غیر مترادف ہونا۔ اور صفات محصورہ و مشہورہ میں منقسم ہونا، بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے +

فصل سوم

فلاسفہ معتزلین کے مذہب پر ان تمام صفات کے ایک ذات کی طرف رجوع کرنے کا بیان

اگرچہ یہ فصل اس کتاب کے لائق نہیں ہے۔ لیکن بحکم التماس مجھے اس کو درج کتاب کرنا پڑا۔ جو صاحب اس کو کتاب میں نہ رکھنا چاہیں، ان کو اس کے نکال ڈالنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ غیر ضروری ہے +

واضح ہو کہ فلاسفہ معتزلین اگرچہ صفات کے منکر ہیں۔ اور ذات واحد کے سوا اور

کسی شے کا اثبات نہیں کرتے۔ تاہم وہ افعال۔ کثرت سلب اور کثرت اضافات کا انکار نہیں کرتے۔ چنانچہ ہم جو ان اسما کو ان اقسام میں ضبط کرتے ہیں۔ تو وہ بھی اس میں معاون ہیں +
ہفت صفات یعنی حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر اور کلام ان کے نزدیک سب کی سب علم میں جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر علم ذات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سمع سے ان کے نزدیک خدا کا وہ علم تام مراد ہے جو آوازوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بصر سے وہ علم جو رنگوں سے اور تمام اشیا دیدنی سے متعلق ہے۔ اور کلام معتزلہ کے نزدیک اس کے فعل کی طرف راجع ہے۔ اور یہ وہ کلام ہے۔ جو وہ جمادات میں سے کسی جسم کے اندر پیدا کر دیتا ہے۔ اور فلاسفہ کے نزدیک اسماع (سنانا) کی طرف راجع ہے۔ جس کو وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں پیدا کر دیتا ہے۔ حتٰی کہ وہ ایک معجز کلام لوگوں کو سناتا ہے۔ اور وہ کلام خدا سے منسوب ہوتا ہے جس کا مطلب یہ کہ وہ کلام اس نبی کو نسانی فعل اور انسانی آواز کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔ حیات سے مراد اس کا علم بذاتہ ہے۔ کیونکہ جس چیز کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہو۔ اس کو حی کہا جاتا ہے۔ اور جس کو اپنی ذات کا شعور نہ ہو۔ اس کو حی نہیں کہتے +

باقی ہے ارادہ اور قدرت۔ ارادہ کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ خیر کی وجہ اور اس کے نظام کا علم رکھتا ہے پس اپنے علم کے موافق ایجاد کرتا ہے۔ اور اس کو کسی چیز کا علم ہونا اس چیز کے وجود کا سبب ہوتا ہے۔ اور جب اس کو کسی چیز میں وجہ معلوم ہوتی ہے۔ تو اس کو حاصل کرتا ہے۔ اور اس میں اسے کسی قسم کی کراہیت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس پر راضی ہوتا ہے۔ اور اسی کو کبھی ارادہ کرنے والا بھی کہا کرتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے ارادہ کا مفہوم علم ہے جس کے ساتھ عدم کراہیت شامل ہو +

قدرت کے یہ معنے ہیں کہ وہ جب چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کی مشیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وجہ خیر کا علم ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ جس کے وجود میں خیر جانتا ہے۔ اس کو موجود کرتا ہے اور جس چیز کے موجود نہ ہونے میں خیر جانتا ہے اس کو موجود نہیں کرتا۔ اور نظام خیر کا وجود صرف اس بات کا محتاج ہے کہ خدا کو اس کا علم ہو۔ اور غیر موجود چیز اپنی غیر موجودگی میں صرف اس امر کی محتاج ہے کہ اس میں کسی خیر کے پائے جانے کا علم نہ ہو۔ پس نظام معقول نظام موجود کا

سبب ہے۔ اور نظام موجود نظام معقول کے تابع ہے۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا علم معلوم کے تحقق میں قدرت کا محتاج ہے کیونکہ ہمارا فعل ضرور کسی مؤثر آلہ کے ذریعہ سے ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ مؤثر آلہ صحیح و سالم اور پوری طاقت والا ہو۔ مگر خدا کسی آلہ کے ذریعہ سے فعل نہیں کرتا۔ بلکہ ہر کا علم ہی معلوم کے وجود کے لئے مکتفی ہے۔ پس قدرت بھی علم کی طرف راجع ہے۔

اس سے آگے فلاسفہ معتزلین کا عقیدہ ہے کہ علم بھی اس کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کو بذاتہ جانتا ہے۔ پس وہ خود ہی علم بھی ہے۔ عالم بھی۔ اور معلوم بھی۔ اور غیر کو بھی اپنی ہی ذات سے جانتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے۔ جو کُل موجودات کی مبدء ہے۔ لہٰذا وہ تمام موجودات کو علے سبیل التبعیت اپنی ذات ہی سے جانتا ہے۔ پس یہ امر اس کی ذات میں کثرت پائے جانے کا موجب نہیں ہے۔ ان لوگوں کا زعم ہے کہ ذات واحد کے علم کی نسبت کثرت معلومات کے ساتھ ویسی ہی ہے۔ جیسے کہ محاسب کے علم کی نسبت ہے۔ جب کہ اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ ۲ × ۲ کتنے ہوتے اور ۲ × ۲ × ۲ کتنے۔ اور ۲ × ۲ × ۲ × ۲ کتنے۔ اسی طرح مثلاً دس درجہ تک سوال کیا جائے۔ تو قبل اس کے کہ وہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے عمل خوب کا سلسلہ پھیلائے اُس کو یقین ہے کہ مَیں اس کے جواب کا علم رکھتا ہوں۔ اور یقین ہی اس کے عمل کی پہلی کڑی ہے۔ یہ یقین گویا سب سے پہلا ایک حسابی خط ہے جس کو حساب کی تمام تفاصیل بلکہ ان کے غیر متناہی سلسلے کے ساتھ بلا تفصیل خاص نسبت ہے۔ اور جس طرح ۲ × ۲ کا سلسلہ بتدریج کثرت کی طرف چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک موجودات میں بھی ترتیب ہے۔ اور ان کے ابتدا میں کثرت نہیں ہے۔ پھر بتدریج کثرت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اس دعوے کی شرح اور اس کی تردید بڑا طول چاہتی ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ گویا مقصد کتاب سے خارج ہے۔ اگر اس کا شوق ہی ہے۔ تو ہم نے کتاب تہافۃ الفلاسفہ" میں جو کچھ لکھا ہے اس سے تم کو بڑی مدد ملیگی۔

تیسرا فن لواحق اور تتمہ جات میں

پہلی فصل

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانویں نہیں ہیں

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک صرف ننانویں کی تعداد میں محصور نہیں ہیں بلکہ ان کے سوا بھی اسما آئے ہیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ان میں سے بعض اسما کی بجائے ایسے اسما روی ہیں جو ان کے قریب قریب ہیں۔ اور ایسے اسما بھی ہیں جو ان سے قریب المعنے نہیں۔

پہلے اسما کی مثال اَلْاَحَدُ بجائے اَلْوَاحِدُ کے۔ اور اَلْقَاهِرُ بجائے اَلْقَهَّارُ کے۔ اور اَلشَّاكِرُ بجائے اَلشَّكُوْرُ کے۔

دوسرے اسما جو قریب المعنے نہیں ہیں۔ ان کی مثال اَلْهَادِیْ اور اَلْكَافِیْ اور اَلدَّائِمُ اور اَلْبَصِيْرُ اور اَلْمُنَوِّرُ اور اَلْمُبِيْنُ اور اَلْجَمِيْلُ اور اَلصَّادِقُ اور اَلْمُحِيْطُ اَلْقَرِيْبُ اور اَلْقَدِيْمُ اور اَلْوِتْرُ اور اَلْفَاطِرُ اور اَلْعَلَّامُ اور اَلْمَلِيْكُ اور اَلْاَكْرَمُ اور اَلْمُدَبِّرُ اور اَلرَّفِيْعُ اور ذُوالطَّوْلِ اور ذُوالْمَعَارِجِ اور ذُوالْفَضْلِ اور اَلْخَلَّاقُ۔

قرآن مجید میں بھی ایسے اسما آئے ہیں جو روایات میں متفق علیہ نہیں ہیں جیسے اَلْمَوْلیٰ اور اَلنَّصِيْرُ اور اَلْغَالِبُ اور اَلْقَرِيْبُ اور اَلرَّبُّ اور اَلنَّاصِرُ اور باضافت اسما بھی آئے ہیں۔ جیسے شَدِيْدُ الْعِقَابِ اور قَابِلُ التَّوْبِ اور غَافِرُ الذَّنْبِ اور مُوْلِجُ اللَّيْلِ فِی النَّهَارِ وَمُوْلِجُ النَّهَارِ فِی اللَّيْلِ اور مُخْرِجُ الْحَیِّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَیِّ۔

حدیث شریف میں ایک اسم اَلسَّیِّدُ بھی آیا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا یا سیّد، تو آپ نے فرمایا سیّد، اللہ تعالیٰ ہے غالباً آپ کا مقصود یہ ہوگا کہ رُو برُو مدح کرنے سے منع فرمائیں۔ ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں بنی آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں" +

احادیث میں اسم اَلدَّیَّانُ بھی وارد ہوا ہے۔ اسی طرح اَلْحَنَّانُ اور اَلْمَنَّانُ بھی آئے ہیں۔ اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں +

اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے۔ تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ سے منسوب ہیں۔ جیسے یَکْشِفُ السُّوْٓءَ وہ مصیبت دور کرتا ہے وَیَقْذِفُ بِالْحَقِّ اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے وَیَفْصِلُ بَیْنَهُمْ اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وَقَضَیْنَا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کر دیا +

پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ اَلْکَاشِفُ اور اَلْقَاذِفُ بِالْحَقِّ اور اَلْفَاصِلُ اور اَلْقَاضِیْ ہیں۔ ایسے اسماء کا حصر و شمار نہیں۔ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا بیان آگے آئیگا +

الغرض یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسمائے باریتعالےٰ صرف یہی ننانویں نہیں ہیں۔ جن کی ہم نے شرح لکھی ہے۔ بلکہ ہم نے شرح اسمائے باریتعالےٰ کے متعلق عام عادت کو ملحوظ رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے۔ کیونکہ ایک مشہور روایت میں اسی قدر تعداد مروی ہے۔ یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابو هریرہؓ سے مروی ہیں صحیحین[1] میں نہیں ہیں +

صحیح حدیثوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف یہ قول آیا ہے کہ "اللہ کے ننانویں نام ہیں۔ جو شخص ان سب کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا۔ رہا ان اسماء کا بیان اور تفصیل سو یہ ان میں مذکور نہیں +

فقہاء اور علماء کا جن اسماء پر اتفاق واقع ہوا ہے۔ ان میں اَلْمُرِیْدُ اور اَلْمُتَکَلِّمُ اور اَلْمَوْجُوْدُ اور اَلشَّیْئُ اور اَلذَّاتُ اور اَلْاَزَلِیُّ اور اَلْاَبَدِیُّ بھی شامل ہیں۔ ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے +

---

[1] صحیحین سے مراد حدیث کی وہ سب سے زیادہ معتبر اور صحیح کتابیں ہیں جن کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کہتے ہیں ۱۲ مترجم

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ "یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ ہاں یوں کہو کہ ماہِ رمضان آیا"۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے جو شخص کسی رنج یا غم میں مبتلا ہو۔ اور وہ پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ اَسْئَلُكَ بِکُلِّ اِسْمٍ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذَھَابَ ھَمِّیْ ۔

یعنی الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے تیرا حکم مجھ پر جاری ہے تیرا قضا مجھ پر عادلانہ ہے۔ میں تجھ سے اس ہر اسم کے ساتھ جس کو تو نے اپنا نام مقرر کیا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے، اس کو پسند کیا ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور میرے غم کی جلا میری فکر کا دور کرنے والا کردے ۔

تو اللہ اس کا غم و رنج دُور کردیگا۔ اور بجائے اس کے خوشی اور فراغ بالی عطا کریگا ۔

استاثرت به فی علم الغیب عندك کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اسمائے باری صرف وہی نہیں جو مشہور روایات میں آئے ہیں ۔

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ پھر ننانویں کی تعداد میں اسمائے باری تعالیٰ کو محصور کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس نکتہ کا بیان کرنا ضروری بھی ہے۔ چنانچہ آئندہ فصل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

دوسری فصل

اسمائے باری تعالٰے میں سے ننانویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور و فکر کی باتیں درج ہیں جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان کرتے ہیں +

سوال کیا اسمائے باری تعالےٰ ننانویں سے زائد ہیں یا نہیں۔ اگر زائد ہیں، تو ننانویں کی تخصیص کا کیا مطلب ہے۔ مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف ننانویں درہم ہیں۔ گو ہزار میں ننانویں بھی آجاتے ہیں۔ لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے۔ اگر اسماء ننانویں سے زائد نہیں ہیں۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اسئلك بكل اسم سميت به نفسك او انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی علم الغیب عندك اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں۔ اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم اعظم معلوم ہے۔ اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم ننانویں اسماء سے خارج ہے؟

جواب - قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث و اخبار کی رُو سے، اسمائے باری ننانویں سے زائد ہیں۔ اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر مذکور ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر شامل ہے۔ اس کی مثال یہ کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر ہیں۔ اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور اعلےٰ کے ننانویں نوکر ہیں۔ جو شخص ان سے مدد حاصل کرلے۔ دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو یہاں یہ تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ ننانویں نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لئے کہ ننانویں کی تعداد دفع اعدا کے لئے کافی ہے۔ جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں۔ یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف یہی نوکر موجود ہیں +

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے زائد نہ ہوں۔ اور حدیث کے الفاظ دو قضیوں پر مشتمل ہوں:۔

ایک قضیہ، یہ کہ "اللہ کے ننانویں نام ہیں" +

دوسرا قضیہ، یہ کہ "جو کوئی ان سب کو یاد کریگا وہ جنت میں جائیگا" حتےٰ کہ اگر صرف ایک پہلے قضیہ پر بس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا۔ بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک پہلے قضیہ پر بس نہیں ہو سکتی تھی +

یہ دوسرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آجانے والا ہے۔ لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے:۔

ایک یہ تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے علم غیب میں اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے +

دوم یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب اسماء کو یاد کرنے کی فضیلت صرف نبی یا کسی ولی کو حاصل ہوتی ہے۔ جس کو اسم اعظم آتا ہو۔ تاکہ اسماء کی تعداد پوری ہو سکے۔ ورنہ اس کے بغیر تعداد ناقص رہیگی۔ اور وصول جنت کے لئے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد شرط ہے۔ پس حصر باطل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو سارے اسماء پڑھنے کی ترغیب دینے کیلئے، یہ حصر بیان کیا ہے۔ اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے +

سوال۔ جب زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ اللہ کے اسماء ننانویں سے زائد ہیں تو اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہونگے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے ننانویں اسماء کے یاد کرنے سے آدمی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو یہ ننانویں خاص خاص اسماء ہیں۔ یا جونسے ننانویں اسماء گن لیں۔ وہی کافی ہو سکتے ہیں۔ حتےٰ کہ ان کو پڑھنے والا بھی بہشت میں داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور حتےٰ کہ اگر کوئی شخص ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت والے تمام اسماء کو پڑھے، تو داخل بہشت ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان اسماء کو پڑھے جو دوسری روایت میں آئے ہیں تو بھی بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم دونوں روایتوں کے اسماء کو اسمائے باری تعالےٰ سمجھیں +

جواب بظاہر یہی بات درست ہے کہ اس سے مراد ۹۹ معین اسماء ہیں۔

کیونکہ جب وہ متعین نہ ہونگے، تو حصر و تخصیص کا فائدہ ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ "بادشاہ کے ایک سو نوکر ایسے ہیں کہ جو شخص ان کی مدد حاصل کرتا ہے، دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے" تو یہ کہنا جبھی درست ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہوں۔ اور ان میں سے خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو۔ قوت و شوکت میں ممتاز ہوں۔ اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے خواہ کوئی نوکر ایک سو لے لیں ان سے یہ بات حاصل ہو سکتی۔ تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے طریق ادا کے لحاظ سے پورا نہیں اتریگا۔

سوال - صرف ۹۹ اسماء کی اس قضیہ سے کیا خصوصیت ہے۔ باقی اسماء بھی تو خدا ہی کے ہیں؟

جواب چونکہ اسماء معنوی جلالت کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ۹۹ اسماء اس قسم کے پر جلال معنوں پر مشتمل ہوں۔ جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں۔ اس لئے وہ سب برتر ہوں۔

سوال کیا اسم اعظم ان میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں۔ تو پھر اسم کیونکر اسم اعظم کہلا سکتا ہے۔ جو ان اسمائے عظمیٰ سے خارج ہے۔ اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب کہ اسم اعظم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے۔ اور ۹۹ عام مشہور ہیں۔ سنتے ہیں کہ آصف بن برخیا جو بلقیس کے تخت کو لحہ بھر میں لائے تھے۔ تو وہ اسم اعظم جانتے تھے۔ اور جو شخص اس کو جانتا ہے۔ وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے؟

جواب یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم اس تعداد سے جو حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے، خارج ہو۔ اور ان اسماء کی عظمت تمام مشہور و معروف اسماء کے مقابلہ میں ہو، نہ کہ ان اسماء کے مقابلہ میں۔ جو انبیاء و اولیاء کو معلوم ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو۔ لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ پ ۲ ع ۳ | اور لوگو! تمہارا معبود تو وہی خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم

کرنے والا مہربان ہے +

دوسری آیت یہ سورہ آل عمران کی شروع کی آیت ہے :-

الٓمّٓ ۚ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ + — الم۔ اللہ (وہ ذات پاک ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ (کارخانہ عالم کا) سنبھالنے والا + ۳ پ

اور روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے سنا :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْٓ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ +	خداوندا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس طرح کہ میں بالضرور اس امر کی گواہی دیتا ہوں تو اکیلا بے پرواہ ہے جو نہ جنتا ہے نہ جنا گیا ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے +

تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اس شخص نے خدا سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دیکر سوال کیا ہے۔ یہ وہ اسم ہے جس کے واسطے سے سوال کیا جائے تو وہ پورا کر دیتا ہے۔ اور دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے +

سوال تمام اعداد میں سے صرف ۹۹ کی تخصیص کیوں ہے۔ اور پھر اس کو بھی پورا سو کیوں نہیں کر دیا گیا جس میں صرف ایک کی کسر ہے ؟

جواب اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ سکتے ہیں کہ معانی شریفہ اس حد تک پہنچ گئے۔ نہ اس لئے کہ ان کی تعداد بس ہو گئی۔ بلکہ وہ اس عدد کے موافق آپڑے۔ جیسے کہ صفات باریتعالےٰ اہل سنت کے نزدیک سات ہیں یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ نہ اس لئے کہ وہ سات ہیں۔ بلکہ شان ربوبیت ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی +

دوسرا احتمال جو ذرا زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا وَاللّٰهُ وِتْرٌ یُّحِبُّ الْوِتْرَ یعنی ایک کم سو۔ اور اللہ طاق ہے طاق ہی کو دوست رکھتا ہے !

مگر اس احتمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسماء ارادہ اور اختیار سے رکھے

گئے ہیں۔ نہ اس حیثیت سے کہ صفات شرف صرف انہیں میں منحصر ہیں۔ کیونکہ ایسا لذاتہ ہو گا نہ کہ بالارادہ۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی صفات اس لئے ساتے ہیں کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔ بلکہ یہ اس کی ذات والیت کے تقاضے سے ہے۔ نہ کہ طاق ہونے کی وجہ سے۔ اور اس میں عدد غیر مقصود ہے۔ بلکہ وہ کسی قصد کرنے والے کے قصد پر موقوف نہیں۔ جو جفت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے۔ یہ بات اس احتمال کی تائید کر سکتی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے۔ وہ صرف ۹۹ ہیں۔ زیادہ نہیں۔ اور اس نے ان کو سوا اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ آیندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر کی طرف اشارہ کرینگے +

سوال۔ یہ ۹۹ اسماء سب کے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع کرانے کی غرض سے بیان کر دئیے ہیں۔ یا یہ کام اس شخص کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ جو قرآن وحدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر ان تمام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور جمع بیان نہ کر دیتے۔ تو لوگوں کو ان کا معلوم کرنا مشکل تھا +

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور جمہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے۔ جس کے مطابق ہم نے اسماء کی یہ شرح لکھی ہے +

امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے +

اور ابو عیسےٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس کے متعلق ایسی بات ظاہر کی ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا اشارہ پایا جاتا ہے +

علاوہ ازیں محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے :-

(۱) اول تو یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مضطرب ہے۔ کیونکہ ان سے دو روایتیں مروی ہیں۔ اور دونوں کے ابین ابدال وتغیر میں بڑا فرق ہے ✦

(۲) دوم اس روایت میں حَنّانُ اور مَنّانُ اور دَمَغنانُ وغیرہ ان اسماء الٰہیہ کا ذکر نہیں۔ جو احادیث سے ثابت ہیں ✦

(۳) سوم صحیح حدیث میں صرف تعداد کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ علیہ وسلم کا قول صرف اتنا ہے کہ "اللہ کے ننانویں نام ہیں جو شخص ان سب کو یاد کرتا ہے وہ جنت میں جائیگا" ✦

وہاں اسماء کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ذکر ایک دوسری غریب روایت میں ہے جس کے اسناد میں ضعف ہے۔ اور اس عدد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ اسماء نہیں ہیں۔ مگر ہم یہ احتمال دکھا چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں بعض اسماء چھوٹ گئے ہیں ✦

جس روایت میں اسماء کا شمار درج ہے۔ اگر ہم اس کو ضعیف قرار دیں۔ تو تمام اعتراضات رفع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم کہینگے کہ اسمائے باری تعالےٰ صرف ننانویں ہیں۔ جن کو خود اللہ تعالےٰ نے اپنے لئے مقرر فرمایا ہے۔ ان کو پورے سو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے ✦

ان اسماء میں حنّان اور منّان وغیرہا بھی داخل ہیں۔ یہ تمام اسماء قرآن و حدیث میں غور و خوض کئے بدوں معلوم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ اسماء تو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور کچھ حدیث میں ✦

میں نے بلاد مغرب کے ایک حافظ کے سوا اور کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے ان اسماء کو جمع کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس شخص کا نام ابن حزم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے ننانوے اسماء باری تعالےٰ معلوم ہوئے ہیں۔ جو قرآن مجید اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں۔ باقی اسماء بھی حدیثوں میں اجتہادی غور و فکر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ان کو وہ حدیث نہیں پہنچی۔ جس میں اسمائے باری تعالےٰ کا شمار درج ہے۔ اور اگر پہنچی ہے۔ تو اس نے اس کی اسناد کو ضعیف سمجھا ہوگا یا اس کو چھوڑ کر ان روایات کی طرف رجوع کیا ہوگا۔ جو صحیح احادیث میں آئے ہیں۔ پس جو شخص اس طریق سے ان اسماء کو جمع کرکے یاد کرے اس کو

اس اجتہاد میں یقیناً سخت تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔ ایسا شخص فی الواقع جنت میں جانے کے لائق ہے بخلاف اس کے ان اسماء کو یکبارگی زبانی یاد کر لینا سہل ہے۔ جو مشہورہ روایت میں آئے ہیں اُن صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یُوں بھی وارد ہُوا ہے کہ مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ جو شخص ان کو حفظ کرے وہ جنت میں جائیگا" اور حفظ کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی +

یہ وہ احتمالات ہیں۔ جو اس حدیث کے متعلق سوجھے ہیں۔ جن میں سے بعض باتیں ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں، جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ درجۂ عقل سے بالاتر ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ +

تیسری فصل

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے۔ مگر ایسا نام جائز نہیں جس سے شرع نے منع کیا ہو۔ یا اُس کے معنے خدا کی نسبت سے محال ہوں۔ اور جس نام میں کوئی مانع نہیں وہ جائز ہے +

شیخ ابو الحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے یہ توقیف پر موقوف ہے پس خدا کے حق میں ایسے ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا جس کے معنے سے وہ موصوف ہے۔ مگر جب کہ اس کی اجازت آئی ہو +

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ اسم بن سکتا ہے۔ وہ اذن شرع پر موقوف ہے۔ اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر موقوف نہیں۔ بلکہ اگر وہ صادق آتا ہے تو مباح ہے۔ اگر کاذب (غیر صادق) ہے تو نہیں اس نکتہ کے سمجھنے کے لئے اسم اور وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے +

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے۔ جو معنے کی دلالت کے لئے موضوع ہو۔ چنانچہ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

زید کا اسم لفظ زید ہے۔ اور وہ شخص فی نفسہ سفید اور لمبا بھی ہے۔ اور کوئی شخص اس کو یوں پکارے کہ "اے سفید" یا "ارے او لمبے" تو گویا اس نے اُس کو وصف کے ساتھ پکارا اور اس کا پکارنا درست تھا۔ لیکن اس نے اسم کے ساتھ پکارنے سے پہلوتہی کی۔ کیونکہ اس کا اسم زید تھا۔ سفید اور لمبا نہیں تھا۔ اور اس کا فی نفسہ سفید اور لمبا ہونا اس امر پر دال نہیں ہے کہ یہ اس کے اسم ہیں۔ بلکہ ہم اپنے بیٹے کا نام جو قاسم اور جامع رکھ دیتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے موصوف ہے۔ بلکہ ان اسماء کی دلالت گو معنوی ہی ہے۔ ایسی ہے۔ جیسے زید اور عیسیٰ کی دلالت ہے۔ بلکہ جب ہم کسی کا نام عبد الملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے۔ اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عبد الملک، عیسیٰ اور زید کی طرح ایک مفرد اسم ہے۔ اور جب اس کو وصف کے ذیل میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلائیگا۔ یہی حال عبد اللہ کے اسم کا ہے اسی لئے اسم عبد اللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباد اللہ +

جب اسم کے معنے تم سمجھ چکے، تو اب واضح ہو کہ ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ وہ خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا "اُسے ولی" یا "والدین" یا "مالک" موسوم کرے۔ اور تسمیہ یعنی اسم مقرر کرنا مسمّےٰ کے حق میں تصرف ہے۔ اور یہ تصرف ولایت کا مستدعی ہے اور انسان کی ولایت یا تو اپنے آپ پر ہوتی ہے۔ یا اپنے غلام پر۔ یا بیٹے پر۔ اس لئے انہیں کا نام رکھنے کا حق ہو سکتا ہے۔ اور اسی لئے اگر ان کے سوا کسی اور شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ اور خفا ہوتا ہے۔ جب ہم انسانوں کے نام رکھنے کا حق نہیں رکھتے۔ تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے +

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مُبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں جن کو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں احمد اور محمد اور المقفی اور الماحی اور العاقب اور نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ اور نبی الملحمہ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں میں کوئی اضافہ کریں۔ ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں۔ پس یہ کہنا جائز ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ہیں۔ مرشد ہیں۔ رشید ہیں۔ ہادی ہیں وغیرہ۔ جیسے کہ ہم زید کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ سفید ہے۔ لمبا ہے۔ اور یہ بطور تسمیہ

نہیں کہتے۔ بلکہ اس کے اوصاف کی اطلاع دینے کی غرض سے کہتے ہیں +

بالجملہ یہ ایک فقہ کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک لفظ کی اباحت یا حرمت کا سوال ہے ہم کہتے ہیں کہ خدا کا نام رکھنے کی ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام رکھنا ناجائز ہے۔ اور رسول بلکہ عام اشخاص کا نام رکھنا ناجائز ہوا۔ تو خدا کا نام رکھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیئے۔ یہ ایک فقہی قیاس ہے۔ اور اس قسم کے قیاس پر بہت سے شرعی احکام مبنی ہیں +

وصف کے مباح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک امر کی خبر ہے۔ اور خبر صدق و کذب پر منقسم ہوتی ہے۔ شرع نے اصولاً کذب کی حرمت کا حکم دیا ہے۔ اور وہ باستثنائے خاص صورتوں کے حلال ہے۔ اور جس طرح زید کے حق میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ موجود ہے۔ اس لئے کہ وہ فی الواقع موجود ہے +

اسی طرح ہم اللہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں۔ خواہ اس کے متعلق شرع کا حکم آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے، گو ہم جانتے ہیں کہ شرع میں یہ نہیں آیا۔ اور جس طرح ہم زید کے حق میں یہ نہیں کہتے کہ وہ لمبا اور سفید ہے تاکہ مبادا زید سن لے۔ اور اس کو اظہار عیب سمجھ کر رنجیدہ ہو جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ہم ایسا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے جس میں کچھ شائبہ نقص کا پایا جاتا ہو۔ ہاں جن لفظوں میں نقص کا شائبہ نہ ہو۔ یا وہ مدح پر دال ہوں ان کا اطلاق کرنا مباح ہے۔ اور یہ اسی دلیل سے مباح ہے جس سے ایسے صدق کا مباح ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ جو حرمت کے عوارض سے پاک ہو۔ اس لئے بعض الفاظ کا اطلاق ممنوع ہے۔ مگر جب ان کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو جاتا ہے۔ تو جائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یا ذارع (اے زراعت کرنے والے) یا حارث (اے عورت کے شکم میں بیج بونے والے) ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عورت سے صحبت کرنے والا حارث نہیں حقیقی حارث خدا ہے۔ تخم ریزی کرنے والا ذارع نہیں۔ حقیقی ذارع خدا ہے +

تیر انداز تیر نہیں مارتا، بلکہ خدا مارتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں بھی نازل ہوا ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ یعنی جب تم نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی تو خود تم نے نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی" +

اور ہم اللہ کے حق میں صرف یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ یا مُذِلّ ہاں یوں کہیں گے کہ

یَا مُعِزُّ یَا مُذِلُّ کیونکہ جب یہ دونوں باہم جمع کئے جائینگے۔ تو وصف مدح بن جائینگے۔ اس لئے
کہ وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام امور کی دونوں طرفیں اس کے قبضہ میں ہیں +
اسی طرح دعا میں اللہ کو اس کے اسماء حسنے کے ساتھ پکار سکتے ہیں۔ جیسے کہ
اس نے حکم دیا ہے۔ اور جب اسماء سے آگے بڑھیں۔ تو صرف جلال و مدح کی صفات سے
اس کو پکاسینگے۔ پس یوں نہیں کہہ سکتے کہ یَا مَوْجُوْدُ، یَا مُحَرِّكُ، یَا مُسَكِّنُ، بلکہ
یوں کہینگے کہ یَا مُقِیْلَ الْعَثَرَاتِ، یَا مُنَزِّلَ الْبَرَكَاتِ، یَا مُیَسِّرَ كُلِّ عَسِیْرٍ
جیسے ہم کسی انسان کو بلانا چاہیں۔ تو یا تو اس کو اس کے نام سے پکارینگے۔ یا اس کی صفات
مدح سے پکارینگے۔ مثلاً یا شریف، یا فقیہ، یوں نہ کہینگے کہ "اے لمبے"! "اے نیلے
سفید رنگ والے"! ہاں جب اس کی تحقیر منظور ہو، تو ایسا کہہ سکتے ہیں۔ اور جب ہم اس کی
صفات کا ذکر کرنا چاہیں، تو یوں کرینگے۔ کہ "وہ سفید رنگ والا اور سیاہ بالوں والا ہے"۔ اور
اس کی ایسی صفت کا ذکر نہ کرینگے جس کو منکر وہ ناپسند کرے۔ اور وہ کسی ایسی ہی صفت کو
ناپسند کریگا جس میں نقص کے معنے پائے جائیں۔ اور جب ہم سے پوچھا جائے کہ اشیاء کو
حرکت دینے۔ اور ساکن کرنے والا۔ سیاہ و سفید بنانے والا کون ہے؟ تو ہم کہینگے اللہ تعالےٰ
ہے۔ اور اس کی طرف افعال و اوصاف کو منسوب کرنے کے لئے ہم کسی شرعی اذن کے
منتظر نہ ہونگے۔ بلکہ ہر صادق آجانے والی صفت کے متعلق اذن وارد ہو چکا ہے۔ سوائے
اُن اوصاف کے جو کسی خاص وجہ سے مستثنے ہیں۔ اللہ تعالےٰ موجود ہے، مُوجِد ہے،
مُظْهِر ہے، مُحَقِّق ہے، مُسْعِد ہے، مُشْقِی ہے، مُبْقِی ہے، مُغْنِی ہے
اور ان سب کا اطلاق جائز ہے۔ گو ان کے متعلق توقیف وارد نہیں ہوئی +

سوال۔ تو پھر ہم خدا کو عارف، عاقل، فطن (دانا)، ذکی وغیرہ کیوں
نہیں کہہ سکتے؟

جواب۔ ان اسماء اور جیسے دیگر اسماء کے اطلاق میں مانع صرف یہ ہے کہ ایہام
پایا جاتا ہے۔ اور جن اسماء میں ایہام پایا جاتا ہو۔ ان کا اطلاق شرعی اذن کے بغیر جائز
نہیں۔ جیسے الصبور، الرحیم، الحلیم وغیرہ میں موجود ہے۔ مگر ان کے
متعلق اذن وارد ہو چکا ہے۔ مگر مذکورہ اسماء کے متعلق اذن وارد نہیں ہوا۔ یہاں ایہام
یہ ہے کہ مثلاً عاقل سے مراد وہ شخص ہے جس کی سمجھ اس کو غلطی سے باز رکھتی ہو کیونکہ عقل

کے معنے ہیں باز رکھنا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے عَقَلَهُ عَقْلُهُ یعنی اس کی عقل نے اس کو باز رکھا اور فطنت و ذکاء سے مراد، سُرعت ادراک ہے۔ جب کہ مدرک غائب ہو۔ علیٰ ہذا القیاس باقی اسماء۔ پس اس قسم کے اسماء کے اطلاق کا مانع صرف وہی ہے، جو مذکور ہو چکا۔ اگر کوئی لفظ تحقیق کو پہنچ جائے۔ تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ایہام واقع نہیں ہوتا۔ اور نہ شرع اس کی مانع ہے۔ اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز سمجھتے ہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب شرح ہادی و بیان اسماء

از تصنیف زبدۃ العارفین پیشوائے سالکین حجۃ الاسلام امام عالی مقام

ابو حامد امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ

بوقت سعید باختتام رسید

امام غزالیؒ

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرّحمٰن صدیقی کاندھلوی

(فارغ درسِ نظامی، مولوی فاضل، منشی فاضل)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کشادہ کرنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور ہر حجابات دور کرنے والا ہے۔ اور ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "جو کہ سراپا نور الانوار، صفات حسنہ کے مالک، زبردست اور غالب خدا کے پیارے اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا، اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے۔ پر درود نازل ہو جو کفار کو تہ وبالا اور فساق و فجار کو ذلیل و خوار کرنے والے ہیں۔ اور ان کی پسندیدہ آل و اصحاب پر بھی درود نازل ہو۔

امابعد، اے مکرم بھائی خدا تعالیٰ تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت و نیک بختی کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے تیری رفتار تیز فرمائے، تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرمگین کرے اور تیرے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کہ میں تمہیں انوار ربانی کے وہ راز بتا دوں کہ جن کی صرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مرویہ اشارہ کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوند کو شیشہ و طاق چراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں۔ اگر وہ انہیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو جلا دیں، جو ان انوار کو آنکھوں سے دیکھے۔

تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گزار گھاٹی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا۔ نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں کے سامنے کھولی جا سکتی ہے اور نہ بیان کی جا سکتی ہے۔ صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ انہیں علمائے ربانی ہی جانتے ہیں۔ ان کی بات کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو۔ اور جب ایسے ناواقفوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت ایسے شریروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پرتو کی جانب اشارہ کر کے سمجھاؤں گا، اور تمام قسم کے حقائق و دقائق صرف رمز و کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا۔ کیونکہ اہل علم سے علم کو روکنا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہ نااہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے۔

فَمَنْ مَنَحَ الْجُهَّالَ عِلْماً اَضَاعَهُ ۔۔۔ وَمَنْ مَنَعَ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ فَقَدْ ظَلَمْ

جس نے جہلاء کے سامنے علم ظاہر کیا اس نے علم ضائع کیا ۔۔۔ اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا۔

اب تم مختصر کنایات و اشارات ہی پر اکتفا کرو۔ کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فصول کی شرح کی متقاضی ہے جس کے لئے یہ وقت قطعاً ناکافی ہے اور نہ اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے۔ کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعے چاہتا ہے انہیں کھول دیتا ہے، اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا۔

باب اوّل

اقسامِ انوار فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجازاً ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اولاً تم اس نور کے معنی سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں۔ دوسرے معنیٰ وہ ہیں جو خواص کے نزدیک ہیں اور تیسرے معنیٰ وہ ہیں جس کے اخص الخواص قائل ہیں۔ اس کے بعد خواص جس نور کے قائل ہیں اس کے درجات و حقائق بھی ذہن نشین کر لو تاکہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وضاحت کر سکیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے۔ اور اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں وہ یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

نور عامی عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے۔ کیونکہ ہر شے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے اس لحاظ سے وہ نسبتہً ظاہر ہوتی اور نسبتہً باطن، اس کے ظہور کو ادرکات سے منسوب کرنا ضروری ہے۔ اور عوام کے نزدیک تمام ادرکات میں سب سے زیادہ قوی حواس خمسہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قوی حاسہ بصر ہے۔

بلحاظ حسن اشیاء کی تین قسمیں ہیں، اول وہ اشیا جو بالذات دیکھی نہ جا سکتی ہوں جیسے سیاہ جسم۔ ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جا سکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ کوئی اور شے نہیں دیکھی جا سکتی۔ مثلاً روشن جسم، تارے، غیر روشن شدہ آگ، اور تیسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جو خود بالذات بھی دیکھی جا سکتی ہیں اور انکے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً چاند، سورج، شعلہ زن آگ اور چراغ وغیرہ، نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام سے کثیف اجسام پر گذرتی ہیں جیساکہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہو گئی، یا جیساکہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور در و دیوار کو روشن کرتا ہے۔ ان سب کو نور کہا جاتا ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہ روشن ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شے ہے جو خود بھی دیکھی جا سکے اور اس کے ذریعہ دوسری چیز کو بھی دیکھ سکیں جیساکہ آفتاب نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے۔

نکتہ۔ نور کی اصل حقیقت ظہور و ادراک ہے۔ اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن نابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر ہے

اور نہ کسی اور شئی کو ظاہر کرنے والا۔ جس سے ثابت ہوا کہ دیکھنے والی روح روح ظاہری کے مساوی ہے جو کہ نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک لازمی رکن ہے۔ پھر روح باصرہ یعنی قوت اور حاسہ بصر کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ اسی قوت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے۔ ورنہ بالذات نہ تو نور دریافت کرنے والا ہے اور نہ اس کے باعث کسی شئے کا ادراک ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ادراکات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اور نور کا نام نور رکھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے۔ اسی لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کے نور پر نور کا نام نور رکھ دیا۔

چمگادڑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ کا نور ضعیف ہے۔ چوندھے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بینائی کا نور ضعیف ہے اندھے کے بارے میں بولا جاتا ہے کہ اس کی آنکھوں کا نور مفقود ہے۔ سیاہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نور بصر کو جمع اور قوی کرتی ہے حکمت خداوندی نے اسی لئے خاص طور پر پلکوں کو سیاہ بنایا اور اس سے نگاہ کو اسی لئے ڈھانپا تاکہ آنکھ کی روشنی جمع رہے۔

سپیدی آنکھ کے نور کو پھاڑ دیتی ہے اور اس سے آنکھ کا نور ضعیف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تیز سپیدی اور آفتاب کے نور کی جانب دیکھنے سے آنکھ کا نور جاتا رہتا ہے (خواہ وہ عارضی طور پر ہو) کیونکہ قوی کے سامنے ضعیف ناپیدا ہو جاتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ روح باصرہ کو نور کہا جاتا ہے اس کا نام نور کیوں رکھا گیا اور اس نام کی وہ زیادہ مستحق کیوں ہے یہ دوسری وضع ہے جو خواص کی وضع ہے۔

حقیقت | یہ بھی جان لو کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات سے متصف ہے مثلاً وہ غیر کو دیکھتا ہے لیکن خود کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح وہ نہ اس شئے کو دیکھ سکتا ہے جو اس سے زیادہ دور ہو اور نہ اس شئے کو جو اس سے زیادہ قریب ہو۔ اور نہ اس شئے کو جو پس پردہ ہو۔ یعنی یہ نور صرف ظاہری اشیاء کے حصّہ کو دیکھتا ہے لیکن باطن کو دیکھنے پر یہ قادر نہیں موجودات میں سے بعض کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا۔ اشیاء متناہیہ کو دیکھتا ہے لیکن غیر متناہی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے بڑی کی چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے۔ یہ سات نقائص ہیں جو نگاہ سے جدا نہیں

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ان تمام عیوب سے پاک ہے تو وہی اسم نور کے زیادہ لائق ہے۔

اب معلوم ہوا کہ انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے جس میں یہ کمال صفت ہے اور وہی آنکھ ہے جسے عقل وروح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام تاویلات کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ جب تاویلات بڑھ جاتی ہیں تو ضعیف العقل اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ان کے معانی بہت ہیں اس لئے ہم وہی معنیٰ مراد لیتے ہیں جس سے عاقل مرد، شیر خوار بچے، دیوانہ اور چوپائے سے ممتاز ہو جائے، اور جسے جمہوری اصطلاح میں عقل کہا جاتا ہے اور اسی لئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ ساتوں نقائص سے پاک ہے۔

فرق مراتب ۱۔ آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی لیکن عقل جیسے دوسروں کو دیکھتی ہے خود کو بھی دیکھ سکتی ہے۔ اپنی صفات بھی معلوم کر لیتی ہے۔ کیونکہ خود کو عالم وقادر سمجھتی ہے۔ اپنے نفس کے علم کو بھی جانتی ہے اور علم کے علم کو بھی الی غیر النہایہ۔ اور یہ خاصیت ان میں موجود نہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسرار ہیں جن کی شرح طویل ہے ۲۔ جو حد سے زیادہ قریب ہو یا حد سے زیادہ بعید نگاہ اسے معلوم کرنے سے قاصر ہے لیکن عقل کے نزدیک قریب وبعید یکساں ہیں، وہ ایک ہی لمحہ میں تمام آسمانوں کی سیر کرتی اور ایک دم میں زمین کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ فی الواقع اجسام میں جو قرب وبعد ہے وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، کیونکہ وہ خدا کے سمندروں کا ایک نشان اور نمونہ ہے اور نمونہ اپنے اصل کے مشابہ ہوتا ہے گو اس کے مساوی نہ ہو۔ اس سے اس حدیث کا راز عیاں ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ہماری اس تقریر پر مزید غور وفکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

نوٹ:۔ حدیث مذکور میں علماء نے صورت سے صفات مراد لی ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ صورت سے منزہ ہے۔ نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ صُوْرَتِہٖ کی ضمیر کس جانب راجع ہے اللہ کی جانب یا آدم کی جانب۔ اور یہ قاعدہ کہ اسم ضمیر قریب کے جانب راجع ہوتا ہے اور قریب آدم واقع ہے نہ کہ اللہ تو اس صورت میں حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو انہی کی صورت پر پیدا کیا۔ یعنی وہ اپنی صورت میں یکتا ہیں اور کوئی دوسری مخلوق بلحاظ صورت انسان کے

مشابہ نہیں۔ ۳۔ آنکھ پس پردہ چیز کو نہیں دیکھ سکتی اور عقل آسمان کے پردوں، کرسی، ملاء اعلیٰ اور ملکوت میں اس طرح تصرف کرتی ہے جیسے وہ اپنے خاص اور اپنے قریب میں یعنی جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ کوئی حقیقت بھی عقل سے پردہ میں نہیں رہتی، ہاں عقل کا حجاب اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی صفت مقارنہ کے باعث خود سے پردے میں ہو جائے۔ اور اس صفت مقارنہ سے عقل کا حجاب اس قسم کا ہوتا ہے جیساکہ پلکوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ تیسرے باب میں بیان کریں گے۔ ۴۔ آنکھ اشیاء کے ظاہری اور بالائی حصہ کو معلوم کر سکتی ہے لیکن اندرونی حصہ کو معلوم نہیں کر سکتی۔ جسم کا قالب اور صورت تو معلوم کرتی ہے لیکن اس کے حقائق معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ عقل اشیاء کا اندرونی حصہ اور اس کے حقائق و کیفیات معلوم کرتی ہے اس کے اسباب و علل معلوم کرتی اور اس پر حکم لگاتی ہے۔ اور یہ معلوم کرتی ہے کہ یہ شے کس چیز سے پیدا ہوئی اور کیونکر پیدا ہوئی، کتنی اشیاء سے مرکب ہے اس کا وجود میں کیا مرتبہ ہے اور دیگر مخلوقات کی جانب اس کی کیا نسبت ہے۔ اسی طرح لاتعداد مباحث کو جانتی ہے جن کی شرح طویل ہے۔ اس کا اختصار ہی بہتر ہے۔ ۵۔ آنکھ بعض موجودات کو دیکھتی ہے لیکن تمام معقولات و محسوسات کی دریافت سے قاصر ہے۔ وہ آواز، خوشبو، ذائقہ، حرارت و برودت اور قوائے مدرکہ یعنی سونگھنے سننے اور چکھنے کی قوتوں کو نہیں جانتی۔ بلکہ صفات باطنہ جیسے فرح و سرور، رنج و غم، درد و لذت، عشق و شہوت، قدرت و ارادہ اور علم و جہل وغیرہ بے شمار موجودات اس کے احاطہ علم سے باہر ہیں۔ آنکھوں کی معلومات کا میدان نہایت محدود ہے اس میں رنگوں اور شکلوں کے جہاں کا گزر نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں عالم موجودات میں اخس خسیس ہیں اور اعراض اجسام میں سب سے زیادہ خسیس رنگ و شکل ہے لیکن یہ تمام موجودات عقل کی جولان گاہ ہیں۔ کیونکہ وہ ان موجودات کو بھی معلوم کر لیتی ہے جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ تعداد میں مذکورہ موجودات سے بہت زیادہ ہیں۔ وہ ان تمام موجودات میں تصرف کرتی اور ان سب پر یقینی اور سچا حکم لگاتی ہے۔ اسرار باطنہ اور مخفی معانی اس کے نزدیک ظاہر ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آنکھ عقل کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ جو اس پر نور کا اطلاق کیا جا سکے وہ غیر کی نسبت سے نور ہے۔ لیکن عقل کی نسبت سے ظلمات ہے بلکہ آنکھ عقل کے مخبروں میں سے

ایک مخبر ہے اور یہ سب اس کے خزانوں میں سے ایک معمولی سا خزانہ ہے اور رنگ و صورت کا خزانہ ہے تاکہ عقل کے حضور میں ان کی خبریں پہنچائے اور پھر عقل اس میں جو چاہے حکم لگائے اس کے سوا اور بھی حواس عقل کے مخبر ہیں یعنی خیال وہم، فکر، ذکر اور حفظ، اور ان کے علاوہ جتنے مدرکات ہیں وہ عقل کے خادم ہیں اور اس عالم موجودہ میں اس کے مقید ہیں۔ وہ انہیں اس طرح اپنے قابو میں رکھتی ہے جس طرح بادشاہ اپنے غلاموں کو مقید کرتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کی شرح بھی طویل ہے ہم نے اس کی تفصیل احیاء العلوم کی کتاب عجائب القلب میں کی ہے۔

۶۔ آنکھ غیر متناہی شے کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ وہ معلوم اجسام کی صفات دیکھتی ہے اور اجسام متناہیہ ہی متصور ہو سکتے ہیں لیکن عقل معقولات کو معلوم کرتی ہے اور معقولات لا متناہی ہیں لیکن جب وہ علوم متحصلہ کا لحاظ کرتی ہے تو اس سے جو علم حاضر حاصل ہوتا ہے وہ متناہی ہوتا ہے لیکن اس کی قوت میں غیر متناہی کا ادراک موجود ہے۔ غیر متناہی سے مراد وہ شئے ہے جسے عقل انسانی غیر متناہی تصور کرے ورنہ شرعاً خدا کے علاوہ کوئی شے غیر متناہی نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عقل اس کی انتہا کو معلوم نہ کر سکے۔ اور یہ خود عقل کے نقصان کی دلیل ہے۔ مثلاً علم حساب کو دیکھو کہ وہ اعداد معلوم کرتا ہے لیکن ان کی کوئی انتہا نہیں (نہایت نہ ہونا اور شے ہے اور اس کا علم نہ ہونا اور شے ہے اگر انتہا نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے بلکہ دو تین اور باقی اعداد کے المضاعف کو معلوم کر لیتا ہے جن کی نہایت متصور نہیں" اعداد انسان کے وضع کردہ ہیں اور جب وہ خود لا متناہی نہیں تو اس کی وضع کردہ شے کیسے لا متناہی ہو سکتی ہے")۔ عقل اپنی کسی شے کے علم کو بھی معلوم کرتی ہے اور اس امر کو بھی کہ اس کا علم کسی شے کا علم رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا اس کے علم کے علم کو بھی جانتی ہے۔ اور اس منزل پر پہنچ کر اس کی قوت کسی انتہا پر نہیں ٹھہرتی۔ (فلاسفر اس کے قائل ہیں کہ ہر شے کی ایک نہ ایک انتہا ہے۔ اور اگر اس کی انتہا نہ ہو تو عقلی انتہا ضرور ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہر شے کی انتہا ہے)۔

۷۔ آنکھ بڑی چیز کو چھوٹا محسوس کرتی ہے جیسا کہ آفتاب کو ڈھال کے برابر اور فرش نیلگوں پر بکھرے ستاروں کو دینار کے برابر۔ لیکن عقل جانتی ہے کہ ستارے اور آفتاب زمین سے کئی گنا بڑے ہیں۔ آنکھ تاروں کو بلکہ اپنے سامنے سایہ کو بھی ساکن دیکھتی ہے بچہ کو اپنی مقدار

میں ساکن دیکھتی ہے لیکن عقل جانتی ہے کہ بچہ بڑھنے میں حرکت کرتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ سایہ حرکت کرتا ہے تارے ایک لحظ میں بہت سے میل طے کر جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا سورج ڈھل گیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اور ہاں آپ نے فرمایا کہ اس جواب کا کیا مقصد ہے جبرئیل نے کہا کہ میرے ہاں اور نہیں کہنے تک سورج پانچ سو سال کا راستہ طے کر گیا۔ آنکھ کی غلطیوں کی بہت سی قسمیں ہیں اور عقل اس سے پاک ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ہم بہت سے عقلاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے میں غلطی کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کے خیالات وہم کبھی اعتقادات کا حکم لگاتے ہیں اور وہ گمان کر لیتے ہیں کہ ان کے یہ احکام عقل کے احکام ہیں۔ حالانکہ دراصل یہ ان کے خیالات کی غلطی ہے۔ ہم نے اس کی شرح معیار العلم اور محک النظر میں کی ہے اور عقل جبکہ وہم و خیال سے مجرد ہو تو اس میں غلطی متصور نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تمام اشیاء کو اصلی حالت پر دیکھتی ہے لیکن اس کا تنہا ہونا دشوار ہے ہاں موت کے بعد ان جھگڑوں سے پاک ہوگی اس وقت پردہ کھل جائے گا اور تمام اسرار ظاہر ہو جائیں گے (گویا جب تک عقل مجرد وجود میں نہ آئے اس وقت تک کسی پر اسرار کا ظہور بھی نہیں ہو سکتا) اور ہر شخص اپنی اچھائی اور برائی کو جسے وہ آگے پہنچا چکا ہوگا موجود دیکھے گا۔ اپنا اعمال نامہ بھی دیکھے گا۔ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصٰهَا (نہیں چھوڑی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی) اس حال میں اس سے کہا جائے گا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ (آج ہم نے تجھ سے تیرا پردہ اٹھا لیا ہے۔ آج تیری آنکھ تیز ہے) اور وہ خیالات و توہمات ہی کے پردے ہیں۔ اس وقت جو اپنے توہمات فاسد اعتقادات اور باطل تخیلات میں مغرور رہ چکا ہوگا کہے گا اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دیجئے کہ اچھے عمل کریں۔ اب ہمیں یقین آگیا ہے۔

عقل کی رویت یکساں نہیں یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اگرچہ عقل دیکھنے والی ہے۔ لیکن وہ تمام اشیاء جنہیں وہ دیکھتی ہے یکساں نہیں۔ بلکہ بعض تو اس کے نزدیک گویا حاضر ہیں جیسے علوم ضروریہ۔ مثلاً اس کا یہ علم کہ ایک شے قدیم اور حادث نہیں ہو سکتی کوئی شے معدوم و موجود نہیں ہو سکتی اور ایک بات سچی اور جھوٹی نہیں ہو سکتی اور جب بھی کسی شے کے لئے حکم ثابت ہوگا تو اس کے

مثل کے لئے بھی لازماً ثابت ہوگا اور جہاں خاص پایا جائیگا وہاں عام ضرور پایا جائے گا جب بھی سیاہی پائی جائے گی تو رنگ ضرور پایا جائے گا جب بھی انسان کا وجود ہوگا تو حیوان کا وجود ضرور ہوگا لیکن اس کا عکس ضروری نہیں اس لئے ضروری نہیں کہ جب بھی رنگ کا وجود ہو تو سیاہی بھی پائی جائے جیساکہ یہ ضروری نہیں کہ جب بھی حیوان پایا جائے تو انسان بھی موجود ہو۔

بعض وہ امور ہیں جو ہر وقت عقل کے پیش نظر نہیں رہتے بلکہ وہ اس بات کی محتاج ہوتی ہے کہ اسے بیدار کیا جائے اور اسے روشن دکھائی دے جیسے امور نظریہ۔ اس کی جانب عقل کو حکماء کا کلام متوجہ کرتا ہے۔ پس نورِ حکمت کی روشنی کے وقت انسان بالفعل بینا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کی بینائی بالقوہ تھی۔

سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے کلام میں علی الخصوص قرآن مجید عقل کی آنکھ کے نزدیک آیات قرآنیہ کا وہی رتبہ ہے جیساکہ نورِ آفتاب کا ظاہری آنکھ کے نور کے بالمقابل۔ کیونکہ آنکھیں صحیح کام اسی کے ساتھ کرتی ہیں اسی لحاظ سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا جائے۔ جس طرح آفتاب کے نور کو نور کہا جاتا ہے۔

قرآن آفتاب کے نور کے مثل ہے اور عقل آنکھ کے نور کی طرح ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (اللہ اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے) اور خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل آچکی اور ہم نے تمہارے طرف ظاہر نور نازل کیا)

نتیجہ اس تقریر سے جب یہ امر ظاہر ہوگیا کہ آنکھیں دو ہیں۔ ظاہری اور باطنی نگاہ ظاہر کا تعلق عالم محسوسات و مشاہدہ سے ہے اور نگاہ باطنی کا تعلق عالم آخر سے۔ اور عالم آخر عالم ملکوت ہے اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کے لئے آفتاب اور نور ہے جس کے باعث آنکھ کی بینائی کامل ہوتی ہے آفتاب بھی دو ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہری آفتاب تو وہ ہے جو نظر آتا ہے اور باطنی آفتاب قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔

جب یہ بات تمہارے ذہن نشین ہوگئی تو تم پر گویا عالم ملکوت کا ایک در کھل گیا۔ اور عالم

میں داخل ہے اس کے ساتھ اس کا ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سایہ کا وجود انسانی سے۔ پھل کا پھل دار درخت سے اور مسبب کا سبب سے تعلق ہوتا ہے۔ اور مسببات کی معرفت اسباب پر موقوف ہے۔ اس لئے عالم شہادت عالم ملکوت کی ایک تمثیل ہے جیسا کہ مشکوٰۃ و مصباح اور شجرہ کے بیان میں آئے گا۔ کیونکہ مشبہ مشبہ بہ کی مشابہت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کی حکایت ایک قسم کی حکایت ہے۔ قریب ہو یا بعید۔ یہ وہ غور و فکر کا وقت ہے جو شخص اس حقیقت سے واقف ہوگا اس پر قرآن کی تشبیہات آسانی سے ظاہر ہو جائیں گی۔

نکتہ ہم کہتے ہیں کہ جو شے خود کو اور غیر کو دیکھ سکتی ہے اس چیز کی بہ نسبت جو غیر میں اثر نہ کرے اس کا نام نور رکھنا زیادہ مناسب ہے بلکہ اگر اسے روشن چراغ کہا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس کے انوار غیر پر پڑتے ہیں اور یہ خاصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے اور تمام انبیاء بھی چراغ ہیں اور علماء بھی لیکن ان میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔

نکتہ جب ایسی شے کا نام روشن چراغ رکھ سکتے ہیں جس سے نگاہوں کا نور فائدہ حاصل کرتا ہو۔ تو جس سے چراغ خود نور حاصل کرتا ہے اسکی جانب آگ سے اشارہ کرنا زیادہ لائق ہے یہ زمینی چراغ دراصل انوار علیا سے نور حاصل کرتے ہیں۔ نبی کریمؐ کی روح فوراً روشن ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے لیکن اگر اسے آگ چھوئے تو پھر وہ نور علی نور ہے۔ تو اس صورت میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ زمینی ارواح علوی ارواح سے نور حاصل کریں۔ جن کی تعریف حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔ وہ ان تمام زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ اکیلا تمام ملائکہ کے مقابل ہے۔ پھر کہا گیا کہ جس دن روح اور ملائکہ صف باندھ کر کھڑے ہوں گے اور اگر ان کا اس طرح لحاظ کیا جائے کہ زمینی چراغ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں تو ان کی مثال بجز آگ کے اور کچھ نہ ہوگی۔ اور یہ سوائے کوہ طور کے ظاہر نہ ہوگی وہ آسمانی انوار جن سے زمینی چراغ روشنی حاصل کرتے ہیں تو اگر ان کی ترتیب اس طرح ہے کہ بعض بعض سے انوار حاصل کرتے ہیں تو منبع اول کے جو زیادہ قریب ہوگا وہی نور کے نام کا زیادہ مستحق ہوگا۔ کیونکہ اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ عالم ظاہری ان کے سامنے ایک حقیر سی شے ہے اور جس شخص نے اس جہاں کا سفر نہ کیا ہو اور تا ہنوز وہ اسی جہاں کی پستی میں مبتلا ہو تو وہ ایک چارپایہ ہے جو انسانی خاصیت سے محروم ہے۔ بلکہ حیوانات سے بھی بدتر، اس لئے کہ حیوانات کو تو اس جہاں کی طرف اڑنے کی قدرت ہی نہیں دی گئی۔ بخلاف انسان کے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ یہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ ظاہر عالم، عالم ملکوت کے مقابلے میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ مغز کے مقابلے میں چھلکا۔ یا روح کے مقابلہ میں صورت و شکل۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بلندی کے مقابلہ میں پستی۔ اسی لئے عالم ملکوت کو عالم روحانی، عالم نورانی اور عالم علوی بھی کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل عالم سفلی کو عالم جسمانی اور عالم ظلمانی کہا جاتا ہے۔ یہ تصور نہ کرنا کہ عالم علوی سے ہماری مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ تو عالم شہادت و حس کے مقابلے میں بلند ہیں ان کے دریافت کرنے میں تو حیوانات بھی شریک ہیں۔ لیکن خدا کے بندہ کا یہ حال ہے کہ اس کے لئے ملکوت کے دروازے اسی وقت کھولے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے جب کہ اس کے حق میں اس زمین کے بدلے اور زمین اور اس آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے یہ نہیں کہ جو شے اس کے حس و خیال کے نیچے ہے وہ زمین ہے اور جو اس سے بلند ہے وہ آسمان ہے بلکہ جو شے حس سے بالاتر ہو وہ اس کا آسمان ہے اور جو شخص قرب خداوندی کی تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی یہ پہلی معراج ہے۔ انسان اسفل السافلین میں گرا ہوا ہے اور اس سے عالم اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے۔ لیکن فرشتے عالم ملکوت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان تعلق درگاہ خداوندی سے ہے۔ ان میں سے بعض عالم اسفل کی جانب بھی جھانکتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو لوگوں کے اعمال سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی عالم ملکوت تک معراج ہوتی ہے تو وہ اعلیٰ درجہ پر فیضیاب ہو جاتے ہیں۔ اور عالم غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جو بھی عالم ملکوت میں ہوگا اسے قرب خداوندی حاصل ہوگا اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ یعنی اس کے پاس سے عالم شہادت میں موجودات کے اسباب نازل ہوتے ہیں۔ کیونکہ عالم شہادت اس عالم کے آثار

دنیا میں اس ترتیب کی مثال کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ چاند کی روشنی کو کسی گھر کے سوراخ میں سے ایسے آئینہ پر گرتے ہوئے دیکھے جو دیوار پر رکھا ہوا ہے اور جس کی روشنی دوسری دیوار پر پڑتی ہو جو اس آئینہ کے مد مقابل ہو پھر وہ روشنی اس سے زمین پر پڑے جس سے زمین روشن ہو جائے تو زمین پر جو نور ہے وہ زمین کے نور کے تابع ہے اور دیوار کا نور آئینہ کے نور کے تابع اور آئینہ کا نور چاند کے نور کے اور چاند کا نور آفتاب کے نور کے۔ کیونکہ چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے اور یہ چاروں نور ترتیب وار ہیں۔ بعض بعض سے اعلیٰ واکمل ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک مقام و درجہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔

یہ بھی جان لو کہ دل کی آنکھ والوں پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ انوار ملکوتیہ اسی ترتیب پر پائے جاتے ہیں اور مقرب ہی نور اعلیٰ کے زیادہ قریب ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اسرافیل علیہ السلام کا رتبہ جبرئیل علیہ السلام سے بڑھ کر ہو۔ اور ان فرشتوں میں کوئی اتنا قریب ہو جس کا رتبہ حضرت ربوبیت سے جو منبع الانوار ہے قریب ہو ان فرشتوں میں ادنیٰ درجے کے بھی ہیں۔ ان میں بہت سے درجات ہیں جو مشکل سے شمار میں آسکتے ہیں۔ ان کا صرف اتنا حال معلوم ہے کہ وہ کثیر التعداد ہیں اور ان کی ترتیب ان کی صفوف میں ہے جیسا کہ خود انہوں نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ — ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا متعین مقام

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ — نہ ہو اور ہمیں صفیں باندھے ہوئے ہیں۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ — اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ انوار کے لئے ترتیب ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ سلسلہ غیر متناہی نہیں بلکہ وہ پہلے منبع تک ہے جو اپنی ذات کے لئے ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے اس کا نور غیر کی جانب سے نہیں آتا۔ اسی سے تمام انوار اپنی ترتیب پر روشن ہوتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس شئے کو نور کہنا جس نے اپنا نور غیر سے مانگا ہو زیادہ مناسب ہے یا اس ذات کو نور کہنا زیادہ مناسب ہے جو اپنی ذات میں روشن ہے اور اپنے علاوہ سب کو روشن کرنے والا ہے اب بھی اگر تجھ پر حق مخفی رہے تو پھر کوئی حجت نہیں اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نور کا اسم ایسے نور پر بولنا زیادہ مناسب ہے جو نور اعلیٰ ہے اور اس کے اوپر کوئی نور نہیں بلکہ اس کی

جانب سے اوروں پر نور گرتا ہے۔

حقیقت بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں اور کسی کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ نور کا لفظ نور اول کے علاوہ اوروں پر بولنا مجازی ہے۔ کیونکہ جب اس کے ماسوا کی ذات کا لحاظ کیا جائے گا تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے بے نور ہوگا۔ بلکہ اس کا نور غیر مانگا ہوا ہوگا اور اس کی نورانیت مستعارہ کا بالذات کوئی وجود نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے نور میں غیر کا محتاج ہوگا اور مستعیر کی مستعار منہ سے نسبت مجازی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کپڑے، گھوڑا اور زین وغیرہ عاریتاً لیلے اور اسی وقت سوار ہو جس وقت کہ عاریت دینے والا سوار ہوتا تھا اور اسی طریقہ سے جو اس کی عادت تھی تو کیا وہ فی الواقع یا مجازی طور پر غنی ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ عاریت دینے والا غنی ہوگا اور یہ اب بھی اسی طرح فقیر ہوگا جیسا کہ پہلے تھا۔ غنی تو صرف وہ عاریت دینے والا ہوگا جس سے وہ شے عاریتاً لی گئی ہے۔ اور اس کی جانب رجوع اور اسی سے ابتداء ہے۔

اس تقریر کے بعد یہ سمجھو کہ فی الحقیقت نور تو اللہ ہے جس کے ہاتھ میں پیدائش اور امر ہے اور اسی سے نور اول ہے۔ اور اس اسم کی حقیقت اور اس کے استحقاق میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ یہ صرف شرکت لفظی ہے اور یہ نام رکھنے میں اس کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے۔ جس وقت کہ مالک غلام کو مال دے کر اس کا نام مالک رکھ دے۔ لیکن جب غلام کو اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ یقیناً سمجھ لے گا کہ اس کا یہ مال صرف مالک کی ملک میں ہے اور اس کا اس میں کوئی قطعی شریک نہیں۔

جب تم نے یہ بات پہچان لی کہ نور ظہور و اظہار کے مراتب کی جانب راجع ہوتا ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ عدم کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ کیونکہ اندھیرا کہتے والے کو اسی باعث مظلم کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں کے لئے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ آنکھ کے لئے موجود ہوتا ہے حالانکہ وہ بالذات موجود ہے۔ اب جو شے نہ اپنے لئے موجود ہو اور نہ غیر کیلئے تو وہ اس امر کی کیسے مستحق نہ ہوگی کہ وہ انتہائے ظلمت ہے اور اس کے بالمقابل وجود ہے اور وہی نور ہے۔ کیونکہ جو شے اپنی ذات میں ظاہر نہ ہوگی وہ غیر کے لئے بھی ظاہر نہ ہوگی۔ وجود بذاتہ بھی دو قسم کا ہے۔ اول یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہو۔ ثانیاً۔ اس کا وجود غیر سے آیا ہو۔

جس کا وجود غیر سے آیا ہے وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام حاصل نہیں۔ بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے گا تو وہ محض عدم ہو گا۔ کیونکہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور غنی کی مثال سے تم نے سمجھ لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقۃً موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حقیقت حقائق اس حقیقت سے عارفین مجاز کی پستی سے حقیقت کی بلندی تک پہنچ گئے اور انہوں نے نگاہوں سے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اللہ کے علاوہ ہر شئی فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ وہ کسی وقت فنا ہونے والی ہو بلکہ وہ ازلاً اور ابداً ہلاک ہونے والی ہے۔ کیونکہ اس کا تصور اسی طرح ممکن ہے۔ اس لئے کہ جو شئے اللہ کے علاوہ ہے جب اس کی ذات کا من حیث الذات لحاظ کیا جائے گا تو وہ عدم محض ہو گی اور جب اس کا اس لحاظ سے اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف پہلے وجود سے وجود سرایت کرتا ہے تو وہ موجود نظر آئے گا۔ لیکن بالذات نہیں بلکہ وہ اپنے موجود کرنے والے سے ملا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے موجود صرف ذات خداوندی ہو گی۔

ہر شئے میں دو قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں۔ ایک نسبت اس کی ذات کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اس کے پروردگار کی جانب تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہے اور اللہ کی نسبت سے موجود ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی موجود نہیں اللہ کے علاوہ ہر شئے ازل و ابد میں ہلاک ہونے والی ہے۔

عارفین قیام قیامت کے محتاج نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی یہ آواز سنیں کہ آج ملک کس کا ہے اللہ کیلئے قہار کا بلکہ یہ ندا ان کانوں سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی انہوں نے لفظ اَللّٰهُ اَكْبَرُ سے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ اپنے غیر سے بڑا ہے۔ پناہ بخدا وجود میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جس سے وہ بڑا ہو۔ بلکہ غیر کے لئے اس کے ساتھ ہونے کا کوئی رتبہ نہیں غیر کو تو اس کے تابع رہنے کا رتبہ حاصل ہے بلکہ غیر کو وجود بھی اسی باعث حاصل ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔ اور فقط اس کی ذات موجود ہے۔ اور یہ محال ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی بڑا ہے کہ اسے نسبتاً اور قیاساً بھی بڑا کہا جائے۔ اور اس سے بھی بڑا ہے کہ اس کا غیر

اس کی کبریائی کی ماہیت کر سکے خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ بلکہ خدا کی ماہیت کو اس کے علاوہ کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ کیونکہ ہر پہچانی ہوئی شے عارف کے سلطان وغلبہ میں داخل ہوتی ہے اور یہ بات اس کے جلال وکبریا کے منافی ہے ہم نے اس کی تحقیق کتاب المقصد الاسنیٰ فی الاسماء الحسنیٰ میں کی ہے عارفان خدا حقیقت پر پہنچنے کے بعد اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے وجود میں سوائے ایک ذات کے کوئی نہیں دیکھا ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی یہ حالت عرفانی اور علمی ہوتی ہے اور بعض کی یہ حالت ذوقی وحالی ہوتی ہے۔ ان سے کثرت بالکل جاتی رہتی ہے وہ محض فردانیت میں غرق ہوتے ہیں ان کی عقلیں جاتی رہتی ہیں اور مبہوت ہو جاتے ہیں ان میں غیر اللہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی حتیٰ کہ اپنے ذکر کی بھی۔ ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا ان پر اتنا نشہ چھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں جواب دے جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض نے اَنَا الحَقُّ (میں حق ہوں) بھی کہہ دیا۔ اور ایک نے کہا سُبْحَانِي مَآ اَعْظَمُ شَانِي (میں پاک ہوں میری کیا ہی شان ہے) ایک نے کہا مَا فِي الْجُبَّةِ اِلَّا اللّٰه (میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں) عشاق جب سکر کی حالت میں کلام کرتے ہیں تو اس پر سکوت اختیار کیا جاتا ہے اسے نقل نہیں کیا جاتا اور جب عقل پر قابو پاتے ہیں جو زمین میں خدا کی ترازو ہے تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حقیقت اتحاد نہ تھی بلکہ اتحاد کے مشابہ تھی جیسا کہ ایک عاشق نے غلبہ عشق میں کہا ہے۔ اَنَا مَنْ اَهْوٰی وَمَنْ اَهْوٰی اَنَا (یعنی میں وہ ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں میں وہ ہوں) نَحْنُ رُوحَانِ حُلَلْنَا بَدَنًا (ہم دو روحیں ہیں جو کہ بدن میں داخل ہیں) یہ کچھ بعید نہیں کہ انسان اچانک آئینہ کی جانب دیکھے تو اپنی صورت نظر آئے اور اس نے آئینہ کبھی نہ دیکھا ہو اور وہ یہ تصور کرے کہ جو شکل اس نے آئینہ میں دیکھی ہے وہ آئینہ ہی کی شکل ہے جو اس سے ملحق ہے۔ اسی طرح شراب کو کانچ کے گلاس میں دیکھ کر خیال کرے کہ شراب کا رنگ اس کا رنگ ہے اور اس کی یہ عادت بن جاتی ہے اور یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اس میں غرق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔

رق الزجاج ورقت الخمر وتشبها فتشا کل الامر

فکانما خمر ولا قدح وکانما قدح ولا خمر

گلاس لطیف ہے اور شراب بھی رقیق ہے وہ اس کے مشابہ ہے گویا کہ امر اس کے بنے میں مشتبہ ہو گیا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں اور پیالہ ہے اور شراب نہیں۔

جب یہ حالت غالب ہو جاتی ہے تو یہ اصل حال کی بہ نسبت فنا کہلاتی ہے بلکہ فناء الفناء ہے کیونکہ وہ اپنے نفس سے بھی اور اس کے فنا ہونے سے بھی فنا ہو چکا ہے وہ اس حالت میں خود سے بھی واقف نہیں اور نہ اسے یہ علم ہے کہ میں خود سے واقف نہیں۔ اگر اسے اپنے نفس کے عدم شعور کا شعور رہتا وہ خود کو پہچانتا اور اس حالت کو جس میں وہ غرق ہو چکا ہے زبان مجاز میں اتحاد کہتے ہیں اور حقیقت کی زبان میں توحید۔ ان حقائق کے سوا بھی ایسے اسرار ہیں جن میں غور و فکر جائز نہیں۔

خاتمہ

تم شاید یہ بھی چاہتے ہو گے کہ خدا کے نور کی آسمان اور زمین کی طرف نسبت کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے بلکہ اس کی وجہ بھی کہ وہ بذاتہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تم پر یہ بات مخفی رہنا بھی مناسب نہیں کیونکہ جب تم نے یہ پہچان لیا کہ وہ نور ہے اور اس کے سوا کوئی اور نور نہیں وہی مجموعہ انوار ہے اور وہی نورِ کل ہے کیونکہ نور اسے کہا جاتا ہے جس سے چیزیں ظاہر ہوں اور اعلیٰ درجہ کا نور وہ ہے جس کے سبب سے اور جس کے لئے اور جس سے ظاہر ہو اور حقیقی نور وہ ہے کہ اس کے سبب اور اس کے لئے ہو اور اسی سے انکشاف ہو اس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے نور کا اقتباس ہو۔ بلکہ یہ نور اس کے لئے اپنی ذات سے فی ذاتہ ہے اور اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ غیر سے۔

جب تمہیں یہ معلوم ہو چکا کہ نور اول کے علاوہ یہ امر کسی کے لئے منحصر نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے متصف ہو سکتا ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ آسمان اور زمین دونوں قسم کے نور سے بھرے ہوئے ہیں وہ دونوں نور جو بصارت اور بصیرت کی جانب منسوب ہیں۔ یعنی حس اور عقل کی طرف۔ بصری نور وہ ہے جس کا ہم آسمانوں پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ یعنی سورج چاند اور ستارے اور جسے ہم زمین میں دیکھتے ہیں۔ یعنی شعاعیں جو کہ روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں حتیٰ کہ اس کے باعث مختلف رنگ ظاہر ہوتے ہیں علی الخصوص موسم ربیع میں۔ نیز وہ شعاعیں، حیوانات نباتات معادن اور موجودات کے تمام اقسام پر پھیلی ہوئی ہیں اگر وہ نہ ہوتیں تو رنگوں کا ظہور بلکہ وجود بھی نہ ہوتا۔ پھر حس کے لئے جو مقداریں اور شکلیں ظاہر ہوتی ہیں۔ تو ان سے تبعاً رنگت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کے ادراک کا تصور انہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

رہے انوار عقلیہ اور معنویہ تو ان سے تمام عالم اعلیٰ معمور ہے اور وہ جواہر ملائکہ ہیں۔ اور عالم اسفل بھی اس سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد حیات حیوانیہ اور انسانیہ ہے۔ انسانی سفلی کے نور سے عالم سفلی کا نظام ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ نور ملکی سے عالم اعلیٰ کا نظام ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم یہی ہے۔ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (اور وہ ذات ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا) اور فرمایا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا) ایک مقام پر ارشاد ہے۔ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ (اور وہ تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے) ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو یہ امر بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ تمام عالم انوار ظاہرہ بصریہ اور باطنہ عقلیہ سے معمور ہے اور یہ بھی ہو گیا ہو گا کہ سفلیہ ایک دوسرے سے فیضان حاصل کرتے ہیں اور وہ انہی کے اجزاء ہیں جس طرح کہ چراغ سے نور کا فیضان ہوتا ہے اور چراغ دراصل نور نبوی اور ارواح نبویہ، قدسیہ ارواح علویہ سے اس طرح نور حاصل کرتی ہے جس طرح کہ چراغ تیل سے نور حاصل کرتا ہے پھر علویات بھی ایک دوسرے سے نور حاصل کرتے اور ان کی ترتیب مقامات کی ترتیب سے واقع ہے اور پھر یہ سب نور الانوار اور اصل معدن منبع سے نور حاصل کرتے ہیں اور یہی وحدہ لاشریک ہے صرف اسی کا نور حقیقی ہے بقیہ تمام انوار اس سے مانگے ہوئے ہیں اور اس کے نور سے ماخوذ ہیں اس لئے وہی کل ہے وہی وہی ہے اور غیر کے لئے مجاز کے علاوہ کچھ نہیں صرف اسی کا نور ہے اور انوار اسی باعث انوار ہیں کہ وہ اس سے متصل ہیں۔ اپنی ذات سے وہ قطعاً موجود نہیں۔ اب ہر شخص کے متوجہ ہونے کے لئے اس کی ذات کافی ہو۔ اور جدھر بھی منہ کرو اللہ ہی کی ذات ہے۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ۔

اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیونکہ معبود اسی کو کہا جاتا ہے جس کی جانب عبادت کے لئے تمام چہرے پھرتے ہوں اور اسی کے تابع ہوں چہروں سے مراد دلوں کے چہرے ہیں کیونکہ وہ انوار و ارواح ہیں بلکہ جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اسی طرح اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ کیونکہ "وہ" اسے کہتے ہیں۔ جس کی جانب اشارہ کیا جائے وہ جیسا بھی ہو اور اس کے علاوہ

کسی کی جانب اشارہ نہیں بلکہ جب بھی تو اشارہ کرے گا تو فی الواقع اسی کی جانب اشارہ ہوگا اگرچہ تو اسے ان اشیاء مذکورہ کے حقائق کے حقیقت سے غفلت کے باعث نہیں پہچانتا جیسے نور آفتاب کی جانب اشارہ نہیں ہوتا بلکہ آفتاب کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ جتنی اشیاء موجود ہیں ان کی اس کی طرف نسبت ظاہر مثال میں ایسی ہی ہے جیسا کہ نور کی آفتاب کی طرف لا الٰہ الا اللہ عوام کی توحید ہے اور لا ھو الا ھو (نہیں مگر وہی) خواص کی توحید ہے۔ کیونکہ وہ عام ہے اور یہ خاص۔ اور یہ زیادہ شامل، زیادہ لائق، زیادہ دقیق ہے اور اس کے ماننے والے کو فردانیت میں زیادہ داخل کرنے والا ہے۔

مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی سیڑھی نہیں کیونکہ کثرت کے بغیر چڑھنا بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک قسم کی نسبت ہے جو اس بات کو چاہتی ہے کہ اس سے چڑھا جائے اور جب کثرت اٹھ جاتی ہے تو وحدت ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت ختم ہو جاتی ہے اور اشارہ بھی ختم ہو جاتا ہے پھر نہ بلندی ہے نہ پستی نہ اترنے والا اور نہ چڑھنے والا۔ ترقی محال ہو جاتی ہے اور چڑھنا دشوار۔ اعلیٰ سے اوپر کوئی بلندی نہیں وحدت کے ساتھ کثرت نہیں۔ اور کثرت ختم ہو جانے کے بعد سیڑھی کا بھی وجود باقی نہیں رہتا۔ پھر اگر وہاں کسی حالت کا تغیر ہے تو دنیاوی آسمان کی جانب اترنے کے باعث ہے۔ یعنی بلندی سے پستی کی طرف جھکنے کی وجہ سے۔ کیونکہ اعلیٰ کے لئے اگرچہ کوئی اور اعلیٰ نہیں لیکن اسفل ضرور ہے۔ سو یہ تمام غایات اور مطلوبات کی انتہا ہے جو اسے جانتا ہے سو وہ جانتا ہے اور جو جاہل ہے وہ انکار کرتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے علمائے ربانیین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور جب وہ اسے بیان کرتے ہیں تو ان لوگوں کے علاوہ۔ جو خدا کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور یہ بعید از عقل نہیں کہ علماء یہ کہیں کہ آسمان دنیا کی طرف فرشتہ کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بعض عارفین نے اس سے زیادہ کا وہم کیا ہے اس لئے کہ اس فردانیت کے غرق لے تو یہ کہا ہے کہ اس کے لئے دنیاوی آسمان کی طرف نزول ہے۔ اور اس کا یہ نزول استعمال حواس یا تحریک اعضاء کی جانب ہے اور اس کی جانب حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ زبان بن جاتا ہوں

جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ اور جب کہ خدا اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہے تو اور کوئی نہیں ہوتا اور اسی کی طرف اشارہ اس حدیث قدسی میں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ الحدیث۔

پس اس موحد کی آسمان دنیا سے حرکات ہیں۔ اور اس کے محسوسات وہ آسمان ہیں جو اس کے اوپر ہیں اور اس کی عقل ان سے بھی بالا ہے وہ آسمان عقل سے مخلوق کی معراج کی انتہا تک ترقی کرتی ہے۔

فردانیت کی مملکت کے سات طبقے ہیں۔ اس کے بعد عقل عرش وحدانیت پر ستوی ہوتی ہے اور وہاں سے حکم کی تدبیر آسمانوں کے تمام طبقات تک کرتی ہے اور اکثر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے حتیٰ کہ اس پر گہری نگاہ ڈالنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس کی تاویل ہے جیسا کہ عارف کا یہ قول کہ میں خدا ہوں اور پاک ہوں اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ اور میں اس کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ مناسب یہ ہے کہ اب کلام کو زیادہ طول نہ دیا جائے اس لئے کہ اس سے زیادہ تم سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے ممکن ہے کہ تم اس کلام کے مفہوم کو نہ سمجھ سکو بلکہ اس مفہوم کو حاصل کرنے سے قبل ہی تمہاری ہمت جواب دے جائے۔ اس لئے اب تم ایسا کلام سنو جو تمہاری سمجھ کے زیادہ قریب ہو۔

مثلاً تم خدا کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کے معنیٰ ظاہری نور لیتے ہو۔ یعنی آنکھوں والا نور۔ مثلاً جب فصل ربیع کی سبزی اور رنگوں کو دن میں دیکھتے ہو تو بسا اوقات تجھے یہ وہم ہوتا ہے کہ تو رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔

گویا تو یہ بات کہتا ہے کہ میں سبزی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا ایک قوم نے اسی پر اصرار کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ نور کے کوئی معنیٰ نہیں۔ اور یہ رنگوں کے ساتھ رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس طرح انہوں نے نور کے وجود کا انکار کیا حالانکہ وہ تمام اشیاء میں سب سے زیادہ عیاں ہے اور کیوں نہ عیاں ہو اس کے باعث اشیاء کا ظہور ہے وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے ساتھ غیر کو بھی دیکھتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ لیکن غروب آفتاب کے وقت، چراغ گل ہونے کے وقت، اور سایہ ڈھیل جانے کے وقت، وہ محل سایہ اور روشنی

کے درمیان ضرور فرق محسوس کرتے ہیں۔ مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ نور ایک ایسی شے ہے کہ جو رنگوں کے علاوہ ہے اور رنگوں کے ذریعہ اس کا ادراک ہوتا ہے حتیٰ کہ ان سے زیادتی اتحاد کے باعث محسوس نہیں ہوتا۔ اور زیادتی ظہور کے سبب مخفی ہوتا ہے۔ کیونکہ کبھی نور کی شدت خفا کا سبب ہوتی ہے اور جب کوئی شے حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد پر لوٹ آتی ہے۔

جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا تو یہ بھی جان لو کہ عاقلوں نے جس شے کو دیکھا ہے تو اس کے ساتھ خدا کو دیکھا ہے اور بعض اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کسی شے کو نہیں دیکھا مگر اس سے قبل اللہ کو دیکھا ہے۔ کیونکہ بعض عارفین خدا کے ساتھ اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ اور بعض اولاً اشیاء کو دیکھتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ خدا کو دیکھتے ہیں۔ تخیل اول کی جانب اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ○ کیا تیرا رب ہر شے پر گواہی کے لئے کافی نہیں) اور دوسرے تخیل کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ (عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی جانوں میں دکھا دیں گے) پہلا شخص صاحب مشاہدہ اور دوسرا اس کی آیات کے ساتھ صاحب استدلال ہے اوّل درجہ صدیقین کا ہے، دوسرا علمائے راسخین کا اور ان دونوں کے بعد غافلین کے علاوہ کوئی درجہ نہیں۔

جب تم نے یہ چیز سمجھ لی تو یہ بھی جان لو کہ جس طرح ہر شے آنکھ کے لئے نور ظاہری کا سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل باطنی کے لئے ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوتی ہے پس وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس سے جدا نہیں۔ اور اسی سے ہر شئی ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور ظاہر ظاہر کا غروب آفتاب سے غائب ہونا ممکن ہے کیونکہ وہ پردہ میں ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سایہ ظاہر ہو جاتا ہے لیکن خود اس کا غائب ہونا متصور نہیں بلکہ اس کا غروب محال ہے وہ تمام اشیاء کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

گویا طریقۂ استدلال تفرقہ پر منقطع ہوا۔ اور اگر اس کا غائب ہونا ممکن ہو تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جائیں ہاں اس کے سبب ایسی تفریق معلوم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ اس چیز کی معرفت کی جانب مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا ظہور ہوا ہے۔ لیکن تمام اشیاء ایک ہی طریقہ پر ظاہر ہیں کیونکہ ان کا خالق ایک ہے۔ اور ہر شے اسی کی حمد و تسبیح کرتی ہے نہ کہ بعض اشیاء اور تمام اوقات میں کرتی ہیں

نہ کہ بعض اوقات میں تو تفریق ختم ہو جاتی ہے اور طریق مخفی ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہری قاعدہ تو یہ ہے کہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ کیونکہ جس شے کی ضد اور نقیض نہ ہو تو ظاہر میں ان کا حال یکساں ہوگا۔ تو پھر بعید نہیں کہ وہ مخفی ہو اور اس کا یہ خفا زیادتی ظہور کے سبب ہو۔ اور روشنی کی چمک کے باعث انسان اس سے غافل ہو جاتا ہے۔ پس وہ پاک ہے جو کہ اپنی مخلوق سے اپنے ظہور کے باعث مخفی ہے اور اپنے نور کے سبب مخلوق سے پردے میں ہے بعض اوقات کوتاہ فہم اس کلام کو نہیں سمجھتے

ہماری اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے ساتھ ہے جیسا کہ اشیاء کے ساتھ نور ہے۔ بلاشبہ وہ ہر جگہ ہے لیکن وہ اس سے بلند و پاک ہے کہ کسی مکان کی اس کی طرف نسبت کی جائے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے کہ یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ہر شے سے قبل ہے اور بیرونی ہر شے کے ادھر ہے اور یہ خیال کہ وہ ہر شے کو ظاہر کرنے والا ہے اور صاحب عقل کے نزدیک ظاہر کرنے والا ظاہر شدہ سے جدا نہیں ہوتا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس کا مقصود یہی ہے۔ اور یہ بھی تم پر مخفی نہیں کہ ظاہر کرنے والا ظاہر شدہ سے قبل ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر ہوتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا کہ ایک حیثیت سے وہ اس کے ساتھ ہے اور ایک لحاظ سے اس سے قبل تو کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہیے کہ یہ باہم نقیض ہیں۔ تو انہی محسوسات کو پیش نظر رکھ کر کہ جن کی معرفت میں تیرا حصہ ہے اور خیال کر کہ ہاتھ کی حرکت ہاتھ کے سایہ کے ساتھ کیسے ہوتی ہے اور اس سے قبل کیونکر۔ اور جس شخص کا سینہ اس معرفت کے لئے کشادہ نہ ہو اسے اس عالم کی راہ ترک کر دینی چاہیے۔ کیونکہ ہر علم کے لئے خاص افراد ہوتے ہیں اور جس فن کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اس کے لئے وہی سہل ہوتا ہے۔

باب دوم

مشکوٰۃ و مصباح اور زجاجہ وغیرہ کی تشریح اس کا بیان اس کا طالب ہے کہ اس سے قبل دو قطب ہو جن میں بحر محدود وسعت پائی جاتی ہو۔ لیکن میں ان جانب رمز و کنایہ پر اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

قطب اول اس بیان میں ہے کہ اس مثال میں کیا سر ہے اور معانی کو تمثیلات کے طور

یہ بیان کرنے کی وجہ کیا ہے اور عالم شہادت کہ جس سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور عالم ملکوت میں کہ جس سے معانی کا نزول ہوتا ہے ان کی باہم مناسبت کیا ہے اور اس موازنہ کی کیا حقیقت ہے۔

قطب دوئم اس میں ارواح بشریہ اور اس کے انوار کے طبقات کا بیان ہے۔ کیونکہ یہ تمثیل اس کے بیان کرنے کے لئے دلائی گئی ہے۔ اور ابنِ مسعود کی قرأت یہ ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اس کے دل میں چراغ ہو۔ ابی بن کعب نے اسے اس طرح تلاوت کیا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِ قَلْبِ مَنْ اٰمَنَ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مومن کے دل کے نور کی مثال چراغ کی طرح ہے۔

قطب اوّل

تمثیل اور طرز تمثیل کا راز عالم کی دو قسمیں ہیں روحانی اور جسمانی یا اسے حسی اور عقلی سے تعبیر کرلو اور خواہ اسے علوی اور سفلی کہو۔ یہ تمام الفاظ قریب المعنی ہیں۔ صرف عبارات مختلف ہیں۔ مگر ان کا اپنی ذات کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے تو یہ جسمانی و روحانی ہیں۔ اور اگر آنکھ کے اعتبار سے ان کا لحاظ کیا جائے کیونکہ وہ انہیں دیکھتی ہے تو یہ عقلی و حسی ہیں۔ اور اگر ان کا ایک دوسرے کے اعتبار سے لحاظ کیا جائے گا تو یہ علوی و سفلی ہیں۔ بعض اوقات ایک کو عالم الملک والشہادہ اور دوسرے کو عالم الغیب والملکوت بھی کہتے ہیں جو شخص حقیقت الفاظ پر نظر ڈالتا ہے وہ ان کی کثرت سے حیران ہوتا ہے اور جس شخص پر حقائق عیاں ہو جاتے ہیں وہ معانی کو اصل اور الفاظ کو ان کے تابع سمجھتا ہے لیکن کمزور شخص کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ حقائق کو الفاظ سے تلاش کرتا ہے۔ ان ہر دو فریق کی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْھِہٖٓ اَھْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ کیا وہ شخص جو اوندھے منہ گرا ہوا ہو وہ زیادہ ہدایت پر ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھی راہ پر چل رہا ہو۔

جب ہر دو جہان کے معنی ظاہر ہوگئے تو یہ بھی جان لو کہ عالم ملکوتی و علوی کو عالم غیب کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہے اور عالم حسی کو عالم شہادت و ظاہر کہتے ہیں۔ کیونکہ اسے تمام لوگ دیکھتے ہیں۔

عالم حسی عالم عقلی کی سیڑھی ہے اور اگر ان میں باہم مناسبت اور اتصال نہ ہوتا تو اس کی طرف ترقی کی راہ مسدود ہو جاتی اور اگر یہ دشوار ہوتا تو خدا کا قرب دشوار ہوتا بلکہ اس سے کسی کو بھی ہرگز قرب حاصل نہ ہوتا تا وقتیکہ وہ عالم قدس کے بڑے بڑے میدان طے نہ کر لے۔ جو عالم ادراک اور حس و خیال سے بلند ہے ہم اسے عالم قدس کہتے ہیں۔ اور جب اس کے مجموعے کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی وہ عالم جس سے کوئی شے باہر نہ نکلے اور نہ اس میں کوئی ایسی شے داخل ہو جو اس سے اجنبی ہو تو اسے خطیرالقدس یعنی بہشت کہا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ہم اس روح بشری کو جو قدس کی روشنیوں کی گذرگاہ ہو ہم اسے وادی مقدس سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر ان میں بہت سے بہشت ہیں کہ ان میں بعض معانی قدس میں زیادہ دخیل ہیں لیکن خطیرہ کا لفظ تمام طبقات کو شامل ہے

یہ وہم نہ کرو کہ یہ تمام الفاظ عقلاء کے نزدیک بے فائدہ اور غیر معقول ہیں۔ اس وقت ان الفاظ کی شرح کرنے سے مقصد دور ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کرو اور اصل غرض کی جانب رجوع کرو۔

جب عالم شہادت عالم ملکوت کی سیڑھی ہے تو اس ترقی سے مقصود صراط مستقیم پر چلنا ہے اسی کو دین اور منازل ہدایت کہا جاتا ہے اگر ان دونوں میں کوئی مناسبت نہ ہوتی تو ایک سے دوسرے کی جانب ترقی کرنا متصور بھی نہ ہوتا۔ پھر رحمت خداوندی نے عالم شہادت کو عالم ملکوت کے بالمقابل بنایا ہے اس لحاظ سے اس جہاں میں کوئی شے ایسی نہیں جو اس عالم کی کسی شے کی مثال نہ ہو۔ اور بعض اوقات ایک ہی شے عالم ملکوت کی چند اشیاء کی مثال ہوتی ہے اور بعض اوقات عالم ملکوت کی ایک شے کے لئے عالم شہادت میں بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اور مثال اسی وقت ہوتی ہے جب کہ دونوں میں باہم کسی قسم کی مشابہت اور مطابقت ہو۔ ان مثالوں کا شمار ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ تمام موجودات کو شمار کرنا اور یہ قدرت انسانیہ سے باہر ہے اور قوت بشریہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور تھوڑی عمر یں اس کے لئے کافی نہیں۔ میرا منشاء یہ ہے کہ تمہیں یہ بات مختصر طور پر سمجھا دوں تاکہ یہ مختصر امور بقیہ امور کے لئے دلیل بن سکیں اور اس طرح تم پر اسرار کے سمجھنے کا دروازہ کھل جائے۔

اگر عالم ملکوت جو جواہر نورانیہ ہیں انہیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انہی سے ارواح

بشر پر انوار کرتے ہیں۔ اسی باعث انہیں رب کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ رب الارباب ہوا۔
نورانیت میں ان کے مراتب مختلف ہیں اور عالم شہادت میں ان کی مثال چاند سورج اور
ستارے ہیں۔ اس راہ کا چلنے والا اول ستاروں کے درجہ تک ترقی کرتا ہے۔ تو اس پر نور کی چمک
ظاہر ہوتی ہے اور اس پر اس کا ایسا جمال اور بلند درجہ کھلتا ہے کہ وہ پکار اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ
یہ میرا رب ہے۔

پھر جب اسے آگے بڑھ کر چاند کا رتبہ معلوم ہوتا ہے تو پہلے ستارے کے غروب کو ایک
وہم خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا اسی طرح ترقی کرتا جاتا
ہے حتیٰ کہ آفتاب کی مثال تک پہنچ جاتا ہے پھر اسے دیکھتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور بلند ہے۔ اس
کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت کے مثال کے قابل ہے اور نقصان دار کے ساتھ نقص اور غروب
کی مناسبت بھی ہے پس اسی باعث کہا ہوتا ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ — ہم نے اپنا چہرہ خالص طور پر اس ذات کے سامنے کر لیا ہے
وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ — جسے آسمان و زمین پیدا فرمائے اور میں مشرکوں میں سے نہیں

الذی ایک مبہم اشارہ ہے اسے اس سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ
الذی کے مفہوم کی کیا مثال ہے تو اس کا جواب تصور میں بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہر مناسبت
سے پاک ہے۔ اور اسی لئے جب بعض بدویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ
اللہ کی کیا مناسبت ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ — آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے۔ نہ
وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ — جنتا ہے اور نہ جنا گیا ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے

اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ ہر نسبت سے پاک ہے۔ اسی لئے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام
سے سوال کیا تھا ما رب العالمین
جیسے کوئی ماہیت کا طالب سوال کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے افعال ہی سے جواب دیا
تھا۔ کیونکہ سائل کے نزدیک اس کے افعال ہی زیادہ ظاہر تھے۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا
کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ فرعون نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں گویا

وہ ان پر معترض تھا کہ موسیٰ حقیقت کے جواب سے کیوں عدول کر گئے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے باپ داداؤں کا بھی رب ہے۔ اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جنون کی جانب منسوب کیا۔ اس لئے کہ فرعون کا مطلب حقیقت و تمثیل سے آگاہی تھی اور آپ افعال کے ساتھ جواب دے رہے تھے۔ اسی باعث فرعون نے کہا تھا کہ تمہاری جانب جو رسول بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ علم تعبیر سے تمہیں تمثیل کی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اس لئے خواب نبوت کا ایک جزو ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خواب میں آفتاب دیکھنے کی تعبیر بادشاہ کو دیکھنا ہے کیونکہ ان دونوں کے روحانی معنی میں شرکت و مشابہت ہے وہ سب پر بلند ہے اور اس کا انوار و آثار کا سب پر فیضان ہوتا ہے۔ اور چاند دیکھنے کی تعبیر وزیر ہوتا ہے۔ کیونکہ غروب آفتاب کے بعد آفتاب کا نور چاند ہی کے ذریعہ زمین پر گرتا ہے جیسا کہ بادشاہ اپنے آثار کے فیض اس شخص پر جو بادشاہ سے غائب ہوتا ہے وزیر ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ یا مثلاً خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے پاس مہر ہے اور وہ اسے لوگوں کے چہروں اور عورتوں کی پیشاب گاہوں پر لگا رہا ہے تو اس کی تعبیر رمضان میں صبح صادق سے قبل اذان دیتا ہے۔ اور جو شخص یہ دیکھے کہ وہ روغن زیتون کو زیتون میں ڈال رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے نیچے ایسی لونڈی ہے جو اس کی ماں ہے اور جس کے ماں ہونے سے یہ واقف نہیں۔

تعبیر کی تمام اقسام کی اس قسم کی تمثیلات میں شمار کرنا ناممکن ہے کم از کم یہ میرے احاطۂ قدرت سے باہر ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جیسے موجودات عالیہ روحانیہ میں وہ اشیاء پائی جاتی ہیں جن مثال آفتاب، چاند اور تارے ہیں۔ اسی طرح ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی مثالیں اور ہیں اور علی الخصوص جب کہ ان اشیاء کے ساتھ دیگر اوصاف کے علاوہ نورانیت کا لحاظ کیا جائے۔

پس اگر ان موجودات میں کوئی ایسی شے موجود ہے جو کہ ثابت ہے اور متغیر نہیں۔ بڑی سے چھوٹی نہیں اور اس سے معارف و مکاشفات کے چشمے پھوٹ کر دلوں کی جانب

جارہے ہوں تو اس کی مثال طور پر ملتی ہے۔ اور اگر ایسے موجودات ہیں جن کا ان نفائس سے تعلق ہے اور ان میں سے بعض بعض سے بہتر ہیں تو ان کی مثال وادی ہے اور اگر یہ نفائس انسانی قلوب کے باہم ملنے کے بعد ایک دل سے دوسرے دل کی جانب جاری ہوتے ہوں تو یہ دل بھی جنگل کی طرح ہیں جو کہ پہلے دلوں کے علاوہ ہیں اور بعض ان میں سے غوطہ زن ہیں

مناسب یہ ہے کہ اول وادی ایمن ہو کیونکہ وہ بہت بابرکت ہے اور اس کا درجہ بہت بلند ہے اور اگر وادی کم درجہ کی جو وادی ایمن کے انتہائی درجات سے ملحق ہے تو وہ شخص وادی ایمن کے کنارے پر غوطہ زن ہے ایسا شخص وادی کے درمیان اور بھنور میں غوطہ زن نہیں۔ اگر نبی کی روح روشن چراغ ہے اور یہ روح وحی سے فیض حاصل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (ہم نے روح کو اپنا حکم دے کر آپ کے پاس بھیجا)

پس جس سے اقتباس کیا جاتا ہے اس کی مثال آگ کی مانند ہے اور اگر اخذ کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو ان میں سے بعض تقلید پر ہیں کہ وہ اس وحی کو سن لیتے ہیں اور بصیرت یافتہ ہیں۔ اس مقلد کی مثال جو بصیرت نہیں رکھتا انگار اور چنگاری کی ہے اور صاحب ذوق بعض احوال میں نبی کا شریک ہوتا ہے۔ اس مشارکت کا مقصود سینکنا ہے اور آگ وہی سینکتا ہے جس کے پاس آگ ہوتی ہے ورنہ وہ اس کی خبر نہ سنتا اگر انبیاء کی پہلی جماعت کدورت حس و خیال سے عالم مقدس کی جانب ترقی کرتی ہے تو اس کی مثال منزل وادیٔ مقدس۔ اور اس وادیٔ مقدس کا طے کرنا دونوں جہاں کو ترک کئے بغیر اور ایک خدا کی جانب متوجہ ہوئے بغیر طے کرنا ممکن نہیں اور دنیا و آخرت دونوں باہم بالمقابل ہیں۔ وہ دونوں دنیا و آخرت کے عوارض ہیں۔ ان دونوں کا کبھی تو چھوڑنا ممکن ہے اور کبھی ان سے ملنا ان کے چھوڑنے کی مثال احرام باندھنے اور کعبہ قدس کی جانب توجہ کے وقت جوتے اتارنے کی ہے۔ بلکہ ہم حضرت خداوندی کی جانب ترقی کر کے کہتے ہیں کہ اگر اس درگاہ میں کوئی ایسی شے ہے کہ جس کے ذریعہ علوم منفصلہ جواہر قابلہ میں نقش پذیر ہوتے ہوں تو اس کی مثال قلم ہے اور اگر ان میں ایسے جواہر ہیں جن میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ نقوش علم سے متصل ہو سکیں تو ان کی مثال لوح۔ کتاب اور رق منشور یعنی صحیفہ روشن ہے اور اگر علوم کے نقوش سے بڑھ کر کوئی اور شے ہے تو وہ اس کے ساتھ مقید ہے

تو اس کی مثال ہاتھ ہے اور اگر اس درگاہ کی جو کہ ہاتھ، لوح و قلم اور کتاب پر مشتمل ہے کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو اس کی مثال صورت ہے اور اگر اس مشابہت پر صورت انسانی کی کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو وہ صورت رحمٰن پر ہے اور اس بات میں کہ وہ اللہ کی صورت پر ہے بین فرق ہے۔ کیونکہ وہ رحمت الٰہی جو صورت الٰہی پر ہے وہ اسی صورت کے ساتھ متصف ہے۔

خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر مہربانی فرمائی اور انہیں وہ مختصر سی جامع صورت دی جو عالم کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ گویا وہ تمام جہان کا مجموعہ ہے یا ایک مختصر سے جہاں کا نسخہ ہے اور آدم کی صورت صورت اللہ کے خط سے لکھی ہوئی ہے اور وہ ایسا خط الٰہی ہے جس کو حروف سے نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ اس کا خط تحریر و حروف سے پاک ہے۔ جیسا کہ اس کا کلام آواز و حروف سے پاک ہے اور اس کا قلم اس سے پاک ہے کہ وہ سرکنڈہ یا لوہے سے بنا ہو۔ اور اس کا ہاتھ اس سے پاک ہے کہ وہ گوشت اور ہڈی ہو اور اگر یہ رحمت الٰہی نہ ہوتی تو انسان معرفت خداوندی سے عاجز ہو جاتا۔ اس لئے کہ اپنے رب کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہو اور جب رحمت کے یہ آثار ہیں تو وہ صورت رحمٰن پر ہوا نہ کہ اللہ کی صورت پر۔

پس حضرت الٰہی حضرت رحمٰن کے غیر ہے اور بادشاہت و ربوبیت کے بھی غیر ہے اس لئے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ ان تمام حضرات سے پناہ مانگو۔ ارشاد ہے۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ (آپ فرما دیجئے کہ میں لوگوں کے پروردگار۔ لوگوں کے بادشاہ سے پناہ مانگتا ہوں۔) اور اگر یہ معنی نہ ہوتے تو اس کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا لفظاً درست نہ ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور جو لفظ صحیح حدیث میں ہے وہ علی صورت الرحمٰن ہے (حدیث صحیح تو کجا حدیث ضعیف میں بھی یہ لفظ نہیں بلکہ یہ صرف مصنف کی اختراع ہے)

حضرت بادشاہ کو حضرت ربوبیت سے ممیز کرنے کے لئے طویل شرح کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں بطور اختصار تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں۔ اگر تمہارے دل میں ان مثالوں سے کوئی شبہ پیدا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا۔ اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر مقدار کے مطابق اس سے نالے بہہ گئے۔

کیونکہ تفسیر میں آیا ہے کہ پانی معرفت ہے اور جنگل دل ہے۔

خاتمہ و معذرت

اس مختصر اور ضرب الامثال سے یہ گمان نہ کرنا کہ میری جانب سے گویا یہ رخصت ہے کہ آیت کے ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے اور ان کے بطلان کا عقیدہ قائم کیا جائے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جوتے نہ تھے اور انہوں نے خدا کے اس حکم کو کہ اپنے جوتے اتار دو نہیں سنا تھا۔ خدا کی پناہ میں یہ کیسا کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ ظواہر کو باطل کرنا ان باطنیوں کی رائے ہے جنہوں نے اپنے بھینگے پن کی وجہ سے دونوں جہان میں سے صرف ایک جہان کو دیکھا اور دونوں کے تقابل میں جہالت سے کام لیا اور وجہ بھی نہ سمجھے جیسے صاحب اسرار کا کلیۃً باطل کرنا حشویہ کا مسلک ہے۔ پس جو شخص محض ظاہر پر ہے وہ حشوی ہے اور جس کا تعلق صرف باطن سے ہے وہ باطنی ہے اور جو دونوں کو جمع کرتا ہے وہ کامل ہے۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کا ظاہر اور باطن اور حد اور مطلع ہے (یعنی جائے طلوع ہے) اور یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفاً نقل کیا گیا ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے اس حکم سے کہ اپنے دونوں جوتے اتار دو یہ سمجھا کہ دونوں جہاں چھوڑ دو۔ پھر ظاہری حکم کی تعمیل کے لئے جوتے اتار دیئے اور باطن میں تمام جہاں کو چھوڑ دیا (یہ صرف تاویل برائے تاویل ہے جس کا قرآن و شریعت سے دور کا بھی تعلق نہیں) اسی کو اعتبار کہتے ہیں کہ ایک شے سے دوسری شے تک عبور کرنا اور ظاہر سے باطن کی طرف جانا ہے۔ وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سنتا ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ اور پھر وہ شخص کتے کو اپنے گھر میں رکھے اور کہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل کے گھر کو غضب کے کتے سے پاک کیا جائے کیونکہ وہ ملائکہ کے انوار کی معرفت سے روکتا ہے۔ اس لئے کہ غصہ عقل کا غول ہے اور اس شخص کے درمیان فرق ہے جو کہ اس حدیث

ظاہری حکم کی تعمیل بھی کرتا ہو اور پھر یہ کہتا ہو کہ کتا اپنی ظاہری صورت پر مراد نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے درندگی اور شکار کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اور جب اس گھر کی حفاظت واجب ہے جو کہ انسان کے وجود اور بدن کا مقام ہے تو اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کتے کے خصائل سے بھی اپنی حفاظت کرے تو اس پردل کے گھر کی جو کہ جوہر حقیقی کی قرار گاہ ہے حفاظت کرنا ضروری ہوا کیونکہ جو شخص ظاہر و باطن ہر دو کو جمع کرتا ہے وہی کامل ہے۔ اور کاملین کے اس قول کا مقصود یہی ہے کہ کامل وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ کے نور کو نہیں بجھاتا۔ اور اسی باعث تو کامل کو دیکھے گا کہ وہ کمال بصیرت وعقل کے باوجود کسی حکم کو ترک کرنے کی ہمت نہیں کرتا

بعض سالکین طریقت کا احکام ظاہر کی بساط کو لپیٹ دینا ان کا مغالطہ ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے نماز ترک کر دی اور بولے کہ ہم ہمیشہ باطنی نماز میں رہتے ہیں۔ اور یہ اباحت والے احمقوں کے علاوہ اور مغالطہ ہے کہ جنہیں بیہودہ باتوں نے پکڑ رکھا ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال کی پرواہ نہیں۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ باطن خباثتوں سے بھرا ہوا ہے اور ان سے اس کی پاکیزگی ممکن نہیں۔ اور غضب وشہوت کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا یہ گمان ہے کہ وہ ان دونوں کو اکھاڑنے پر مامور ہے۔ پس یہ حماقتیں ہیں اور سالک کی لغزش ہے جسے شیطان نے روک لیا ہے اور اسے غرور کے رسوں میں لٹکا دیا ہے۔

اب میں نعلین کی تفسیر کی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ظاہراً جوتوں کا اتارنا دونوں جہاں کے ترک کی طرف اشارہ ہے۔ پس ظاہر میں مثال حق ہے اور اس کا باطن کی طرف لے جانا حقیقت ہے۔

ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس رتبہ کے لوگ ہی زجاجہ (شیشہ) کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ جیسا کہ زجاجہ کے معنیٰ میں عنقریب آئے گا۔ کیونکہ وہ خیال جس کی مثال اصل سے اخذ کی جائے سخت کثیف ہے جو اسرار کو چھپاتا ہے۔ اور تم میں اور انوار میں حائل ہو جاتا ہے لیکن جب صاف ہوتا ہے تو شیشہ کی طرح صاف ہوتا ہے اور انوار میں حائل نہیں رہتا اور انوار تک پہنچا دیتا ہے بلکہ وہ اس کے لئے انوار کا محافظ بن جاتا ہے تاکہ وہ آندھیوں سے بجھ نہ جائے۔

اب زجاجہ کی حقیقت سمجھو۔

جان لو کہ عالم کثیف خیالی سفلی انبیائے کرام کے حق میں شیشہ، انوار کے لئے طاقچہ اسرار کے لئے آئینہ اور عالم اعلیٰ کی سیڑھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثال ظاہری حق ہے لیکن ظاہر کے علاوہ ایک باطن بھی ہے۔ اس پر طور اور آگ کو قیاس کر لو۔

نکتہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو گھٹنوں کے بل جنت میں داخل ہوتے دیکھا تو تم یہ خیال نہ کرو کہ آپ نے انہیں آنکھ سے نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ انہیں اسی طرح بیداری میں دیکھا جس طرح سونے والا خواب میں دیکھتا ہے اگرچہ عبدالرحمٰن بن عوف اپنے گھر میں اپنے وجود سے سوتے تھے۔ کیونکہ نیند سلطان حواس کو نور باطن الٰہی پر غالب کر دینے کے باعث مشاہدات ہی پر اثر کرتی ہے۔ کیونکہ حواس عالم حس کو اپنی جانب متوجہ کرتے اور اسے مشغول کرتے ہیں اور اس کی ذات کو عالم غیب و ملکوت سے پھیرنے والے ہیں۔ لیکن بعض انوار نبوتیہ اتنے شفاف اور غالب ہوتے ہیں کہ انہیں حواس اپنے عالم کی جانب مشغول نہیں کرتے۔ اسی باعث وہ بیداری میں وہ باتیں دیکھ لیتے ہیں جو اور لوگ نیند میں دیکھتے ہیں اور جب وہ انتہائے کمال پر ہوتے ہیں تو اس کا ادراک محض صورت دیکھنے والی آنکھ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے موجودہ زندگی کی طرف جو کہ عالم اسفل ہے کھنچتی ہے۔ پس جبکہ اشغال دنیویہ کی جانب کھینچنے والا دوسرے جاذب کے مقابلے میں زیادہ قوی ہو تو وہ جنت کی سیر سے رہ جائے گا۔ اور اگر جاذب ایمان زیادہ قوی ہے تو یہ تنگی رزق پیدا کرے گا یا اس کی سیر میں چلے گا۔ عالم شہادت میں اس کی مثال ابر ہے۔ علی ہذا اسرار آئینہائے خیال سے قبل ہی ظاہر ہو جائیں گے۔ اور آپ کا یہ حکم عبدالرحمٰن ہی تک محدود نہ رہے گا۔ گو کہ آپ کا دیکھنا انہی تک محدود تھا۔ بلکہ اس کے ذریعہ ہر ایسے شخص پر حکم لگا دیا جائے گا جس کی بصیرت قوی اور ایمان محکم ہو۔ لیکن ساتھ میں مال کی کثرت ہو۔ کیونکہ کثرت مال ایمان کی مزاحم ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیونکہ ایمان کی قوت غالب ہے اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء کرام صورتوں کو کیسے دیکھتے ہیں اور صورتوں کے علاوہ وہ معانی کو کیسے مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ معنیٰ مشاہدہ باطن سے قبل ہوتے ہیں۔ پھر اس سے روح خیال کو دیکھتے ہیں اور ایسی صورت جو کہ معنی کے متشابہ اور مساوی ہے وہ منطبع ہو جاتی ہے اور

بیداری میں وحی کی یہ صورت تاویل کی محتاج ہوتی ہے جیسا کہ نیند میں تعبیر کی محتاج ہے۔ اور اگر خواب میں ایسا واقع ہو تو خواص نبویہ کے ساتھ اس کی نسبت ایسی ہے۔ جیسا کہ ایک کو چھیالیس کے ساتھ۔ اور اگر بیداری میں ایسا ہو تو اس کی نسبت اس سے بڑی ہے۔ میرا گمان ہے کہ اس وقت اس کی نسبت ایک کی تین سے ہوگی۔ کیونکہ ہم پر جو کچھ عیاں ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواص نبویہ تین قسم کے شعبوں میں منحصر ہیں اور یہ تینوں میں سے ایک ہے۔

قطب دوئم

مراتب ارواح بشریہ نورانیہ اول روح حساس ہے اور وہ روح وہ ہے کہ حواس جو کچھ اس پر پیش کرتے ہیں وہ ان سے ملتی ہے۔ یہی روح حیوانی کی اصل ہے اور اسی کے باعث حیوان کو حیوان کہتے ہیں۔ یہ دودھ پینے والے بچے میں موجود ہوتی ہے۔

دوئم روح خیالی۔ حواسات جو کچھ اس روح کو دیتے ہیں وہ اسے لکھتی اور اپنے پاس خزانے میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ یہ اسے ضرورت کے وقت روح عقل کے سامنے جو اس سے بلند ہے پیش کرے۔ یہ دودھ پینے بچے کو شروع نشو و نما میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے وہ کسی شے کی حرص کرتا ہے تاکہ اسے لے لے اور جب وہ شے اس سے غائب ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے۔ اس کا نفس اس پر جھگڑتا نہیں۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شئے اس سے غائب ہوتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور اسے مانگتا ہے۔ کیونکہ اس کی صورت اس کے خیال میں محفوظ ہوتی ہے۔ اور یہ بات بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے اور بعض میں نہیں وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں ان میں یہ قوت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ آگ کی جانب اس لئے لپکتے ہیں کہ انہیں دن کی روشنی سے کمال محبت ہے۔ اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ چراغ ایک کشادہ سوراخ ہے جو روشنی کے مقام پر جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے وہ خود کو اس پر گراتا ہے اور تکلیف پاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس پر گزر جاتا ہے اور اندھیرے میں پہنچ جاتا ہے تو دوبارہ اور سہ بارہ اس کی جانب لپکتا ہے۔ اگر اس کی روح حافظ ہوتی تو اسے اس کی جب کہ اس نے درد دیکھ لیا تھا تو ایک دفعہ کے ضرر کے بعد اسے دوبارہ ادھر نہ آنے دیتی۔ لیکن کتے کو جب ایک بار لکڑی سے مارا جائے تو اس کے بعد جب بھی وہ لکڑی دیکھتا ہے تو بھاگتا ہے۔

سوئم۔ روح عقلی۔ یہ ان معانی کو معلوم کرتی ہے جو حس و خیال سے ماورا ہیں یہ جوہر انسان کے لئے خاص ہے اور چوپایوں اور بچوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے معلومات معارف ضروریہ کلیہ ہیں جیسا کہ ہم یہ امر اس جگہ بیان کر چکے ہیں جہاں ہم نے نور عقل کو نور بصر پر فضیلت دی ہے۔

چہارم۔ روح فکری ہے۔ اور وہ روح وہ ہے جو علوم عقلیہ محض کو لیتی ہے پھر ان میں الفت و ملاپ پیدا کرتی اور ان سے معارف نفیسہ پیدا کرتی ہے پھر اگر دو نتائج برآمد ہوں تو دوبارہ انہیں ملاتی اور نتیجہ برآمد کرتی ہے اسی طرح ہمیشہ الی غیر النہایہ کرتی رہتی ہے۔

پنجم۔ روح قدسی نبوی۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بعض اولیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں غیب کے علوم احکام آخرت اور زمین و آسمان کی حکومت کے تمام معارف ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض معارف ربانیہ وہ ہیں جنہیں سمجھنے سے روح عقلی و فکری بھی قاصر ہے۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

ہم نے آپ کے پاس روح کو اپنا حکم دے کر بھیجا۔ ورنہ آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب وایمان کیا شے ہے لیکن ہم نے آپ کو نور بنایا ہے کہ ہم آپ کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت کرتے ہیں اور آپ یقیناً سیدھی راہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ بات بعید نہیں کہ عقل کے علاوہ بھی کوئی اور طور ہو جس میں وہ باتیں ظاہر ہوں جو عقل میں ظاہر نہیں ہوتیں جیسا کہ عقل تمیز و احساس کے علاوہ اور کوئی ایسا طور ہونا بعید نہیں جس میں عجائب و غرائب ظاہر ہوں اور ان سے احساس و تمیز قصور وار ہوں۔ پس انتہائے کمال کو اپنے نفس پر موقوف خیال نہ کرو اور اگر تم اسی مثال کے خواہاں ہو جس سے بعض انسان کے خواص کا مشاہدہ کر لو تو ذوق شعر کو دیکھو کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض لوگ اس سے محروم ہیں حتیٰ کہ انہیں الحان موزونہ اور زحافات کی بھی تمیز نہیں اور بعض میں قوت ذوق اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ ان میں سے بعض نے موسیقی راگنیاں اور مختلف قسم کی لے ایجاد کی ہیں جن میں بعض غم پیدا کرنے والی۔ بعض خوشی پیدا کرنے والی۔ بعض سلانے والی،

بعض رلانے والی، بعض جنون آفریں اور بعض غشی کی موجب ہیں۔ اسی میں یہ آثار قوی ہوتے ہیں جن میں اصل ذوق ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس ذوق کی خاصیت سے لگاؤ نہیں رکھتا وہ آواز سننے میں تو ضرور شریک ہے لیکن اس میں یہ آثار نہیں پائے جاتے وہ صاحب وجد و غشی سے تعجب کرتا ہے۔ اگر تمام ذوق والے عقلاء ذوق کا مفہوم سمجھانے پر متفق ہو جائیں تو وہ اس کے سمجھانے پر قادر نہیں اور یہ ایک معمولی سی مثال ہے جو تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے اس پر ذوق نبوی کو قیاس کر لیا جائے۔ اور اس کی کوشش کرکے اس روح کے اہل ذوق میں تو بھی داخل ہو جائے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوا ہے اور اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو اس میں مذکورہ قیاسات و تشبیہات کے ذریعہ کوشش کر۔ تاکہ تو بھی اہل علم میں داخل ہو جائے۔ اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس پر ایمان لانا چاہیئے۔ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا ہے درجات بڑھا دے گا۔

علم ایمان سے بڑھ کر ہے اور ذوق علم سے بڑھ کر ذوق وجدان ہے۔ علم صرف قیاس ہے اور ایمان صرف تقلید سے قبول کرنا اور اہل وجدان و عرفان سے حسن ظن رکھنا ہے۔

جب تم نے ان پانچوں روحوں کو جان لیا تو یہ بھی جان لو کہ یہ بھی سب انوار ہیں۔ اس لئے کہ ان سبب موجودات کے اقسام ظاہر ہوتے ہیں۔ حسی و خیالی موجودات اگرچہ چوپایہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے جو حصہ انسان کے لئے مخصوص وہ وہ حصہ ہے جو اشرف و اعلیٰ ہے۔ اور انسان میں یہ دونوں حس کسی اور غرض کے لئے پیدا کی گئی ہیں جو بہت بلند و بالا ہے۔ لیکن حیوانات میں یہ دونوں حسیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ وہ طلب غذا میں ان کا آلہ کار بنیں اور وہ انسانوں کے مسخر ہو جائیں اور آدمی میں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ یہ دونوں اس کا جال بن سکیں اور ان دونوں کے ذریعہ وہ عالم اسفل میں معارف دینیہ کا شکار کر سکے۔ کیونکہ انسان جب ایک شخص معین کو معلوم کر لیتا ہے تو اپنی عقل سے ایک عام اور مطلق معنیٰ بھی نکال لیتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے عبدالرحمٰن بن عوف کی مثال میں ذکر کیا ہے۔ جب یہ پانچوں ارواح معلوم ہو گئیں تو اب ہم مثال کی اصل غرض کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

آیت کی مثالوں کا بیان

ممکن ہے کہ پانچوں ارواح کا مشکواۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے تقابل میں کلام طویل ہو جائے۔ لیکن میں ان کا طریق معلوم کرنے میں اختصار ہی سے کام لوں گا۔ اگر تم دیکھنے والی روح کی خاصیت کی جانب دیکھو تو اس کے انوار کو چند سوراخوں سے خارج پاؤ گے۔ جیسے دو آنکھیں دو کان دو نتھنے وغیرہ اور عالم مثال میں اس کی زیادہ مناسب مثال مشکواۃ ہے۔ روح خیالی کے تین خواص ہیں۔ ا۔ یہ کہ وہ عالم کثیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ خیالی شے کے لئے مقدار، صورت اور مخصوص جہات ہوتی ہے اور خیال کرنے والے کی نسبت سے قریب یا بعید ہوتی ہیں اور کثیف جو کہ اجسام کے اوصاف میں سے ہے اس کی شان یہ ہے۔ کہ وہ ان انوار عقلیہ محضہ جو کہ جہات و مقادیر اور قرب و بعد کے وصف سے منزہ ہیں پردے بیٹھا ہے۔

۲۔ یہ خیالی کثیف جب شفاف و رقیق اور مہذب و مضبوط ہو تو وہ ایسے معانی عقلیہ کے مناسب ہوتا ہے جو ان کے بالمقابل ہے اور اس کے نور کے چمکنے کو حائل نہیں۔

۳۔ خیال ابتدائے امر میں اس کا انتہائی محتاج ہوتا ہے تاکہ اس کے لئے معارف عقلیہ کو محفوظ رکھ سکے۔ پس تو مضطرب و پریشان نہ ہو کہیں وہ حافظہ سے نہ نکل جائے۔ اس لئے کہ تم خیالی مثالوں کو معارف عقلیہ کے لئے جمع کرو گے۔

عالم شہادت میں تم یہ تینوں خواص انوار دیکھنے والوں کی جانب منسوب کرتے ہو۔ اور وہ زجاجہ (شیشہ) کے علاوہ کہیں نہ پاؤ گے۔ اس لئے کہ اگرچہ زجاجہ جوہر کثیف ہے لیکن شفاف و رقیق ہے۔ حتیٰ کہ چراغ کے نور کو بھی نہیں چھپاتا بلکہ اسے علی حالہ باہر پہنچاتا اور اسے تیز ہواؤں اور سخت حرکتوں کے بجھانے سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس وہ اس کی بہترین مثال ہے۔

تیسری وہ روح عقلیہ ہے جس میں معانی شریفہ کا ادراک ہوتا ہے۔ اور تجھ پر وجہ تمثیل پوشیدہ نہیں۔ اسے تم نے پہلے بیان میں جس میں کہ انبیاء کا چراغ روشن ہونا مذکور ہے پہچان لیا ہے۔

چوتھی روح روح فکری ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جڑ سے شروع ہو کر دو شاخوں میں پھٹ جاتی ہے۔ پھر ہر شاخ سے دو شاخیں نکلتی ہیں اور بہت سے شعبے

تقسیمات عقل سے بنجاتے ہیں حتیٰ کہ آخر میں ظاہر نتائج تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ہم جنسوں کے لئے بیج کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوں۔ اس جہاں میں اس کی مثال شجرہ ہے جب ان کے معارف کے ثمرات دو چند اور ثبات و بقاء کے لئے مادہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ زیتون کے علاوہ اس کی مثال ناشپاتی، سیب، انار اور دیگر درختوں سے نہ دی جائے۔ کیونکہ اس کے پھل کا مغز وہ زیت ہے جو کہ چراغ کا مادہ ہے۔ اور تمام تیلوں میں چمک کے لحاظ سے خاص خصوصیت رکھتا ہے اور چونکہ اس درخت پر کثرت سے پھل آتا ہے اس لئے اس کو مبارک درخت کہتے ہیں۔ تو وہ درخت کے پھل کی کوئی حد و انتہا نہ ہو اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے مبارک درخت کہا جائے اور چونکہ افکار عقلیہ محضہ کے شعبے جہات اور قرب و بعد سے منزہ ہیں تو وہ اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ نہ وہ شرقی ہو اور نہ غربی۔

پانچویں روح: روح قدسی نبوی ہے جو کہ اولیاء اللہ کی جانب منسوب ہے بشرطیکہ وہ نہایت چمک دار اور صاف ہو اور روح مفکرہ اس امر کی جانب منقسم ہے جو کہ تعلیم اور تنبیہات خارجیہ کی جانب منسوب ہیں جب تک وہ اقسام معارف میں رہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت شفاف ہیں۔ گویا وہ کسی خارجی امداد کے بغیر خود بخود روشن ہیں۔ تو اس صورت میں مناسب ہے کہ صاف سے قریب الاستعداد مراد لیا جائے۔ بایں طور کہ قریب ہے کہ اس کا زیتون روشن ہو جائے۔ اگرچہ اسے آگ قطعاً نہ چھوئے کیونکہ بعض حضرات اولیاء ایسے بھی ہیں کہ قریب ہے ان کا نور چمک اٹھے اور وہ انبیاء کرام علیہ السلام کی مدد سے مستغنی ہو جائیں۔ اسی طرح بعض حضرات انبیاء وہ ہیں جو کہ ملائکہ کی مدد سے مستغنی ہیں۔

یہ مثال اس تقسیم کے مطابق ہے اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر مرتب ہیں تو اس سے یہ خود ثابت ہو گیا کہ پہلی قسم حسی ہے اور وہ روح خیالی کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ حسی کے بغیر خیالی کا تصور ممکن نہیں۔ اور فکر و عقل کا مقام ان دونوں کے بعد ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ شیشہ چراغ کے محل کی مانند ہو اور طاقچہ شیشہ کے محل کی طرح۔ اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر فائق ہیں تو انہیں نور علیٰ نور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو۔ خدا تعالیٰ توفیق بخشے۔

والا ہے

خاتمہ

یہ مثال مومنین انبیاء کرام اور اولیاء کے دلوں کے لائق ہے نہ کہ کفار کے۔ کیونکہ نور کا ارادہ ہدایت کے لئے ہوتا ہے

جو شے طریق ہدایت سے پھیرنے والی ہو وہ امر باطل اور ظلمت ہے بلکہ ظلمت سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ ظلمت جیسے حق کی جانب نہیں لے جاتی وہ ہدایت کی طرف بھی نہیں لے جاتی کفار کی عقلیں اندھی ہیں۔ ان کے تمام ادراکات ان کے حق میں ان کی گمراہی پر ممد و معاون ہیں۔

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کے بھنور میں پھنس گیا ہو اور جسے ایسی موج نے ڈھانپ لیا ہو کہ اس موج کے ساتھ پے در پے موجیں ہوں اس کے اوپر بادل اور ظلمتیں یکے بعد دیگرے چھائی ہوں۔

بھنور والا سمندر دنیا ہے جس میں بہت سے خطرات و مہلکات، حوادث و مکدرات موجود ہیں جو انسان کو اندھا کرنے والے ہیں۔ پہلی موج تو شہوتوں کی موج ہے جو کہ صفات بہیمیہ کا اعلانی ہے اور لذات حسیہ اور حاجات دنیاویہ کو پورا کرنے میں منہمک رکھتی ہے یہ لوگ اس طرح کھاتے اور نفع حاصل کرتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے جاتے ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ تو لازماً یہ موج تاریک ہوگی۔ کیونکہ کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

دوسری موج صفات درندگی کی موج ہے جو کہ غضب عداوت، دشمنی، کینہ، حسد، بخل فخر اور کثرت مال پر ابھارتی ہے۔ لامحالہ تاریک ہوگی۔ کیونکہ غضب عقل کا بگولہ ہے اور لامحالہ یہ موج اعلیٰ درجہ کی ہوگی کیونکہ اکثر جب غضب موج مارتا ہے تو شہوات پر بھی غالب آ جاتا ہے اور انسان شہوات و لذات سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شہوات اس موج انگیز غضب کا مقابلہ نہیں کر سکتی سب سے بالاتر وہ اعتقادات خبیثہ، خیالات فاسدہ اور جھوٹے گمانات ہیں جو کہ ایمان و معرفت حق اور قرآن سے نور حاصل کرنے میں حجاب بنے ہوئے ہیں اس لئے کہ بادل کی خاصیت یہ ہے کہ وہ نور آفتاب کی چمک کو چھپا لیتا ہے تو جب ان تمام اقسام کی تاریکیاں ہوں تو انہیں ایسی ظلمتوں سے تعبیر کرنا مناسب ہے جو ایک دوسرے پر چھائی ہوں اور جب ان ظلمتوں کی موجودگی میں اشیائے

قریبیہ کی معرفت ممکن نہیں تو اشیائے بعیدہ کی معرفت کیونکر ممکن ہوگی۔ اسی لئے کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات اور معجزات کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ وہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ کو نکالتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا اور جب کہ تمام انوار کا منبع اول اللہ تعالیٰ ہے تو ہر موحد کو یہ اعتقاد کرنا چاہئے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور پیدا نہ فرمائے اس لئے کوئی نور نہیں۔ اس آیت کے اسرار میں سے اتنا ہی کافی ہے بس اسی پر قناعت کرو۔

باب سوئم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں۔ اگر انہیں کھول دے تو اس کی ذات کی تیزیاں ہر اس چیز کو جسے اس کی آنکھیں پالیں ہلاک کر دیں۔ اور بعض روایات میں سات سو اور بعض میں ستر ہزار پردے بھی آئے ہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لئے بالذات روشن ہے اور حجاب ہمیشہ محجوب کی بہ نسبت ہوتا ہے۔ اور محجوب تین قسم کے لوگ ہیں۔

اوّل جو صرف ظلمت کے پردے میں ہوں۔ ثانیاً جو محض نور سے پردے میں ہوں۔ ثالثاً وہ لوگ جو اس نور سے پردے میں ہوں جو ظلمت کے ساتھ مخلوط ہے۔ ان اقسام کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ ممکن ہے کہ میں انہیں شمار کرنے کی سعی کروں لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں کہ یہی تعداد مراد ہے اور اس تعداد سے حصر مقصود ہے۔ معلوم نہیں کہ حدیث میں حصر مراد ہے یا کوئی اور شے، لیکن سات سو یا ستر ہزار پر حصر کرنا سوا اس کا قوت نبویہ ہی ادراک کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرا گمان یہ ہے کہ یہاں مذکورہ عداد سے شمار مقصود نہیں۔ بلکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ عدد کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے اس حقیقت سے خدا تعالیٰ زیادہ واقف ہے۔ کیونکہ وہ ہماری وسعت علمی سے خارج ہے۔ میری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ میں تجھے حجابات کے اقسام اور اقسام الاقسام کی تفصیل بتا دوں جو حسب ذیل ہے۔

قسم اوّل

قسم اول میں وہ لوگ ہیں جو ظلمت میں محجوب ہیں۔ اور یہ ملحد لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیوی زندگی کو حیات اخرویہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو وہ لوگ ہیں جو اس جہاں کے سبب کو تلاش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی طبیعت اسے محال تصور کرتی ہے۔ کیونکہ طبیعت ایک ایسی صفت اور حالت ہے جو اجسام میں مرکوز ہے لیکن وہ خود تاریک ہے کیونکہ طبیعت میں نہ تو معرفت و ادراک پایا جاتا ہے نہ اسے اپنے نفس کی خبر ہے اور نہ اس کا تصور ہے۔ اس کے لئے نور بھی نہیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھ لے۔

۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہیں اور انہوں نے سبب کے تلاش کی سعی نہیں کی۔ ان لوگوں کی زندگی چوپایوں کی طرح ہے۔ ان کے حجابات خود ان کا نفس اور ان کی شہوات ہیں۔ اور ہوائے نفس سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض خواہش نفس ہے۔ ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

ایک طبقہ کا تو گمان ہے کہ دنیا کا مقصود حاجت و شہوت کو پورا کرنا اور لذات حیوانیہ کو حاصل کرنا ہے یعنی نکاح، کھانا پینا اور لباس۔ یہ لوگ لذات کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کی طلب میں منہمک ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان امور کو حاصل کر لینا ہی اصل سعادت ہے۔ انہوں نے اپنے لئے اسی کو پسند کیا ہے۔ یہ لوگ چوپاؤں کے قائم مقام ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ پس اس سے بڑھ کر کون سی ظلمت ہو گی۔ یہ لوگ محض اندھیرے میں ہیں۔ "موجودہ دور میں اسی طبقہ کی اکثریت ہے"

ایک دوسرے فرقہ نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ غایت سعادت یہ ہے کہ غلبہ اور بڑائی حاصل ہو۔ اسی باعث وہ قتل و غارت میں مشغول رہتا ہے۔ بدوی، جنگلی اور بعض کردوں اور اکثر بے وقوفوں کا یہی مذہب ہے۔ یہ لوگ صفات درندگی کی ظلمت میں محجوب ہیں۔ کیونکہ درندگی ان پر

غالب ہے اور ان کا مقصود بڑی بڑی لذات ہیں یہ لوگ اسی کو بہتر سمجھتے ہیں کہ درندگی کے مرتبہ پر قائم رہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ ذلیل مرتبہ پر۔

تیسرے فرقے کا تصور یہ ہے کہ انتہائے سعادت یہ ہے کہ بہت سا مال اور فراخی ہو اسی لئے کہ مال ہر قسم کی شہوت پورا کرنے کا آلہ ہے۔ اور اسی سے انسان اپنی حاجت روائی کرتا ہے ان لوگوں کی ہمت صرف مال جمع کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ، عمدہ گھوڑے چوپائے، کھیتی کی کثرت۔ یہی ان کی طلب ہے۔ پھر یہ زمین کے نیچے اشرفیاں جمع کرتے ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمام عمر سعی کرتے۔ خطرناک میدانوں کے سطے کرتے۔ سفر کی مشقتیں اٹھاتے سمندروں میں سفر کرتے، مالوں کو جمع کرتے اور اپنے نفس پر بخل سے کام لیتے ہیں۔ یہی لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مصداق ہیں۔ ہلاک ہو جائے بندۂ دینار اور ہلاک ہو جائے بندۂ درہم۔

اس سے بڑھ کر کیا تاریکی ہوگی کہ انسان پر اتنی بات بھی مشتبہ ہے کہ سونا چاندی دونوں پتھر ہیں۔ بالذات مقصود نہیں۔ اور جب ان سے حاجات بھی پوری نہ کی جائیں اور ضروریات پر بھی انہیں خرچ نہ کیا جائے تو یہ کنکر کے برابر ہیں۔

ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان کی جہالت اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ (بلکہ تعلیم یافتہ) ہے اس کا گمان یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ خوب جاہ و جلال ہو۔ شہرت ہو اور گھر گھر چرچے ہوں۔ بہت سے متبعین ہوں اور حکومت کی باگ ہاتھ میں ہو۔

تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ ہمہ وقت آئینہ کی جانب دیکھتے ہیں "اور کنگھی چوٹی میں لگے رہتے" ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ گھر میں کھانے تک میسر نہیں۔ لیکن وہ اپنا مال نفیس نفیس کپڑوں پر صرف کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس قسم کے لوگ لاتعداد ہیں۔ اور یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی جانب سے غافل اور ظلمت کے پردوں میں محجوب ہیں۔ ان کے نفوس اندھے ہیں۔

ان تمام جماعتوں میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور ایسا مسلمانوں کے خوف کے سبب سے کرتے ہیں۔ یا ان سے مدد لینا یا ان کے

مال کی طلب مقصود ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے مذہب میں تعصب پیدا کرتے ہیں جب اس کلمہ سے یہ لوگ عمل صالح کے جانب متوجہ نہ ہوں تو یہ کلمہ ہرگز بھی انہیں ظلمات سے نہ نکالے گا ان کے دوست شیطان ہیں جو انہیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں لیکن جس شخص میں یہ کلمہ کم از کم اتنا اثر کر جائے کہ اسے برائی بری معلوم ہو اور نیکی اچھی معلوم ہو تو وہ خالص ظلمت میں نہیں اگرچہ گناہگار ہو (یعنی اس میں ظلمت کے ساتھ نور بھی پایا جاتا ہے)

دوسری قسم وہ جماعت ہے جو ایسے نور سے محجوب ہے جو ظلمت سے ملا ہوا ہے یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

۱۔ اول قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا منشاء حس ہے۔

۲۔ دوسری قسم کے لوگوں کی ظلمت کا منشا خیال ہے

۳۔ ایک قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا مقصود قیاسات عقلیہ فاسدہ ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو ظلمت حسیہ سے محجوب ہے یہ وہ گروہ ہے کہ ان میں ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے نفس کی جانب متوجہ ہو اور حرص کرنے سے محترز نہ ہو اور اپنے رب کی معرفت کا شوق نہ رکھتا ہو۔ ان میں سے اول درجہ پر بت پرست لوگ ہیں اور آخر درجے میں ثنویہ ہیں ان دونوں کے بھی کئی درجات ہیں

اول گروہ بت پرستوں کا ہے۔ وہ فی الجملہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو خود کو ان کے اندھے نفوس پر ترجیح دینا لازمی بتاتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا رب ہر شے سے زیادہ عزیز اور ہر نفیس شے سے بہتر ہے۔ لیکن انہیں حس نے محجوب کر رکھا ہے کہ وہ عالم حس سے آگے نہیں بڑھتے انہوں نے عمدہ جواہرات سونا چاندی اور یاقوت سے عمدہ عمدہ مورتیں بنائیں اور انہیں اپنا معبود یقین کر لیا۔ یہ لوگ صفات خداوندی اور اس کے جمال و عزت کے نور سے محجوب ہیں۔ انہیں اس نور سے حس کی ظلمت نے روک رکھا ہے۔ کیونکہ حس عالم روحانی کے مقابلے میں ظلمت ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ایک خاص جماعت ہے جو ترکستان کے پرلی جانب واقع ہے ان کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ شریعت ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کا ایک رب ہے جو سب سے زیادہ خوبصورت

ہے۔ اسی لئے جب وہ کسی خوبصورت انسان، درخت گھوڑے وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو اسے سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا رب ہے۔ یہ لوگ جمال کے نور سے ظلمت حس کے ساتھ محجوب ہیں یہ بت پرستوں کی بہ نسبت نور کے لاحظہ میں زیادہ داخل ہیں۔ کیونکہ وہ مطلق حسن کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ کسی ذات خاص کی۔ اور اسے کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے۔ پھر وہ قدرتی جمال کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ مصنوعی کی جسے خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو۔

تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارا رب اپنی ذات میں نورانی ہو۔ بلحاظ صورت خوب صورت ہو اور اپنے نفس میں غائب ہو، اپنے حضور میں با ہیبت ہو۔ کوئی اس کے قرب کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی بغیر محسوس کا کوئی مقصد نہیں۔ انہوں نے اس صفت پر آگ کو پایا اور اس کی عبادت کرنے لگے اور اسے اپنا رب بنالیا۔ یہ لوگ سلطنت و رونق کے نور سے محجوب ہیں۔ اور یہ تمام امور خداتعالیٰ کے انوار میں داخل ہیں۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ ہم آگ پر غالب ہیں اسے جلاتے اور بجھاتے اور اس میں تصرف کرتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے قائل نہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جس شے میں سلطنت و رونق پائی جاتی ہے۔ ہم بھی اس کے تصرف میں داخل ہوں اور وہ بلندی کے ساتھ بھی موصوف ہو وہ خدا ہے۔

ان لوگوں میں علم نجوم اور ستاروں کی طرف تاثیرات کا منسوب ہونا مشہور تھا اس لئے ان میں سے بعض نے تو شعریٰ کی عبادت کی اور بعض نے مشتری وغیرہ ستاروں کی۔ اپنے اپنے اعتقادات کے مطابق کہ کن میں تاثیر زیادہ ہے عبادت شروع کی۔ یہ لوگ بلندی کے نور اور اس کے اشراق و غلبہ سے محجوب ہیں اور یہ بھی خدا کے نور میں داخل ہے۔

چھٹا گروہ ان تمام لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے وہ کہتا ہے کہ نورِ آفتاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور چیزوں میں بھی انوار ہیں۔ اور یہ مناسب نہیں کہ نورانیت میں کوئی شے رب کی شریک ہو۔ انہوں نے مطلق نور کی جو تمام انوار کا جامع ہے عبادت شروع کی ان کا خیال ہے کہ وہ رب العٰلمین ہے اور تمام خوبیاں اس کی جانب منسوب ہیں لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دنیا میں برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ وہ ان برائیوں کو اپنے

رب کی جانب منسوب کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کا رب برائیوں سے پاک ہے اس لئے انہوں نے ظلمت کا جھگڑا کھڑا کرکے جہان کو نور و ظلمت کے حوالہ کر دیا۔ اکثر نے ان کا نام یزدان و اہرمن رکھا یہ لوگ ثنویہ ہیں۔ اس گروہ کے بارے میں اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو ان بعض انوار سے محجوب ہے جو ظلمت خیال سے ملحق ہیں۔ یہ لوگ حس سے تجاوز کر چکے ہیں۔ اور محسوسات کے علاوہ بھی ایک امر ثابت کرتے ہیں لیکن وہ خیال کی حد سے متجاوز نہیں۔ انہوں نے ایسے موجود کی عبادت کی جو عرش پر بیٹھا ہوا ہے ان سے کمتر رتبہ والے مجسمہ ہیں۔ پھر کرامیہ کے بھی مختلف اقسام ہیں ان کے مقالات و مذاہب کی شرح مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے مزید بیان سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن ان میں سے بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ سے جسمانیت اور دیگر عوارض کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن ان سے بلندی کی نفی نہیں کرتے اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ جو شے جہات کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ یعنی نہ جہاں میں داخل ہو اور نہ جہاں سے خارج وہ ان کے نزدیک موجود ہی نہیں ہوتی۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ معقولات کا پہلا رتبہ یہ ہے کہ جہات و مکان کی نسبت سے تجاوز کیا جائے

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہ انوار الہیہ سے جو قیاسات عقلیہ فاسدہ کے قریب ہوں ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسے معبود کی عبادت کی ہے جو سمیع و بصیر، عالم قادر، حی اور جہات سے منزہ ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی صفات کو اپنی صفات کی طرح تصور کیا۔ حتیٰ کہ بسا اوقات بعض نے اس کی تصریح بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح حروف و آواز ہے بعض لوگوں نے اس میں ترقی کی اور بولے کہ نہیں بلکہ اس کا کلام ہمارے دل کے کلام کی طرح کہ جس میں حروف و آواز نہیں علیٰ ہذا۔

جب ان سے سمع و بصر اور حیات کی حقیقت دریافت کی جاتی ہیں تو وہ معنی کے لحاظ سے تشبیہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اگرچہ لفظاً اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے خدا کے بارے میں ان الفاظات کے اطلاق کے معنی نہیں سمجھے۔ اسی لئے اس کے ارادے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ ہمارے ارادے کی طرح حادث ہے اور وہ ہماری طرح قصد و طلب کرتا ہے۔ یہ مذاہب مشہور ہیں جن کی تفصیل کی حاجت نہیں یہ لوگ تمام انوار کے باوجود قیاسات عقلیہ

فاسدہ کی ظلمت میں محجوب ہیں۔

چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو محض انوار سے محجوب ہے۔ ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کا شمار دشوار ہے میں ان میں سے تین قسموں کی طرف اشارہ کروں گا۔

اول قسم وہ ہے جنہوں نے صفات کے تحقیق معنی معلوم کرلئے ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ کلام، ارادہ، قدرت اور علم وغیرہ اسماء کا خدا پر اس قسم کا اطلاق نہیں جیساکہ انسان پر کرتے ہیں! کہ انہوں نے خدا کی ان صفات کرنے سے احتراز کیا ہے اور انہوں نے اس کی تعریف مخلوقات کی جانب منسوب کر کے کی ہے۔

جیساکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اس قول کے جواب میں کہ رب العلمین کیا ہے تو جو موسیٰؑ نے جواب دیا تھا یہ لوگ ان صفات کے ساتھ اس کی تعریف کرتے اور کہتے ہیں رب جو کہ ان صفات کے معنی سے پاک ہے وہ آسمانوں کا محرک اور مدبر ہے۔

دوسری قسم۔ اس گروہ نے اول سے زیادہ ترقی کی کیونکہ ان پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آسمان بہت سے ہیں اور ہر آسمان کا جداگانہ محرک موجود ہے جسے فرشتہ کہتے ہیں اور ان کی بھی کثرت ہے اور ان کی نور الٰہیہ کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیساکہ ستاروں کی انوار محسوسہ کے ساتھ نسبت۔ پھر ان پر بھی یہ ظاہر ہوا کہ یہ آسمان اور آسمان کے ضمن میں ہیں اور یہ تمام آسمان دن رات میں اسی آسمان کی حرکت سے حرکت کرتے ہیں۔ پس اوپر کے رب جسم کا رب جو تمام آسمانوں پر حاوی ہے محرک ہے اس لئے کہ کثرت اس کی منافی ہے۔

تیسری قسم وہ گروہ ہے جو ان سے بھی ترقی کر گیا ہے اور کہتا ہے کہ اجسام کی تحریک ملاقات و مباشرت کے طور پر ہے۔ مناسب ہے کہ رب العلمین کی خدمت و عبادت اس کے بندوں میں سے ایک بندے کی اطاعت کے لئے ہو جسے فرشتہ کہتے ہیں۔ اس کی انوار الٰہیہ محضہ کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے انوار محسوسہ کی طرف چاند کی طرف نسبت۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ رب ہی اس محرک کے لحاظ سے مطاع اور حکم ماننے کے لائق ہے۔ اور پروردگار نے ہر ایک کے لئے محرک پیدا فرمایا ہے اور یہ محرک بطریق امر ہے نہ کہ بطریق مباشرت۔

اس امر کو سمجھانے اور ان کی ماہیت میں اشارات ہیں جنہیں اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اور یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام اقسام انوار محضہ کے ساتھ محجوب ہیں اور پہنچنے والے چوتھی قسم کے ہیں جن کے لئے یہ امر بھی روشن ہے کہ یہ مطاع ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہے جو واحدانیت محضہ ہے اور اس مطاع کی وجود حق کی جانب ایسی ہی نسبت ہے جیسے آفتاب کی نور محض کی جانب نسبت یا انگارے کی خالص آگ کی جوہر کی طرف پھر انہوں نے اس سے اس محرک کی جانب جو آسمانوں کو حرکت دیتا اور اس کی جانب جو اس تحریک کا حکم دیتا ہے رجوع کیا۔ اس طرح وہ ایسے موجود تک پہنچے جو کہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں اور ان عقلیں پاتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس کو مذکورہ تمام امور سے پاک اور مقدس پایا ہے۔

پھر ان کی بھی کئی اقسام ہیں بعض تو وہ ہیں کہ جن سے وہ سب امور کہ جنہیں ان کی آنکھ دیکھتی ہے اس کے نزدیک جل اور پھٹ گئے لیکن وہ خود جمال اقدس کا ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنی ذات کو اس جمال سے دیکھ رہے ہیں جس نے حضرت الٰہی سے ملنے کے سبب جمال پایا ہے پس ان میں جتنی چیزیں دیکھی جاتی ہیں مٹ گئی ہیں۔

ان سے آگے ایک اور گروہ ہے ان میں خواص الخواص ہے انہیں ان کی اعلیٰ ذات کی تیزیوں نے جلا دیا ہے اور سلطان جلال نے انہیں ڈھانپ لیا ہے وہ اپنی ذات میں مٹ کر لاشی ہو گئے ہیں انہیں خود کا بھی لحاظ نہ رہا۔ کیونکہ یہ لوگ خود سے بے پرواہ ہو گئے ہیں اور ان کے دل میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب حاصل ہو گیا کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ان کا ایک ذوق و حال ہے جس کا ہم نے پہلے باب میں اشارہ کیا۔ ہم نے یہ واضح کر دیا کہ انہوں نے اتحاد کا کیسے اطلاق کیا۔ یہ واصلین کی نہایت ہے۔

بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے ترقی و عروج کے مدارج اس تفصیل سے طے نہیں کیے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان پر عروج نے زیادتی نہیں کی۔ وہ اول ہی وہلہ میں معرفت کی اس ہر شے سے کہ جس سے اسے پاک کرنا چاہیے پاکیزگی کی جانب سبقت کر گئے۔ پس ان پر اول ہی وہ شے غالب آگئی جو اوروں پر آخر میں جا کر غالب آتی۔ ان پر دفعتہً تجلیات کا ہجوم ہو گیا۔ اور اس کی ذات کی تیزیوں نے ان تمام چیزوں کو جلا دیا جنہیں بصر حسی یا بصیرت

عقلی معلوم کرتی ہے۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا طریقہ کار ابراہیم خلیل اللہ کا اور دوسرا طریقہ کار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے مقامات کے انوار اور ان کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔ یہ محجوبین کے اقسام کی جانب اشارہ ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اگر مقامات کی تفصیل کی جائے اور سالکین کے حجابات کو تلاش کیا جائے تو ان کا عدد و شمار ستر ہزار تک پہنچ جائے لیکن جب تم تفتیش کرو گے تو ان میں سے کسی کو بھی ان اقسام سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خارج نہ پاؤ گے۔ کیونکہ وہ یا تو اپنی صفات بشریہ یا حسِ خیال یا قیاسات عقل یا نور محض سے محجوب ہیں جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

یہ وہ بیان ہے جو مجھے ان سوالات کے جواب میں اسی وقت معلوم ہوا ہے باوجودیکہ مجھے سوال ایسے وقت ملا جب کہ طبیعت پریشان تھی اور اس فن کے علاوہ طبیعت بھی دوسری جانب مائل تھی میں سائل سے التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے ان زیادتی سے جو میرے قلم نے کی ہے خدا سے معافی مانگے کیونکہ اسرار الٰہیہ کے بھنور میں غوطہ لگانا بڑا خطرناک امر ہے اور انوار علویہ کا پردوں کے اوپر سے کھولنا نہایت دشوار کام ہے کوئی سہل نہیں۔

والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سیّدنا

محمّد وّالہ الطیبین الطاھرین تمت

حامداً و مصلیاً
اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسالہ موسوم بہ
حقیقۃ السماع
ترجمہ
بوارق الالماع
مصنفہ شیخ طریقت و حقیقت ابوالفتوح شہاب الدین احمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ
برادرم امام ہمام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ

التماس

واضح ہو کہ مصنف کامل نے اس رسالہ کو بطور مناظرہ لکھا ہے اور منکران سماع کا اول اعتراض لکھکر جواب دیا ہے سو اسطے اس ترجمہ میں کوشش اس امر کی ہوئی کہ کوئی فروگذاشت نہو۔ لہذا کوئی تصرف مترجم نے اپنی طرف سے نہیں کیا اور لغت کے مطابق ترجمہ کیا اور بعض الفاظ جو صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے استعمال میں خاص طور ہیں انکو اسی طرح لکھدیا ہے کیونکہ ترجمہ سے وہ بعید از فہم ہو جاتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب حمد کی لایق وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ کی ہے کہ جس نے اپنے بندوں کو میثاق اوّل میں خطاب الست بربکم درجہ معارف کے قابل کرنے کے واسطے سُنایا اور طلاب کی عقول کو فوائد اعمال و لطائف کے ادراک کیواسطے قابل کر دیا اور اُنکی ارواح کے پردوں کو جو جناب احدیت میں ترقی کے مانع تھی معارف اور گردشوں کے دفع کیواسطے ہٹا دیا اور اُنکے دلوں کو نور یقین سے نرم کر دیا اور اُنکے نفوس کے آئینہ کو تولائے تمکین سے جلا دیدی یہانتک کہ انہوں نے تجلیات کے آثار کو پالیا اور شہوتوں کی غلامی سے نجات پائی اور اُنکی اجساد نے سماع میں جولان کیا اس خواہش پر کہ روح کو چھٹکارہ ہو اور اس حرص پر کہ بڑے بڑے فتوح حاصل کریں کیونکہ ذریعہ نے آدمی کی صفات میں سے یہی صفت کامل تر ہے اور درود بھیجتا ہوں جناب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو کہ خاتم رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں ایسا درود جو کہ اُسکے قائل کو برکات و شرائف کی شاخوں تک پہونچا دے کہتا ہے بندہ اللہ تعالیٰ کا فقیر اور اللہ تعالیٰ کا محتاج واسطے حاصل کرنے فیض فضل باری تعالیٰ کے اور ملتجی اللہ تعالیٰ کی جناب میں احمد بنیا محمد بنیا محمد کا ساکن طوس جسکو اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملحق فرمائے کہ مجھسے بعض صلحا نے کہ جو اللہ کیطرف آرام و تکلیف میں متوجہ ہیں خواہش کی کہ میں ایک رسالہ سماع اور اسکے قواعد میں لکھوں اور اسکے کرنے میں جو شرط

ہیں وہ لکھوں تاکہ اُسکے فوائد ظاہر ہوں اور قرآن مجید اور حدیث شریف اور افعال صحابہؓ کو اُسپر گواہ لاؤں اور سماع کے منکروں کا رد کروں اور اس انکار سے جو الزام اُنپر قرآن و حدیث و افعال صحابہ سے آتا ہے۔ اُسکو بیان کروں اور اُس شخص کی نسبت جو اُسکو حرام کہتا ہے قرآن مجید اور حدیث شریف اور معقول و منقول سے یہ دلیل لاؤں کہ وہ بالاجماع کافر ہے اور اُس پر طریقے روشنیوں اور انعاموں کے مسدود ہیں جبکہ میں نے سائل کی صدقِ رغبت کو دیکھا تو اُسکے سوال کی اجابت کی اور بس کتاب کو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے بعد لکھنے سے اُسکے واسطے نوال حاصل کیا اور اُسکا نام بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع رکھا اور اُسکی بزرگی بالاجماع متعین ہوئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ سے کہ اس کتاب سے نفع پہونچائے تحقیق اللہ تعالیٰ قریب اور مجیب ہے۔ جان تو اللہ تعالیٰ تیرے دل کو نور طاعت سے آراستہ فرمائے اور حقیقت شفاعت و شہادت میں تجکو وسیع فرمائے کہ اس گروہ کا سماع ملاحظہ اسرار غریبہ کا ایسے اشعار سے ہے جو رقیق ہیں اور قوال اُنکو اسرار اور باریکیوں کی آگاہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ گاتا ہے اور انہوں نے اور افعال میں سے اِسکو بوجہ مرفوع ہونے حجتوں سماع کی نسبت اور دوسروں کی دو باتوں سے پسند کیا ہے ایک یہ کہ سماع مقابلہ میں رتبہ نماز کی ہے پس نماز بغیر سماع کے صحیح نہیں ہوتی اسلئے کہ اگر مصلی نماز کے ارکان اور سنن اور شروط کو بطور تعلم نہ سُنے تو اُسکی نماز صحیح نہ ہوگی نیز نماز میں اگرچہ بظاہر جمعیت ہے مگر بہ باطن اُنمیں یا تفرقہ معنویہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور کا منافی ہے یا تفرقہ ظاہری ہے جو کہ معیوب ہے جیسے کہ خیالات فاسدہ کا نماز کی حالت میں قلب میں واقع ہونا اور سماع میں اگرچہ ظاہر میں تفرقہ ہے مگر اُسکے باطن میں جمعیت ہے اسواسطے کہ بوجہ استیلا حکم سماع کے مستمع کے اذکار سے عوارض فاسدہ جاتی رہتی ہیں یہانتک کہ کہ بسا اوقات مستمع کا نفس اُسکے قلب میں خطور نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موجودات کو پیدا کیا تو اُسکے دو درجے بنائے ایک وہ جس کا نام عالم غیب اور عالم ملکوت ہے اور یہ عالم سارے عالموں میں زیادہ وسیع اور زیادہ کامل ہے اور روح اور بہتر ہے اس عالم میں تصرف ہوتا ہے اور اس عالم اور اسکے تجلیات کے وجدان کا اور اُسکے نورانی معانی سمجھنے کا آلہ جس کے ذریعہ سے یہ کام ہوسکے ذوق

اور صفائی دل اور بصیرت سے اور اس عالم کے رہنے والے ملئکہ علیہم السلام اور ارواح ہیں اور یہ وہ درجہ ہے جس پر عقل اور حس حاوی نہیں ہو سکتی ونقلیہ اور نقل اس کا ادراک کر سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض یعنی اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھانے لگے اور فرمایا رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے خبردار ہو جاؤ کہ نشانی عقلمندی کی یہ ہے۔ کہ اس دہوکے کے گہر (دنیا) سے آدمی دور رہے اور ہمیشہ رہنے کے گہر (آخرت) کی طرف رجوع کرے اور دوسرا وہ ہے جس کا نام عالم شہادت اور عالم ظاہر ہے اور یہ عالم غیب سے تنگ تر اور زیادہ قریب ہے اور اس عالم میں جو عجائب اور حکمتیں ہیں اُنکے سمجھنے کا آلہ عقل اور حواس ہیں جو کہ بعض وقت شک میں پڑ جاتی ہیں اور اُن پر امر ملتبس ہو جاتا ہے اور اس عالم کے رہنے والے اعیان ظلمانیہ حیوانیہ ہیں پس اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ ایسا مظہر پیدا کرے جو کہ انوار و ظلمات کا مجموعہ ہوتا کہ تنزلات وتجلیات کے معنی کا فہم اور قدرت کی نشانیوں کی حقیقت ظاہر ہو جائے پس وہ مظہر حقیقت تجلی انسان ہے جو کہ سر یقین اور نور ایمان کا قبول کرنے والا ہے۔

چونکہ عالم غیب زیادہ وسیع و کامل تہا اور عطار روح اور عقل اور کشف اس عالم سے متعلق تہی تو روح اور سر سے تصرف اس عالم میں ہوا اور چونکہ عالم شہادت بہ نسبت عالم غیب کے تنگ تر تھا اور اسکو مختلف قسم کی چیزوں کے جنکی صورتیں اور طبیعتیں مختلف ہوں اپنی صورت کے درست کرنیکے واسطے ضرورت تہی تو اسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت ازلی سے حواس اور نفس اور تمیز عطا فرمایا تاکہ اسکے واسطے سے وہ کمال معرفت اور فہم حاصل کرے اور جو سعادت کہ اُسکے حصے میں لکہی گئی ہے اسکو پورے طور پر کمالی اور چونکہ انسان کا وجود محدود اور محصور تہا تو اسکے واسطے یا امر ناممکن تہا کہ سب حاضر اور موجود اشیاء کو ایک ہی دفعہ سمجھ سکے اور مظاہر تجلیات حق پر ایک ہی بار حاوی ہو جائے لہذا اللہ تعالےٰ نے اپنا کمال رتبہ ایسے گروہ کو تفویض فرمایا جنکو اس درجہ میں بہ نسبت اس درجہ کے کمال اور قوت اور دوسرے میں نفوذ کا مادہ دیا تہا نیز چونکہ انسان جزئی بظاہر ضعیف الاستعداد تہا۔ تو اسکو اپنے مصالح کی درستی عالم ظاہر و باطن میں ناممکن ہوئی کیونکہ جزء درجات کلیہ کا احاطہ نہیں کر سکتا پس اللہ تعالیٰ

نے بعض انسان کو بعض کے حوالہ کر دیا اور ایک کو دوسرے کا مددگار بنایا اسطرح کہ ہر ایک
انہیں سے جلب منفعت اور دفع مضرت میں اپنے نفس سے دوسرے کا محتاج ایک واسطہ تک
ہے پس اگر یہ واسطہ یا ذریعہ کوئی کنایہ یا اشارہ ہوتا تو یہ کمال مقصود کو پورا نہ کر سکتا اسلئے اللہ تعالٰی
نے کلام کو جسمیں آواز ہو واسطہ اپنی مہربانی سے بنا دیا تاکہ جلدی سے اثر نے والا اور جلدی سنانے
والا اور ہر ایک کا طلب منفعت میں دوسرے سے مددگار ہو پس انسانی طبیعت نے آواز سے
محبت کی کیونکہ انسانی طبیعت اُس آواز کے صوری اور معنوی کمالات ہیں اور اللہ تعالٰی نے اوسیکو
دوسروں میں سے منتخب کیا جیسے کہ جسدی طبیعت اپنی بقا کیواسطے غذا کی اس حیثیت سے کہ وہ غذا ہی
محتاج ہے یہانتک کہ حاجت کیوقت تمام محبوب چیزوں پر اُسیکو از روئے جاہ و مال کے اختیار کرتے
ہی پس جبکہ آواز میں زیادتیاں ترتیبوں کی اور ذوقی روحی اُبھار اور پیدائشیں حاصل ہوئیں اور اسیکا
نام علم موسیقی ہے تو طبیعت زیادہ تر بہ نسبت اور لذتوں کے اُسکی طرف مائل ہو گئی اور بتحقیق اللہ
تعالٰی نے جناب داؤد علیہ السلام کو صورت حسن (عمدہ آواز) عطا فرمائی تھی کہ جب وہ زبور شریف
پڑھتے تھے تو اُنکی مجلس میں بعض سُننے والے مر جاتے تھے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالٰی نے فرمایا
ہے یزید فی الخلق ما یشاء کہ بڑھاتا ہے خلقت میں جو چاہتا ہے یعنی جو جسمی ترکیب ہے اسمیں زیادہ
فرما دیتا ہے مفسروں نے اسکی تفسیر اچھی آواز کی ہے یعنی خوش آوازی عطا فرماتا ہے اور فرمایا جناب
رسول علیہ السلام نے من لم یتغن بالقرآن فلیس منا جو کوئی قرآن مجید میں تغنی نکرے وہ ہماری
جماعت میں سے نہیں اور فرمایا کہ اپنی آوازوں سے قرآن مجید کی زینت کرو اور جو کچھ کہ ہم نے
ذکر کیا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ موسیقی نغمات کے ساتھ آواز کا بلند کرنا مطلقاً مطلوب انسان ہے لیکن
یہ گانا سُننا جو فقرا اور اصحاب احوال میں رقت باطن اور صفائی قلب کیواسطے مروج ہے تو اسکی
بنا تین چیز یعنی زمانہ اور مکان اور اخوان (ہم صحبت لوگ) کی درستی اور عمدگی پر ہے پس وہ زمانہ جسمیں
گانا سُننا درست ہے وہ ہے جبکہ دلوں میں صفائی ہو اور لوگ اُسوقت محبوب (اللہ تعالٰی) کی رضامندی
کی طلب کیواسطے جمع ہوں اور اُنکا ظاہر نفسانی خطوط سے مجرد اور اُنکا باطن شہوانی عادتوں کے تعلق

سے بالکل جدا ہو اور اپنے کو فارغ کریں واسطے حضور قلب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیام کرنیکے لئے
نہ مراتب انسانی کے حاصل کرنے کے واسطے اسلئے کہ عبادت اور توجہ الی اللہ تعالیٰ ضرور ہے
کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو نہ کسی اور علت کیواسطے پس جبکہ ایسے وقت لوگ جمع ہونگے تو بعض
کے دلوں کے انوار دوسروں کی طرف منعکس ہونگے تب اس اجتماع سے نور اور ظہور اور سرور
اور وضوح کی زیادتی ہوگی اور یہ اہل جنت کا وصف ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ونزعنا مافی صدو
من غل الآیۃ۔ اور نکالدیا ہم نے اونکے سینوں میں سے جو کینہ اور کھوٹ تھا اس آیت سے مراد اہل
معرفت ہیں اور نزعنا کے معنی مٹا دیا ہے اور ما فی صدورہم مراد اہل معرفت اور شہود اور صاحبان
اذواق رقیقہ کے سینے ہیں اور من غل سے مراد دنیا کے حظوظ کا طلب کرنا اور انسانی شہوتوں
کا پورا کرنا ہے۔ اخوانا جو اس آیت میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ انوار اور طاعتوں
اور معارف کے حاصل کرنے میں باہم شریک ہیں اسلئے کہ بھائیوں کی پیدائش ایک ہی جگہ سے ہوتی
ہے علی سرر جو اس آیت میں ہے اس سے مراد احوال اور مقامات اسمائیہ ہیں اور متقابلین سے
یہ مراد ہے کہ جنکی عقل کا حکم ان پر غالب ہے اُنکے مقابلہ میں وہ ہیں جن پر حکم اُنکے قلب کا غالب ہے،
اور وہ جنکی روح کا حکم ان پر غالب ہے اُنکے مقابلہ میں ہیں جن پر کہ اُنکے سر کا حکم غالب ہے
لا یمسہم فیہا نصب سے مراد یہ ہے کہ انکو علم باللہ اور علم بامر اللہ اور علم بتدبیر اللہ میں کوئی حجاب
اور رجوع نفس کی طرف لاحق نہیں ہوتا اور وما ہم منہا بمخرجین سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے باغ سے
جو کشف اور طاعات اور معارف کا ہے نہ نکلیں گے اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں
کو رتبہ کمال اور مراتب وجود کے علم کا عطا فرمایا تو اُن سے اُسکو بالکل نہیں چھینے گا کیونکہ وہ سخی اور
کریم ہے جب دیتا ہے تو بڑھاتا ہے اور واپس نہیں لیتا لیکن مکان جو گانا سننے کے واسطے سزاوار
ہیں وہ زاویہ اور خانقاہیں اور مسجدیں ہیں اور مساجد بہتر ہیں کیونکہ مسجد بدنی عبادت کیواسطے
بنائی گئی ہے۔ اور دل وہ جگہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ظہور کیواسطے بنایا گیا ہے
اور وہ دل اللہ تعالیٰ کے انوار کے نزول کی جگہ ہے پس جبکہ صاحب قلب مسجد میں نور قلب

کی بُرہائی اور نفس کے صاف کرنیکے واسطے حرکت کرے تو وہ بہتر ہے اُس شخص کے جسد کی حرکت سے جو بی حضور کی نماز میں کرتا ہے۔ اور اسمیں خلاف نہیں کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو کر نماز ظاہری میں مشغول ہو حالانکہ دل اُس کا وساوس اور خیالات اور ایسے امور سے بھرا ہوا ہے۔ جن کو کہ شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ موانع کو بھی زائل کرے اُس کو دخول مسجد سے نہ روکا جائے بلکہ اِس سے بڑھکر یہ ہے کہ ظالم فاجر حرام خوار کا مساجد میں داخل ہونا متحقق ہے جنکی بابتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مشغول اِس فکر میں ہوتے ہیں۔ کہ لوگوں پر ظلم کریں اور اُنکا مال چھین لیں مگر بظاہر نماز میں مشغول ہیں۔ تو ایسے لوگ مسجد میں جانے سے نہیں روکے جاتے پھر کیونکر وہ شخص مسجد میں جانے سے روکا جائے جو کہ صفائی دل اور جلا نفس کا خواہش مند ہے اُس کا روکنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ وہ غرائب کلام کے سُننے اور لطائف اشعار کے سمجھنے سے جو کہ ملٰئکہ علیہم السلام کے ساتھ اُسکے ثبوت نسبت کی واجب کرنے والی اور ابلیس وشیاطین سے اُسکی انسبت کے قطع کرنے والے ہیں اپنے نفس کو نرم اور اپنی روح کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے لہذا جبکہ اہل صفا عبادت کی جگہہ جمع ہوں اور بعض کے دلوں سے بعض کے دلوں کے صفا اور انوار اسرار کی زیادتی اور اُس مکان کے نور سے نفوس اور ابدان کے صفا کی کثرت بھی چاہتے ہوں تو اُنکے احوال میں زیادتی ہوگی اور اُنکی ذاتیں کامل ہونگی کیونکہ جو مکان عبادت کیواسطے بنائے گئے ہیں اُنکے ساتھ عالم غیب سے نور اور روح متعلق ہو جاتی ہیں تو اُسکی حرمت اور بزرگی بڑھ جاتی ہے جیسے کہ اصطبل کہ اُسکو جب مسجد بنایا جاوے تو تعظیم اور بزرگی اُس سے متعلق ہو جاتی ہے حالانکہ وہ نجاست اور شیا صر (آہو برہ) کی جگہہ تھی پس اسمیں بیٹھنا جبکہ وہ مسجد ہے باطن کی نورانیت کو پیدا کریگا جیسے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

المسجد بیت کل تقی یعنی مسجد ہر پرہیزگار کا گھر ہے اور اخوان (ہم صحبت) یہ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ اخوان مطلقاً کہ جو ایمان میں شریک ہیں جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے انما المومنون اخوۃ یعنی سوائے اسکے نہیں کہ مومن بہائی ہیں پس ایسی بہائیوں کی صحبت سماع کیواسطے جائز نہیں بلکہ تہوڑی

دیر کے واسطے اُنکی صحبت رکھی جائے تاکہ اُنکو اس چیز سے جس سے وہ نفع حاصل کریں فائدہ پہونچایا جائے
اور دوسرے اخوان ارادت اور محبت میں جیسے کہ وہ عام لوگ جو فقراء سے محبت رکھتے ہیں اور صفا کے طریقوں کے
حاصل کرنیکے واسطے اپنی جان و مال سے اُنکی مدد کرتے ہیں اگرچہ یہ لوگ ایسے اوصاف سے متصف نہیں جو کہ
فقراء میں پائے جاتے ہیں تاہم اُنکی مصاحبت بوجہ اُنکی قوت محبت کے اہل ذوق و کمال کے ساتھ جائز ہے۔
کیونکہ وہ بوجہ صدق اور قوت ارادت کے اہل صفا کے قلوب سے انوار کو حاصل کرتے ہیں جیسے کہ سمع لین آفتاب
کی حرارت کا کسب کرتی ہے اور جب وہ عوام کیطرف جاتے ہیں تو اور لوگ اُنسے نفع حاصل کرتے ہیں اور
تیسری قسم کے اخوان صفا وہ لوگ ہیں جنہیں کہ وجد اور تفرید اور ذوق اور شوق اور کمال اور صفات اور وصال کی صفات
میں ایسے حضرات کی مصاحبت اسطرح واجب ہے جیسے کہ سپاہی کو لڑائی کے وقت اسلحہ کا رکھنا لازم ہوتا
ہے۔ اور مریدوں کے واسطے اُنکی مصاحبت مستحب اور محبوں کیواسطے مندوب ہے تاکہ اہل کمال کی حرکات
و سکنات کے ساتھ تشبہ ہو فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے من تشبہ بقوم فھو
منھم و من احب قوما حشر معھم یعنی جسنے کسی قوم کی سی صورت بنائی تو وہ اُنہیں ہی سے ہوگا اور جس نے
کسی قوم کے ساتھ محبت رکھی تو اسکا حشر اُنکے ساتھ ہوگا اور فرمایا جناب باریتعالیٰ نے یا ایھا الذین آمنوا اتقو
اللہ و کونوا مع الصادقین یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی اگر خود سچوں میں
سے نہیں ہو تو اُنکے ساتھی ہی بنجاؤ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے و لو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم یعنی اگر اللہ تعالیٰ اُن
میں بھلائی جانتا البتہ اُنکو سُناتا یعنی حق اور حکمت اور موعظت اور نواہی۔ (روکنے والی باتیں) اُنکو سُناتا اور
یہ قول سُنانیکا عام ہے خواہ قرآن مجید ہو یا حدیث شریف یا اشعار وغیرہ ہوں جو کہ سُنائے جائیں اور جناب
نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ان من الشعر لحکمۃ تحقیق بعض اشعار میں حکمت ہے پس جسکے حق میں اللہ تعالیٰ خیر
نہیں جانتا تو اُسکو بالکل حکمت اور معرفت اور مواعظ اور نواہی نہیں سُناتا تو اس حال میں جو خیر اور حق کہ
اشعار میں ہوتے ہیں وہ بھی نہیں سُناتا پھر جو کوئی کچھ بھی حق اور حکمت اور فائدہ سے حصہ نہیں پاتا وہ اُسکا
انکار کر دیتا ہے لہذا اسوقت یہ انکار اُسکا خود اپنے نفس پر ہوگا اور اُس کا انکار گانے اور دف اور اچھی آوازوں
کے سننے سے مخالفت سُنت کی ہے اور سُنت کی مخالفت اعتقاداً یا تحریماً کفر ہے اور سنت سے سمجھنا

اور رک جانا فسق ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفرا کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے اور میرے فرش پر بیٹھے اور میرے پاس دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور بدر کی لڑائی میں جو اُنکے بزرگ شہید ہوئے تھے اُنکی تعریفیں گا رہی تھیں تو ایک اُنہیں سے گانے لگی وفینا نبی یعلم ما فی غد یعنی ہم میں ایسے نبی علیہ السلام ہیں جنکو کل کی بات کا علم ہے اسپر حضرت صلعم نے فرمایا کہ اسکو چھوڑ اور وہی گا جو پہلے گا رہی تھی اور شعر یہ تھا تعارب اقوام ببدر قتلہ ثمہ منہ یضرب وطعن والسیوف المہند نہ تو اُسمیں ایک لڑکی گاتی گاتی وہ مصرعہ بنا کر گانے لگی کہ ہم میں ایسے نبی ہیں کہ جنکو کل کی بات کی خبر ہے پس یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلعم نے دف کی آواز اور گانے اور شعر کو ایسی حالت میں سُنا کہ اُن لڑکیوں کی آوازوں کا سُننا بغیر حاجت کے درست نہ تھا اور وہاں خود حضرت صلعم موجود تھے اور توجہ سے کان لگا کر سُنتے تھے پس جب ایسی لڑکیوں کا درست ہوا تو مردوں کا بطریق اولیٰ درست ہے اور کیونکر حالانکہ حضرت صلعم نے دونوں لڑکیوں کو دف بجانے اور گانے کا اس قول سے حکم دیا کہ گا جو تو گا رہی تھی اور امر جبکہ قرائن سے مجرد ہوتا ہے تو وجوب کے واسطے ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم واقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز پڑھو یا ندب کیواسطے قرینہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے قول اللہ تعالیٰ کا فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا یعنی مکاتب بناؤ اُنکو اگر اُنمیں بھلائی جانتے ہو نیز اباحت کیواسطے ہوتا ہے جبکہ قرینہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول واذا حللتم فاصطادوا اور جبکہ احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کرو اور یہاں امر وجوب کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ حضور صلعم نے روبرو اُنکو حکم دیا اور مخالفت آپکی جایز نہیں اسلئے کہ جو وہ گا رہی تھیں اُسکے اعادہ کا حکم فرمایا اور خود اُسکے معانی کو کان لگا کر سُن رہے تھے اور جبکہ رسول اللہ صلعم دوسرے سے کچھ چاہیں اُس حال میں کہ اُسطرف متوجہ ہوں تو اُسپر اُسکا ذکر واجب ہے بوجہ اس حکم باری تعالیٰ کے کہ فرمایا یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم یعنی اے ایمان والو حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول علیہ السلام کا جبکہ وہ تمکو بلائیں ایک کام پر جسمیں تمہاری زندگی ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ ابو بکرؓ اُنکے پاس آئے اُسوقت کہ دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اُس گفت وشنید کے ساتھ جو انصار کے بعاث

کی لڑائی میں ہوئی تھی اور جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کپڑا اوڑھے ہوئے تھے تو ابو بکرؓ نے انکا جھڑکا اس پر حضرت صلعم نے چہرہ مبارک کھولا اور فرمایا کہ اے ابو بکرؓ انکو چھوڑ دو تحقیق یہ عید کے دن میں یہ حدیث صراحۃً گانا اور دف سُننے پر اور ایسی جگہ حاضر ہونے پر جواز کو ثابت اور منکروں کا رد کر رہے ہے اور اس پر بھی دلیل ہے کہ جو انکار کرے اسکو روکنا اور انکار سے ہٹانا جایز ہے کیونکہ حضرت صلعم نے منکر کو روکا اور اللہ تعالی نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یعنی تمکو اچھی تھی رسول کی چال سیکھنی پس جس نے گانا سننے اور دف بجانے اور ایسے موقع پر شریک ہونے کو حرام کہا گویا اس نے یوں کہا کہ نبی صلعم نے حرام فعل کو سُنا اور حرام فعل کے نہی کو روکا اور جس نے ایسا اعتقاد رکھا وہ بالاتفاق کافر ہوا۔ اگر کہا جائے کہ یہ گانا صرف عید کے دن جایز ہے۔ کیونکہ عید کے دن کی قید اُسکے جواز میں پائی جاتی ہے ہم جواب دینگے کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ سبب کا خاص ہونا حکم کے عام ہونے کا مانع نہیں ہوتا اور اکثر قرآن مجید میں اسی طرح وارد ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالے نے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی جو منکر ہوئے برابر ہے اُن کو تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ مانینگے یہ آیت ابو جہل اور ابو لہب اور عتبا و شیبہ اور عبد اللہ بن ابی بن سلول کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم کفار کے بارہ میں عام ہے اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ یعنی کبھی پہونچ جاوے تیرے سامنے بڑھاپے کو وہ ایک یا دونوں تو نہ کہہ اُنکو ہوں اور نہ جھڑک اُنکو اور کہہ اُنکو بات ادب کی اور جُھکا اُنکے سامنے کندھے عاجزی کر کے نیاز سے اگرچہ اس آیت میں خطاب جناب نبی صلعم کی طرف ہے مگر حکم عام سبکے واسطے ہے۔ کہ والدین کی تعظیم کریں اور اس حدیث میں اسطرف اشارہ ہے کہ ہر حال میں جبکہ طلب و خاطر میں فرحت پائی جائے خواہ عید کے دن ہوں یا نہ ہوں تو اسمیں گانا اور دف اور اشعار سُنتا جایز ہے اور مسند امام احمدؒ میں روایت ہے کہ حبشی حضرت رسول اللہ صلعم کے سامنے دف بجا رہے تھے اور ناچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ محمد صلعم نیک بندہ ہیں حضرت نے پوچھا کیا کہہ رہے ہیں عرض

لیا گیا کہہ رہے ہیں کہ محمد صلعم نیک بندہ ہیں یہ حدیث اِس امر پر دلیل ہے کہ ناچ دیکھنا اور دف اور گانا سُننا جائز ہے اسپر بھی اگر کوئی کہے کہ ناچ دیکھنا اور گانا اور دف کی آواز سننا حرام ہے تو یہ اُسکا افترا ہوگا کہ نبی علیہ السلام حرام کام میں حاضر ہوئے اور دوسرے کو حرام کام کرنے دیا لیس جس کے دل میں یہ بات آئیگی وہ بالاتفاق کافر ہوگیا اور اگر منکر کہے کہ یہ جناب رسول علیہ السلام کے حق میں جائز تھا۔ مگر ہمارے واسطے کیونکر جائز بتاتے ہو تو اُسکا جواب یہ ہے کہ حضور شارع تھے اور شارع علیہ السلام کیواسطے جائز نہیں کہ ایسے امر کو جسیں شرعی حکم پایا جائے چھپائیں کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون یعنی وہ لوگ جو چھپا دیں اُن بینات اور ہدایت کو جو ہمنے اُتاری ہیں بعد اِسکے کہ ہمنے لوگوں کے واسطے کتاب میں اُسکو کھولدیا ہے تو وہ ہی لوگ ہیں جنپر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے لعنت کرتے ہیں اور فرماتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتموہ یعنی اور جب اللہ تعالیٰ نے میثاق اُنسے لیا جنکو کتاب دی گئی تھی کہ لازم تمپر ہے کہ لوگوں پر اُسکا اظہار کرو اور اُسکو نہ چھپاؤ پس اگر ناچ اور حضور سماع اور غنا اور دف بجانا حرام ہوتا تو آیت کے مطابق حضرت صلعم پر اُسکا اظہار واجب تھا اور اگر محض حضرت کے واسطے جائز ہوتا تو اُسکا اظہار بھی ضروری تھا جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی صلعم نے لوگوں کو وصال (بغیر افطار دوسرا روزہ رکھنا) سے منع فرمایا اور خود ایسے روزے رکھتے اور جب صحابہؓ نے پوچھا تو فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے پاس رات بسر کرتا ہوں اور مجھے وہ کھلاتا پلاتا ہے پس جبکہ حضرت نے ناچ دیکھا اور گانا اور دف سُنا اور کسی کو اُس سے منع نہ فرمایا تو یہ مطلقاً اُسکے جائز ہونے کی دلیل ہے اگر منکر کہے کہ ناچ کھیل ہے اور کھیل حرام ہے اسواسطے کہ حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ کھیل مجھسے نہیں نہ میں کھیل سے ہوں یعنی میری عادت اور سیرت کھیل کو د نہیں اُسکا جواب یہ ہے کہ اِس کھیل سے مراد حرام کھیل ہے جیسے کہ نرد اور جوا وغیرہ اسواسطے کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی علیہ السلام میرے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی

لکڑیوں سے کھیل رہے تھے اور میں اُنکے کھیل کو دیکھ رہی تھی پس جبکہ شارع علیہ السلام کے سامنے مسجد میں کھیل جایز ہوا تو دوسرے محل میں بطریق اولیٰ جایز ہوا۔ لہٰذا جو شخص کہے کہ کھیل مطلقاً حرام ہے تو وہ اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ جناب نبی علیہ السلام نے حرام کام کو دیکھا اور حرام کو اُسکے حال پر رہنے دیا حالانکہ جس کے دل میں یہ بات آئی وہ بالاتفاق کافر ہوا۔ اور اگر منکر کہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے لا لعب الا فی ثلث الرمی والفرس وملاعبۃ الرجل مع اھلہ یعنی سوائے تین محل کے اور جگہ کھیل جایز نہیں ایک تیراندازی میں دوسرے گھوڑے کے ساتھ تیسرے شوہر کی ملاعبت بیوی کے ساتھ اُس کا جواب یہ ہے کہ یہ حصر حاصر اہتمام کیواسطے ہے اور یہ تحریم ماسوا پر دلالت نہیں کرتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما انت منذر سوائے اسکے نہیں کہ تو ڈرانیوالا ہے اور کلمہ الا کا واسطے حصر کے ہے تو حضرت صلعم کے حال کو انذار (ڈرانے میں) حصر کیا اور اسمیں اسطرف اشارہ ہے کہ ڈرانا مخصوص فقط اُنکے ساتھ ہے کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں مگر اس سے حصر کا فائدہ نہ پایا کیونکہ اُنکے سوا حضرت صلعم بشیر اور مبلغ وغیرہ بھی تھے اسی طرح یہاں بھی یہی ہے۔ پس ان تین کا حصر کے ساتھ ذکر حیثیت کمال دین سے ہے جیسے تیراندازی اور نوادر اور تحابب میں اپنی اہل سے میاں بیوی میں خوبی مودت کیلئے اور اولاد جو باہم محبت کرنیوالی شوہر اور بیوی میں ہوگی وہ پسندیدہ اخلاق ہوگی اور جو باہم نفرت کرنیوالوں میں ہوگی وہ بدخلق ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ یعنی جو لوگ بات سنتے ہیں پس پیروی کرتے ہیں اسکے احسن (زیادہ اچھی) کی۔ اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک ھم اولو الالباب وہ ایسے لوگ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقلمند ہیں اور لفظ قول جو یستمعون القول میں فرمایا عام ہے خواہ قرآن ہو یا حدیث یا حکایت صلحا ہو یا اشعار کا سُننا ہو سب اُسمیں داخل ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اُسکے جو کہ قول کا سُننے والا اور اُسکے اچھے کی پیروی کرنیوالا ہے مدح فرمائی کہ اُسکو صاحب ہدایت اور عقل قرار دیا پس اس سے لازم آیا کہ جو گانے والے کا گانا نہ سُنے جو کہ مطلق قول یستمعون القول سے سمجھا جاتا ہے جو گانا کہ اچھی آواز کے ساتھ حکمت پر مشتمل ہے تو وہ ایسا شخص ہوگا جسکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں فرمائی اور نہ اسکو عقل عنایت کیا اور جو شخص ہدایت سے عاری اور خالی ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ دوزخی ہے اور اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو

نصاری کی صفت قرار دیا ہے جیسے کہ فرمایا قد ضلوا من قبل واضلوا کثیراً یعنی پہلے سے خود گمراہ ہوگئے پھر بہت لوگوں کو گمراہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے نصاری کو کفر کے ساتھ موصوف فرمایا۔ جیسے کہ فرمایا۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثة یعنی بتحقیق کفر کیا انہوں نے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے تین میں سے پس اس سے لازم آیا کہ جیسے گانیوالے کا گانا نہ سُنا جو کہ مطلق قول باری تعالیٰ یستمعون القول سے سمجھا ہی جاتا ہے اور جو کہ اپنے عموم پر باقی ہے اور کوئی مخصص جس سے کہ اچھی آواز کا یا گانیکا یا دف کا سننا منع ہو نہیں پایا جاتا بوجہ اسکے کہ ہمنے روایات بخاری اور مسلم اور احمد سے دف اور گانا حبشیوں کا اور اُنکا ناچ دیکھنا اور لڑکیوں کا گانا سننا بتایا ہی۔ تو وہ گمراہ کافر ہوگا کیونکہ حالانکہ تینوں کام حضرت صلعم کے روبرو ہوئے جیسے کہ ایک نصاریہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میں نے نذر مانی ہے اس امر کی کہ آپکے سامنے دف بجاؤں تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بجا اگر تیری نذر مانی ہوئی ہے اُسنے بجایا اور یہ شعر گائے ؎ طلع البدر علینا من ثنیة الوداع ووجب شکر علینا ما دعیٰ للہ داع پس نبی صلعم نے عورت کا گانا دف کے ساتھ سُنا اسپر اگر کوئی کہے کہ گانا اور دف سننا اور ناچ دیکھنا حرام ہے تو اُس نے یہ کہا کہ نبی صلعم نے حرام کیا اور حرام کا حکم دیا تو جس کے دل میں یہ بات آئی وہ بالاتفاق کافر ہوا اور اس میں خلاف نہیں کہ نذر حرام کے ساتھ منعقد نہیں ہوتی لہذا ادلہ مذکورہ آیات اور احادیث سے ثابت ہوگیا کہ گانا سُننا اور دف بجانا اور ناچنا مباح ہے اور جواز رقص میں اُس سے بھی تائید ہوتی ہے جو کہ مسند امام احمدؒ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور جعفرؓ اور زیدؓ حضرت رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے وانہوں نے زید سے فرمایا کہ تو میرا مولا ہے اسپر انہوں نے حجل[1] کیا اور جعفرؓ سے فرمایا کہ تو میرے خلق اور خُلق سے مشابہ ہے اسپر انہوں نے بھی حجل کیا پھر مجھسے فرمایا کہ تو مجھسے ہے اسپر میں نے حجل کیا اور حجل ایک خاص ناچ ہے اور عام رقص خاص ہے پس جبکہ ایک نوع رقص کی جایز ہوئی تو مطلق رقص بھی جایز ہوا اگر منکر کہے کہ جواز حجل ہم تسلیم کرتے ہیں مگر اُسکی کثرت تم کہاں سے نکالتے ہو اُسکا جواب یہ ہے۔ کہ ایک مُطلق چیزوں سے جب بعض جایز ہوئے اور باقی کیواسطے کوئی ممانعت نہیں ہوئی تو وہ سب جایز رہی اسلئے کہ اگر باقی حرام ہوتی تو جناب رسول علیہ السلام پر اُسکا اظہار واجب تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس یعنی اے رسول ہمنے تیری طرف ذکر کو اُتارا ہے تاکہ لوگوں سے بیان کردے پس اگر کثرت ارتکاب حجل کی حرام ہوتی تو حضرت صلعم پر اُسکا بیان واجب تھا۔

---

[1] اسکو کہتے ہیں کہ پاؤں کو اُٹھاکر دوسرے سے خوشی میں کودے۔

درجبکہ حضرت نے تعرض نہ فرمایا تو اسکے مباح ہونیکی دلیل ہے پس یہ امور جو ہمنے ذکر کئے قرآن مجید اور حدیث شریف سے
تعلق ہیں لیکن جو کہ متعلق منقول سے ہیں وہ یہ ہیں کہ ابو طالب مکی نے جو کہ اہل اسلام کے نزدیک معتبر شخص ہیں نقل کیا
یا ہے کہ بعض صحابہ نے مثل امیر معاویہ وغیرہ کے اشارہ کیا ہے خلوت کے وقت کا اپنا نفس اسوقت خوش ہو اور
ہیشہ سے علمائے اہل ملت سماع کیلئے ہمارے زمانہ تک مواظبت کی ہے جیسے کہ عبداللہ بن جعفر اور ماوردی نے
حاوی کبیر میں ایک بات لکھی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ کو خبر ہوئی کہ عبداللہ بن جعفر اپنا بہت وقت گانا
سننے میں صرف کرتے ہیں تو انہوں نے عمرو بن عاص سے کہا کہ انہوانکے پاس چلو اسلئے کہ انکی بزرگی پر انکی ہوائے
نفسانی غالب ہوگئی ہے اور دونوں رات کو انکے پاس آئے عبداللہ نے گانے والیوں کو سکوت کا حکم
دیا اور انکو بلالیا جبکہ امیر معاویہ بیٹھے تو کہا کہ اے عبداللہ انکو گانے کا حکم دو وہ گانے لگیں۔ اور معاویہ تخت پر
بیٹھے ہوئے سر اور پاؤں ہلانے لگے۔ اسپر عمرو بن عاص بولے کہ تم انکو روکنے آئے تھے اب وہ تم سے بہتر حالت
میں ہیں وہ بولے کہ چپ ہو جاؤ ای عمرو کریم آدمی طرب کرنیوالا ہوتا ہے۔ حالانکہ امیر معاویہ بڑے صحابیوں میں
سے تھے اور کاتب وحی رسول صلعم اور انکی زوجہ مطہرہ ام حبیبہ کے بھائی تھے اور صحابہ کی پیروی حصول ہدایت
کا سبب ہے جیسے کہ حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جسکے پیروی کروگے ہدایت
حاصل کروگے لہذا جو کوئی انکی پیروی سے رک گیا تو اس نے ہدایت حاصل نہ کی اگر منکر کہے کہ اور برتقدیر صحت اس قول
کی مراد یہ ہو کہ سوا سماع کے اور سب صورتوں میں انکی پیروی کرنی چاہیئے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات نفع نہ دیگی اسواسطے
کہ اس صورت میں انکی حالت صحابہ کے ساتھ ایسی ہوگی جیسی کہ ابولہب کی جناب رسول علیہ السلام کے ساتھ
تھی کہ اسنے حضرت صلعم سے کہا کہ اے محمد علیہ السلام تم کہتے ہو کہ ہم تمہارے اقوال پر ایمان لائیں اور منجملہ تمہارے
اقوال کے یہ قول ہے کہ میں ایمان نہیں لاتا پس میں تمہارے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں اسپر حضرت صلعم نے
فرمایا کہ یہ تجکو نفع نہ دیگا اسواسطے کہ ایمان معتبر وہی ہے۔ جبکہ سب باتوں پر جو رسول علیہ السلام لائے ہیں ایمان لائے
اور انکے بعض نہ کہے پس یہی حال یہاں ہے کہ صحابہ کے سماع کے مسئلہ میں پیروی نکرنی اور باقی امور میں پیروی کرنی
نفع نہ دیگی اور نہ ہدایت حاصل ہوگی اگر منکر کہے کہ امام ابو حنیفہ اور شیخ ابو البیان نے سماع کو حرام کہا ہے اور میں انہیں کی
پیروی کرتا ہوں اسکا جواب یہ ہے کہ اول لازم ہے اسکو ماننا اس بات کا کہ امام ابو حنیفہ کی مراد وہ گانا ہے جو کہ حرام ہے

اور گمراہی اور لہو میں ڈالنے والا ہے۔ نہ کہ مطلق غنا مراد ہے ورنہ اُسکے لئے محذورات یعنی وہ باتیں جنسے خوف کیا جاتا ہے لازم ہوجائینگے ایک اُنمیں سے کفر یا فسق قطعی ہے اور دیا سواسطے ہے کہ ہمکو تین قسم کی احادیث پہونچی ہیں جنکی تفصیل یہ ہے اول وہ جنکی اصل اور فرع متواتر ہے جیسے کہ حدیث نماز اور زکوٰۃ کی کہ انکا منکر کافر ہے دوسرے وہ جوکہ احاد الاصل اور مشہور الفرع ہیں جیسے کہ احادیث مسلم کی کہ انکا منکر فاسق ہے تیسرے وہ کہ احاد الاصل ہیں جیسے کہ احاد الفرع ہے مثل اِس حدیث کے کہ میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھسے ہیں کہ اِسکے منکر پر کچھ گناہ نہیں اور جو احادیث کہ گانے اور اشعار اور دف کے سننے کے جواز پر ہمنے بیان کی ہیں وہ احاد الاصل مشہور الفرع ہیں پس اگر اِن احادیث سے انکار کریگا تو فاسق ہوگا۔ اور اگر امام ابو حنیفہؒ کے قول کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر ترجیح دیگا تو بالاتفاق کافر ہوگا دوسرا مخدور اُسکے واسطے یہ ہوگا کہ اُسنے ترک کیا ایسے قول کو جسکی صحت میں عدالت کی شرط ہے بمقابلہ ایسے قول کے جسکی صحت میں عدالت کی شرط نہیں اور دیا اسطرح ہے کہ کتب فقہ میں جنسے اخذ فقہ ہوتا ہے۔ عدالت کاتب اور عدالت راوی کی شرط نہیں ہے پس جائز ہے کہ کاتب پہلے یا دوسرے نسخہ میں کمی یا بیشی کر دے تو ایسے کتب پر یقیناً اعتماد نہیں بخلاف احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ وہاں صحت روایت میں عدالت کی شرط ہے۔ اور جو کوئی ایسی بات کو اختیار کرے جسکی صحت میں عدالت کی شرط نہو وہ سفیہ ہے کیونکہ سفیہ (بیوقوف) وہی ہے جو اپنے دین اور دُنیا کیواسطے جو امر کہ بہتر ہو اختیار نکرے اور یہ سفاہت وصف منافقوں کا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُنکے حق میں الا انہم ہم السفہاءُ خبردار رہو کہ وہ منافق ہے سفیہ ہیں اور منافق دوزخ کے نیچے کے درجہ میں ہونگے لہذا لازم آیا کہ جو کوئی ایسے قول کو جو سوائے نبی علیہ السلام کے کسی دوسرے سے منقول ہے اور اُسکی نقل میں عدالت کی بھی شرط نہیں اختیار کرے اور اُسکا عقیدہ رکھے اور ایسے قول کو ترک کرے جو کہ حضرت نبی علیہ السلام سے منقول ہو اور اُس سے مُنہ پھیرے تو اُسکا ٹھکانا دوزخ کا نیچا درجہ ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو کوئی گانے کو حرام بتائے نبی صلعم کے قول کے سوا دوسرے کے قول سے اور قول اور فعل نبی صلعم کا ترک کر دے تو اُسکا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ اور منکران سماع اِس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وما کان صلوتہم عند البیت الا مکاءً و تصدیۃً یعنی نہیں تھی نماز اُنکے نزدیک کعبہ شریف کے مگر سیٹی اور تالی بجانی پس مکاءً سیٹی ہے اور تصدیہ تیلی کا دوسرے

مارنا ہے جس سے آواز نکلے ہم کہتے ہیں کہ یہ استدلال فاسد ہے اسواسطے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو کعبہ شریف کے پاس ایسے افعال سے روکا اور کسی بات کو ایک حالت محرمہ میں روکنے سے اسکی ممانعت اور مقاموں میں جو کہ اس محل سے جدا ہیں لازم نہیں آتی اور اسیواسطے عورت کا پشت دست پر ہتھیلی کا مارنا نماز میں جبکہ کوئی حادثہ ہو تو جایز ہے اور دوسری جگہ جایز نہیں چونکہ کعبہ شریف معظم اور اُسکے گرد طواف محل نماز تھا تو وہاں ایسے فعل سے روکا نیز یہ فرمایا کہ نہیں تھی نماز اُنکے کعبہ شریف کے پاس اور یہ نہیں فرمایا کہ اُنکا سماع نہیں تھا کعبہ کے پاس لہذا منع تصدیہ سے کعبہ شریف کے پاس اُسکی ممانعت اور جگہ لازم نہیں آتی اور مانعان سماع اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ومن الناس من یشتری لھو الحدیث یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو کہ کھیل کی بات کی خریدار ہیں اور کھیل کی بات یہی گانا ہے ہم جواب دیتے ہیں کہ لہو الحدیث سے کھیل ہی مفہوم ہے اور حق آمیز شعر کا سُننا جایز ہے برابر ہے کہ وہ حق الحدیث قرآن مجید ہو یا شعر وغیرہ ہوں اور ہمنے صحیح حدیثیں جو کہ جواز سماع دف اور غنا پر دلالت کرتے ہیں بیان کر دیں اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ بعض شعر سے حکمت ہے پس اس آیت سے یہ امر ثابت ہوا کہ لہو الحدیث سے مُراد وہی سماع ہے جو کہ گمراہ کرنیوالا اور حق اور عبادت سے مشغول کرنیوالا اور بندہ کو حق سے دور کرنیوالا ہو اور جو ایسا نہو وہ اپنی اباحت پر باقی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ جب کوئی ایسی لفظ وارد ہو جو کہ عموم کو قبول کرتی ہے تو واجب ہے اول اُسکا مخصص ڈھونڈا جائے اگر مخصص ملجائے تو تخصیص ہوگی ورنہ عموم پر حمل کیا جائیگا اسکی مثال یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ احثوا فی وجوہ المداحین التراب یعنی مدح کرنیوالوں کے منہ میں مٹی ڈالو پھر یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صلعم کی مدح کیگئی تو آپ نے اُسکے عوض میں انعام دیا اور تعریف فرمائی کعب ابن زہیر نے یہ قصیدہ پڑہا بانت سعاد وقلبی الیوم مبتول پھر نبی صلعم نے اپنی چادر مبارک اُنکو عطا فرمائی پس واجب ہوا کہ حمل کیا جائے حضرت کے مٹی ڈالنے کے حکم کو ایسے مدح کرنیوالوں کی نسبت جو کہ جھوٹ اور فسق کے فساق کیواسطے مدح کرتے ہیں لہذا واجب ہے کہ لہو الحدیث بھی جھوٹ اور بیہودہ شعر اور گانا مراد لیا جائے اور جو ایسا نہو تو وہ قطعًا جایز ہے اگر منکر کہے کہ سماع فقرا مباح ہے ہم کہینگے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ شرع میں کسی چیز کو حلال یا حرام کرے جسکی بابت کہ شارع علیہ السلام نے کوئی حکم ندیا ہو اسلئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور اسکے بیچ میں مشتبہ امور ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب
اور نہ کہو اپنی زبانوں کی جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو پس جو یہ
کہے کہ گانا سننا حرام ہے تو اُسنے فی الحقیقت اُس امر کو شرع میں حرام کیا جس کی بابت کوئی حکم نہیں
کیونکہ کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلعم میں کوئی نص تحریم سماع ورقص پر نہیں اور جو کوئی شرع
میں اُس چیز کو حرام کرے جو کہ حرام نہیں ہے تو اُسنے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور جسنے اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی
جھوٹ باندھا تو وہ بالاجماع کافر ہوا نیز عوام کا سماع اور رقص مشابہ اُس سماع ورقص کے ہے جو حبشیوں کا حضرت
رسول اللہ صلعم کے حضور میں ہوا اور اوسکے مباح ہونیمیں عوام کے واسطے خلاف نہیں نیز اُنکی حرکتیں سماع میں
مشابہ اُن کی خوشیوں کے باغوں میں ہیں اور اسکے مباح ہونے میں کوئی خلاف نہیں اسی طرح سے اُن کی حرکات
سماع میں بھی مباح ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جس نے کسی قوم جیسی اپنی
صورت بنائی تو وہ اُنمیں سے ہے اور خالص اصحاب حق مثل بعض صحابہؓ اور اولیاء اللہ تعالیٰ مثل جنید
رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کی سماع میں ہلتی تھی جیسا کہ کتب رقائق میں اُنسے منقول ہے پس اگر ایک عامی بھی اُنکی سی
صورت بنانے کیلئے حرکت کرے اُس حال میں کہ اُن کی برکات کا طالب ہے تو وہ بھی اُنمیں سے ہوگا اور حدیث
میں ہے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ بسبب اُنکے اُنکا ہمنشین شقی نہوگا اگر منکر کہے کہ کوئی شخص انسان کی محبت
یا انسان کی صورت پر وجد کریگا تو حرام ہوگا ہم کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قسم ہے اُس ذات
پاک کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ہرگز جنت میں داخل نہوگے جبتک کہ ایمان نہ لاؤ گے اور ہرگز ایمان
نہ لاؤ گے جبتک کہ باہم محبت نہ کروگے کیا میں تمکو نہ بتاؤں وہ بات کہ جب اُسکا عمل کروگے تو باہم محبت ہوجائیگی
وہ یہ ہے کہ آپسمیں سلام کرو اور ایک روایت میں ہے کہ آپسمیں ہدیہ دو نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن
اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ کہاں ہیں باہم محبت کرنے والے میرے جلال کیواسطے پھر اُنکے واسطے نور کے منبر لگائے جائینگے
جنپر کہ انبیاء اور شہداء علیہم السلام رشک کرینگے۔ پس اگر دو شخص آپسمیں اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کریں
اور ایک اُنمیں سے دوسرے کی محبت پر اللہ تعالیٰ کے واسطے حرکت کرے تو یہ مباح ہوگا جبکہ باطل کے
ساتھ نہ جانا گیا ہو اگر منکر کہے کہ عامی حرکت نہیں کرتا مگر باطل طور پر یا کھیل سے اور یہ حرام ہے اُسکا جواب

یہ ہے کہ حدیث میں ہے جب تیرے بھائی سے کوئی بات ظاہر ہو اور اوسکا حمل اچھے معنی پر ہو سکتا ہو تو اوسکا حمل برے معنی پر نکر پس جبکہ ہم مومن موحد کو خواہ عامی ہو یا غیر عامی سماع میں حرکت کرتے ہوئے دیکھیں اور وہ باطل کے ساتھ نچانا گیا ہو واجب ہے کہ اوسکے فعل کو حق پر حمل کریں پس اگر اوسکے ساتھ وہی گمان کیا گیا ہے جیسا کہ ہمنے کہا تو وہی ہے ور نہ اوسکے اعتقاد کا کام تو اللہ تعالیٰ کی سپرد ہے نہ اوسکی طرف دیکھنے والے سے اگر معترض کہے کہ بغیر جھانج کے دف کا بجانا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ عرب کا دف ایسا ہی تھا مگر جھانج کے ساتھ دف بجانا ہم تسلیم نہیں کرتے اوسکا جواب یہ ہے کہ اسکی بابت کوئی حکم حرمت یا کراہت کا نہیں آیا ہے اسواسطے مباح ہے پس اگر ملا دیا جائے کلام استماع جو سنا جائے ایک مباح کے ساتھ جو سنا گیا ہے تو سب مباح ہو جائیگا مگر اسوقت نہوگا جبکہ کوئی قرینہ اونکی جمع کی منع پر ساتھ تحریم کے دلالت کرے جیسے کہ دو بہنوں کے ساتھ نکاح کہ ہر ایک سے جدا جدا جائز ہے اور دونوں میں جمع کرنا حرام ہے لیکن قصب فارسی اسکے بارہ میں کوئی حکم نہیں اسلئے وہ اپنی اباحت پر باقی ہے مگر مزمار (بانسری) حرام ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اوسکی آواز کو حضرت صلعم نے سُنا اور کانوں کو بند کر لیا نیز جو شخص کہ گانا اور رقص اور دف بجانے کا منکر ہے اوسکو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے لڑائی بالاتفاق کفر ہے اور بیا اس طرح ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی تو وہ میری لڑائی کے واسطے میدان میں نکلا اور امت محمدیہ صلعم میں اس امر پر اتفاق ہے کہ اس امت میں اولیاء ہیں اور سب طرف کے مسلمانوں نے صحت ولایت حضرات جنید رح اور شبلی رح اور معروف کرخی اور عبداللہ بن حنیف وغیرہم پر اتفاق کیا ہے اُن اولیاء ذکرہم میں سے جنکا رسالۃ قشیری میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی اون کے نزدیک ان صاحبوں کے عادات و حالات میں ثابت ہوا ہے کہ وہ گانے میں وجد کرتے تھے اور رقص کرتے تھے واسطے ترک ماسوی اللہ کے اپنے قلوب سے پس جو کوئی سماع کو مطلقاً حرام کہتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہ حضرات حرام کے مرتکب ہوئے اور جسنے اون کو حرام اور مباشرت فعل حرام سے منسوب کیا

تو اس نے از روئے قول و اعتقاد کے اون سے دشمنی کی اور جس نے اُن سے دشمنی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے میدان میں آیا اور جو اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے نکلا وہ بالاتفاق کافر ہوا پس تحقیق اللہ تعالیٰ کے غضب کو کما لایا اور ٹھکانا اوسکا دوزخ ہوا اور وہ بُری بازگشت ہے پس جبکہ اون تقریرات اور دلائل اور احادیث سے جنکو ہم نے بیان کیا ثابت ہو گیا کہ سماع مطلقاً مباح ہے اور اسکا منکر یا کافر یا فاسق ہے اور وہ مریدوں کے واسطے مستحب اور اولیاء خدا تعالیٰ کے لئے بہ نسبت اون کے مقامات کے واجب ہے کیونکہ وہ حضرات مجرد ہیں اوس چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے طرف اللہ تعالیٰ کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں اسکی وجہ کو اور جبکہ وہ کوئی بات ظاہری صورتوں میں سے پاتے ہیں تو اُسکو معانی غیبیہ پر حمل کرتے ہیں جیسے کہ جناب رسول علیہ السلام نے اُسید بن حضیر کے بارہ میں فرمایا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شب گذشتہ کو سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں میرے سر پر ایسا بادل چھایا جیسیں چراغ تھے حضرت نے فرمایا کہ وہ سکینہ تھی تو اسی طرح اولیاء اللہ تعالیٰ صورتوں کو معانی پر حمل کرتے ہیں بوجہ اون کے مراتب صور کی ترتیب کے اور مراتب معانی میں اونکے سیر کے پس دف اون کے نزدیک اشارہ ہے طرف دائرہ اکوان کی اور جو جھلی اُسپر چڑھی ہوئی ہے وہ اشارہ ہے طرف وجود مطلق کی اور ضرب جو دف پر پڑتی ہے اُسمیں اشارہ ہے طرف ورود واردات الہیہ کے باطن بطون سے طرف وجود مطلق کی واسطے تحویل اشیاء کے باطن سے ظاہر کی طرف اور پانچ جلاجل سے اشارہ ہے طرف مراتب نبوت اور مراتب ولایت اور مراتب رسالت اور مراتب خلافت اور مراتب امامت کی اور اوسکی آواز سے اشارہ ہے طرف تجلیات الہیہ اور علم الٰہی کے ان مراتب کے واسطے سے اولیاء اور اہل کمال کے قلوب میں اور نفس مغنی سے اشارہ ہے طرف عطیات حق تعالیٰ کی جیسا کہ وہ اشیاء کا محرک اور موجد اور مغنی ہے اور آواز مغنی سے اشارہ ہے طرف حق وارد کی اُس کی طرف سے باطن بطون میں اور اشارہ ہے طرف مراتب ارواح اور قلوب کی جو کہ اسرار ہیں اور قصب سے اشارہ ہے طرف ذات انسانیہ کی اور نو سوراخوں سے

اشارہ ہے طرف منافذ ظاہری انسان کی اور وہ نو ہیں دو آنکھیں اور دو کان اور دو سوراخ ناک کے اور منھ اور قبل اور دبر اور نو سوراخ اور مقلوب قلب اور عقل اور روح اور نفس اور ستر اور جوہر انسانی اور لطیفہ زاکیہ اور فؤاد اور شغاف ہیں اور جو پھونک کہ قطب میں جاتی ہے اسمیں اشارہ ہے طرف نفاذ نور اللہ تعالیٰ کے قصب ذات انسان میں پس اون کا ہلنا گانے میں اشارہ ہے طرف یاد کرنے طیر حقیقت انسانیہ کی مقام خطاب ازلی میں اسوقت جبکہ الست بربکم فرمایا تھا اور وہ مضطر ہوئے ستر کو قفص جسم کے کھینچنے اور اوسکے وطن حقیقی کی طرف پھیرنے کے لئے اس حیثیت سے کہ فرمایا وطن کی محبت ایمان سے ہے یعنی وطن ارواح کی جہاں سے کہ روح کو ایجاد کیا گیا جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ونفخت فیہ من روحی یعنی پھونک دی اُس میں میں نے اپنی روح سے اور رقص اشارہ ہے طرف جولان روح کی گرد دائرہ موجودات کے واسطے قبول کرنے تجلیات اور تنزلات کے اور یہ عارف کا حال ہے اور نعل اشارہ ہے طرف وقوف روح کی اور اُس کے ستر اور اُس کے وجود کی اور اُس کی جولان نظر اور فکر کی اور اوس کے نفوذ کے مراتب موجودات میں اور یہ محقق کا حال ہے پس اُس کا کودنا اوپر کی طرف اشارہ ہے اُس کے کھینچنے روح انسانی سے طرف مقام احدی کے اور کائنات کے واسطے سے آثار روحانیہ کے حاصل کے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی امداد کے پس جبکہ اوس کی روح حجاب سے نکلجاتی ہے مراتب صواب تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنا سر کھولدیتا ہے پھر جبکہ ہر چیز سے جو سوا اللہ تعالیٰ کے ہے مجرد ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متصل ہو جاتا ہے تو اپ کپڑے اُتار دیتا ہے پھر اگر گانے والا بھی صاحب حال اور مقام ہے تو وہ اپنے کپڑے اسپر پھینکدیتا ہے اور اگر اس درجہ کا نہیں ہے تو اوس کی طرف پھینکنا ظلم ہے اس لئے کہ صاحب حال کے کپڑے اُس کے حال کی صورت ہیں اور اوس کے حال کے قبول کا وہی مستحق ہے جو کہ اُس کے رتبہ کا ہو پھر اگر محقق مقام علوی پر چڑھ گیا اور گانے والا مقام

سفلی میں گار رہا ہے تو وہ ایک شعر مناسب اپنے حال کے اسکو القا کرتا ہے پھر اگر اسپہ مشکل ہو جائے اس کو پیچھے چھوڑتا ہے اور اس کا حال اسپر ٹھیر جاتا ہے تو دوسرا لیتا ہے اور اوس کے ساتھ حال کرتا ہے تاکہ اس کا حال اس کے حال کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کا عقدہ حل ہو جائے پھر اگر وہ پیاسا ہو جائے اور پانی پینا چاہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مغلوب ہو گیا اس لئے کہ مقام روح مقام صفا ہے اور اوس کی غذا قوم سے ہوتی ہے پس جب پیاسا ہوگا تو دلیل اسکی ہوگی کہ وہ مقام جسد کی طرف واپس آیا اور مقام روح کا اور حال روح کا غیب کے ساتھ غذا حاصل کرنی ہے اور اوسکو ظاہر کی احتیاج نہیں اور مقام جسد صورت کے ساتھ غذا حاصل کرتا ہے تو جب غیب سے شہادت کی طرف رجوع کرے گا پانی مانگے گا اور یہ اوس کے نقصان کی دلیل ہے اور لیکن معنی معقول شرف سماع پر دلالت کرنے والا پس وجود اوس کا دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ احوال لاحقہ دو قسم کے ہیں حرکت اور سکون پس حرکت صفت ارواح اور اسرار کی ہے اور سکون صفت اجساد اور کثیف صورتوں کی اور حرارت اور لطیف ہونا حرکت کے لوازم میں سے ہے اور بستگی (جماؤ) اور بدلنا سکون کے لوازم میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب پانی حوض میں ٹھیرا رہتا ہے اگرچہ کثرت سے ہو بعد گذرنے زمانے کے اس کی حالت پلٹ جاتی ہے اور اگر تھوڑا سا بھی جاری ہو تو نہیں بدلتی پس اسی طرح جب کہ آواز موجود باطن میں اثر کرتی ہے تو روح کو بلندی پر چڑھنے کی خواہش کے لئے حرکت دیتی ہے پس یہ بھی روح کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تب اوس کے وجود میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور اوسکو وجود نقلہ گھلجاتے ہیں اور اس کے قلب میں آثار مشہودہ ظاہر ہو جاتے ہیں دوم یہ کہ وہ غذا جو محسوس ہوتی ہے بدن کو قوی کرتی ہے اور اسکا حصول غلاکے استعمال سے ہے اور غذا روح کے قلب اور سر کو قوی کرتی ہے اور یہ استعمال سے ایسے آلات کے ہوتا ہے جو کہ نور اور حیات کے عالم غیب سے اتارلے گئے ہیں اور وہ وہی تحریک روح کی اور اشعار رقیقہ سے معانی غریبہ کا سننا اور تعلقات کونیہ کا ترک کرنا اور روحانی ہنسلوں کی نظر

کھینچنا ہے اور ان امور کے حاصل ہونے کا آلہ اجتماع اخوان اور طلب مدد اللہ رحمٰن سے ہے سوم یہ کہ سماع آدمی کو امور ظاہرہ سے مجرد کرتا ہے اور انوار اور اسرار باطنہ کے قبول کے واسطے آمادہ کرتا ہے پھر جتنا کہ اوس کا وجد سماع میں زیادہ ہوتا ہے اُسی قدر اُس کے سیر اور طیر عالم ارواح میں زیادہ ہوتی ہے اور جب کثرت سے اُس کی زیادتی ہو جاتی ہے تو اُسکا قلب رقیق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالے کے آثار فیض اور تجلیات میں سے پھونچ جاتے ہیں تو اُس کو مقام وصول بغیر ریاضت اور جذبہ کے حاصل ہو جاتا ہے چہارم یہ کہ آواز ظاہر سے باطن میں نفوذ کرنے والی ہے اور قلب سے متصل ہو جاتی ہے پھر قلب اور روح بواسطہ اختلاف نغموں کے اور متعدد ہونے اُن معانی کے جو روح پر وارد ہوتے ہیں مرات وجود سے منتقل ہو جاتے ہیں اور قلب جسد کو روح کے پیچھے لگا دیتا ہے حرکت میں پھر وہ توہمات سے متجرد ہو جاتا ہے پھر قوائے جسدیہ میں وہ معانی منفصلہ جو کہ روح میں ہیں نفوذ کرتے ہیں پھر جسد مقام روح تک کھینچتا ہے اور پردہ اُٹھ جاتا ہے پھر اُن معانی اور حقائق کو ایک ہی دفعہ مشاہدہ کر لیتا ہے اور یہ مقام کمال عیانی ہے جو کہ بہت قسم کی ریاضتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا پنجم یہ کہ سماع باطن میں سکون اور ظاہر میں حرکت ہے اور اوس کے سوا سب عبادات سوائے روزہ کے ظاہر میں حرکت ہیں اور حرکت ظاہرہ کثرت سے تناسب ہوتی ہے پس جسقدر حرکت سماع میں زیادہ ہوگی اوسیقدر سکون قلب میں زیادہ ہوگا پھر وہ قلب اُس چیز سے جو سوائے اللہ تعالے کے ہے مجرد ہوگا اور اُسمیں وجد پیدا ہوگا اور مقام احدی کی طرف کھینچیگا تو وہ نظر شوق سے اللہ تعالے کے ایسے عالموں کو دیکھیگا جن کا عقلیں اور سمجھیں احاطہ نہیں کر سکتیں اور لیکن یہ تین ارکان نماز اور حج اور شہادت (کلمہ طیبہ) اگرچہ ظاہر میں حرکت ہیں لیکن دو حرکتوں میں کبھی ایک سکون روحی وجہی ظاہر ہوتا ہے جو کہ اوس کے صاحب کو فنا اور بقا کی طرف قوت اور مدد دیتا ہے اور لیکن روزہ ظاہر اور باطن سکون ہے اور دو سکونوں میں سے ایک حرکت اللہ سے اور ساتھ اللہ کے اور واسطے اللہ کے

پیدا ہوتی ہے اور یہی اطلاق تام اور حکم عام ہے پھر جبکہ یہ سماع منتشر ہوا اور اس کے مراتب مشتمل حقایق ارکان پر ہیں مثل نماز اور حج کے اور دونوں شہادتیں اس کے مراتب ظاہر میں سے ہیں اور روزہ اور زکوٰۃ اوسکے باطن کی طرف سے ہیں تو انسان کو سماع میں وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اور عبادات کے مواظبت سے حاصل نہیں ہو سکتے ششم یہ کہ سماع مشتمل احوال کمالیہ پر ہے جو کہ اوس میں نہایات مقامات ہیں اور سین سماع اشارہ کرتا ہے طرف سم کی یعنی بھید سماع کا مثل زہر کے ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی تعلقات غریبہ سے مرجاتا ہے اور وہ اوسکو مقامات غیبیہ تک پہنچا دیتا ہے اور اسکا میم اور عین اشارہ کرتا ہے معیت ذاتیہ الٰہیہ کی طرف جیسے کہ فرمایا حضرت علیہ السلام نے کہ میرے واسطے اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک وقت ہے اور اس کے سین اور میم اور الف مشعر ہیں اس امر کے کہ صاحب سماع علوی ہو جاتا ہے اور مراتب سفلیہ سے نکلجاتا ہے اور اوس کے الف اور میم اشارہ کرتے ہیں طرف اُم کی تاکہ جانا جائے کہ صاحب سماع اصل ہر چیز کی ہے پس وہ غیب سے بسبب اپنی روحانیت کے مدد لیتا ہے اور دوسروں کو مراتب موجودات میں سے اُس سے فیض پہنچاتا ہے اور علم جو اوس کی طرف اشارہ کرنیوالا ہے کلمہ الٰہی اور عین اور میم اوس کی اشارہ کرتی ہیں طرف عم کی یعنی صاحب سماع بسبب اپنی روحانیت کے علویات اور بسبب حیات قلب کے سفلیات اور اسکے سوا اور مراتب غیبیہ پر مشتمل ہے پس تحقیق کہ صاحب سماع ان مقامات الٰہیہ تک پہونچتا ہے جہانتک کہ ہزاروں اجتہاد اور کامل تر ریاضتوں سے نہ پہنچتا اور اسیطرح سماع کے فوائد انتہائے فائدہ تک پہنچتے ہیں جنکو کہ صاحب ذوق اور شہود پاتا ہے اور ہم اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم کرتے ہیں اور ہمکو حضرت رسول اللہ صلعم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ فرمایا جب میں کسی امر کا تمکو حکم دوں تو اسکو جہانتک ہو سکے بجالاؤ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما والحمد للہ رب العالمین یا اللہ یا رحمٰن یاحی یاقیوم الحمد للہ تعالیٰ کہ ترجمہ لوارق السماع مصنفہ شیخ احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ تمام ہوا۔ فقط۔

اردو ترجمہ کتاب
آداب الاخلاق
یعنی
اخلاق محمدی
مصنفہ
جناب امام ہمام حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

آداب الاخلاق

اُردو ترجمہ کتاب

آداب و اخلاق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و معجزات

جاننا چاہیئے کہ ظاہری آداب باطنی آداب کے عنوان ہوتے ہیں۔ اور اعضاء ظاہری کی حرکتیں دلی خیالات کا ثمرہ ہوا کرتی ہیں۔ اور ظاہری اعمال باطنی اخلاق کے نتائج ہوتے ہیں۔ اور اخلاق و آداب انجام معرفت ہیں۔ اور اسرار باطنی اعمال و افعال کے منبع ہیں۔ باطنی نور سے ہی در اصل ظاہری زینت و زیبائش حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کی برکت سے ظاہری برائیاں خوبیوں سے بدل جاتی ہیں۔ جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضاء سے بھی خوف خدا معلوم نہیں ہوتا جس کا سینہ انوار الٰہی سے منور نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضاء پر بھی اخلاق و آداب نبوی کی چمک نظر نہیں آتی۔

میرا ارادہ تو یہ تھا کہ معاملات کے اختتام پر ایک باب تمام آداب زندگی کے بیان میں لکھ دوں۔ لیکن جب میں نے سوچا کہ جلد اول و دوم کے ہر باب میں تھوڑے تھوڑے آداب مذکور ہیں۔ سو اگر ان کو دوبارہ لکھا جاوے۔ تو مضمون مکرر ہونے کے باعث ناظرین کی طبائع پر گراں معلوم ہوگا۔ اس لئے تمام آداب زندگی ذکر نہیں کئے گئے۔ بلکہ صرف حضور علیہ السلام کے وہ اخلاق کریمہ ذکر کئے گئے ہیں۔ جو صحیح اسناد کے ساتھ

روایت کئے گئے ہیں۔ لیکن اسناد کو بوجہ طوالت ترک کر دیا گیا ہے۔ اخلاق نبوی کو یکجا جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے۔ کہ جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ معلوم کر کے انسان کا ایمان تازہ اور مضبوط ہو جاوے۔ کیونکہ حضور کی ایک عادت شریف ایسی ہے کہ جس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آپ تمام مخلوقات سے برگزیدہ انسان ہیں۔ جب ایک عادت شریف کا یہ حال ہے۔ تو جس صورت میں تمام اخلاق حسنہ حضور کی ذات اقدس میں جمع ہوں۔ اس صورت میں کیونکر آپ بہترین خلائق نہ ہوں گے ؛

اخلاق کے بعد آپ کے وہ معجزات ذکر کرونگا۔ جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ تاکہ اخلاقِ حسنہ کا بیان مکمل ہو جاوے۔ اور منکروں کا پردہ غفلت دور ہو جاوے خدائے تعالے سے التجا ہے کہ وہ ہمیں تمام اخلاق و عادات اور تمام امور دینی میں حضور سراپا نور کے اتباع کی توفیق عطا فرماوے۔ وہی متحیروں کا رہنما اور بے قرار سائلوں کی دعائیں قبول فرمانے والا ہے ؛

گو اخلاق نبوی کا ایک دریائے ناپید اکنار ہے۔ لیکن تاہم ہم اسکو نمبرہ ۱۳ بیانوں میں تحریر کریں گے ؛

پہلا بیان

اس امر میں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے آداب قرآنی سے مؤدب فرمایا

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں بصد گریہ وزاری فرما کر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ[۱] یعنی خدایا میرا ظاہر و باطن

---

[۱] روایت کیا اس حدیث کو حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن مسعودؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے لیکن آن

اچھا کر دے۔ نیز یہ دعا بھی کیا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ اجْنِبْنِیْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ یعنی اے اللہ مجھے بُری عادتوں سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی یہ دعائیں قبول فرمائیں۔ اصاپنے اس وعدہ کو پورا کیا۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی لوگو تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔ چنانچہ آپ پر قرآن مجید نازل فرما کر اس کے ذریعے آپ کو اخلاق و آداب کی تعلیم دی۔ اسی لئے حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت ثانیہ تمام قرآن مجید ہوگیا تھا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ہشام سے روایت ہے۔ کہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا حال دریافت کیا۔ تو انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ کہ کیا تو قرآن مجید پڑھتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کہ جی ہاں پڑھتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ کہ بس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خلق بعینہٖ قرآن مجید تھا۔ حسب ذیل آیات قرآنی میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق و آداب کی تعلیم دی گئی ہے:۔ خُذِ الْعَفْوَ

(۱) خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۔ یعنی اے پیغمبر لوگوں کے قصور معاف کر دیا کرو۔ ان کو نیکی کی ہدایت کیا کرو۔ اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

(۲) اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ یعنی اللہ تعالےٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بیحیائی، برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

(۳) وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ یعنی اے پیارے حبیب جو تکالیف و مصائب آپ کو پہنچیں۔ آپ ان کو صبر و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) کے الفاظ یوں ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ۔ الٰہی تو نے مجھے خوبصورت بنایا ہے۔ خوب سیرت بھی بنا۔

لہ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے حضرت ثعلبہؓ سے۔

استقلال سے برداشت فرمایئے کیونکہ ہمت کا کام یہی ہے۔

(۴) لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ط

یعنی جو شخص صبر و معافی اختیار کرے۔ وہ بہترین انسان ہے کیونکہ صبر و معافی واقعی بڑی ہمت کا کام ہے۔

(۵) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ط یعنی اے پیغمبر آپ ان لوگوں کا قصور معاف فرما دیجئے۔ اور ان سے درگذر کیجئے بیشک خدا تعالیٰ نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے۔

(۶) وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ

ان لوگوں کو چاہیئے کہ وہ معاف اور درگذر کر دیا کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالےٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔

(۷) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ط یعنی اے پیغمبر آپ لوگوں کو اچھا جواب دیا کریں۔ اس سے آپ کے دشمن ایسے بن جاوینگے جیسے کوئی پکا دوست ہوتا ہے۔

(۸) اَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ط یعنی اللہ کے بندے غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔

(۹) اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط یعنی زیادہ بدگمانی مت کیا کرو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے۔ اور کسی کی عیب جوئی بھی مت کیا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔

جنگ اُحد میں جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو ہوئے۔ اور آپ کے سر مبارک پر سخت چوٹ آئی تو حضور کے چہرۂ انور پر خون بہتا جاتا۔ اور آپ خون کو پونچھتے جاتے۔ اور فرماتے جاتے کہ ان لوگوں کا کیونکر بھلا ہوگا۔ جنہوں نے اپنے نبیؐ کے چہرہ کو خون آلودہ کیا۔ حالانکہ وہ نبی ان کو سیدھی

راہ بتلاتا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی :-

(۱۰) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۔ اے پیغمبر آپ کو کچھ اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ خواہ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے۔ خواہ انہیں عذاب کرے۔ کہ وہ ظالم ہیں ۔

اسی طرح قرآن مجید کا مقصد اولین یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آداب و اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر تمام مخلوقات کو آپ کے ذریعے ادب و تہذیب سکھائی جاوے۔ اسی لئے حضورؐ[1] نے فرمایا ہے کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں۔ پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کو اخلاقِ حسنہ میں سے اُن امور کی ترغیب دی جن کا ذکر ہم باب ریاضت نفس اور تہذیب اخلاق جلد ثالث میں کریں گے۔ اس لئے ان امور کو یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاقِ حسنہ میں کامل و مکمل فرما دیا۔ تو تعریف و توصیف کے طور پر فرمایا۔ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ یعنی اے ہمارے حبیب آپ اعلےٰ درجے کے خوش اخلاق ہیں۔ سبحان اللہ خدائے تعالےٰ کا کس قدر فضل و کرم ہے۔ کہ خود ہی اپنے پیارے حبیب کی تعریف فرماتا ہے۔ کہ اے پیغمبر آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہیں۔ حضور علیہ السلام[2] نے تمام دنیا کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ کو اچھے اخلاق پسند ہیں۔ اور بُرے اخلاق ناپسند۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔ کہ افسوس ہے اس مسلمان پر جس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان کسی حاجت کے لئے آوے۔ اور وہ اس کی کچھ بھلائی بھی نہ کر سکے اگر اس کو ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر نہ بھی ہو تو بھی اس کو یہ تو لازم ہے۔ کہ اخلاقِ حسنہ سے پیش آوے۔ کیونکہ اخلاق حسنہ ہی سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ کسی شخص

[1] روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ۔

[2] روایت کیا اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے حضرت سہل بن سعدؓ سے ۔

شخص نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ یہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ کیا یہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے حضور سے علاوہ اس کے ایک روایت ایسی سُنی ہے۔ جو اس سے بھی بہتر ہے۔ وہ یہ کہ جب حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبیلۂ بنی طی کے قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ تو اُن میں ایک لڑکی بھی تھی۔ اُس نے حضور سے عرض کیا۔ کہ اگر آپ مصلحت سمجھیں تو مجھے رہا فرما دیں تاکہ قبائلِ عرب کو مجھ پر ہنسی کا موقعہ نہ مل سکے۔ کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی لڑکی ہوں۔ میرے والد ماجد کا یہ شیوہ تھا کہ وہ اپنی قوم کی حمایت کیا کرتا تھا۔ قیدیوں کو رہا کر دیا کرتا تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اور لوگوں سے بکثرت سلام کیا کرتا تھا۔ انہوں نے کبھی کسی حاجتمند کو مایوس نہیں پھیرا۔ یعنی میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بیٹی! یہ تو عادتیں ایمانداروں کی ہیں۔ اگر تیرہ باپ مسلمان ہوتا۔ تو ان عادات کی بنا پر ہم اُس پر درود و سلام بھیجتے۔ یہ فرما کر حکم دیا کہ اس لڑکی کو رہا کر دو۔ کیونکہ اس کا باپ اخلاقِ حسنہ سے موصوف تھا۔ اور اللہ تعالےٰ خوش اخلاق لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ جنت میں خوش اخلاق ہی داخل ہوں گے۔[1]

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو دو چیزوں میں منحصر کر دیا ہے۔ ایک اخلاقِ حسنہ، دوسرے نیک اعمال۔[2] منجملہ اخلاقِ حسنہ و اعمالِ صالحہ کے حسبِ ذیل امور ہیں:۔

(۱) آپس میں محبت سے رہنا (۲) اچھے کام کرنا (۳) لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا (۴) خیرات کرنا (۵) کھانا کھلانا (۶) سلام کثرت سے کرنا (۷) مسلمانوں کی بیمار پرسی کرنا (۸) مسلمان خواہ نیک ہو یا بد اس کے جنازہ کے ساتھ جانا (۹) ہمسایہ خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کے ساتھ محبت سے رہنا (۱۰) بوڑھے مسلمانوں کی تعظیم کرنا

[1] روایت کیا اس حدیث کو حکیم ترمذیؒ نے اپنی کتاب نوادر میں تھوڑی سی ضعیف سند سے۔

[2] اس حدیث کا حوالہ مجھے معلوم نہیں ہوا۔ اور دوسری روایت جو حضرت معاذ بن جبلؓ سے آگے آتی ہے۔ اس کے سامنے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

(۱۱) اگر کوئی دعوت کرے تو اس کو قبول کرنا (۱۲) دوسروں کی دعوت کرنا (۱۳) لوگوں کے قصور معاف کرنا (۱۴) لوگوں میں صلح و امن قائم رکھنا (۱۵) سخاوت کرنا (۱۶) دوسرے کو پہلے سلام کرنا (۱۷) غصّہ کو پی جانا (۱۸) لوگوں سے درگذر کرنا (۱۹) جو چیزیں اسلام میں حرام ہیں اُن سے بچنا مثلاً کھیل تماشہ، راگ، باجہ، سازنگی وغیرہ آلات لہو و لعب بغض و کینہ، عیب کی ہر ایک بات، غیبت، جھوٹ، بخل و کنجوسی، دغا فریب، بد تہذیبی، چغلی، باہم جنگ وجدال رکھنا، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا، بدمزاجی تکبر و غرور، گالی گلوچ اور فحش باتیں کرنا اور سننا، بدفالی (شگون بد لینا) سرکشی، حد سے گزرنا، ظلم و ستم۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی عمدہ نصیحت نہیں چھوڑی جو ہمیں نہ بتلائی ہو۔ اور نہ کوئی ایسا عیب چھوڑا ہے جس سے ہمیں ڈرایا یا منع نہ کیا ہو۔ اجمالی طور پر یہ سب باتیں (جو اوپر مذکور ہوئیں اس آیت میں آجاتی ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بے حیائی برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں۔ کہ جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ اے معاذ میں تجھے وصیت کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ سچ بولا کر۔ وعدہ کو پورا کیا کر۔ امانت کو ادا کیا کر۔ امانت میں خیانت نہ کیا کر۔ ہمسایہ کا لحاظ رکھا کر۔ یتیموں پر رحم کیا کر۔ لوگوں کے ساتھ نرمی سے گفتگو کیا کر۔ اور لوگوں کو سلام بہت کیا کر۔ نیک عمل کیا کر۔ لمبی امیدیں دل میں نہ ٹھانا کر۔ ایمان پر ثابت قدم رہ۔ قرآن مجید کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت رکھ۔ حساب قیامت سے ڈرتا رہ۔ تواضع اختیار کر۔ نیز میں تجھے منع کرتا ہوں۔ کہ کسی دانا اور عقلمند شخص کو گالی نہ دینا۔ اور سچے کو جھوٹا مت کہنا۔ کسی گنہگار کی اطاعت نہ کرنا۔ اور بادشاہ عادل کی نافرمانی مت کرنا

۱؎ اس حدیث کی سند مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔ لیکن مضمون حدیث بالکل صحیح ہے۔

۲؎ روایت کیا اس حدیث کو امام ابونعیم نے کتاب الحلیہ میں اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں۔

فتنہ و فساد نہ کرنا۔ نیز میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خدا سے ڈرتا رہو۔ خواہ (تو) اتنا مفلس ہو کہ تیرے پاس بجز پتھر، ڈھیلے اور درخت کے اور کوئی چیز نہ ہو۔ ہر گناہ پر تائب اور نئی توبہ کرنا۔ پوشیدہ گناہوں کی پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کی ظاہر توبہ کرنا۔ الغرض سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر دنیا کو اخلاق و آداب اور اعمال صالحہ کی دعوت و تبلیغ کی۔ اور ان کو با ادب بنانے کی سعی بلیغ کی۔

دوسرا بیان

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اخلاق حمیدہ کے ذکر میں جو بعض عُلما نے احادیث سے منتخب کئے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب[۱] لوگوں سے زیادہ نرم مزاج، سب[۲] سے زیادہ بہادر سب[۳] سے بڑھ کر عادل اور سب[۴] سے زیادہ پارسا تھے۔ کسی غیر عورت کو آپ کا دست مبارک کبھی نہیں لگا۔ آپ سب[۵] سے زیادہ سخی تھے۔ یہاں[۶] تک کہ رات کو آپ کے پاس ایک دھیلا بھی باقی نہیں رہتا تھا۔ اگر اتفاقاً کچھ بچ بھی جاتا۔ اور رات تک کوئی محتاج نہ آتا۔ تو اس وقت تک آپ اپنے دولت خانہ میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ جب تک کہ کسی

---

۱ اس حدیث کو روایت کیا امام ابوالشیخ رح نے کتاب الاخلاق میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رض سے مرسلاً اور امام ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن سلام سے ایک لمبی حدیث کے ضمن میں۔

۲ راوی حدیث بخاری و مسلم بروایت انس رض۔

۳ راوی ترمذی بروایت علی رض کتاب شمائل ترمذی۔

۵ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رض۔

۵ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس رض۔

۶ ابوداؤد بروایت بلال رض اور بخاری میں بروایت عقبہ بن الحارث اسی کا قریب ایک دوسرا مضمون ہے۔

حاجتمند کو وہ بچا ہوا مال دے نہ چکتے۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو جو کچھ مال دے رکھا تھا۔ آپ اس میں سے سوائے اپنی غذا یا دیگر اشد ضروری اخراجات کے اور کچھ نہیں لیتے تھے۔ غذا بھی نہایت ارزاں کھجوروں اور جَو کی ہوتی تھی۔ باقی مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضور[1] سے جو چیز کوئی مانگتا آپ اُسے عطا فرما دیتے۔ پھر آپ[2] اپنے سال بھر کے خرچ میں سے بھی راہِ خدا میں دے دیا کرتے۔ اور سائلوں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے۔ حتیٰ کہ اگر آپ[3] کے کوئی نیا خرچ نہ آتا۔ تو وہ معینہ خرچ سال ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ آپ[4] اپنا جوتا خود ہی گانٹھ لیا کرتے۔ اور خود ہی اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیا کرتے۔ اور اپنے گھر کا کام بھی خود ہی کر لیتے تھے۔ چنانچہ[5] ازواج مطہرات (بیویوں) کے ساتھ گوشت کاٹتے۔ حضور[6] سب سے زیادہ حیا دار تھے۔ کسی کے چہرہ پر آپ کی نظر نہیں جمتی تھی۔ آزاد[7] و غلام (ہر چھوٹے بڑے) کی دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے۔ اور[8] جو کوئی ہدیہ (تحفہ) حضور کی خدمت اقدس میں پیش کرتا اُس کو

---

[1] بخاری مسلم بروایت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

[2] روایت کیا اس حدیث کو طیالسیؒ و دارمیؒ نے سہلؓ بن سعد سے اور بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ و جابرؓ اس مضمون کو مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے۔

[3] یہ مضمون ترمذی، ابن ماجہ اور نسائیؒ کی ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ یعنی جب آپ نے وصال فرمایا ہے۔ اس وقت آپکی زرہ مبارک بیس صاع جَو کے عوض گرو تھی۔ یہ جَو حضور نے اپنے گھر والوں کی خوراک کے لئے قرض لئے تھے۔ یہی مضمون بخاری میں بروایت عائشہ صدیقہؓ مروی ہے۔

[4] راوی احمدؒ بن حنبل بروایت عایشہؓ۔

[5] احمدؒ بن حنبل بروایت عایشہ اور بخاری و مسلم میں بروایت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ایک حدیث کے ضمن میں یہ مضمون مذکور ہے

[6] بخاری و مسلم بروایت ابو سعید خدری بالفاظ دیگر۔

[7] ترمذی و ابن ماجہ بروایت انسؓ۔

[8] ہدیہ اور اس کا بدلہ دینا بخاری میں بروایت عایشہؓ مذکور ہے۔ اور دودھ کا ہدیہ منظور کرنا بخاری۔

بخوشی قبول فرما لیتے۔ خواہ وہ ہدیہ دودھ کے ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ ہدیہ کا احسان ضرور اُتار دیتے (یعنی ہدیہ کے بدلہ میں ہدیہ دیتے) ہدیہ کو تناول فرما لیتے۔ لیکن صدقہ و خیرات کا مال نہیں کھاتے تھے۔ لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمانے سے کچھ عار نہ کرتے۔ اُن کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں پر غصے ہوتے۔ لیکن اپنے لئے اُن پر غصہ نہیں فرماتے تھے۔ حق کی اشاعت فرماتے۔ خواہ اشاعت حق میں آپ کا اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جاتا۔ بعض مشرکوں نے حضور سے درخواست کی کہ کیا ہم آپ کے حامی و مددگار ہو کر آپ کے مخالف دشمنوں سے بدلہ لیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرکوں سے مدد نہیں لیتا۔ حالانکہ حضور کے پاس اس وقت آدمیوں کی اس قدر قلت (کمی) تھی۔ کہ اگر ایک آدمی بھی حضور کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتا۔ تو وہ بھی غنیمت تھا۔

ایک نہایت جلیل القدر صحابیؓ کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا۔ لیکن حضورؐ نے ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں فرمائی۔ بلکہ اس مقتول کی دیت (بدلہ) میں سو اونٹنیاں دیدیں حالانکہ اس وقت صحابہ کرامؓ کو اونٹنیوں کی اس قدر اشد ضرورت تھی۔ کہ ایک اونٹ سے بھی اُن کا بہت سا کام نکلتا تھا۔ نیز حضور علیہ السلام بھوک کی تکلیف سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔ جو مل جاتا وہی تناول فرما لیتے۔ اور جو موجود ہوتا اُس کو

(ابقیہ حاشیہ صفحہ۹) مسلم میں بروایت اُمّ فضل منقول ہے۔ اور خرگوش کی ران کا ہدیہ قبول کرنا بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ آیا ہے۔

۱؎ بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ۔

۲؎ بخاری و مسلم بروایت سہل بن ابی حثمہ و رافع بن خدیجؓ اور جس صحابی کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا تھا ان کا نام عبداللہ بن سہل انصاری تھا۔

۳؎ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ۔

۴؎ آپ کے یہ سب اخلاق مشہور و معروف ہیں چنانچہ ترمذی میں بروایت اُمّ ہانی خشک روٹی کا کھانا۔ اور بروایت اُمّ سلمہؓ بھنے ہوئے گوشت کا کھانا اور بروایت ابن عباسؓ جو کی روٹی کا کھانا

رد بھی نہیں کرتے تھے۔ حلال اشیا کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ اگر روٹی نہ ملتی۔ تو صرف کھجوروں پر ہی اکتفا کر لیتے۔ بھنا ہوا گوشت مل جاتا تو اس کو بھی کھا لیتے۔ اور اگر گیہوں یا جو کی روٹی مل جاتی۔ تو اُسے بھی نوش جان فرما لیتے۔ اگر شہد یا کوئی اور میٹھی چیز مل جاتی۔ تو اس کو بھی تناول فرما لیتے۔ اگر روٹی نہ ہوتی اور صرف دودھ مل جاتا تو اس کو ہی پی کر گزارہ کر لیتے خربوزہ یا کھجوریں مل جاتیں تو وہی کھا لیتے۔ تکیہ لگا کر نہ کھاتے۔ اور نہ (میز وغیرہ) اونچی جگہ رکھکر کھانا تناول فرماتے۔ آپؐ اپنے پاؤں مبارک کے تلوؤں سے رومال کا کام لے لیتے (یعنی اُن سے اپنے ہاتھ پونچھ لیا کرتے) حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی تناول نہیں فرمائی۔ یہ سب تکلیفیں مفلسی اور ناداری کے باعث برداشت نہیں کرتے تھے (باوجود سب کچھ موجود ہونے کے) محض اپنے نفس کو مغلوب رکھنے کیلئے اختیاری طور پر تکلیفیں اُٹھاتے تھے۔ ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے۔ بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے۔ جنازہ کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ دشمنوں میں تنہا بغیر کسی پہرے کے پھرتے۔ آپؐ سب سے بڑھ کر متواضع اور باوقار تھے۔ آپ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) مذکور ہے۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور کا حلوے اور شہد کو پسند فرمانا اور متواتر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہ کھانا منقول ہے۔ اور نسائی میں بروایت عائشہ صدیقہؓ خربوزہ کا کھانا مروی ہے۔

۱؎ اس کی سند کھانا کھانے کے آداب کی پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔

۲؎ یہ حال حضورؐ کا مشہور نہیں ہے۔ بلکہ ابن ماجہ نے بروایت جابرؓ ذکر کیا ہے کہ ہم آپ کے عہد مبارک میں یوں کیا کرتے تھے (حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کیا)۔

۳؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۴؎ یہ قول حضورؐ کا مشہور ہے۔ اور ابھی گذر چکا ہے۔

۵؎ ترمذی اور حاکم نے بروایت عائشہ صدیقہؓ نقل کیا ہے۔ کہ جب آیت واللّٰہ یعصمک من الناس اُتری تو آپ کسی کو اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔

۶؎ ابوالحسن علی بن ضحاک نے ان الفاظ سے اپنی کتاب الشمائل میں نقل کیا ہے۔ اور نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد میں آپ کی سیرت تواضع کے متعلق کئی احادیث آئی ہیں۔

ہی اور مغرورانہ نہیں فرماتے تھے۔ آپؐ[1] خندہ پیشانی تھے۔ کسی[2] دنیاوی چیز سے آپ زیادہ خوش نہیں ہوتے تھے۔ جو کچھ[3] پہننے کو مل جاتا وہی پہن لیتے۔ کبھی چھوٹا کمبل اور یمن کی قیمتی چادر اور کبھی حلال مال سے بنا ہوا صوف کا جبّہ پہن لیا کرتے تھے حضورؐ[4] چاندی کی انگوٹھی دا ہنے یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنا کرتے۔ اپنے پیچھے[5] اپنے غلام یا کسی دوسرے شخص کو سوار کر لیا کرتے۔ جو سواری[6] وقت پر مل جاتی اُسی پر سوار ہو جاتے۔ کبھی گھوڑے پر، کبھی اونٹ پر، کبھی سبز خچر پر اور کبھی دراز گوش پر، کبھی پیادہ اور برہنہ پا۔ چادر پگڑی اور ٹوپی کے بغیر ہی چل کر مدینہ منورہ کے پرلے کنارہ پر بیماروں کی بیمار پرسی کرنے جاتے۔ آپؐ[7] کو خوشبو پسند اور بدبو ناپسند تھی فقیروں[8] اور غریبوں کے ساتھ آپ مجلس کرتے مسکینوں[9] کو کھانا کھلاتے۔ خوش اخلاق[10] لوگوں کی تعظیم و تکریم

---

[1] ترمذی بروایت علی مرتضیٰؓ در شمائل خود۔

[2] احمدؒ بروایت عایشہ صدیقہؓ۔

[3] بخاری میں بروایت سہل بن سعد شملہ کا پہننا۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ یمنی چادر کا پہننا۔ اور اس کو پسند خاطر فرمانا اور بروایت مغیرہ بن شعبہ جبّۂ صوف پہننا مذکور ہے۔

[4] بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ چاندی کی انگوٹھی اور مسلم میں حضورؐ کا چاندی کی انگوٹھی کو اپنے دا ہنے یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہننا مذکور ہے۔

[5] بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباسؓ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت اسامہؓ اور فضل بن عباس و معاذ بن جبل کو اپنے پیچھے سوار کرنا ثابت ہے۔

[6] مسلم میں بروایت جابرؓ و سہلؓ بن سعد حضورؐ کا گھوڑے پر سوار ہونا ثابت ہے۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباسؓ وحجۃ الوداع میں آپ کا شتر پر سوار ہونا۔ اور بروایت براءؓ خچر پر سوار ہونا اور بروایت اسامہؓ گدھے پر سوار ہونا۔ اور بروایت ابن عمرؓ قبا میں پیادہ و سوار تشریف لے جانا مذکور ہے۔ اور مسلم میں بروایت ابن عمرؓ حضرت سعدؓ بن عبادہ کی بیمار پرسی کو بغیر سواری اور جوتی اور ٹوپی کے جانا منقول ہے۔

[7] نسائی نے بروایت انسؓ اور ابوداؤد و حاکم نے بروایت عایشہ صدیقہؓ حضورؐ کا خوشبو کو پسند فرمانا۔ اور عدیؓ نے بروایت عایشہؓ آپ کا بدبو کو ناپسند کرنا ذکر کیا ہے۔

[8] ابوداؤد بروایت ابوسعیدؓ۔ [9] بخاری بروایت ابوہریرہؓ۔

[10] ترمذی در شمائل خود بروایت علی مرتضیٰؓ۔

فرماتے۔ شرفاء کے ساتھ نیک سلوک کر کے انکا دل خوش کرتے۔ رشتہ داروں سے بہت میل ملاپ رکھتے۔ مگر نہیں کہ انہی کو اعلیٰ پر ترجیح دیدیں۔ بلکہ درجہ بدرجہ ہر ایک سے تعلقات کا سلسلہ جاری رکھتے۔ کسی پر جور و جفا نہ فرماتے۔ عذر خواہ کا عذر قبول فرما لیتے۔ حضور دل لگی اور مذاق کے طور پر بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ آپ مسکراتے تھے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ جائز کھیل کو خود بھی دیکھتے۔ اور دوسروں کو بھی منع نہ فرماتے۔ خوش طبعی اور کھیل کے طور پر اپنے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دوڑ لگاتے۔ تاکہ یہ معلوم ہو۔ کہ کون آگے نکل جاتا ہے۔ آپ کے روبرو شور و غل ہوتا تو بھی آپ صبر سے کام لیتے۔ آپ کے پاس ایک اونٹنی اور ایک بکری دودھ دیتی تھی۔ جن کا آپ اور آپ کے اہل و عیال دودھ

لہ حاکم نے بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے۔ کہ آپ حضرت عباس کی تعظیم تکریم ایسی کرتے جیسی اپنے باپ کی۔ اور بروایت سعد بن ابی وقاص روایت کیا ہے۔ کہ حضرت عباس وغیرہ کو مسجد سے نکال دیا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کو نہیں نکالا تھا۔ کیونکہ وہ چھوٹوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت ابو سعیدؓ منقول ہے۔ کہ سوائے صدیق اکبرؓ کے خوخہ کے اور کوئی خوخہ مسجد میں نہ رہنے پائے۔

۲ہ ابوداؤد اور ترمذی در شمائل خود و نسائی در یوم و لیلہ بروایت انسؓ۔

۳ہ بخاری و مسلم بروایت کعبؓ بن مالک۔

۴ہ احمدؒ بن حنبل بروایت ابو ہریرہؓ۔

۵ہ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ اور ترمذی بروایت عبداللہ بن الحارث۔

۶ہ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۷ہ ابوداؤد و ابن ماجہ و نسائی در کبریٰ بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۸ہ بخاری بروایت عبداللہ بن زبیرؓ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ الخ کی شان نزول۔

۹ہ محمد بن سعد در طبقات بروایت اُمّ سلمہ اور بخاری و مسلم نے حضورؐ کے پاس شیر دار اونٹنی کا ہونا بروایت سلمہ بن الاکوع ذکر کیا ہے۔ اور ابوداؤد نے آپ کے پاس دودھیل بکری کا ہونا بروایت لقیطؓ بن صبرہ ذکر کیا ہے۔

پیار کرتے تھے۔ حضورؐ کی لونڈیاں اور غلام بھی تھے۔ آپ اُن کو وہی کھلاتے پہناتے جو خود اور آپ کے اہل و عیال کھاتے پہنتے تھے۔[1]

حضورؐ پر ایسا کوئی وقت نہیں گذرتا تھا۔ کہ جس میں آپ اللہ تعالیٰ کا کام کرتے ہوں۔ یا اپنے نفس کے لئے کوئی ضروری امر نہ کرتے ہوں۔[2] حضورؐ اپنے اصحاب کرامؓ کے باغات میں سیر کے لئے تشریف لے جاتے۔[3] کسی غریبؓ اور محتاج کو اس کی غربت اور ناداری کے باعث حقیر نہیں جانتے تھے۔ اور نہ ہی کسی بادشاہ سے اُس کی بادشاہت کی وجہ سے مرعوب ہوتے تھے۔ بلکہ امیروں اور غریبوں کو یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے[4] اللہ تعالیٰ نے حضورؐ اور صلے اللہ علیہ وسلم میں اخلاق حسنہ اور سیاست نامہ کوٹ کوٹ کر بھر دئے تھے۔ آپ اُمی (بے پڑھے) تھے۔ نہ کسی سے آپ نے کچھ پڑھا اور نہ لکھا۔ جہالت کے ملک میں غربت اور یتیمی کی حالت میں پیدا ہوئے۔ جنگلوں میں بکریاں چرایا کرتے۔ بچپن ہی میں حضور کے سر سے والدین کا سایۂ عاطفت اُٹھ گیا تھا۔ مگر باایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین اخلاق حسنہ سے آراستہ کیا۔ اگلے اور پچھلے لوگوں کے

---

[1] محمد بن سعد و طبقات بروایت سلمیٰ اور مسلم میں بروایت ابو الیسر اس طرح لکھا ہے "اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون"۔ یعنی حضور نے لوگوں سے ارشاد فرمایا۔ کہ جو کچھ خود کھاؤ اور پہنو وہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو کھلاؤ اور پہناؤ۔

[2] روایت کیا اس مضمون کو ترمذی نے شمائل ترمذی میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس ضمن میں کہ حضورؐ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر رکھے تھے۔

[3] کھانا کھانے کے آداب کے باب کی تیسری فصل میں حضور کا ابی ہیثمؓ اور ابو ایوبؓ انصاری کے باغ میں تشریف لے جانا مذکور ہوا۔

[4] بخاری میں سہل بن سعدؓ سے یہ قصہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور کے سامنے سے ایک دولتمند آدمی گذرا آپ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ شخص نکاح کا پیغام دے تو قبول کر لینا اور اس کا نکاح کیا جائے۔ دوسرا شخص مفلس اور غریب گذرا اس کی بابت حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے امیر شخص سے بہتر ہے اور مسلم میں بروایت انسؓ آپ کا دعوت قبول کرنا خط قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی طرف ارسال فرمانا مذکور ہے۔

حالات بتلائے۔ اور جن باتوں سے قیامت کے روز نجات حاصل ہوتی ہے۔ اور دنیا میں اُن پر لوگ رشک کرتے ہیں۔ واجبات پر ثابت قدم رہنا۔ فضول اور واہیات امور سے اجتناب کرنا۔ ایسی ایسی دینی و دنیوی فلاح و بہبودی کی تمام باتیں حضور نے تعلیم فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق عطا فرماوے کہ آپ کے احکام کی اطاعت کریں۔ اور آپ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کریں۔ آمین ثم آمین +

تیسرا بیان

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اخلاق و آداب کے ذکر میں جو حضرت ابوالبختری نے روایت کئے ہیں

حضور[1] علیہ السلام نے جس مومن کو شاذ و نادر طور پر کبھی گالی دی۔ تو اس کے ساتھ ہی اُس کے لئے دعا بھی کردی۔ تاکہ اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ اور باعث رحمت ہو۔ آپ نے[2] عورتوں، نوکروں اور خادموں کو بھی کبھی لعنت نہیں کی۔ حضور[3] کی خدمت اقدس میں اثنائے جنگ میں عرض کیا گیا۔ کہ مناسب یہ ہے کہ آپ دشمنوں پر لعنت فرماویں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں رحمت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ نہ لعنت کے لئے۔ جب[4] کبھی آپ سے عرض کی جاتی کہ آپ کسی مسلمان یا کافر کے لئے بد دعا کیجئے۔ تو حضور بجائے بد دعا کے

---

[1] بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضہ +

[2] اور بخاری میں بروایت انس مروی ہے کہ لم یکن فحاشا ولا لعانا یعنی نہ حضور بدکلام تھے۔ اور نہ کسی پر لعنت کرتے تھے +

[3] مسلم بروایت ابو ہریرہ رضہ +

[4] بخاری و مسلم میں بروایت ابو ہریرہ یوں مذکور ہے کہ لوگوں نے حضور سے قوم دوس کے لئے بد دعا کرنے کی درخواست کی تھی لیکن آپ نے بجائے بد دعا کے ان کی ہدایت کی دُعا مانگی +

دعاءِ خیر فرماتے۔ آپؐ نے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کبھی کسی پر وار نہیں کیا۔ حضور نے سوائے اس صورت کے کہ دین الٰہی کی بیحرمتی ہو۔ کبھی کسی سے بُرائی کا انتقام اور بدلہ نہیں لیا۔ جب[2] کبھی حضورِ انور صلے اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا اختیار ملتا۔ تو آپ اُمت کی آسانی کے لئے آسان بات کو پسند فرماتے۔ بشرطیکہ اُس آسان امر میں گناہ یا رشتہ داری سے قطع تعلقی کا خطرہ نہ ہو۔ کیونکہ ان دو باتوں سے حضور بہت زیادہ اجتناب فرمایا کرتے تھے۔ جب[3] آپ کی خدمت اقدس میں کوئی آزاد یا غلام یا لونڈی کسی حاجت کے لئے حاضر ہوتے۔ تو آپ اُن کی حاجت روائی کے لئے مستعد ہو جاتے۔ حضرت[4] انس رضؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ کہ حضور کو جو بات میری طرف سے بُری معلوم ہوتی۔ آپ نے اس کی نسبت مجھے یوں کبھی نہیں فرمایا کہ تو نے ایسی بات کیوں کی۔ اور جب کبھی اپنے گھر والوں میں سے کسی نے مجھے کسی قصور پر ملامت کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا۔ کہ اسے کچھ مت کہو۔ جو تقدیر میں ہونا تھا۔ سو ہو گیا۔ حضورؐ نے کبھی خوابگاہ پر عیب نہیں دھرا۔ اگر بچھونا بچھا دیا تو اس پر لیٹ رہے۔ ورنہ زمین پر ہی لیٹ جاتے۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کے اوصاف توراۃ میں اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرا برگزیدہ بندہ ہے۔ نہ وہ بدمزاج ہے۔ نہ سخت طبیعت۔ نہ وہ بازاروں میں چلاتا ہے۔ نہ بُرائی کے بدلے بُرائی کرتا ہے۔ بلکہ معاف اور درگذر کر دیتا ہے۔ اُس کی جائے پیدائش مکہ معظمہ اور مقام ہجرت مدینہ منورہ ہے۔ اُس کا ملک شام میں ہے۔ وہ اور اُس کے اصحابؓ (ساقتی) تہمد باندھتے ہیں۔ قرآن اور علم دینی کے حافظ ہیں۔ اور وضو

---

[1] بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ مختصر سے اختلاف کے ساتھ یہ مضمون باب آداب صحبت کی فصل سوم میں بھی گذر چکا ہے۔

[2] بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ ذرا سے اختلاف کے ساتھ۔

[3] یہ حدیث بخاری میں بروایت انس رضؓ معلق طور پر ثابت ہے۔ اور ابن ماجہ میں بروایت انس رضؓ موصول طور پر مذکور ہے۔

[4] بخاری و مسلم نے بروایت انس رضؓ پہلا فقرہ روایت کیا ہے۔ اور ابو الشیخ نے بروایت انس رضؓ ساری کی ساری حدیث ذکر کی ہے۔

[5] اس حدیث کی سند احیاء العلوم کے الفاظ میں نہیں ملی۔ مگر ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضےٰؓ ولا عیاب ذکر کیا ہے۔ اس کے ہم معنوں میں اس حدیث کا مضمون بھی آگیا ہے۔ اور چٹائی پر حضور کا لیٹنا بخاری و مسلم میں بروایت عمر فاروقؓ اور ترمذی میں بروایت ابن مسعود مذکور ہے۔

ہیں ہاتھوں اور پاؤں کو دھوتے ہیں۔ انجیل میں بھی اسی طرح کے اوصاف محمدی مذکور ہیں۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ کسی سے ملتے۔ تو پہلے خود سلام کرتے۔ جو شخص آپ کو کسی کام کے لئے ٹھہراتا۔ تو جب تک وہ شخص خود نہیں چلا جاتا تھا۔ تب تک آپ بدستور اُس کے پاس کھڑے رہتے۔ جو کوئی آپ کا دست مبارک پکڑ لیتا۔ تو آپ اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے۔ جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ جب آپ اپنے کسی صحابی سے ملتے۔ تو اول مصافحہ کرتے پھر اُس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر خوب مضبوطی سے بھینچتے۔ آپ کھڑے بیٹھے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ اگر حضور کے نماز پڑھتے ہوئے کوئی شخص آپ کے پاس آ بیٹھتا۔ تو آپ جلدی سے نماز ختم کر کے اُس سے دریافت فرماتے۔ کہ بھئی کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟ اگر کوئی کام ہوتا تو اُس کے کام سے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھنے لگ جاتے۔ آپ عموماً اس طرح بیٹھا کرتے تھے۔ کہ دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے اُن کے گرد دونوں ہاتھ گوٹ مارنے کی طرح پکڑ لیتے۔ آپ کے اصحابؓ بھی حضور کی طرح ہی بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کو بیٹھنے کے لئے جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ کبھی کسی کو یہ موقع دیکھنے میں نہیں آیا کہ حضور نے باوجود تنگی مکان کے مجلس اصحابؓ میں پاؤں پھیلائے ہوں۔ ہاں اگر جگہ وسیع و فراخ ہوتی۔ اور کسی کو پاؤں پھیلانے میں تکلیف بھی نہ ہوتی۔ تو آپ پاؤں پھیلانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ آپ اکثر قبلہ رخ

۱؎ ترمذی بروایت ابن ابی ہالہ۔

۲؎ ابو نعیم بروایت علی مرتضیٰؓ در دلائل النبوۃ۔

۳؎ ترمذی ابن ماجہ بروایت انسؓ۔

۴؎ ابو داؤد نے بروایت ابی مصافحہ اور حاکم نے بروایت ابو ہریرہ تشبیک (انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا) نقل کی ہے۔

۵؎ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۶؎ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی۔

۷؎ ابو داؤد و ترمذی بروایت ابو سعید خدریؓ اس کی سند ضعیف ہے۔

۸؎ ابو داؤد و نسائی بروایت ابو ہریرہؓ۔

۹؎ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ۔

۱۰؎ دارقطنی بروایت انسؓ ساتھ ہی یہ بھی کہ دیا ہے کہ حدیث دراصل حدیث نہیں ہے۔

ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ جو کوئی آپ کے پاس آتا۔ آپ اُس کی تعظیم و تکریم فرماتے۔ حتیٰ کہ جن لوگوں سے آپ کی کوئی رشتہ داری اور دودھ پینے کا تعلق بھی نہ ہوتا۔ ان کے لئے بھی آپ چادر بچھا دیتے۔ اور اُس پر اُن کو بٹھلاتے۔ آپ آنے والے مہمان کے لئے اپنا تکیہ مبارک نکال کر دیدیتے۔ اگر وہ لینے سے انکار کرتا۔ تو آپ قسم دے کر اُس شخص کو تکیہ ضرور ہی دیدیتے۔ جس کسی سے آپ محبت سے پیش آتے وہ یہی سمجھتا تھا۔ کہ آپ اُس پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ اپنے ہر ایک ملنے والے کی طرف توجہ فرماتے۔ حتیٰ کہ نشست و برخاست، گفتگو، خوش طبعی سب میں حصہ لیتے۔ آپ کی مجلس نہایت باحیا، پُر تواضع اور رازداری کی ہوا کرتی تھی۔

ارشاد باریتعالےٰ ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ یعنی اے پیغمبر یہ محض اللہ تعالےٰ کی مہربانی ہے کہ لوگوں کے حق میں آپ نہایت نرم دل ہیں۔ اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے حضورؐ اور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو اُن کی دلجوئی کی خاطر نام سے کر نہیں پکارتے تھے۔ بلکہ کنیت سے پکارا کرتے تھے۔ جس کی کوئی کنیت نہ ہوتی۔ اُس کی کنیت آپ خود مقرر فرما دیتے۔ اُسی کنیت سے لوگوں میں وہ شخص پکارا جاتا تھا۔ اولاد والی

[1] حاکم بروائت انسؓ۔

س کی سند باب آداب صحبت کی فصل سوئم میں گذر چکی ہے۔

[3] ترمذی نے شمائل میں بروائت علی مرتضیٰ ایک لمبی حدیث کے ضمن میں مختلف الفاظ سے یہ مضمون نقل کیا ہے۔

[4] بخاری مسلم میں قصۂ غار میں مذکور ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی کنیت حضورؐ نے ابوبکر مقرر فرمائی۔ اور حاکم میں بروائت ابن عباس حضرت عمر فاروق کی کنیت ابوحفص منقول ہے۔ نیز صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضرت علی مرتضیٰ کو آپ نے ابوتراب فرمایا۔ اور حاکم نے بروایت ابن مسعودؓ روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے ابن مسعودؓ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن مقرر فرمائی۔ حالانکہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

[5] ترمذی نے بروایت انسؓ بیان کیا ہے۔ کہ آپ نے حضرت انسؓ کی کنیت ابوحمزہ مقرر فرمائی۔ اور ابن ماجہ میں ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت صہیبؓ سے پوچھا۔ کہ تمہارے تو اولاد نہیں ہے۔ کنیت کیسے ہوئی۔ فرمایا کہ میری کنیت حضورؐ نے ابویحییٰ مقرر فرمائی ہے۔

[6] حاکم نے بروایت امّ ایمنؓ ذکر کیا ہے۔ کہ آپ نے ہی ان کی کنیت امّ ایمن فرمائی۔ اور ابوداؤد میں بروایت عائشہؓ

عورتوں کی بھی کنیت مقرر فرما دیتے تھے۔ اور بسا اوقات عورتوں کی کنیت پیشتر ہی سے مقرر فرما دیتے لڑکوں کی کنیت مقرر فرما دیتے تو ان کا دل نرم ہو جاتا۔ آپ کو سب لوگوں سے دیر میں غصہ آتا۔ اور سب سے جلدی آپ کا غصہ اُتر جاتا۔ لوگوں پر نہایت مہربانی فرماتے۔ اور اُن کے حق میں بیحد فائدہ رسانی فرماتے۔ حضورؐ کی مجلس میں شور و غل نہیں ہوتا تھا۔ جب آپ مجلس مبارک سے اُٹھتے۔ تو یہ دعا پڑھتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ یعنی الٰہی میں تیری پاکی کرتا ہوں اور تیری حمد و ثنا کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں۔ اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ یہ دعا مجھے حضرت جبرائیلؑ نے سکھائی ہے ۔

چوتھا بیان

حضور علیہ السلام کی گفتگو اور خندہ کے ذکر میں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہایت خوش کلام اور شیریں تھے۔ آپؐ فرماتے کہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں۔ جنتی لوگ جنت میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بولی (عربی) میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) مذکور ہے۔ کہ حضور نے عائشہ صدیقہؓ کی کنیت اُم عبد اللہ مقرر فرمائی۔ اور بروایت اُم خالد مذکور ہے۔ کہ اُم خالد ان کی کنیت حضور نے ہی مقرر فرمائی تھی۔ جب کہ وہ ابھی بچپن کی عمر میں تھیں ۔

ؔ۵ بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ ابو عمیر کا قصہ مذکور ہے ۔

لہ ترمذی بروائت ابو سعید خدری رضؓ ۔

ؔ۳ فوائد ابو الاحداح بروائت علی مرتضیٰ رضؓ ۔

ؔ۴ ترمذی در شمائل بروائت علی مرتضیٰ رضؓ ۔

ؔ۵ نسائی در یوم و لیلہ و حاکم بروائت رافع بن خدیج رضؓ ۔

ؔ۶ ابو الحسن بن ضحاک در شمائل بروائت بریدہؓ بسند ضعیف ۔

گفتگو کرینگے۔ آپؐ کم گو۔ نرم گفتار تھے۔ آپ کی کلام ایسی با ترتیب ہوتی جیسے موتیوں کی لڑی حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام تمہاری طرح بہت باتیں نہیں کرتے تھے آپؐ کا کلام سب سے زیادہ مختصر ہوتا تھا۔ اور وہی مختصر کلام حضرت جبرائیل علیہ السلام باوجود اختصار کے آپ جو مضمون چاہتے انہی مختصر الفاظ میں ادا کردیتے تھے۔ آپؐ کی کلام نہایت مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی سنہ اس میں زیادہ کی گنجائش تھی نہ کمی کی۔ گویا موتیوں کے دانوں کی طرح پروئی ہوئی ہوا کرتی تھی۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ تقریر فرمایا کرتے۔ تاکہ سننے والے کو آپ کی تقریر یاد ہو جاوے۔ آپؐ کی آواز بلند اور لہجہ نہایت اعلیٰ تھا آپ خاموش زیادہ رہتے۔ بلا ضرورت کبھی لب کشائی نہ فرماتے۔ آپؐ کلامی بھی نہیں کرتے تھے۔ اور غصہ و جوش دونوں حالتوں میں سچ ہی بولتے جو شخص کسی قسم کا کوئی برا لفظ استعمال کرتا حضور اس سے منہ پھیر لیتے۔ اگر کوئی سخت لفظ مجبوراً آپ کو کہنا پڑتا۔ تو اس کو بھی اشارۃً ارشاد فرماتے۔ صریح ظاہر گو نہ فرماتے۔ جب آپ خاموش ہوتے تو آپ کے اہل مجلس گفتگو کرتے۔ آپ کی مجلس میں

لہ حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

لہ طبرانی بروایت ام سعیدؓ۔

لہ پہلی حدیث بخاری مسلم میں ہے۔ اور آخری دونوں جملوں کو غلسی نے نقل کیا ہے۔ بسند منقطع۔

لہ عبدبن حمید بروایت عمر فاروقؓ بسند منقطع و دارقطنی بروایت ابن عباس۔

لہ ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ اور پہلا فقرہ بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے۔ اور باقی ترمذی میں بروایت عائشہؓ منقول ہے۔

لہ ترمذی و نسائی میں بروایت صفوان بن عسال ایک اعرابی کے قصہ میں حضور کا بلند آواز ہونا مذکور ہے اور بخاری و مسلم میں بروایت براء بن عازب آپ کا خوش آواز ہونا منقول ہے۔ نیز ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

لہ ابوداؤد بروایت عبداللہ بن عمرؓ فاروق ایک قصہ کے ضمن میں۔

لہ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رضہ بالفاظ دیگر۔

لہ جیسا کہ بخاری میں بروایت عائشہؓ حدیث عسیلہ اور حدیث غسل حیض جس میں خذی فرصۃ منقول ہے۔

لہ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رضہ۔

کوئی کسی کی بات میں دخل نہیں دیتا تھا۔ خیر خواہی کے طور پر بغیر ہنسی کے لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

آپ نے فرمایا کرتے۔ کہ قرآن مجید کی آیتیں ایک دوسری سے مت ٹکراؤ۔ کیونکہ وہ مختلف قرأتوں پر نازل ہوا ہے۔ آپ اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بہت مسکرایا کرتے۔ اور ان کی باتوں سے بیحد خوش ہوتے۔ اور ان سے میل جول بکثرت رکھتے تھے۔ بعض اوقات اس قدر خندہ فرماتے کہ حضور پرنور کی کچلیاں ظاہر ہو جاتیں۔ آپ کے اصحاب بھی حضور کی اتباع اور تعظیم کے باعث آپ کے سامنے صرف مسکرایا کرتے تھے۔ قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے۔ کہ ایک اعرابی (دیہاتی) حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور کچھ رنجیدہ خاطر تھے۔ صحابہ کرام چہرہ انور پر رنج و غم کے آثار دیکھ کر سمجھ گئے۔ کہ آج آپ کی طبیعت ملول ہے۔ وہ اعرابی حضور سے کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن صحابہ نے اس کو منع کیا۔ کہ اس وقت حضور سے کچھ نہ پوچھو۔ اس وقت آپ کی طبیعت رنجیدہ ہے۔ اعرابی نے کہا۔ کہ تم مجھے مت روکو۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے حضور کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپ کو ہنسائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ غرضیکہ اس اعرابی نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سنا گیا ہے۔ کہ دجال ثرید (ایک قسم کا کھانا) لائیگا۔ تو کیا آپ کی اجازت ہے؟ کہ میں بھوک کے مارے مر جاؤں۔ لیکن اس کا ثرید ہرگز ہرگز نہ لوں۔ یا یہ حکم ہے کہ میں اس کا ثرید کھلے دل سے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں۔ کھا کر اللہ تعالے پر ایمان لے آؤں۔ اور اس کا منکر ہو جاؤں۔ یہ سنکر حضور اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ننگی ہو گئیں پھر اس اعرابی کے جواب میں فرمایا۔ کہ نہیں

۱؎ مسلم بروایت جابرؓ خطبہ نبوی کے بیان میں۔

۲؎ طبرانی بروایت عبد اللہ بن عمرؓ۔

۳؎ ترمذی در جامع بروایت عبد اللہ بن حارث و در شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ اور مسلم بروایت جابر بن سمرہؓ۔

۴؎ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعودؓ اس شخص کے قصہ میں جو کہ سب کے بعد دوزخ سے نکلیگا نیز عالم یہود کے قصہ میں۔

۵؎ ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

۶؎ اس حدیث کا اصل و ماخذ مجھے معلوم نہیں۔ ۱۲ مترجم

چیز کے ذریعے اللہ تعالےٰ دوسرے مسلمانوں کو اُس کافر سے بے پرواہ کر دیگا۔ اس چیز کے ذریعے تجھے بھی اُس ملعون سے لاپرواہ کر دیگا۔

آپ[1] ہر وقت خوش وخرم اور خنداں رہتے۔ مگر قرآن مجید اُترنے کے وقت قیامت کے ذکر کے وقت۔ خطبہ اور وعظ کے وقت آپ کے چہرے پر بجائے تبسم (مسکرانا) کے خوف کے آثار نظر آتے تھے۔ عین[2] رضا کے وقت حضور نہایت خوش وخرم رہتے۔ آپ کا وعظ شریف واقعات پر مبنی ہوتا۔ ہنسی اور دل لگی سے بالکل خالی ہوتا تھا۔ آپ اگر غصے ہوتے۔ تو محض اللہ تعالےٰ اور اُس کے دین کی خاطر ہوتے۔ جب[3] کوئی حادثہ پیش آتا۔ تو اُس کو اللہ کے حوالے کر دیتے۔ اپنی طاقت و قوت سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے اللہ تعالےٰ سے ہدایت کی درخواست کرتے ہوئے یوں فرماتے۔ کہ اے خداوند ذوالجلال مجھے حق بات حق ہی کر کے دکھلا تاکہ میں حق کی پیروی کروں۔ اور بُری بات بُری کر کے دکھلا اور مجھے اُس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما۔ نیز بُری باتیں میرے لئے واضح کر دے۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس بات سے کہ میں تیری ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے لگوں۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ میرا نفس تیرا فرمانبردار ہو جاوے۔ صحت اور تندرستی کے ساتھ میرے نفس سے اپنی رضامندی کے کام کروا۔ اور حق بات میں اختلاف واقع ہونے کے وقت اپنے حکم کے ذریعے میری رہنمائی فرما جس کو تو چاہتا ہے سیدھی راہ عنایت فرماتا ہے۔

---

[1] کثرت تبسم کے متعلق حضرت عبداللہ بن حارث رضی والی حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ اور طبرانی واحمد بن حنبل اور حاکم نے بروایت جابر رضی نقل کیا ہے۔ کہ نزول وحی اور وعظ اور قیامت کے ذکر کے وقت حضور کا چہرہ انور متغیر ہو جاتا تھا۔

[2] ابوالشیخ ابن حبان بروائت ابن عمر رضی بسند ضعیف۔

[3] اس حدیث کے ابتدائی حصہ کی مجھے سند نہیں ملی۔ اور دُعا کو مستغفری نے دعوات میں بروائت ابوہریرہ رضی ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کا آخری جملہ مسلم نے بروائت عائشہ نماز تہجد کی دُعا میں نقل کیا ہے۔

پانچواں بیان

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے آداب کے ذکر میں

حضور علیہ السلام[1] جو کچھ موجود ہوتا تناول فرما لیتے۔ حضور[2] اُس کھانے کو بہت پسند فرماتے جس میں بہت آدمی شامل ہوں۔ جب[3] دسترخوان بچھ چکتا۔ تو حضور یہ دعا پڑھتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا نِعْمَةً مَشْكُوْرَةً نَصِلُ بِهَا نِعْمَةَ الْجَنَّةِ

یعنی اللہ تعالٰے کے نام سے میں کھانا کھانا شروع کرتا ہوں۔ خدایا تو اس کھانے کو ایسی نعمت بنا دے۔ کہ اُس کا میں شکر ادا کروں۔ اور اُس کے ذریعے ہم سب مسلمان بہشتوں کی نعمتوں میں پہنچ جائیں۔ آپ[4] کا عموماً یہ معمول تھا۔ کہ کھانا کھانے کے وقت آپ نمازی کی طرح دوزانو اور دو قدم ملا لیتے۔ مگر زانو پر زانو اور قدم پر قدم نہیں رکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں بندہ ہوں۔ بندوں کی طرح کھاتا ہوں۔ اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

آپ[5] گرم کھانا نہیں کھاتے تھے فرماتے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔ کیونکہ خدا تعالٰے نے ہم کو آگ نہیں کھلائی۔ لہٰذا کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ[6] اپنے

---

[1] اس کی سند پہلے مذکور ہوئی۔

[2] ابو یعلی و طبرانی و ابن عدی بروایت جابرؓ۔

[3] بسم اللہ کہنا تو نسائی نے حضور علیہ السلام کے ایک خادم سے نقل کیا ہے۔ اور باقی الفاظ مجھے نہیں ملے۔

[4] عبدالرزاق نے بروایت ایوبؓ آپ کا سمٹ کر بیٹھنا اور ابن ضحاک نے بائیں زانو پر بیٹھنا۔ اور داہنے کو کھڑا کرنا۔ بروایت انسؓ ذکر کیا ہے۔ اور ابوالشیخ نے بروایت ابی ابن کعبؓ دو زانو بیٹھنا نقل کیا ہے۔ اور بقیہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

[5] طبرانی در اوسط بروایت ابی ذرؓ۔ [6] ابوالشیخ و ابن حبان بروائت عایشہؓ۔

آگے سے کھانا کھاتے۔ اور تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔ بعض اوقات چوتھی انگلی بھی شامل کر لیا کرتے۔ دو انگلیوں سے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دو انگلیوں سے کھانا کھانا شیطان کا طریقہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان غنیؓ حضور کی خدمت اقدس میں فالودہ لیکر آئے حضور فالودہ کھانے لگے اور پوچھنے لگے۔ کہ اے ابو عبداللہ (عثمان) یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔ کہ حضور ہم شہد اور گھی دیگچی میں ڈال کر پکاتے ہیں۔ اور اس میں گیہوں کا میدہ ڈال کر چمچے سے ہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پک کر اس قسم کا فالودہ تیار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور کے سامنے موجود ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یہ بہت اچھی غذا ہے۔ حضور بے چھنے جو کے آٹے کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ حضور ککڑی کو کھجوروں اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے۔

سبزیوں میں سے حضور کو خربوزہ اور انگور بہت پسند تھا۔ آپ خربوزہ روٹی اور مصری

۱؎ مسلم بروایت کعب بن مالک۔

۲؎ اس کی روایت ہم کو غیلانیات میں بروائت عامر بن ربیعہ پہنچی ہے۔ اور اس کی سند میں قاسم بن عبداللہ عمری کا نام نہیں۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ نے بروایت زہری مرسلاً نقل کیا ہے کہ حضور پانچ انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے۔

۳؎ دارقطنی در افراد بروائت ابن عباس بسند ضعیف۔

۴؎ مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے خبیص (کھانے کی ایک قسم) بنایا تھا۔ نہ فالودہ۔ چنانچہ بیہقی نے شعب میں بروایت لیث بن ابی سلیم نقل کیا ہے۔ اور طبرانی کی روایت سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

۵؎ بخاری بروایت سہل بن سعد۔

۶؎ کھجوروں کے ساتھ کھانا بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن جعفر مذکور ہے۔ اور نمک کے ساتھ کھانا ابن حبان نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے۔

۷؎ ابونعیم در طب نبوی بروایت امیہ بن زید عبسی۔

۸؎ خربوزہ کو روٹی کے ساتھ کھانا میری نظر سے نہیں گذرا۔ البتہ انگوروں کا روٹی کے ساتھ کھانا ابن عدی نے بروایت عائشہؓ لکھا ہے۔ اور اسی طرح خربوزہ مصری کے ساتھ کھانا میں نے نہیں دیکھا۔

کے ساتھ کھایا کرتے۔ اور کبھی[1] خربوزہ کھجوروں کے ساتھ بھی کھا لیا کرتے۔ کھانا[2] کھاتے وقت دونوں ہاتھوں سے کام لیتے۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ حضور اپنے داہنے ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ اور بائیں ہاتھ سے گٹھلیاں جمع کرتے جاتے۔ اتنے میں ایک بکری آئی۔ آپ نے گٹھلیوں کی طرف اس کو اشارہ کیا۔ وہ آپ کے بائیں ہاتھ میں کھاتی رہی۔ اور آپ اپنے داہنے ہاتھ سے کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ کھا چکے تو بکری بھی چلی گئی۔ بعض[3] اوقات حضور انگوروں کے گچھے کا گچھا ہی منہ مبارک میں ڈال لیتے۔ یہاں تک کہ انگوروں کے گچھے کا پانی بہہ کر موتیوں کی طرح آپ کی داڑھی مبارک پر اُترتا ہوا معلوم ہوتا۔ حضور[4] کی غذا کھجوریں اور پانی ہوا کرتا۔ کبھی آپ دودھ کا ایک گھونٹ پی کر اوپر سے ایک دانہ کھجور کا تناول فرماتے۔ اسی طرح سارا کھانا کھاتے۔ دودھ اور کھجوروں کو عمدہ غذا فرمایا کرتے۔ آپ[5] کو سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا گوشت تھا۔ اور فرماتے کہ گوشت سے قوت سامعہ (سننے کی طاقت) تیز ہو جاتی ہے۔ اور گوشت دنیا و آخرت کے سب کھانوں کا سردار ہے۔ اگر میں خدا تعالیٰ سے ہر روز گوشت مانگوں۔ تو وہ مجھے ضرور عطا فرما دے۔ آپ[6] گوشت اور کدو کے ساتھ ثرید کھایا کرتے۔ کدو[7] کو آپ بہت پسند فرماتے اور فرماتے۔ کہ یہ پیڑ (درخت) میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے۔ حضرت[8] عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں۔ کہ ارشاد نبوی ہے۔ کہ ہنڈیا میں کدو بہت ڈالا کرو کیونکہ کدو مفرح قلب ہے۔ بندوق[9] کا شکار بھی آپ کھا لیا کرتے

---

[1] ترمذی و نسائی بروایت عائشہ صدیقہ رضی۔

[2] دونوں ہاتھوں سے کھانا کھاتے وقت مولینا امام احمد بن حنبل نے بروایت عبداللہ بن جعفر لکھا ہے۔ اور حدیث انس رضی بھی اس کے متعلق گذر چکی ہے۔ اور بکری کا قصہ فوائد ابی بکر شافعی میں بروایت انس رضی بسند ضعیف ہے۔

[3] ابن عدی در کامل و عقیلی در ضعفاء بروایت ابن عباس رضی بسند ضعیف۔

[4] بخاری بروایت عائشہ صدیقہ رضی۔

[5] ابن حبان بروایت ابن سمعان و ابن ماجہ بروایت ابو درداء رضی بسند ضعیف۔

[6] مسلم بروایت انس رضی۔

[7] نسائی و ابن ماجہ بروایت انس رضی۔

[8] فوائد ابی بکر شافعی رح۔

[9] ترمذی بروایت انس رضی اور ابوداؤد بروایت سفینہ رضی۔

لیکن[۱] خود شکار نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی شکاری شکار کر کے لا دیتا۔ تو آپ اُس کو برضا و رغبت تناول فرما لیتے۔ گوشت[۲] کھاتے وقت سر مبارک کو نہیں جھکاتے تھے بلکہ گوشت کی بوٹی منہ کے پاس لا کر اُسے دانتوں سے نوچ کر کھاتے۔ آپ[۳] کبھی روٹی بھی کھا لیتے تھے۔ بکری[۴] کے گوشت میں سے آپ کو دست اور شانے کا گوشت زیادہ پسند تھا۔ ترکاریوں میں سے کدو یعنی لوکی کھانے کی چیزوں میں سے سرکہ اور کھجوروں میں سے عجوہ (کھجور کی ایک اعلیٰ قسم ہے) آپ کو بہت پسند تھی۔ عجوہ[۵] کھجور کے حق میں آپ نے برکت کی دعا فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ یہ جنت کے میووں میں سے ہے۔ نیز فرمایا کہ عجوہ کھجور زہر اور جادو کو شفا دینے والی ہے۔

ساگ آپ[۶] کو کاسنی ریحان (تلسی) اور خرفہ کا بہت مرغوب تھا۔ چونکہ گردے[۷] پیشاب گاہ کے قریب ہوتے ہیں اس لئے ان کو مکروہ سمجھتے تھے۔ بکری[۸] کی مندرجہ ذیل سات چیزیں نہیں کھاتے تھے (۱) آلہ تناسل (۲) مثانہ (پیشاب کی تھیلی) (۳) فوطے (۴) پتہ (۵) غدہ (۶) فرج (مادہ کی شرمگاہ) (۷) خون۔ ان سات چیزوں کو آپ بُرا سمجھتے

---

[۱] یہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے۔ کہ مَنْ تَبِعَ الصَّيْدَ غَفَلَ یعنی جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہوا۔ ابو داؤد و نسائی و ترمذی بروایت ابن عباسؓ۔

[۲] ابو داؤد بروایت صفوان بن اُمیہ اور دانتوں سے نوچ کر کھانا بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہ مذکور ہے۔

[۳] بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

[۴] دست کا گوشت پسند خاطر ہونا بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے۔ اور شانہ کا گوشت مرغوب تھا ابن حبان نے بروایت ابی ہریرہؓ نقل کیا ہے۔ اور کدو کا محبوب ہونا بروایت انسؓ اور سرکہ اور عجوہ کھجور کا پسندیدہ ہونا بروایت ابن عباس ذکر کیا ہے۔

[۵] ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہؓ اور بخاری و مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص جملہ اخیری۔

[۶] ابو نعیم نے طب نبوی میں بروایت ابن عباس کاسنی کو فضل نقل کیا ہے۔ ریحان کے متعلق مجھے حدیث نہیں ملی۔ اور خرفہ کے متعلق ابو نعیم نے حدیث مرسل اور ضعیف نقل کی ہے۔

[۷] ابی بکر محمد بن عبد اللہ بن الشخیر کی حدیث میں بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف مذکور ہے۔

[۸] بیہقی بروایت ابن عباس بسند ضعیف مرفوعاً اور بروایت مجاہد مرسلاً۔

تھے۔ کچا لہسن اور پیاز اور گندنا نہیں کھاتے تھے۔ آپ[a] نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں دھرا۔ بلکہ اگر طبیعت کو اچھا معلوم ہوا تو کھا لیا۔ ورنہ چھوڑ دیا۔ نیز اگر کوئی کھانا حضور کو اچھا نہیں لگتا تھا تو دوسروں کو اس سے متنفر بھی کرتے تھے۔ اور گوہ[b] (جانور) اور تلی سے آپ کو نفرت تھی۔ مگر اُن کو حرام نہیں فرماتے تھے۔ کھانے[c] کے برتن کو انگلیوں سے خوب صاف کرتے۔ اور فرمایا کرتے۔ کہ پچھلے کھانے میں برکت بہت ہوتی ہے۔ کھانا[d] کھانے کے بعد اپنی انگلیاں اسقدر چاٹتے۔ کہ سُرخ پڑ جاتیں۔ جب[e] تک ایک انگلی چاٹ کر صاف نہ کر لیتے تب تک اپنی اُنگلیاں رومال سے نہیں پونچھتے تھے فرماتے کہ معلوم نہیں کس کھانے میں برکت ہو۔

جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے۔ تو یہ فرماتے۔ اَلحمدُ للہ۔ اَللّٰھُمَّ لکَ الحمدُ اطعمتَ فاشبعتَ وسقیتَ فاروَیتَ۔ لکَ الحمدُ غیرَ مکفورٍ ولَا مودَّعٍ ولا مستغنیً۔ یعنی الٰہی! تیرا شکر ہے۔ خدایا! سب تعریفیں تیرے ہی لائق ہیں۔ تو نے مجھے کھانا کھلایا تو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اور پانی پلایا تو سیراب کر دیا۔ تیرا ہزار ہزار شکر ہے۔ ہم تیری ناشکری نہیں کرتے اور نہ ہی آئندہ تیری نعمتوں سے ناامید ہوتے ہیں۔ اور نہ ہم تیری ذات پاک سے بے نیاز ہوتے ہیں جب آپ گوشت

[a] مؤطا امام مالک بروایت سلیمان بن یسار مرسلاً۔

[b] پہلی حدیث میں پیشتر مذکور ہوا۔ اور بخاری و مسلم میں گوہ کے قصہ میں مذکور ہے۔ کہ اس کو کھاؤ۔ کیونکہ وہ حرام نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کچھ مضائقہ ہے۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ یہ میری قوم کی خوراک نہیں ہے اس لئے مجھے طبعاً مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

[c] گوہ والی حدیث بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس آئی ہے۔ اور تلی کی حدیث بیہقی نے بروایت زید بن ثابت موقوفاً نقل کی ہے۔ کہ حضور نے فرمایا کہ میں تلی کھاتا ہوں۔ حالانکہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں تاکہ میرے گھر والوں کو معلوم ہو جاوے کہ اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

[d] بیہقی در شعب الایمان بروایت جابرؓ۔

[e] مسلم بروایت کعب بن مالک مگر اس میں سُرخ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

[f] مسلم و بیہقی بروایت کعب بن مالک۔ [g] طبرانی بروایت حارث بن الحارث بسند ضعیف۔

[h] ابویعلی بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

روٹی کھاتے تو ہاتھوں کو خوب دھو کر منہ مبارک پر پھیر لیتے۔ آپؐ تین سانس میں پانی پیتے تھے۔ ہر بار شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ فرماتے۔ پانی بڑے بڑے گھونٹوں سے نہیں پیتے تھے۔ بلکہ چوس چوس کر پیتے۔ کبھی کبھی ایک سانس سے بھی پانی پی لیتے تھے۔ پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہیں لیتے تھے۔ بلکہ اپنا منہ برتن سے علیحدہ کر کے سانس لیتے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنا پس خوردہ (جھوٹا) داہنی طرف والوں کو عنایت فرماتے تھے۔ لیکن اگر بائیں طرف والا مرتبہ میں داہنی طرف والے سے بڑھ کر ہوتا۔ تو داہنی طرف والے سے اجازت لیتے۔ اور فرماتے کہ بھئی سنت تو یہی ہے کہ پس خوردہ تم کو ملے۔ لیکن اگر تم اجازت دو تو بائیں طرف والے کو دیدوں۔

ایک دفعہ آپ کی خدمت اقدس میں شہد اور دودھ پیش کئے گئے۔ آپ نے ان کے پینے سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ ایک برتن میں دو سالن اور ایک دفعہ میں دو پینے کی چیزیں مکروہ ہیں۔ پھر فرمایا کہ میں ان کو حرام نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ فخر کی چیزوں کو اور دنیا کی غیر ضروری اشیا کا قیامت میں حساب ہونے کو برا جانتا ہوں۔ اور تواضع کو میں پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالےٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو عالی مرتبہ بنا دیتا ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانے میں کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار ہوتے تھے۔ گھر والوں سے کھانا طلب نہیں کرتے تھے۔ جب انہوں نے کھلا دیا۔ تو کھا لیا۔ اور جو کچھ سامنے لا رکھا وہی قبول کر لیا۔ اور جو پلا دیا وہی پی لیا۔

---

۱ طبرانی در اوسط بروایت ابی ہریرہؓ۔

۲ ابن عدی و ابن مندہ بروایت ابی ہریرہؓ و طبرانی بروایت ام سلمہ بسند ضعیف۔

۳ ابن عبان بروایت زیدؓ بن ارقم بسند ضعیف۔

۴ حاکم بروایت ابی ہریرہؓ۔ ۵ بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۶ بخاری و مسلم بروایت سہلؓ بن سعد۔ ۷ طبرانی بروایت عائشہ صدیقہؓ بسند ضعیف۔

۸ اس کی سند پہلے گذر چکی ہے۔ ۹ کوئی معین کھانا طلب کرنا مقصود ہے۔ ورنہ بلا تعیین مطلق کھانا طلب کرنا صحیح میں مروی ہے چنانچہ مسلم میں بروایت عائشہؓ ہے ھَلْ عِنْدَکُمْ شَیْءٌ یعنی کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے۔ اور دوسرے فقروں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

بعض اوقات اپنے کھانے اور پینے کی چیز خود کھڑے ہو کر لیتے تھے صلے اللہ علیہ وسلم۔

چھٹا بیان

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب متعلقہ لباس کے ذکر میں

آنحضرت[1] صلے اللہ علیہ وسلم کو جو کپڑا مل جاتا مثلاً تہمد۔ چادر۔ کرتہ۔ جبہ وغیرہ وہی پہن لیتے۔ آپ کو سبز لباس پسند تھا۔ آپ[2] کی پوشاک عموماً سفید رنگ کی ہوا کرتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ سفید کپڑے زندوں کو پہناؤ۔ اور مُردوں کو بھی سفید کفن میں دفن کرو۔ جنگ[3] میں اکثر روئی دار اور کبھی بغیر روئی کے کوٹ پہنا کرتے تھے حضور[4] انور ایک سبز رنگ کی قبا (کوٹ) پہنا کرتے۔ تو آپ[5] کے گورے بدن مبارک پر بہت ہی سجتی تھی۔ آپ[6] کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے۔ بالخصوص آپ کا تہمد تو آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا۔ آپ[7] کی قمیص کے بند بندھے ہوئے رہتے۔ لیکن نماز وغیرہ میں کبھی ان بندوں

---

[1] ابوداؤد میں بروایت بنت قیس مذکور ہے کہ آپ نے ان کے یہاں کی ڈول لٹکی ہوئی میں سے خود تناول فرمایا۔ اور ابن ماجہ نے بروایت کبشہ نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے لٹکی ہوئی مشک میں سے خود کھڑے ہو کر پانی پیا۔

[2] بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ صدیقہؓ تہمد کا پہننا مذکور ہے۔ اور چادر والی حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ اور نسائی میں کرتہ کا مرغوب ہونا بروایت اُم سلمہؓ مذکور ہے۔ اور جبہ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے۔

[3] ابن ماجہ اور حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

[4] اس کی سند عراقی کی کتاب میں کاتب کی قلم سے رہ گئی ہے۔

[5] بخاری تعلیقاً و مسلم بروایت جابرؓ مگر اس میں رنگت کا ذکر نہیں ہے۔

[6] ابوالفضل محمد بن طاہر بروایت عبداللہ بن بسر بسند ضعیف۔

[7] ابوداؤد و ابن ماجہ، طبرانی بروایت ابن عباسؓ۔

کو کھول بھی دیا کرتے تھے۔ حضور کے پاس ایک[1] زعفرانی رنگ کی چادر مبارک تھی۔ بعض اوقات اُسی کو پہن کر نماز پڑھ لیا کرتے۔ کبھی[2] آپ صرف چادر ہی پہن لیتے۔ اور کوئی کپڑا حضور کے بدن مبارک پر نہ ہوتا تھا۔ آپ کے پاس ایک[3] پیوندلگی ہوئی چادر تھی۔ اس کو بھی پہنا کرتے۔ اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح میں بھی لباس پہنتا ہوں۔ جمعہ[4] کے دن کے لئے آپ کا ایک خاص جوڑا تھا۔

کبھی[5] آپ کے جسم اطہر پر صرف ایک تہمد کی چادر ہوا کرتی۔ اس کو آپ اس طرح پہنتے کہ اس کے دو نو کناروں کو دونوں شانوں کے درمیان گرہ لگا لیتے۔ کبھی[6] جنازہ بھی اسی چادر سے پڑھا دیتے۔ کبھی[7] مکان کے اندر اُسی چادر کو پہن کر نماز پڑھ لیتے حالانکہ یہ وہی چادر ہوتی تھی جس میں حضور رات کو صحبت (جماع) کیا کرتے تھے۔ کبھی[8] تہمد کا ایک کنارہ خود لپیٹ کر اور دوسرا ازواج مطہرات (بیویوں) پر ڈال کر تہجد کی نماز ادا کرتے۔ حضور[9] کی ایک چادر سیاہ رنگ کی تھی۔ آپ نے وہ کسی کو دیدی۔ کسی وقت آپ کی حرم محترم حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کیا۔ کہ سیاہ چادر کہاں گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو دیدی ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ نے کہا۔ کہ جیسی وہ سیاہ چادر حضور کے گورے بدن پر اچھی لگتی تھی۔ ایسی کوئی چیز مجھے کبھی اچھی نظر نہیں آئی۔ حضرت[10] انسؓ فرماتے ہیں

[1] ابوداؤد بروایت قیس بن سعدؓ۔

[2] ابن ماجہ و ابن خزیمہ بروایت ثابت بن الصامت۔

[3] بخاری و مسلم نے بروایت بُردہ بلند چادر کا ذکر کیا ہے۔

[4] طبرانی در صغیر و اوسط بروایت عائشہؓ بسند ضعیف۔

[5] بخاری بروایت محمد بن المنکدر۔

[6] اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ مطلق نماز پڑھنا پہلی روایت میں مذکور ہوا۔

[7] ابویعلیٰ بروایت معاویہ۔ [8] ابوداؤد و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

[9] ان کی روایت اُم سلمہؓ سے اس طرح نظر نہیں آئی۔ ہاں سیاہ چادر کا ہونا مسلم نے بروایت عائشہؓ اور ابوداؤد و نسائی نے بروایت عائشہؓ ذکر کیا ہے۔

[10] ابن ماجہ بروایت عبادۃ بن الصامت۔

کہیں نے حضورؐ کو بعض اوقات ایک چھوٹی سی چادر پہن کر ظہر کی نماز پڑھاتے دیکھا ہے۔ جس کے کناروں کو آپ گرہ لگالیا کرتے تھے۔

حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم انگوٹھی بھی پہنا کرتے تھے۔ کبھی آپ باہر تشریف لے جاتے تو کسی چیز کی یادداشت کے لئے اس انگوٹھی میں دھاگہ باندھ لیا کرتے۔ انگوٹھی سے آپ خطوط پر مُہر لگایا کرتے۔ اور فرماتے کہ خطوط پر مُہر لگا دینا تہمت سے بہتر ہے۔ آپؐ ٹوپی بھی پہنتے۔ کبھی عمامہ کے نیچے اور کبھی تنہا ٹوپی ہی پہن لیتے۔ کبھی ٹوپی مبارک سر سے اُتار کر سامنے رکھ کر سترہ بنا لیتے۔ اور اس کی طرف نماز پڑھتے۔ اگر کبھی عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی پر پٹی ہی باندھ لیتے۔ حضورؐ کے ایک عمامہ کا نام سحاب تھا۔ وہ آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرما دیا تھا۔ حضرت علیؓ وہ عمامہ پہن کر تشریف لاتے۔ تو آنحضرتؐ فرماتے کہ علیؓ تمہارے پاس سحاب پہن کر آئے ہیں۔ کپڑے پہنتے وقت حضورؐ داہنی طرف سے شروع کرتے۔ اور یہ کلمات فرماتے

یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے لباس پہنایا جس سے میں اپنی پردہ پوشی کرتا ہوں اور لوگوں میں زینت و زیبائش حاصل کرتا ہوں۔ کپڑے اُتارتے وقت بائیں طرف سے شروع کرتے۔ جب نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی غریب کو عنایت فرما دیتے۔ اور یہ ارشاد فرماتے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو محض اللہ تعالےٰ کی رضامندی کی خاطر (کم از کم) اپنے پُرانے

۱؎ بخاری مسلم بروایت ابن عمرؓ و انسؓ۔ ۲؎ ابن عدیؓ بروایت واصلہ۔

۳؎ انگوٹھی سے مہر کرنا بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ اور شمائل ترمذی میں بروایت عمرؓ منقول ہے۔ مگر دوسرے جملہ کی اصل مجھے نہیں ملی۔

۴؎ طبرانی و ابن حبان بروایت ابن عمرؓ لیکن سترہ کا ذکر نہیں ہے۔

۵؎ بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

۶؎ ابن عدی و ابن حبان بروایت جعفر بن محمد عن جدہ مرسلاً یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔

۷؎ ترمذی بروایت ابی ہریرہؓ۔ ۸؎ ابن ماجہ و حاکم بروایت عمر فاروقؓ۔

۹؎ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

۱۰؎ ترمذی و ابن ماجہ بروایت عمر فاروقؓ مگر اس میں آپ کا نئے کپڑے پہننے اور پرانے کپڑوں کا راہ خدا میں دینے کا ذکر نہیں ہے۔ صرف صدقہ کرنے کا ارشاد ہے۔ اور آخری جملہ نہیں ہے۔

کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے اُس کے بدن پر رہیں گے پہنانے والا زندگی اور موت سے خدا تعالےٰ کی پناہ میں رہیگا۔ حضورؐ کا ایک[1] چمڑے کا گدا تھا۔ جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی۔ وہ تقریباً دو گز لمبا اور ایک گز ایک بالشت چوڑا تھا۔

آپ کا ایک[2] کمبل تھا جس کو صحابہ کرام ہر جگہ اُٹھا کر دو تہہ کرکے آپ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ حضورؐ چٹائی[3] پر سویا کرتے تھے۔ یہی چٹائی آپ کا بستر تھا۔ آپ[4] کی عادت شریف تھی کہ اپنے جانوروں ہتھیاروں اور دیگر اشیاء کے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ایک نیزہ کا نام عقاب[5] اور ایک تلوار کا نام ذوالفقار[6]۔ دوسری تلوار کا نام مخذم اور تیسری کا نام رسوب[7] اور چوتھی کا نام قضیب[8] تھا۔ آپ[9] کی تلوار کے قبضہ پر چاندی کا ملمع ہوا ہوا تھا۔ آپ[10] چمڑے کی ایک پیٹی بھی پہنا کرتے تھے جس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں آپ کی کمان[11] مبارک کا نام کتوم۔ ترکش کا نام کافور اور اونٹنی[12] کا نام قصویٰ یا عضباء تھا۔

---

[1] بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ بدون ذکر طول و عرض اور ابن حبان نے بروایت اُمّ سلمہؓ نقل کیا ہے کہ آپ کا گدا بمقدار قد انسان کے تھا۔ اس حدیث میں ایک راوی مجہول ہے۔

[2] ابن سعد در طبقات و ابن حبان بروایت عائشہؓ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اور شمائل ترمذی میں بروایت حفصہ ٹاٹ کا فرش دو تہہ کا مذکور ہے۔ کہ اس پر حضورؐ سوتے تھے۔

[3] بخاری و مسلم در قصہ اعتزال ازواج (بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنا) بروایت عمر فاروقؓ۔

[4] طبرانی بروایت ابن عباسؓ آپ کی سب چیزوں کے نام لکھے ہیں۔ مگر اس سند میں ایک راوی کو واضع (بناوٹی حدیثیں بنانے والا) کہا جاتا ہے۔

[5] ابن حبان بروایت حسنؓ مرسلاً۔　[6] ابن حبان بروایت علی مرتضیٰؓ۔

[7] ابن سعد در طبقات بروایت مروان بن ابی سعید مرسلاً۔

[8] ابن سعد بروایت سابق۔　[9] ابن خثیمہ در تاریخ۔

[10] ابوداؤد و ترمذی بروایت انسؓ۔

[11] اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ مگر ابن سعد و ابن حبان نے بروایت جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ مرسلاً نقل کیا ہے۔ کہ آپ کی زرہ میں دو کڑیاں چاندی کی چھاتی کی جگہ پر اور دو پس پشت تھیں۔

[12] اس کا پتہ مجھ کو نہیں ملا۔ مگر طبرانی نے بروایت ابن عباس لکھا ہے کہ آپ کی کمان کا نام سداد اور ترکش کا نام جمع تھا۔ ابن خثیمہ نے تاریخ میں آپ کی کمانوں کے تین نام اور لکھے ہیں۔

آپؐ کی خچر کا نام دلدل۔ دراز گوش کا نام یعفورؔ اور آپ کی بکری کا نام عنبیہ تھا۔ اُس بکری کا آپ دودھ پیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے پاس مٹی کا ایک لوٹا تھا جس سے وضو بھی کرتے تھے۔ اور پانی بھی پیتے تھے۔ لوگ اپنے ہوشیار بچوں کو حضور کی خدمت اقدس میں بھیجتے۔ ان کو اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لوٹے مبارک میں پانی مل جاتا تو اس کو پیتے بھی تھے۔ اور برکت کے لئے اپنے بدن مبارک پر بھی ملتے تھے۔

ساتواں بیان

اس ذکر میں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم باوجود قدرت کے مجرموں کے قصور معاف فرمایا کرتے تھے

رسولؐ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ نرم مزاج تھے۔ باوجودیکہ آپ کو مجرم سے انتقام (بدلہ) لینے یا اس کو سزا دینے کی پوری طاقت حاصل تھی لیکن مجرموں کے قصور معاف کرنیکا آپ کو بیحد شوق تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ آپ کی خدمت اقدس میں سونے چاندی کے ہار آئے آپ نے وہ ہار اپنے اصحاب کرام میں تقسیم کر دیئے۔ اسی اثناء میں ایک بدوی شخص اُٹھا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ نے آپ کو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے لیکن میں آپ کو عدل و انصاف کرتے ہوئے نہیں دیکھتا آپ نے فرمایا کہ او کم بخت! میرے سوا اور کون عدل و انصاف کریگا۔ جب وہ حضور کے

۱؎ مسلم بروایت جابرؓ اور بخاری بروایت انسؓ۔

۲؎ حاکم بروایت علی مرتضےٰؓ۔ ۳؎ فوائد ابی الدحداح۔

۴؎ ابن سعدؓ نے آپ کی بکریوں کے سات نام اور لکھے ہیں۔ اور فوائد ابی الدحداح میں بکری کا نام برکہ لکھا ہے۔

۵؎ اس کی سند پہلے گذر چکی ہے۔ ۶؎ ابن حبان بروایت ابن عمروؓ۔

پاس سے چلا گیا۔ تو آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا۔ کہ اس کو نرمی کے ساتھ میرے پاس واپس لے آؤ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جنگ حنین کے دن حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے کپڑے میں لوگوں کے واسطے چاندی جمع کرتے جاتے تھے۔ ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انصاف کیجئے حضورؐ نے فرمایا۔ کہ او کمبخت! اگر میں انصاف نہیں کرونگا تو اور کون کریگا۔ اگر میں عدل و انصاف نہ کروں تو تو محروم رہ جائیگا۔ اسی اثناء میں حضرت عمر فاروقؓ مارے غصے کے کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہؐ اگر اجازت ہو۔ تو اس بے ادب کی گردن اُڑادوں۔ کیونکہ یہ شخص منافق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ معاذ اللہ ایسا مت کرو۔ ورنہ لوگ کہیں گے۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک لڑائی میں تھے۔ ایک دفعہ[۲] حضور اکرمؐ ایک لڑائی میں تھے۔ ایک کافر مسلمانوں کو غافل پاکر ننگی تلوار لیکر حضور پر نور کے سر مبارک پر آکھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائیگا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ۔ راوی کہتا ہے۔ کہ حضور کے ارشاد کے بعد فوراً ہی اُس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ حضور نے وہ تلوار پکڑ کر فرمایا۔ کہ اب مجھ سے تجھے کون بچائیگا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ آپ نے مجھے گرفتار کر لیا ہے اور آپ واقعی سب سے بڑھ کر گرفتاری کرنے والے ہیں آپ نے فرمایا۔ کہدے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس نے کہا یہ تو نہیں کہونگا۔ ہاں یہ وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آئندہ میں آپ سے جنگ نہیں کرونگا۔ نہ آپ کا ساتھ دونگا نہ آپ کے دشمنوں کا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں میں آکر کہنے لگا۔ کہ میں تمہارے پاس ایک بہترین شخص (محمد) کے پاس سے آیا ہوں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک یہودیہ عورت زہر سے ملی بکری حضور کے کھلانے کے لئے لائی۔ اُس کا یہ راز فاش ہو گیا۔ اور اُس کو حضور کیخدمت اقدس میں بطور ملزم پیش کیا گیا۔ آپ نے اُس سے زہر کا سارا حال دریافت کیا۔ وہ بولی۔ کہ میں آپ کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا تعالےٰ کو منظور نہیں ہے۔ کہ تجھے اس امر کی طاقت دے۔ اتنے میں لوگوں نے عرض کیا۔ کہ اگر ارشاد ہو۔ تو ابھی اس کو

۱؎ مسلم ۔ ۲؎ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ باختلاف الفاظ ۔

۳؎ مسلم بروایت انسؓ و بخاری بروایت ابی ہریرہ ۔

قتل کر دیا جاوے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایک[1] یہودی نے حضور پر جادو کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ آپ نے جادو نکلوا کر اس کی گرہیں کھلوا دیں۔ تو آپ کو جادو سے افاقہ ہو گیا۔ لیکن حضور نے اُس یہودی سے کبھی اس بات کا ذکر تک نہیں کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے[2] زبیرؓ اور مقدادؓ کو حکم دیا۔ کہ روضۂ خاخ (مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے) میں جاؤ۔ وہاں ایک مسافر عورت ہے۔ اُس کے پاس (مسلمانوں کے خلاف) ایک خط ہے۔ وہ خط اُس سے لے آؤ۔ ہم حسب الارشاد اُس روضہ میں گئے۔ اور اُس عورت سے کہا۔ کہ تیرے پاس جو خط ہے۔ وہ ہمیں دیدے۔ وہ بولی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ یا تو تو خط نکال کر دیدے۔ ورنہ اپنے کپڑے اُتار ڈال۔ اُس عورت نے (اپنی بے پردگی کے مارے) اپنی چوٹی میں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم وہ خط حضور کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ دیکھا تو وہ خط حاطب بن ابی بلتعہؓ (صحابی) کیطرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا ہوا تھا۔ اُس خط میں حضور علیہ السلام کے حالات درج تھے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر ہو گئے ہیں۔ خواہ تم پر چڑھائی کریں۔ یا کسی اور پر۔ آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے کہا۔ کہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ آپ جلدی نہ فرماویں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین کے رشتہ دار لوگ مکہ معظمہ میں بہت سے ہیں۔ وہ رشتہ دار جنگ کے موقعہ پر مہاجرین کے گھر والوں کو بچا لینگے۔ لیکن میرا مکہ معظمہ میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے لہٰذا میں نے اپنے گھر والوں کو بچانے کیلئے یہ تدبیر سوچی۔ کہ میں قریش مکہ (مشرکین مکہ) کو حضور کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دیکر اُن کو اپنا ممنونِ احسان بنا لوں۔ تاکہ وہ بوقت جنگ اس احسان کے بدلے میں میرے گھر والوں کو بچالیں۔ بس اس لئے میں نے یہ خط مشرکین مکہ کے نام روانہ کیا تھا۔ ورنہ میں نے معاذ اللہ کفر و ارتداد کی بنا پر یہ خط نہیں لکھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حاطب کا یہ معقول عذر سنکر اُس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ اگر اجازت

[1] نسائی بروایت زید بن ارقم۔ اور آپ پر جادو کئے جانیکا قصہ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہؓ بالفاظ دیگر منقول ہے۔

[2] بخاری و مسلم بروایت علی مرتضیٰؓ۔

ہو۔ تو اس منافق کی گردن اڑا دی جائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شخص جنگ بدر میں موجود تھا۔ اور بدر والوں کے اللہ تعالٰی نے اگلے پچھلے گناہ بخش دئے ہیں۔ ایک[1] دفعہ حضور علیہ السلام نے کچھ مال تقسیم کیا۔ ایک انصاری بولا۔ کہ حضور کی یہ تقسیم رضاء الٰہی کے خلاف ہے۔ یہ بات حضور کو پہنچی۔ تو آپ کا چہرہ انور غصے کے مارے سُرخ ہو گیا۔ اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالٰی میرے بھائی موسٰی علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ کہ ان کو اس سے بھی زیادہ رنج و تکلیف پہنچائی گئی تھی۔ مگر انہوں نے صبر سے کام لیا۔ حضور[2] علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ خبردار! کوئی شخص میرے اصحابؓ کی شکایت مجھ سے نہ کیا کرے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ جب تم سے ملوں صاف دل ہو کر ملوں ♦

آٹھواں بیان

اس ذکر میں کہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم بُری باتوں کو دیکھ کر بھی چشم پوشی فرمایا کرتے تھے

آنحضرت[3] صلے اللہ علیہ وسلم کی جلد پتلی اور ظاہر و باطن صاف تھا حضور کی رضامندی اور ناراضگی چہرہ انور سے معلوم ہو جایا کرتی تھی۔ سخت غصہ کے وقت آپ اپنی داڑھی مبارک کو بہت ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ کسی[4] کے سامنے ایسی بات نہیں کرتے تھے۔ جو اس کو بُری لگے۔ ایک[5] شخص زرد خوشبو لگا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گو آپکو زرد خوشبو بُری معلوم ہوئی۔ لیکن آپ نے اُس شخص سے کچھ نہیں فرمایا جب وہ شخص چلا گیا۔ تو حاضرین مجلس سے ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی شخص اس کو کہدے کہ بھی زرد خوشبو

---

[1] بخاری مسلم بروایت ابن مسعودؓ ♦
[2] ابوداؤد و ترمذی بروایت ابن مسعودؓ ♦
[3] ابن حبان بروایت ابن عمرؓ
[4] ابن حبان بروایت عائشہ صدیقہؓ ♦
[5] ابوداؤد و ترمذی در شمائل بروایت انسؓ ♦

نہ لگایا کرو۔ ایک[1] اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرام اس کو غصے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا۔ کہ آپ اس کو پیشاب کر لینے دو۔ اس کا پیشاب مت روکو۔ پھر اُس اعرابی (دیہاتی) کو سمجھایا۔ کہ بھئی! یہ مسجدیں کوڑے کرکٹ یا پیشاب پاخانے کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ کہ صحابہ کرامؓ کو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اسکو ڈراؤ نہیں بلکہ پاس بلالو۔ ایک[2] روز ایک اعرابی نے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا۔ آپ نے اس کو کچھ عطا فرما کر کہا۔ کہ میں نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ اعرابی بولا کہ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اعرابی کے یہ گستاخانہ الفاظ سنکر مسلمان برافروختہ ہوئے۔ اور اس کو مارنے کے لئے تیار ہوگئے۔ لیکن حضورؐ نے ان کو روک دیا۔ اور اپنے دولت خانے میں جاکر اُس اعرابی کو بلوایا۔ اور کچھ دے کر پھر فرمایا۔ کہ کیا میں نے تجھ پر احسان کیا ہے؟ اعرابی بولا۔ کہ ہاں حضور خدا تعالےٰ آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ آپ نے اعرابی سے فرمایا۔ کہ تم پہلے مسلمانوں کے سامنے گستاخانہ الفاظ کہہ چکے ہو۔ جن کی وجہ سے وہ تم سے بہت ناراض ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شکریہ کے الفاظ تم نے میرے سامنے کہے ہیں۔ یہی مسلمانوں کے روبرو بھی کہدیجو۔ اعرابی نے عرض کیا۔ کہ بہت اچھا حضور۔ چنانچہ دوسرے روز وہ اعرابی آیا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اس اعرابی نے تو ناشکری کے الفاظ کہے تھے۔ لیکن ہم نے اسکو بہت زیادہ عطیہ دیدیا ہے۔ اعرابی بولا کہ بیشک حضور اب میں آپ سے راضی ہوں۔ خدا تعالےٰ آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور اس اعرابی کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک جاوے (ڈر جائے) اور لوگ اس کے پیچھے دوڑیں۔ تو وہ اور زیادہ بدک جاوے۔ پھر اونٹنی کا مالک سب لوگوں کو دور ہٹا کر کہے۔ کہ لوگو! تم الگ ہو جاؤ۔ میں جانوں اور میری اونٹنی۔ میں اپنی اونٹنی پر تم سے زیادہ مہربان ہوں۔ اور مجھے اس کی حالت تم سے زیادہ معلوم ہے۔ یہ کہہ کر وہ مالک کچھ چارہ لے کر اونٹنی کے سامنے سے آوے۔ اور اس کو چارہ دکھلا کر

---

[1] بخاری ومسلم بروایت انسؓ۔

[2] بزار وابن حبان بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف۔

آہستہ آہستہ اُس کے قریب آتا جاوے۔ اور اپنی اونٹنی کو پیار سے بلاتا جاوے۔ حتیٰ کہ اونٹنی اپنے مالک کے پاس آکر کھڑی جاوے۔ اور مالک اس کو بٹھلا کر اُس پر کاٹھی ڈالکر سوار ہو جاوے۔ اسی طرح جب اس اعرابی نے گستاخانہ الفاظ کہے تھے۔ اگر میں تم کو نہ روکتا۔ تو تم اس کو مار ڈالتے۔ اور وہ بلا توبہ مرنے کے باعث دوزخی ہو جاتا۔

نواں بیان

سید العرب والعجم صلے اللہ علیہ وسلم کی جود و سخاوت کے ذکر میں

حضور[۱] انور صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے۔ بالخصوص[۲] رمضان المبارک میں تو آپ آندھی کی طرح سخاوت کرتے تھے۔ اور کسی کو بغیر دئے جانے نہ دیتے[۳]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپ کے اوصاف بیان فرماتے۔ تو یوں فرماتے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک سب سے زیادہ سخی تھے۔ اور سینہ سب سے زیادہ فراخ تھا۔ اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ وعدہ کو پورا کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ کی عادت نرم اور آپ کا خاندان نہایت اعلیٰ تھا۔ جو شخص آپ کو دیکھتا فوراً مرعوب ہو جاتا تھا۔ اور اگر محبت کے طور پر آپ سے میل جول رکھتا۔ تو آپ کا والہ و شیدا ہو جاتا تھا۔ اور آپ کی تعریف میں یہ الفاظ کہتا۔ کہ حضور جیسا نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا۔ اور نہ آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نظر آیا۔ تو[۴] مسلم جو بھی سوال کرتا۔ آپ اس کا سوال پورا کرتے۔ چنانچہ ایک نومسلم نے آپ سے سوال

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت انس ۔ [۲] بخاری و مسلم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ اور اس میں اس طرح آیا ہے۔ کہ جب حضور کی جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو آندھی طرح بے حد سخاوت کرتے۔

[۳] یہ روایت ترمذی کی ہے لیکن ساتھ ہی ترمذی میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ یہ روایت متصل نہیں ہے منقطع ہے۔

[۴] مسلم بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

کیا۔ تو آپ نے اس کو اسقدر بکریاں عطا فرمائیں۔ کہ وہ بمشکل دو پہاڑوں میں سماتی تھیں۔ وہ نومسلم جب اپنی قوم کے پاس گیا۔ تو اُس نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نومسلموں کو اس افراط سے عطا فرماتے ہیں۔ کہ اُن کو محتاجی کا بھی ڈر نہیں ہوتا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کہ آپ سے کسی نے کچھ سوال کیا ہو۔ اور آپ نے اس کو کچھ عنایت نہ فرمایا ہو۔ حضور کی خدمت اقدس میں نوّے ہزار درہم کہیں سے آئے۔ آپ نے وہیں کے وہیں چٹائی پر رکھوا کر سب کے سب حاجتمندوں اور مستحقوں کو بانٹ دئیے۔ اور کسی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس اُن (نوے ہزار) میں سے ایک درہم بھی نہ بچا۔ ایک شخص نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بھئی! اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ البتہ جتنے کی تجھکو ضرورت ہے میرے نام پر کسی سے قرض لے لو۔ جب ہمارے پاس کچھ آئیگا۔ تو ہم اس کو ادا کر دینگے حضرت عمر فاروق رضی نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ جس چیز کی آپ کو طاقت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس کی تکلیف آپ کو نہیں دی۔ حضور کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ سائل نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ فی سبیل اللہ خرچ کرتے جائیے۔ اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھکر محتاجی سے مت ڈرئیے۔ حضور یہ بات سُن کر مسکرائے۔ اور خوشی کے آثار آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوئے۔ جب حضور جنگ حنین سے واپس تشریف لائے۔ تو اعرابیوں نے آپ سے مانگنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سائلوں کی کثرت اور بھیڑ کے باعث آپ کو مجبوراً ببول (کیکر) کے درخت کی طرف جانا پڑا۔ اس درخت میں حضور کی چادر مبارک اٹک گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میری چادر تو دیدو (واللہ) اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد میں بھی اونٹ ہوں۔ تو وہ بھی میں تم میں تقسیم کر دوں۔ تم مجھے ہرگز ہرگز بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاؤ گے۔

لہ بخاری و مسلم بروایت جابر رضی۔

ٹہ ابو اسحاق ابن الضحاک در شمائل بروایت حسن رضی مرسلاً اور بخاری میں بروایت انس رضی تعلیقاً بلا ذکر عدد مروی ہے۔

ٹہ ترمذی در شمائل بروایت عمر فاروق رضی۔ ٹہ بخاری بروایت جبیر بن مطعم۔

دسواں بیان

سرورِ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت کے ذکر میں

جنابِ[1] رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ طاقتور اور بہادر آدمی تھے حضرت[2] علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ جنگ بدر کے روز حالانکہ حضور علیہ السلام ہماری نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔ لیکن تاہم ہم آپ کی پناہ پکڑتے تھے۔ اُس روز آپ نے کفار کے ساتھ سب سے زیادہ لڑائی کی۔ نیز[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی جنگ شروع ہوتا۔ تو آپ ہم سب کی نسبت دشمن سے زیادہ قریب ہوتے۔ باوجود اس کے ہم حضور کی پناہ میں ہوتے تھے۔ روایت[4] ہے کہ حضور علیہ السلام بہت کم بولتے تھے۔ جب آپ جنگ کا حکم صادر فرماتے۔ تو بذات خود جنگ کے لئے تیار ہوتے۔ اور سب سے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرتے زیادہ[5] بہادر وہی سمجھا جاتا تھا۔ جو جنگ میں حضور کے قریب ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ دشمن سے زیادہ قریب ہوا کرتے تھے۔ عمران[6] بن حصین فرماتے ہیں۔ کہ دشمن کی جس جماعت سے بھی آپ کی جنگ ہوتی۔ تو سب سے پہلے آپ ہی وار فرماتے آپ[7] بڑے جنگجو اور لڑاکے

---

[1] دارمی بروایت ابن عمرؓ اور بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ مذکور ہے کہ کان اَحسن النّاس و اَشجع النّاس یعنی حضور تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور بہادر تھے۔

[2] ابن حبان در اخلاق النبیؐ۔

[3] نسائی بروایت علی مرتضےٰ و مسلم بروایت براء ابن عازب۔

[4] ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

[5] طبرانی در اوسط بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔ [6] بخاری و مسلم بروایت براء ابن عازب۔

[7] ابوالحسن بن ضحاک در شمائل بروایت ابوسعید خدری بسند ضعیف۔

تھے۔ ایک دفعہ آپ کو مشرکوں نے گھیر لیا۔ آپ فوراً اپنی خچر سے اُتر کر فرمانے لگے کہ انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب یعنی لوگو! میں یقیناً سچا نبی ہوں۔ اور میں عبد المطلب کی اولاد ہوں۔ اُس دن حضور سے بڑھکر کوئی بہادر اور قوی دل نظر نہیں آتا تھا۔

گیارھواں بیان

خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی تواضع کے ذکر میں

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم باوجود تمام دنیا سے اعلےٰ مرتبہ ہونے کے سب سے زیادہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔[1] ابن عامر سے روایت ہے کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے لیکن کوئی کسی کو دھکے نہیں دیتا تھا۔ اور نہ ہی ہٹو بچو کہتا تھا جیسے دیگر اُمرا اور سلاطین کی آمد کے وقت ہوا کرتا ہے۔ آپ اسقدر منکسر المزاج تھے کہ اپنے دراز گوش پر بجائے زین کے چادر ڈال کر سوار ہو جاتے۔ اور پھر کسی کو اپنے پیچھے بھی سوار کر لیتے تھے۔[2] آپ بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے۔ جنازہ کے ہمراہ تشریف لیجاتے۔ غلام کی دعوت منظور فرما لیتے۔[3] اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیا کرتے۔ اور گھر میں گھر والوں کے ساتھ مل کر کام بھی کرتے تھے۔ چونکہ[4] حضور انور کسی سے کام کروانے کو بُرا جانتے تھے۔ اس لئے صحابہ کرام آپ کا کام نہیں کرتے تھے۔ آپ[5] لڑکوں کے پاس سے گذرتے وقت بھی اُن کو سلام کرتے۔ ایک[6] شخص حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر کیا گیا۔ تو وہ مارے رعب کے کانپنے لگا۔ آپ نے تسلی کے طور پر ارشاد فرمایا۔ ڈرومت میں بادشا

۱؎ ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت قدامہ بن عبد اللہ۔

۲؎ بخاری و مسلم بروایت اُسامہ بن زید۔ ۳؎ اس کی سند اسی باب کے شروع میں گذر چکی ہے۔

۴؎ ترمذی بروایت انس رضؓ ۵؎ بخاری و مسلم بروایت جریرؓ۔

۶؎ ابوداؤد و نسائی بروایت ابی ہریرہ رضؓ۔

نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ آپ[1] صحابہ کرامؓ میں ایسے مل جل کر بیٹھتے۔ کہ کوئی اجنبی شخص آپ کو پوچھے بغیر پہچان نہیں سکتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ کہ آپ کسی ایسی جگہ بیٹھا کریں۔ کہ ناواقف آدمی آپ کو پہچان لیا کرے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے صحابہؓ نے محض آپ کے بیٹھنے کے لئے مٹی کا ایک چبوترا سا بنا دیا تھا۔ حضرت[2] عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہوجیو۔ آپ تکیہ پر سہارا لگا کر کھانا تناول فرمایا کیجئے۔ اس میں آپ کو آرام رہیگا۔ لیکن حضور نے کھانا کھاتے وقت بجائے تکیہ لگانے کے اور زیادہ جھک کر کھانا کھانے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کا سر مبارک زمین پر لگنے کو ہو گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بندوں کی طرح کھاؤں گا۔ اور بندوں کی طرح بیٹھونگا آپ[3] نے عمر بھر کشتی اور خوان میں کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اگر آپ[4] کو کوئی صحابیؓ یا کوئی اور شخص آواز دیتا۔ تو جواب میں فرماتے (لبیک) میں حاضر ہوں۔ جب حضور لوگوں کیساتھ مجلس فرماتے۔ تو جیسی گفتگو وہ کرتے ویسی ہی آپ بھی کرتے۔ مثلاً اگر لوگوں نے دنیاوی گفتگو شروع کی ہے۔ تو آپ بھی دنیاوی گفتگو فرماتے۔ اور اگر دین یا آخرت کے بارے میں انہوں نے کوئی گفتگو شروع کی۔ تو آپ بھی ویسی ہی گفتگو فرماتے۔ غرضکہ مجلس میں بھی آپ تواضع کی خاطر لوگوں کا لحاظ رکھتے۔ اگر کبھی صحابہ کرامؓ حضور کے سامنے اشعار پڑھتے اور زمانۂ جاہلیت (کفر) کا تذکرہ کر کے ہنستے۔ تو آپ بھی اُن کے ساتھ تبسم فرماتے اور سوائے حرام کے اور کسی چیز پر اُن کو جھڑکتے نہیں تھے۔

---

[1] ابوداؤد و نسائی بروایت ابی ہریرہؓ۔

[2] ابن جریر بروایت عبداللہ بن عبید بن عمیر عن عائشہؓ۔

[3] بخاری بروایت انسؓ۔

[4] ابونعیم در دلائل النبوۃ بروایت عائشہؓ اور اس سند میں حسین بن علوان متہم بالکذب ہے۔

[5] ترمذی در شمائل بروایت زید بن ثابت

[6] مسلم بروایت جابر بن عمرؓ۔

بارھواں بیان

حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلّم کے حُلیہ مُبارک کے ذکر میں

حضور[1] اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے۔ نہ پست قد۔ اگر آپ تنہا چلتے تب تو حضور میانہ قد معلوم ہوتے تھے۔ لیکن جب کسی کے ساتھ مل کر چلتے۔ تو حضور کا قد مبارک لمبے قدوالوں سے بھی اونچا ہو جاتا تھا۔ جب کبھی حضور دو لمبے قدوالوں کے درمیان چلتے۔ تو آپ کا قد مبارک اُن سے لمبا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جب وہی لمبے قد والے اکیلے چلتے تو وہ دراز قد معلوم ہوتے تھے۔ اور حضور میانہ قد نظر آتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بھلائی میانہ پن میں ہے۔ حضور کا رنگ مبارک خالص گورا چٹا تھا۔ لیکن نہ حد سے زیادہ سفید تھا۔ اور نہ ہی گندم گوں تھا۔ حضور[2] کی تعریف میں آپ کے چچا ابو طالب نے اس مضمون کا شعر کہا ہے ؎

وَأبیض یستسقی الغمام بوجھہٖ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ الارامل

"وہ نورانی بدن جس کے سبب بارش کا نزول ہو۔ یتیموں اور بیواؤں کا وہ ملجا و ماویٰ ہے"۔ بعض نے آپ کا رنگ سُرخی مائل بیان کیا ہے۔ تو دونوں روایتوں کی مطابقت اس طرح کی گئی ہے۔ کہ جو اعضا حضور کے کپڑوں میں چھپے رہتے تھے۔ وہ تو خالص گورے چٹے تھے۔ اور جو کپڑوں سے باہر رہتے۔ جیسے چہرہ انور اور گردن وغیرہ وہ سُرخی مائل تھے حضور کا پسینہ مبارک چہرہ انور پر موتیوں کی طرح کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے بال مبارک نہایت عمدہ مڑے ہوئے تھے۔ نہ تو زیادہ لٹکے ہوئے تھے اور نہ ہی بہت گھنگریالے تھے۔ جب آپ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے۔ تو وہ اس طرح

---

[1] ابو نعیم در دلائل النبوۃ بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ۔

[2] بخاری تعلیقاً بروایت ابن عمرؓ وابن ماجہ و ابن اسحاق در سیرت۔

معلوم ہونے جس طرح ہوا سے ریت میں لہریں سی پڑ جاتی ہیں۔ روایت ہے کہ حضور کے سر کے بال کندھوں سے لگتے تھے۔ اور اکثر روایتوں میں یوں آیا ہے۔ کہ کانوں کی لَو تک ہوتے تھے۔ کبھی آپ اپنے بالوں کے چار گچھے سے بنا لیتے۔ ہر ایک کان حضور کا دو گچھوں کے درمیان سے نکلا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی آپ بالوں کو کانوں پر ڈال دیتے تو آپ کی گردن کا کنارہ چمکتا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے سر مبارک ور داڑھی شریف میں گنتی کے سترہ بال سفید تھے۔ اس سے زیادہ سفید بال ابھی نہیں ہوئے تھے۔ حضور کا چہرۂ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔ جس نے بھی آپ کا حلیہ مبارک دیکھا۔ اُس نے حضور کے چہرہ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہی بیان کیا ہے۔ حضور کی جلد مبارک بہت صاف تھی۔ اس لئے خوشی اور ناراضگی کے آثار فوراً چہرہ انور پر نمایاں ہو جاتے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ بیشک آپ ویسے ہی ہیں۔ جیسے آپ کے یارِ غار حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ کی تعریف میں شعر کہا ہے ؎

امین مصطفٰے الخیر یدعو

کضوء البدر زایلہ الظلام

"حضور بڑے امانتدار، برگزیدہ خلائق، اور خلقِ خدا کو سیدھا راستہ بتلانے والے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری ایسی ہے۔ جیسے چودھویں رات کا چاند اندھیرے میں سے نکل آتا ہے۔ اور سب جگہ اُجالا ہی اُجالا کر دیتا ہے" حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک بہت فراخ تھی۔ اور بھنویں باریک تھیں۔ دو نو بھنوؤں کے درمیان خالص چاندی کی طرح نور چمکتا تھا۔ آپ کی دو نو آنکھیں کشادہ اور نہایت خوشنما تھیں۔ نیز آپ کی آنکھیں خوب سیاہ اور سُرخی مائل تھیں۔ آپ کی پلکیں بہت لمبی اور اس کثرت سے تھیں۔ کہ ملنے کے قریب ہو گئی تھیں۔ حضور کی ناک مبارک پتلی اور لمبی تھی۔ اور آپ کے دانت کچھ تھے۔ جب آپ ہنستے تو وہ دانت بجلی کی طرح چمکتے تھے۔ حضور کے لب مبارک سب سے زیادہ خوبصورت اور لطیف تھے۔ اور آپ کے رخسار مبارک اُبھرے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ سخت تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک نہ زیادہ لمبا تھا نہ زیادہ

۱؎ بخاری و مسلم بروایت براء بن عازب۔ ۲؎ ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

گول۔ بلکہ لمبا کسی قدر گولائی لئے ہوئے۔ آپ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ اُسے آپ بالکل نہیں کترواتے تھے۔ بلکہ لمبی چھوڑی ہوئی تھی۔ البتہ مونچھیں ضرور کترواتے تھے حضور کی گردن مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ نہ زیادہ لمبی نہ چھوٹی۔ گردن کے جتنے حصے پر دھوپ اور ہوا لگتی تھی۔ وہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کچھ سونا ملی ہوئی چاندی کی صُراحی۔ جس میں سے چاندی کی چمک اور سونے کی دمک نظر آتی تھی۔ آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا۔ اس میں کسی جگہ کا گوشت اُبھرا ہوا نہیں تھا۔ آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور چاندی کی طرح سفید تھا۔ سینہ کے سرے سے لیکر ناف تک دھار کی طرح بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ اس کے علاوہ سینہ اور پیٹ پر کہیں بال نہیں تھے۔ حضور کے پیٹ پر تین شکن تھے۔ ایک شکن تہمد کے نیچے آجاتا تھا۔ اور دو شکن تہمد سے باہر رہتے تھے۔ آپ کے کندھے مبارک بڑے بڑے تھے۔ اور اُن پر بال بکثرت تھے۔ آپ کے کندھوں، کہنیوں اور کمر کے جوڑ گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ اور حضور کی پشت مبارک فراخ تھی حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان داہنے کندھے کے قریب مہرِ نبوّت تھی۔ جس میں سیاہ زردی مائل ایک داغ سا تھا۔ اور اس کے اردگرد گھوڑے کی عبال کے بالوں کی طرح کچھ بال تھے۔ آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ بھی گوشت سے پُر تھے۔ آپ کے دونوں بند دست لمبے اور ہتھیلی مبارک چوڑی اور ہاتھ پاؤں کشادہ تھے۔ آپ کی اُنگلیاں ایسی چمکدار تھیں۔ جیسے چاندی کی سلاخیں۔ حضور کی ہتھیلی مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار تھی۔ جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا۔ دن بھر خوشبو سے معطر رہتا۔ اگر شفقت اور پیار کے طور پر حضور پُرنور کسی لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے۔ تو خوشبو کے باعث وہ دوسرے لڑکوں سے ممتاز ہو جاتا تھا۔ حضور کی رانیں اور پنڈلیاں گوشت سے پُر تھیں۔ آپ کا جسم اطہر معتدل درجہ کا تھا۔ مگر اخیر عمر میں حضور کسی قدر موٹے ہو گئے تھے۔ باوجود موٹاپے کے آپ کا بدن مبارک نوعمروں کی طرح سڈول اور مضبوط تھا۔ غرضکہ آپ کا بدن موٹا یا ضرر رساں نہیں تھا۔ حضور کی چال ایسی معلوم ہوتی تھی۔ کہ گویا پاؤں مبارک جما کر اُٹھاتے ہیں۔ اور اُوپر سے

نیچے کو تشریف لاتے ہیں۔ پاؤں پاس پاس رکھ کر چلتے۔ اور چلتے وقت پاؤں مبارک آگے کو جھک کر رکھتے۔ حضور انورؐ ارشاد فرمایا کرتے۔ کہ میں اور وں کی نسبت آدم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ اور ابراہیم علیہ السلام صورت و سیرت میں میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ اور فرماتے کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔ میں محمدؐ ہوں۔ احمدؐ ہوں۔ ماحیؐ (مٹانیوالا) ہوں۔ اس لئے کہ میرے ذریعے خدا تعالےٰ کفر کو مٹائیگا۔ عاقبؐ (پیچھے آنے والا) ہوں۔ کیونکہ میں سب پیغمبروں کے بعد ہوا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ حاشرؐ (اکٹھا کرنیوالا) ہوں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ میرے اٹھنے کے بعد سب مخلوقات کو اٹھائیگا۔ اور میں رسول رحمتؐ، و رسولؐ توبہ و رسولؐ ملاحم اور مقفّیؐ (پیچھے آنیوالا) ہوں۔ کیونکہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد پیدا ہوں۔ اور میں قثمؐ یعنی کامل اور جمیع اوصاف حسنہ کا جامع ہوں ✦

تیرھواں بیان

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر میں جن سے حضور کی صداقت ثابت ہوتی ہے

جاننا چاہیئے کہ اگر حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مشاہدہ کیا جاوے اور آپ کے اخلاق و عادات اور افعال و اعمال اور انتظام و تدبیر خلائق کی صحیح صحیح

ا؎ پہلے پانچ نام بخاری و مسلم میں بروایت جبیر بن مطعم منقول ہیں۔ اور مسلم نے مقفّی اور نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ بروایت ابی موسیٰؓ نقل کئے ہیں۔ اور احمد بن حنبل نے بروایت حذیفہ نبی الملاحم ذکر کیا ہے اور ابو نعیم نے دلائل میں ابی الطفیل سے آٹھ نام منجملہ دس کے کچھ زیادہ کر کے لکھے ہیں۔ اور ابن عدی نے بروایت علی مرتضیٰؓ و جابرؓ و اسامہؓ بن زید و ابن عباسؓ و عائشہؓ بسند ضعیف نقل کئے ہیں ✦

خبریں گوش گذار ہوں۔ نیز مشکل اور لاینحل سوالات کے جو جوابات حضور نے ارشاد فرمائے ہیں اور مخلوقات کی بہتری کی جو جو حیرت انگیز تدابیر آپ نے نکالیں اُن کو دیکھا جاوے۔ اور قوانین شریعت کی جو تفصیل حضور نے فرمائی ہے۔ اور جس کی ادنٰے ادنٰے باریکیوں میں علماء محققین و فقہاء مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے ہیں۔ ان سب امور میں اگر غور و فکر کیا جاوے۔ تو عقل سلیم کو ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ ان تمام امور کی سرانجام دہی بلا تائیدِ غیبی محض انسانی طاقت سے ناممکن ہے۔ کوئی جھوٹا اور فریبی آدمی ان تمام امور دینی و دنیاوی، ظاہری و باطنی، علمی و عملی جسمانی و روحانی کو ہر پہلو میں مکمل کر کے نہیں دکھا سکتا۔ حضور کی ظاہری شکل و شباہت ہی آپ کی صداقت کا بیّن ثبوت تھی۔ چنانچہ بعض خانہ بدوش عرب آپ کو دیکھ کر ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹوں کی صورت نہیں ہے۔ تو جن لوگوں نے آپ کے عادات و اخلاق کا مشاہدہ کیا ہو اور تمام حالات نشست و برخاست میں حضور کے ہمراہ عمر گذری ہو۔ وہ کیونکر آپ کی صداقت کے قائل نہ ہوں۔ ہم نے حضور کے اخلاق کریمہ اس لئے بیان کئے ہیں۔ کہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کا پتہ لگے۔ اور اُن کے دل میں حضور کی صداقت اور بارگاہ الٰہی میں اُن کی عظمت و رفعت معلوم ہو جاوے۔ نیز تاکہ منکرین پر اتمام حجت ہو۔ کہ حضور محض اُمّی (اَن پڑھ) تھے۔ نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا۔ نہ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور نہ ہی طالب علمی کے لئے کہیں سفر کر کے گئے۔ ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے۔ یتیم اور بیکس تھے۔ پس اسی بے سروسامانی کی حالت میں دیگر علوم و معارف الٰہی اور فرشتوں اور آسمانی کتب کا علم تو درکنار، اخلاق حسنہ کا علم بھی حاصل ہونا ناممکن تھا۔

ان وجوہات کی بنا پر قطعی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ بجز وحی الٰہی کے یہ سب چیزیں ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اور محض طاقتِ انسانی ان امور کو معلوم کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ یہ ظاہری امور ہی آپ کی صداقت کے لئے کافی و وافی تھے۔ لیکن جس صورت میں کہ حضور میں علاوہ ان ظاہری صداقتوں کے باطنی نشاناتِ صداقت یعنی معجزات بھی پائے جاتے تھے۔ تو اس صورت میں تو آپ کی صداقت میں کسی عاقل کو شک و شبہ کی ذرہ بھر بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہم آپ کے صرف وہی معجزات ذکر کرتے ہیں۔ جو صحیح احادیث میں آئے ہیں۔ نیز ہم معجزات کو مختصر طور پر ذکر

کرینگے۔ مکمل قصّہ ذکر نہیں کریں گے:۔

معجزہ نمبر ۱۔ کفار مکہ نے جب حضور سے شق القمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونا) کے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ تو حضور نے چاند کیطرف اشارہ فرمایا چاند فوراً دو ٹکڑے ہوگیا۔

معجزہ نمبر ۲۔ خندق کے روز حضرت جابرؓ کے مکان میں صرف ایک سیر جَو سے کثیر التعداد لوگوں کو کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر ۳ حضرت ابو طلحہؓ کے مکان پر بھی آپ نے تھوڑی سی غذا سے بہت سے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر ۴۔ ایک مرتبہ حضور نے ایک صاع (دو سیر) جَو اور بکری کے بچّہ سے اسّی آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر ۵۔ ایک دفعہ حضرت انسؓ جَو کی چند روٹیاں اپنے ہاتھ میں لے گئے حضور نے اُن روٹیوں سے اسّی سے زیادہ آدمیوں کا پیٹ بھر دیا۔

معجزہ نمبر ۶۔ ایک دفعہ ابن بشرؓ تھوڑی سی کھجوریں اپنے ہاتھوں میں لائے۔ آپ نے اُن کھجوروں سے سب لشکر والوں کا پیٹ بھر دیا۔ اور پھر بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں۔

معجزہ نمبر ۷۔ ایک دفعہ تمام لشکر محمدیؐ پیاس سے بیتاب ہوگیا۔ حضور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ کا ہاتھ بھی اچھی طرح نہیں پھیل سکتا تھا) میں اپنا دست مبارک رکھا۔ تو آپ کی انگلیوں میں سے پانی پھوٹ نکلا جس میں سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا۔ اور وضو بھی کیا۔

معجزہ نمبر ۸۔ تبوک کے چشمے میں پانی سوکھ گیا تھا۔ حضور نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا۔ تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزارہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب

---

۱ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود و ابن عباس و انسؓ۔

۲ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ۔ ۳ بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۴ بیہقی در دلائل النبوۃ بروایت جابرؓ۔ بخاری میں بھی ایک اور روایت بلا ذکر تعداد کے مذکور ہے۔

۵ مسلم بروایت انسؓ۔ ۶ بیہقی در دلائل بروایت بشر بن سعد۔

۷ بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔ ۸ مسلم بروایت معاذؓ۔

ہو کر پانی پیا۔

معجزہ نمبر ۹۔ حدیبیہ کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا۔ آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اُس میں ڈالا۔ تو اُس چشمہ کا پانی اسقدر جوش کر آیا۔ کہ پندرہ سو آدمیوں نے اُس میں سے پانی پیا۔

معجزہ نمبر ۱۰۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تھوڑے خرمے (جو زیادہ سے زیادہ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر ہوں گے) چار سو سواروں کو سفر خرچ کے طور پر دیدو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب کو سفر خرچ بھی دیدیا اور پھر بھی اُتنے کے اُتنے بچ گئے۔

معجزہ نمبر ۱۱۔ حضور نے مٹی کی ایک مٹھی لشکر کفار کی طرف پھینکی جس سے سب کفار اندھے ہو گئے۔ چنانچہ اس معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ ارشاد باری ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی اے پیغمبر کفار پر مٹی کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ تعالٰے نے پھینکی تھی۔

معجزہ نمبر ۱۲۔ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کی برکت سے کہانت (غیبی باتیں بکنا) بالکل نیست و نابود ہو گئی۔ حالانکہ پہلے علانیہ طور پر تھی۔

معجزہ نمبر ۱۳۔ پہلے حضور ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر آپ کے لئے ایک ممبر تیار کیا گیا۔ چنانچہ اُس ممبر پر چڑھ کر آپ خطبہ پڑھنے لگے۔ تو وہ ستون کے فراق میں رونے لگا۔ جس طرح اونٹ بولتا ہے۔ اس کے رونے کی آواز تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنی۔ آپ نے اُس کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا۔ تو وہ چپ ہو گیا۔

معجزہ نمبر ۱۴۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو۔ تو موت کی تمنا کرو۔ ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی فرما دی۔ کہ تم ہرگز ہرگز موت کی تمنا نہیں

۱؎ مسلم بروایت سلمۃ بن الاکوع اور بخاری میں بروایت براء بن عازب منقول ہے۔

۲؎ احمد بروایت نعمان بن مقرن۔ ۳؎ مسلم بروایت سلمۃ بن الاکوع۔

۴؎ خرائطی بروایت مرداس بن قیس۔ ۵؎ بخاری بروایت جابر رضی اللہ عنہ و سہل بن سعد۔

۶؎ بخاری بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

کر سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ نہ بول سکے اور نہ موت کی تمنا کر سکے۔ یہ معجزہ سورۃ جمعہ میں مذکور ہے جو تمام روئے زمین کی جامع مسجدوں میں جمعہ کے روز محض اسی معجزہ والی آیت کی عظمت کے لئے پکار کر پڑھی جاتی ہے۔

معجزہ نمبر ۱۵۔ حضور[۵] نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق غیبی خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو جاؤ گے۔ اس شہادت کے بعد تمہارے لئے جنت ہے چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

معجزہ نمبر ۱۶۔ حضرت[۶] عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی آپ نے پیشگوئی فرمائی۔ کہ تم کو باغی شہید کر دینگے۔ چنانچہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

معجزہ ۱۷۔ حضرت[۷] امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائیگی۔

معجزہ نمبر ۱۸۔ ایک شخص[۸] نے راہِ خدا میں جہاد کیا حضور نے اس کے حق میں پیشگوئی فرمائی۔ کہ یہ شخص دوزخی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اُس شخص نے خودکشی کر لی۔ جس سے وہ جہنمی بن گیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں۔ کہ جن کا علم سوائے وحی الٰہی کے ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا نہ نجوم سے نہ رمل سے نہ فال سے نہ کہانت سے۔ جب آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ تو سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا۔ جس کی سزا اس کو یہ ملی۔ کہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ اور ایک دھواں اُس کے پیچھے لگ گیا۔ سراقہ رضی اللہ عنہ نے حضور سے معافی مانگی۔ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اس کا گھوڑا زمین سے باہر نکل آیا۔

معجزہ نمبر ۱۹۔ حضور[۹] نے سراقہ بن جعشم کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ اے سراقہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ بادشاہ کے کنگن پہنائے جاوینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

---

[۵] بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ۔

[۶] مسلم بروایت ابی قتادہ و ام سلمہ و بخاری بروایت ابی سعید۔

[۷] بخاری بروایت ابی بکرہ۔ [۸] بخاری بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[۹] بخاری و مسلم بروایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔

معجزہ نمبر ۲۰۔ اسود عنسی[1] نے صنعاء یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہُوا تھا۔ حضور نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص فلاں شب کو فلاں شخص کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا چنانچہ اسود عنسی بعینہٖ اُسی شب کو قتل ہُوا جو حضور کی پیشگوئی میں مذکور تھی ۔

معجزہ نمبر ۲۱۔ قریش[2] کے سو آدمی حضور کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو تائید غیبی سے معلوم ہُوا۔ تو آپ تشریف لے جا کر خاک کی مٹھی ان کے سر پر پھینک آئے۔ لیکن حضور اُن کو نظر نہ آئے ۔

معجزہ نمبر ۲۲۔ صحابہ کرام[3] کے روبرو حضور کی خدمت میں ایک اُونٹ نے اپنے مالک کی شکایت کی۔ اور آپ کا فرمانبردار ہو گیا ۔

معجزہ نمبر ۲۳۔ چند صحابہ کرام[4] حضور کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ تم میں سے ایک شخص دوزخی ہو جائیگا۔ جس کی داڑھ کوہ اُحد جیسی ہو جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ کہ اور لوگ تو اسلام پر مرے۔ اور ایک شخص مرتد ہو گیا۔ اور اُن بے دینی کی حالت میں مارا گیا ۔

معجزہ نمبر ۲۴ ایک دفعہ[5] چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم میں سے جو سب کے بعد مریگا۔ وہ آگ میں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ کہ جو سب سے اخیر میں مرا۔ وہ آگ میں گر کر مر گیا ۔

معجزہ نمبر ۲۵۔ ایک دفعہ[6] حضور علیہ السلام قضاء حاجت (پاخانہ) کو تشریف لے گئے اور پردہ کے لئے دو درختوں کو بلایا۔ چنانچہ وہ دونوں درخت حسب الارشاد آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر مل گئے۔ اور آپ کو پردہ کیا۔ جب حضور قضاء حاجت سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ دو نو جدا ہو کر جہاں کے تھے وہیں جا کھڑے ہوئے ۔

---

[1] یہ قصہ سیر میں مذکور ہے ۔　　[2] ابن مردویہ بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۔

[3] ابوداؤد بروایت عبداللہ بن مسعودؓ ۔　　[4] دارقطنی بروایت ابی ہریرہؓ ۔

[5] بیہقی در دلائل بروایت ابی محذورہ و ابی ہریرہ ۔

[6] احمد بروایت ابو یعلیٰؓ ۔

معجزہ نمبر ۲۶- حضورؐ میانہ قد تھے۔ لیکن لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو ان سے بھی لمبے نظر آتے تھے۔

معجزہ نمبر ۲۷- حضورؐ نے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔ اور فرمایا۔ کہ اگر مباہلہ کے لئے آؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ عیسائی مباہلہ کے واسطے نہ آئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ حضور سچ فرماتے ہیں۔

معجزہ نمبر ۲۸- عامر بن طفیل اور اربد بن قیس عرب کے مشہور شہسوار اور بہادر آدمی تھے۔ یہ دونو حضرت کے قتل کرنے کے لئے آئے۔ مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حضورؐ نے ان کے حق میں بد دعا فرمائی۔ چنانچہ ہو جب آپ کی بد دعا کے عامر طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ اور اربد پر بجلی گری۔

معجزہ نمبر ۲۹- حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ابی بن خلف کو میں قتل کرونگا۔ پس جنگ اُحد میں آپ کے ایک ہی وار سے اُس کی موت ہوئی۔

معجزہ نمبر ۳۰- حضورؐ کو کسی دشمن نے کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا۔ جس شخص نے آپ کے ساتھ زہر والا کھانا کھایا تھا۔ وہ تو مر گیا۔ اور آپ اس واقعہ کے چار سال بعد تک زندہ رہے۔ اور بکری کے جس گوشت میں زہر ملا ہوا تھا۔ اس گوشت نے حضور کو اطلاع دی کہ مجھ میں زہر ہے۔

معجزہ نمبر ۳۱- جنگ بدر کے روز حضور علیہ السلام نے کفار قریش کے سرداروں کے قتل ہونے کی قبل از وقت پیشگوئی فرمائی۔ اور ایک ایک کا نام لیکر فرمایا کہ فلاں کا فر فلاں جگہ قتل ہو کر گریگا۔ اور فلاں کا فر فلاں جگہ۔ چنانچہ جو جو جگہ جس جس کیلئے فرمائی تھی۔ وہیں وہ گرا۔

معجزہ نمبر ۳۲- حضورؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر ۳۳- آپ کی خاطر زمین سمیٹ کر مشرق سے لے کر مغرب تک

---

۱ ذیل کی سند اوپر گذر چکی ہے۔　　۲ بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

۳ ابوداؤد بروایت جابرؓ اور جو صحابی فوت ہو گئے تھے ان کا نام بشر بن براء تھا۔

۴ مسلم بروایت عمر فاروقؓ۔　　۵ بخاری و مسلم بروایت ام حرام۔

دکھلائی گئی۔

معجزہ نمبر۳۴۔ آپ صلعم نے پیشگوئی فرمائی کہ میری اُمت کی سلطنت اتنی ہی وسیع ہو جائیگی جتنی کہ مجھے سمیٹ کر دکھلائی گئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ مسلمانوں کی سلطنت ابتدائے مشرق یعنی ملک ترکستان سے لیکر آخر مغرب یعنی بحر اندلس اور ملک بربر تک پھیل گئی۔ اور دکن اور شمال میں نہ پھیلی۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر۳۵۔ حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت بی بی فاطمہ رضؓ سے ارشاد فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم مجھے ملو گی (یعنی میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے کنبہ میں تمہاری وفات ہو گی) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر۳۶۔ حضور صلعم نے اپنی ازواج مطہرات (بیویوں) سے ارشاد فرمایا۔ کہ جونسی تم میں سے زیادہ خیرات کریگی۔ وہ مجھے جلد تر ملے گی (یعنی اُس کی وفات میری وفات کے بعد جلد تر واقع ہو گی) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زینب بنت جحش دستکاری کر کے خیرات بہت زیادہ کیا کرتی تھیں۔ اس لئے سب بیویوں سے پہلے وہی فوت ہوئیں۔

معجزہ نمبر۳۷۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دودھ نہ دینے والی بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا۔ تو وہ بکری بہ برکت آپ کے ہاتھ لگانے کے دودھ دینے لگ گئی چنانچہ یہی معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے مشرف باسلام ہونے کا باعث ہوا۔

معجزہ نمبر۳۸۔ ایک دفعہ اُم معبد خزاعیہ کے خیمہ میں بھی یہی بکری والا معجزہ ظہور پذیر ہوا۔

معجزہ نمبر۳۹۔ ایک صحابی رضؓ کی آنکھ نکل کر گر پڑی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ آنکھ اپنی جگہ پر رکھدی۔ تو وہ ایسی صحیح سلامت اور خوشنما بن گئی۔ کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

معجزہ نمبر۴۰۔ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی آنکھیں دکھنی آگئیں۔ آپ نے اپنا لب مبارک

۱؎ مسلم بروایت ثوبان رضؓ۔	۲؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ۔
۳؎ مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ۔	۴؎ احمد بروایت ابن مسعود رضؓ۔
۵؎ اس کی سند تخریجات عراقی میں نہیں ملی۔	۶؎ ابونعیم و بیہقی بروایت قتادہ رضؓ بن نعمان۔
۷؎ بخاری و مسلم بروایت علی مرتضیٰ رضؓ۔	۸؎ بخاری بروایت ابن مسعود رضؓ۔

اُن پر لگایا۔ تو وہ اُسی وقت صحیح سلامت ہوگئیں۔ اور آپ نے حضرت علیؓ کو جھنڈا دیکر روانہ کیا۔ [1]

معجزہ نمبر ۴۱ - حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں صحابہ کرامؓ کھانے کی تسبیح سُنا کرتے تھے۔ [2]

معجزہ نمبر ۴۲ - ایک صحابیؓ کی ٹانگ مبارک پر سخت چوٹ لگ گئی تھی۔ آپ نے اُس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا۔ تو وہ فوراً اچھی ہوگئی۔ [3]

معجزہ نمبر ۴۳ - ایک دفعہ لشکر رسول اللہ صلعم میں زادِ راہ بہت ہی کم ہوگیا۔ آپ نے اُس میں برکت کی دعا مانگی۔ اور لشکر والوں کو کہا۔ کہ سفر خرچ لے لو۔ اُنہوں نے اتنا سفر خرچ لیا۔ کہ لشکریوں کے سب برتن بھر گئے۔ [4]

معجزہ نمبر ۴۴ - حکم بن العاص خبیث مسخری کے طور پر حضور کی چال کی نقل کیا کرتا تھا۔ آپ نے بددُعا فرمائی کہ خدا کرے تو ایسا ہی رہے۔ چنانچہ مرتے دم تک وہ اسی طرح لڑکھڑا کر چلتا رہا۔ [5]

معجزہ نمبر ۴۵ - ایک عورت سے حضور نے پیام نکاح کیا۔ اس کے باپ نے یہ بہانہ کر کے حضور کو ٹال دیا کہ اس عورت کو برص کی بیماری ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس کو یہ بیماری نہیں تھی۔ حضور نے فرمایا کہ ایسی ہی ہو جائیگی۔ چنانچہ اس عورت کو برص ہوگئی۔ وہ عورت شبیب بن برصا شاعر کی والدہ تھی۔ [6]

ہم نے تو آپ کے صرف مشہور مشہور معجزات ذکر کئے ہیں۔ ورنہ حضور کے معجزات تو ان کے علاوہ اور بھی بیشمار ہیں حضور علیہ السلام کے معجزات میں کسی قسم کا شک و شبہ کرنا اور یہ کہنا۔ کہ یہ معجزات بہ نقل متواتر ثابت نہیں ہیں۔ بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص حضرت علی مرتضیٰؓ کی بہادری اور حاتم طائی کی سخاوت میں شک کرے۔ یہ ظاہر ہے کہ

---

[1] بخاری در قصۂ قتل ابی رافع۔ [2] بخاری و مسلم بروایت سلمہ بن الاکوع۔

[3] بیہقی در دلائل بروایت ہند بن خدیجہ۔ [4] بخاری و مسلم بروایت سلمہ بن الاکوع۔

[5] ابن جوزی نے اس عورت کا نام تلقیح میں جمرہ بنت حارث بن عوف لکھا ہے۔ اور اس کو دمیاطی نے بھی اختیار کیا ہے اپنے اس رسالہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حال میں لکھا ہے۔ مگر پایۂ صحت کو نہیں پہنچتا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ اور حاتم طائی کے حالات انفرادی طور پر متواتر نہیں ہیں۔ لیکن اگر ان کے حالات بہ حیثیت مجموعی دیکھے جاویں۔ تو بیشک حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے متواتر (یقینی) ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے۔ اور یہ ایک ایسا زبردست اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے جو حضورؐ کے سوا کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ تمام پیغمبروں کے معجزات ان کی زندگی تک محدود رہے ہیں۔ لیکن حضور کا یہ قرآنی معجزہ دنیا میں تا قیامت باقی رہیگا۔ آپ نے تمام فصحا و بلغاء عرب کو بہانگ دہل چیلنج دیا۔ کہ اگر تم کو قرآن مجید میں کسی طرح کا شک و شبہ ہے۔ اور تمہیں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں دعویٰ ہے۔ تو پھر کیوں قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ کلام تم بنا نہیں لاتے۔ اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم ایک سورت ہی بنا لاؤ چنانچہ اس آیت قرآنی میں اس چیلنج کا تذکرہ مفصل طور پر موجود ہے۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا یعنی اگر تمام انسان اور جن باہم ایک دوسرے کے مددگار بن کر اکٹھے ہو جاویں۔ اور اس قرآن پاک جیسی کوئی کلام بنانی چاہیں تو وہ ہرگز نہیں بنا سکیں گے۔ یہ چیلنج فصحا و بلغاء عرب کو عاجز کرنے کے لئے فرمایا تھا چنانچہ اس معجزے کے سامنے وہ عاجز ہوئے۔ اور اپنے آپ کو قتل کرا لیا اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قید کرا لیا۔ مگر اُن سے یہ نہ ہو سکا۔ کہ قرآن مجید کا معارضہ کریں۔ یا اُس کی فصاحت و بلاغت وغیرہ میں کسی قسم کا کوئی طعن یا اعتراض کر سکیں۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن مجید تمام دنیا میں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلا اور صدیاں گذر گئیں۔ حتیٰ کہ قریباً پانچ سو برس گذر گئے ہیں۔ کہ آجتک کوئی شخص اس کے معارضہ پر قادر نہیں ہوا۔ اندریں حالات بڑا ہی بیوقوف ہے وہ شخص جو آپ کے احوال و اقوال اور افعال و اخلاق اور معجزات کو دیکھے اور اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ حضور کی شریعت اب تک جاری ہے اور اطراف عالم میں پھیل چکی ہے۔ اور باوجود حضور کے یتیم رہ جانے کے تمام روئے زمین کے بادشاہ آپ کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد آپ کے

حلقہ بگوش ہوئے۔ ان سب امور کو معلوم کرنے کے بعد بھی جو شخص آپ کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ کرے۔ وہ بڑا ہی احمق اور بدبخت ہے۔ اور بڑا ہی عقلمند اور نیکبخت ہے وہ شخص جو آپ پر ایمان لائے اور صدق دل سے آپ کی تصدیق کرے۔ اور ہر کام میں آپ کی اتباع اور پیروی کرے۔ آخر میں ہم اللہ تعالے سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے اخلاق، افعال، احوال و اقوال میں ہمیں حضور پُر نور کا متبع اور فرمانبردار بنا دے۔ بیشک وہی سُننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے ❊

تمت

عربی سے اردو ترجمہ کتاب
قسطاس المستقیم
از
امام ہمام حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

قسطاس المستقیم

اردو ترجمہ کتاب

قسطاس المستقیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعدہٗ بندہ مصطفےٰ ابن سید محمد القبانی الدمشقی مرحوم ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔ کہ دمشق کے شاہی کتب خانہ کی کتابوں کو غور سے مطالعہ کرتے وقت (اللہ تعالےٰ اس کتب خانے کو ہمیشہ رکھے کہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچاتے۔ اور اس کے وقف کنندہ اور امداد کنندوں سے بحسن سلوک پیش آئے) "القسطاس المستقیم" نام ایک کتاب دیکھی۔ جو حجۃ الاسلام امام ابی حامد الغزالی (اللہ تعالیٰ اُن کی روح پر رحم کرے اور اُن کے مرقد کو منوّر کرے) کی تصنیف لطیف ہے۔ اور جس کی تصنیف سے مصنف مرحوم کی غرض یہ تھی۔ کہ حقیقت معرفت معلوم ہو جائے۔ اس کتاب کا باعث تصنیف وُہ مناظرہ ہے جو مصنّف اور ایک باطنی شیعہ کے مابین ہُوا۔ جس میں اس کے عقیدہ کی کجی کو درست کیا اور اس کی عقل اور استعداد کے مطابق گفتگو کر کے اُسے جتلا دیا کہ تمہارے برآوردہ نتائج غلط ہیں۔ دلیل اور نقل سے مناظرہ کر کے عجائبات اسے دکھا کر گمراہی سے نکال سیدھی راہ پر لے آئے۔ اور اسے مختلف ترازوؤں کی کنہ سمجھا دی تاکہ قسطاس المستقیم سے وزن کر سکے۔

چونکہ مصنّف علیہ الرحمۃ مصدقہ حجت تھے۔ جس کے بارے میں کوئی سے دو محقق بھی مختلف الرائے نہیں۔ اور یہ موضوع یعنی معرفت کا ادراک ہر زمانے اور ہر مقام پر پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ بلکہ انسان کے لئے اس کا دریافت کرنا واجب ہے اسلئے مَیں نے اس کتاب کو بغرض ثواب مشتہر کرنا چاہا۔ اور اس کی اشاعت میں یہ غرض بھی تھی۔ کہ چونکہ یہ مفید اور عمدہ کتاب ہے۔ اس لئے اس کا اس طرح ضائع ہو جانا اچھا نہیں۔ لیکن اس کی اشاعت میں یہ دِقت پیش آئی۔ کہ اس کتاب کے شروع کے چند

ورق بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے۔ جن کی تکمیل کے لئے مَیں نے بہتیرے کتب خانے چھان مارے لیکن صرف ایک نسخہ برلن میں اور دو اسکریال میں ہاتھ آئے۔ لیکن ان سے تصحیح کرنا میری قدرت سے باہر تھا۔ پھر خاص خاص اشخاص کے کتب خانوں میں اس کی تلاش کرنے لگا۔ اثنائے تلاش میں میری نظر سے اس کا کوئی نسخہ نہ گذرا۔ لیکن میرے ایک دوست نے کہا کہ اس کا ایک نسخہ اُستاد سلیم آفندی بخاری کے پاس ہے۔ جو دمشق کے جیّد عالم اور جامع فضائل ہیں۔ مَیں نے کہا۔ میری مُراد پُوری ہوئی اور گھر میں ہی گوہر مقصود ہاتھ آیا۔ اس مطلب کے لئے اپنے ایک شریف طالب علم رشتہ دار کو اس نسخہ کی نقل کے لئے کہا۔ جب وُہ نقل کرکے لے آیا۔ تو مَیں نے دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا۔ اور ایک کامل نسخہ تیار کیا۔ اور اس کے شروع میں مصنف مرحوم کے کچھ حالات بھی قلمبند کئے۔ اور اس میں ضروری باتیں بھی درج کیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔ کہ یہ مفید کتاب مکمل ہو گئی۔ جس میں طرح طرح کی خوبیاں ہیں۔ توفیق اور بھروسہ محض اللہ تعالےٰ پر ہے۔ اور وہی کافی اور عُمدہ وکیل ہے ❖

مُصنّف علیہ الرّحمۃ کی مختصر سوانح عمری

آپ کا اسم مُبارک محمد ہے۔ اور محمد بن محمد بن احمد الطوسی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپکی کُنیت ابوحامد غزالی اور لقب حجۃ الاسلام اور محجۃ الدین ہے۔ جس دین کے ذریعہ دارالسّلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات تمام علوم کے اسباب کی جامع اور معقول و منقول پر حاوی تھی۔ آپ ۴۵۰ھ ہجری میں طوس میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں تھوڑا سا علم فقہ اسی شہر میں علی احمد بن محمد رازکانی سے پڑھا۔ پھر جرجان چلے گئے۔ اور امام ابی نصر اسماعیل سے تعلیم حاصل کرکے طوس میں آگئے۔ اور یہاں تین سال رہکر آموختہ کو حفظ کیا۔ پھر نیشاپور جا کر امام الحرمین کی خدمت میں رہنے لگے۔ یہاں حد درجے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ مذہب۔ خلاف۔ جدل۔ اصُول اور منطق میں ماہر ہو گئے۔ اور حکمت اور فلسفہ کی کتابیں پڑھ کر ان کے مسائل کو بخوبی ذہن نشین کر لیا پھر ان علوم کی کتابوں کے مُصنّفوں کی غلطیاں دُور کرنے کے درپے ہُوئے چنانچہ

ان علوم کے ہر فن پر کتابیں لکھیں۔ آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی۔ تیز نظر۔ عجیب فطرت تیز فہم قوی حافظہ اور غور و خوض کرنے والے تھے۔ دقیق معنوں پر غور کرنا آپ ہی کا حصّہ ہے جب ۴۷۸ھ ہجری میں امام الحرمین کا انتقال ہو گیا۔ تو آپ چھاؤنی میں وزیر جنگ کے پاس چلے گئے۔ جس کی مجلس علما کا مجمع اور جائے پناہ تھی۔ وزیر نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور استقبال کیا۔ وزیر کے ہاں جیّد علما کا مجمع تھا۔ جب کئی بار ان میں مناظرہ مباحثہ اور مجادلہ ہُوا۔ اور ان سب پر آپ کا سرمایہ علمی۔ لیاقت اور ذہانت ظاہر ہو گئی تو آپ کی فضیلت کا سب نے اقرار کیا۔ اور آپ ہی کا تذکرہ ہر وقت ہونے لگا۔ جب کافی شہرت ہو گئی۔ اور وزیر کو آپ کی فضیلت کی تحقیق ہو گئی۔ تو بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم و تدریس کا کام آپ کے سپرد ہُوا۔ چنانچہ آپ نے جمادی الاوّل ۴۸۴ھ کو یہ کام شروع کیا۔ اہل عراق آپ کی لیاقت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ آپکی قدر و منزلت لوگوں کی نگاہوں میں اس قدر ہُوئی۔ کہ اُمرا اور اکابر تو درکنار بادشاہوں سے بھی بڑھ گئی۔ جب آپ کے شاگردوں اور مستفیدوں کا گروہ بکثرت ہو گیا۔ تو آپ یہ کام چھوڑ ذیقعد ۴۸۸ھ میں حج کو روانہ ہُوئے۔ اور اپنی جگہ اپنے بھائی کو تدریس کے کام پر لگایا۔ جب ۴۸۹ھ میں دمشق میں واپس آئے۔ تو فقر و زہد میں چند ہفتے گذار کر بیت المقدس چلے گئے۔ اور مدّت تک وہاں رہے۔ پھر جب دمشق آئے۔ تو یہاں پورے دس سال جامع مسجد کے مغربی مینار میں رہے۔ اور یہیں پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ احیاء العلوم بھی یہیں پر کی تصنیف ہے۔ لیکن آپ کی اس لیاقت و فضیلت کا کسی کو علم تک نہ ہُوا۔ جب انہیں آپ کی فضیلت کا حال معلوم ہُوا۔ تو اُنہوں نے علمائے دمشق کی مجلس منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ جس میں علمائے دمشق نے آپ کو بھی بُلایا۔ آپ نے فرمایا کل آؤں گا۔ لیکن راتوں رات مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اسکندریہ میں کچھ مدّت رہنے کے بعد عرب اور اندلس کے بادشاہ سلطان یوسف ابن تاشفین کے پاس جانا چاہا۔ یہ پانسو ہجری کا واقعہ ہے۔ جب اس کی وفات کی خبر سُنی۔ تو شہروں میں پھرتے پھراتے نیشاپور آئے۔ یہاں ناظمیہ مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھانے کا کام کیا۔ پھر شہر طوس میں آکر اپنے گھر کے پاس فقیہوں کے لئے مدرسہ اور صُوفیوں کے لئے خانقاہ بنوائی اور

اپنا تمام وقت کار خیر مثلاً قرآن شریف کا ختم۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مطالعہ۔ تالیف کتب۔ طلباء کی تعلیم۔ دائمی نماز۔ روزہ اور تمام عبادات وغیرہ کے لئے وقف کر دیا۔ جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا۔ تو آپ کے ایک اصحابی نے وصیّت کے لئے عرض کیا تو فرمایا۔ اخلاص کا پابند رہنا۔ پھر وضو کر کے صبح کی نماز ادا کی۔ اور فرمایا میرے لئے کفن درکار ہے۔ چنانچہ کفن لیکر اُسے چُوس کر آنکھوں پر رکھکر فرمایا "سُن لیا اور مان لیا میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا" پھر پاؤں پھیلائے اور رُو بقبلہ ہو کر صبح سے پہلے پہلے فوت ہو گئے۔

آپ کی وفات شہر طوس میں بروز اتوار بتاریخ ۱۴ رجمادی الآخر ۵۰۵ھ ہجری کو ہُوئی (خراسان کے دو شہر طوس کہلاتے ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام طابران اور دُوسرے کا توقان ہے) آپ کا مقبرہ شہر طابران میں ہے۔ آپکے بعض اشعار حسب ذیل ہیں:۔

سقمی فی الحب عافیتی ووجودی فی الھوا عدمی

محبّت میں میرا بیمار ہونا بمنزلہ میرے آرام کے ہے۔ اور عشق میں میرا وجود بمنزلہ میرے عدم کے ہے۔

وعذاب یرتضون بہ فی فمی أحلا من النعم

جو عذاب مجھے دیا جارہا ہے۔ وُہ میرے منہ میں سرور سے بھی میٹھا ہے۔

ما الضر فی محبتکم عندنا واللہ من الم

بخدا! تمہاری محبّت میں کسی رنج والم کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔

ابو المظفر ابیوردی نے آپ کے مرثیہ میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں:۔

بکیٰ علی حجۃ الاسلام حین ثوی من کل حی عظیم القدر اشرفہ

جب حجۃ الاسلام دفن ہو چکے تو ان پر تمام شریف اور عظیم القدر ذی رُوح روئے۔

فما لمن یمتری فی اللہ عبرتہ علی ابی حامد لاح یعنفہ

مضی واعظم مفقود فجعت بہ من لا نظیر لہ فی الناس یخلفہ

حجۃ الاسلام کا فوت ہونا ایک نہایت بڑی چیز کا گم ہونا ہے۔ کیونکہ اسکے بعد انسانوں میں اس کی نظیر موجود نہیں۔ اس مفقودگی سے دل سخت بے قرار ہیں۔

مصنف رحمتہ اللہ علیہ کی حسب ذیل تصانیف ہیں

الوسیط ۔ البسیط ۔ الوجیز ۔ الخلاصتہ ۔ احیاء علوم الدین ۔ الاربعین ۔ شرح الاسماء الحسنی
المستصفی فی اصول الفقہ ۔ المنخول فی اصول الفقہ ۔ بدایتہ الہدایتہ ۔ الماخذ فی الخلافیا
تحصین الماخذ ۔ کیمیائے سعادت فارسی (اس کا عربی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ہے)
المنقذ فی الضلال ۔ البنان المنتحل فی الجدل ۔ شفاء العلیل فی مسالک التعلیل ۔ الاقتصاد
فی الاعتقاد ۔ معیار النظر ۔ محک النظر ۔ بیان القولین الشافعی ۔ مشکوٰۃ الانوار ۔ المستظہری
فی الرد علی الباطنیتہ ۔ تہافتہ الفلاسفہ ۔ المقاصد فی بیان اعتقاد الاوائل وہو اعتقاد
الفلاسفہ ۔ الجام العوام (عن الخوض) فی علم الکلام ۔ الغایتہ القصوی ۔ جواہر القرآن
بیان فضائح الاباحیتہ ۔ غور الدور ۔ فی المسئلتہ السریجیتہ وہو المختصر الاخیر رجع فیہ عن مصنفہ
الاول المسمی بغایتہ الدور فی درایتہ الدور ۔ کشف علوم الآخرۃ ۔ العقیدۃ القدسیتہ ۔ الفتاوی
میزان العمل ۔ مواہم الباطنیتہ فی الرد علیہم ایضاً ۔ حقیقتہ الروح ۔ اسرار معاملات الدین
عقیدت المصباح ۔ المنہج الاعلی ۔ اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار ۔ المعراج ۔ حجتہ الحق ۔
تنبیہہ الغافلین ۔ المکنون فی الاصول ۔ رسالتہ الاقطاب ۔ تسلیم السلاطین ۔ القانون الکلی
(فی التاویل) القربتہ الی اللہ ۔ معیار العلم ۔ مفصل الخلاف فی اصول القیاس ۔ اسرار اتباع
السنتہ ۔ تلبیس ابلیس ۔ المنادی ۔ الاجوبتہ المسکتہ (عن الاسئلتہ المبہتہ) عجائب صنع اللہ
رسالتہ الطیر (فی رد علی من طغی) قاضی القضاۃ تاج الدین السبکی کی کتاب الطبقات الکبری
والوسطی کا اختصار معہ محی الدین الحزامی ۔ طبقات الشافعیہ پر تقریظ ۔ تاریخ وفیات
الاعیان ۔ تاریخ ابن الوردی

مندرجہ بالا صرف وہ کتابیں ہیں ۔ جن سے لوگ عام طور پر واقف ہیں ۔ انکے
علاوہ اور کتابیں بھی ہیں ۔ جن کی واقفیت عام لوگوں کو نہیں ۔ وہ حسب ذیل ہیں :۔
فضائل القرآن ۔ البدور فی اخبار البعث والنشور ۔ الامتثال لمشیتہ اللہ تعالی والعصیان
لما ۔ کشف الاسرار فی سر الاسرار ۔ شرح الارشاد ۔ النفخ والتسویتہ الحقایق فی الدر الفائق ۔
حل الرموز ۔ فاتحتہ العلوم ۔ الرد الجمیل علی صریح الانجیل ۔ شفاء الغلیل فیما وقع فی التوراۃ

والانجیل۔ جامع الحقائق بتجرید العلائق۔ القسطاس المستقیم (موجودہ کتاب) سر العالمین۔ کشف ما فی الدارین۔ قانون الرسول۔ المنازل السائرۃ۔ یواقیت العلوم۔ الاشارۃ المعنویۃ الاسرار الحروفیۃ۔ کتاب الحکمۃ۔ التبر المسبوک فی نصائح الملوک۔ مدخل السلوک الی منازل الملوک۔ مقامات العلماء بین یدی الخلفاء والامراء۔ الکشف والتبیین فی غرور الخلق اجمعین۔ الانیس فی الوحدۃ۔ الحکمۃ فی المخلوقات۔ فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ۔ مغالیط المغرورین۔ الانتصار علی الامام الزناتی۔ الاملاء علی مشکل الاحیاء۔ المعارف العقلیۃ والحکمۃ الالہیۃ۔ مقاصد الفلاسفۃ۔ مکاشفۃ القلوب المقربۃ الی اعلام الغیوب۔ التجرید فی التوحید۔ معارج السالکین۔ کنز القوم والسر المکتوم۔ مذاہب اہل السلف۔ کلمات تقریر علی المقامات (فارسی)۔ الاجوبۃ الغزالیۃ فی المسائل الاخرویۃ۔ مفصل الخلاف۔ الدرج المرقوم فی الجداول (اس کا ذکر منقذ میں بھی ہے) ایہا الولد۔ منہاج العابدین۔ الزہد الفاتح۔ المواعظ فی الاحادیث القدسیہ۔ رسائل فی فتوح القرآن۔ رسالۃ الفہا الی ابی الفتح احمد الدیمی۔ تفسیر الآیۃ التاسعۃ والعشرین من سورۂ یونس علیہ السلام۔ رسالۃ فی معرفۃ اللہ تعالیٰ نور الشمعۃ فی بیان ظہر الجمعۃ۔ المضنون بہ عن غیر اہلہ (جو مصنف کے ساتھ ہی دفن کیا گیا) رسالۃ فی العبادات۔ رسالۃ فی بیان العلم اللدنی۔ رسالۃ فی حقائق العلوم لاہل الفہوم۔ رسالۃ الطیر۔ مقالۃ الفوز (علم کیمیا) الخاتم (طلسمات) الغایۃ والنہایۃ (یہ مجموعہ قصائد ہے جو رسول علیہ السلام کی تعریف میں ہیں)۔

مذکورہ بالا تصنیفات مختلف ممالک کے مختلف کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص انکی تفصیل معلوم کرنی چاہے۔ اُسے بروکلمن کی تاریخ آداب اللغۃ العربیہ لقوستنقلد کی مدارس العرب، اور کوشن صاحب کی حیاۃ الغزالی ومولفاتہ مطالعہ کرنی چاہئیں۔
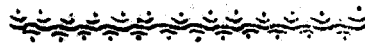
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں۔ بعد ازاں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ بعدہٗ عرض پرداز ہوں کہ بھائیو! کیا تم میں سے کوئی میری اس رام کہانی کو سُنے گا۔ جو میرے اور میرے ایک اہل تعلیم ہمراہی کے مابین گذری۔ اس رفیق نے سوال و جدال سے مجھے تنگ کر مارا اور عمدہ عمدہ دلائل پیش کیں۔ جو گفتگو ہم میں ہوئی۔ اُسے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

رفیق:۔ میں تمہیں کمال معرفت کا مدعی دیکھتا ہوں۔ کس ترازو سے معرفت کی حقیقت کا وزن کرتے ہو؟ آیا رائے اور قیاس کے ترازو سے یہ نہایت مشتبہ اور خلاف ہے۔ اور اس سے لوگوں میں جھگڑا ہوتا ہے۔ یا تعلیم کے ترازو سے۔ بہر حال تمہارے لئے کسی امام معصوم کا اتباع لازم ہے۔ لیکن امام معصوم کی طلب تم میں پائی نہیں جاتی۔

مصنف:۔ رائے اور قیاس کے ترازو کی نسبت میری یہ رائے ہے۔ کہ یہ شیطانی ترازو ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچائے۔ میرے اصحاب میں سے جو شخص اسکو میزان معرفت خیال کرے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کروں گا۔ کہ ایسے شخص کے شر سے دین کو محفوظ رکھے۔ کیونکہ ایسا شخص دین کے لئے جاہل دوست ہے جو عاقل دشمن سے بدتر ہوتا ہے اگر کسی کو اہل تعلیم کے مذہب کی سعادت نصیب ہو۔ تو اسے پہلے طریق جدال قرآن کریم سے سیکھنا چاہیئے۔ جہاں پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے" ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَن "اے محمدؐ! لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعہ لا اور نیک طریقہ سے اُن سے مجادلہ کر۔"

اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت سے بلائے جاتے ہیں۔ وہ اور ہیں اور جو وعظ و نصیحت کے ذریعے بلائے جاتے ہیں اور ہیں۔ اور جو بذریعہ مجادلہ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ پس اگر اہل نصیحت کو حکمت سکھائی جائے۔ تو ایسی ہی مضر پڑتی ہے۔ جیسے شیر خوار بچے کو پرندوں کا گوشت۔ اگر اہل حکمت سے مجادلہ کا استعمال کیا جائے۔ تو وہ اس سے ایسی ہی نفرت کرینگے۔ جیسے طاقتور آدمی انسان کا دودھ

پینے سے۔ اگر اہل جدال سے عمدہ طور سے جیسا کہ قرآن شریف سکھلاتا ہے۔ مجادلہ نہ کیا جائے تو ایسا ہی ہے جیسے بدوی کو گیہوں کی روٹی۔ بدوی کھجور چھوڑ کسی چیز کی رغبت نہیں کرتا۔ اور شہری چھوہارے کو پسند نہیں کرتا۔ صرف گیہوں کو پسند کرتا ہے۔ کاش میرے اس صحابی کو وہ عمدہ طریقہ وتسلی معلوم ہوتی۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قصہ میں یوں ہوا ہے۔ کہ جب آنحضرت نے اپنے دشمن نمرود سے مجادلہ کیا اور نمرود نے پوچھا تیرا پروردگار کون ہے۔ تو جناب نے فرمایا "ربی الذی یحیی و یمیت" "میرا پروردگار وہ ہے۔ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ لیکن جب دیکھا کہ یہ دلیل اس کے مناسب نہیں۔ کیونکہ نمرود نے دو شخص بلا کر ایک کو قتل اور دوسرے کو رہا کر کے کہا۔ کہ دیکھو میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ اس واسطے جھٹ پہلو بدل اس کی سمجھ اور طبیعت کے موافق یہ فرمایا" ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبھت الذی کفر " اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تجھ سے ہوسکتا ہے۔ تو مغرب سے نکال۔ یہ سنکر نمرود حیران رہ گیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بہت جھگڑا نہ کیا۔ بلکہ اسے جتا دیا کہ مردے کو زندہ کرنے کا مطلب سمجھنے میں تو نے غلطی کھائی ہے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ کہ قتل کرنا مار دینا ہے۔ اس مجادلہ ومناظرہ کی تحقیق نمرود کی طبیعت کے موافق اور اس کے عقیدہ قلبی کی حد کے مناسب نہ تھی لیکن آنحضرت کا ارادہ نمرود کے مارنے کا نہ تھا۔ بلکہ زندہ کرنے کا تھا۔ موافق غذا کھلانا زندہ کرنا ہے۔ اور سخت جھگڑنا جو اس کے ناموافق ہو۔ فنا کرنا ہے۔ یہ وہ دقائق ہیں جو سوائے تعلیم کے نور کے معلوم نہیں ہوسکتے۔ جو عالم نبوت کے اشراق سے روشن ہے۔ اسی واسطے اہل فطانت اس سے محروم ہیں۔ کیونکہ وہ مذہب تعلیم کے بھید سے محروم ہیں۔

رفیق:۔ جبکہ تم نے ان کی راہ کو دشوار گذار اور ان کی دلیل کو بودا کہا ہے۔ تو پھر بتاؤ اپنی معرفت کو کس چیز سے وزن کرتے ہو؟

مصنف:۔ میں اسے قسطاس المستقیم (نہائیت ہی ٹھیک اور صحیح ترازو) سے وزن کرتا ہوں۔ جس کا حق و باطل اور استقامت و میلان مجھ پر ظاہر ہے۔ اور یہ بات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قرآن شریف سے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا معلوم ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے" وزنوا

بالقسطاس المستقیم" صحیح اور درست ترازو سے جانچو۔

رفیق۔ قسطاس المستقیم کونسی ہے؟

مصنف۔ وہ پانچ ترازو ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ان سے وزن کرنا سکھایا ہے۔ سو جس نے جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے وزن کرنا سیکھا اور میزان الٰہی سے وزن کیا۔ اس نے ہدائیت پائی۔ اور جو ان سے گمراہ ہو کر رائے اور قیاس کی طرف دوڑا وہ گمراہ اور مردود ہو گیا۔

رفیق۔ قرآن شریف میں ترازوں کا کہاں ذکر ہے؟ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔

مصنف۔ کیا تو نے وہ قول الٰہی نہیں سنا۔ جو سورہ الرحمٰن میں فرمایا ہے وھو ھذا "الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان۔ ...... ووضع المیزان۔ ان لا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان" اللہ تعالےٰ رحمٰن ہے جس نے قرآن شریف سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے بیان سکھایا۔ ..... ترازو وضع کیا۔ تا کہ تم ترازو کے استعمال میں کمی بیشی نہ کرو اور وزن ٹھیک ٹھیک کرو۔ اور کم نہ تولو۔" کیا تم نے سورہ حدید کی یہ آیت نہیں سنی" لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط" ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہرہ نشانیاں دیکر بھیجا ہے اور کتاب اور میزان ان پر اتارے ہیں۔ تا کہ لوگ عدل و انصاف کریں"۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ جس ترازو کا ذکر کتاب کے ساتھ ہوا ہے وہ سونا چاندی یا جو اور گیہوں تولنے والا ترازو ہے یا کیا تمہارا وہم ہے۔ کہ اس آیت میں" والسماء رفعھا ووضع المیزان" میں جس ترازو کا ذکر ہے وہ کانٹا اور ایک پلڑے والا ترازو ہے۔ ایسا خیال راستی سے بہت گرا ہوا اور یہ وہم محض بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تاویل میں ہٹ دھرمی سے کام نہ لو۔ یقین مانو یہ ترازو اللہ تعالیٰ کی شناخت۔ اس کے فرشتوں۔ کتابوں۔ رسولوں اور ملکوت کا ترازو ہے۔ تا کہ تم اس سے وزن کرنے کی ترکیب اس کے انبیاء سے سیکھو۔ جس طرح کہ انہوں نے اس کے فرشتوں سے سیکھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ معلم اول ہے۔ اور جبرائیل معلم دوم اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم معلم سوم۔ تمام خلقت رسولوں سے معرفت الٰہی کی راہ سیکھتی ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر نور کوئی طریقہ نہیں۔

رفیق۔ تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ یہ ترازو درست یا غلط ہے؟ آیا عقل اور نظر سے معلوم

کیا؟ اگر ایسا کیا تو عقلیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ یا امام معصوم صادق سے جو جہان میں حق پر قائم ہے۔ اگر ایسا ہے۔ تو پھر میرا مذہب ہے۔ جس کی طرف میں تجھے بلاتا ہوں۔

مصنف۔ اسے بھی میں نے تعلیم کے ذریعے معلوم کیا ہے۔ لیکن اس معاملے میں میرے امام جناب محمد مصطفےٰ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ میں نے آنحضرت صلعم کی زیارت تو نہیں کی لیکن میں نے آپ کی تعلیم کو سنا۔ جو بذریعہ تواتر مجھ تک پہنچی۔ اور اس تعلیم میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں آنحضرت کی تعلیم قرآن شریف ہے۔ اور قرآن شریف میں ذکر کردہ ترازوؤں کی سچائی بھی نفس قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔

رفیق۔ اپنی دلیل بیان کرو اور قرآن شریف سے ذکر کردہ ترازوؤں کو بیان کرو اور بتاؤ کہ نفس قرآن سے ان کی سچائی اور درستی کیونکر معلوم کی؟

مصنف۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صحت و سقم کیونکر معلوم کرتے ہو۔ کیونکہ ایسا معلوم کرنا تمہارے ذمہ میں فرض ہے۔ اس واسطے کہ اگر تم نے کسی کا قرض دینا ہو تو پورا پورا ادا کرو۔ اور اگر تم نے کسی سے لینا ہو تو بلا زیادتی پورا پورا لو۔ جب تم مسلمانوں کے بازار میں جا کر ترازو لیکر لین دین کرنا چاہو تو کس طرح معلوم کر سکتے ہو۔ کہ کم و بیش نہ لیا دیا جائے؟

رفیق۔ مسلمانوں پر نیک ظن رکھنا چاہیئے۔ وہ لوگ جب تک ترازو کو درست نہیں کر لیتے لین دین نہیں کرتے۔ اگر بالفرض مجھے ترازو کی صحت میں شک ہو تو میں اسے پکڑ اٹھا کر اس کے پلڑوں اور زبانہ کی طرف دیکھتا ہوں۔ اگر ڈنڈی بالکل متوازی الافق ہو اور کوئی پلڑا جھکا ہوا نہ ہو اور بالکل مقابل ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ترازو ٹھیک ہے۔

مصنف۔ فرض کرو سوئی بھی سیدھی عموداً ہے اور پلڑے بھی مقابل ہیں۔ اور ڈنڈی بھی متوازی الافق ہے۔ پھر تم کیونکر معلوم کرتے ہو۔ کہ ترازو صحیح ہے۔

رفیق۔ یہ میں بذریعہ اس ضروری علم کے معلوم کرتا ہوں۔ جو مجھے دو مقدموں سے حاصل ہوا ہے۔ ان مقدموں میں سے ایک تجربی ہے۔ اور دوسرا حسّی۔ تجربی یہ کہ مجھے بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے۔ کہ بھاری چیز نیچے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور جو زیادہ بھاری ہوگا وہ زیادہ جھکیگا۔ پس اگر ایک پلڑا زیادہ بھاری ہوگا تو وہ نیچے کی طرف جھک جائیگا

یہ مقدمہ کلیہ تجربہ ضرورتاً مجھے حاصل ہُوا ہے۔ دُوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ ترازو آنکھ سے دیکھ کر معلوم ہُوا۔ کہ اس کا کوئی پلڑا جُھکا ہُوا نہیں۔ بلکہ ڈنڈی متوازی الافق ہے۔ یہ مقدمہ حِسیہ ہے جسے مَیں نے آنکھ سے مشاہدہ کیا۔ سو مجھے نہ پہلے مقدمہ میں شک ہے نہ دُوسرے میں ان دونوں مقدموں سے ایک ضروری نتیجہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور وُہ یہ کہ ترازو درست ہے۔ اگر کوئی پلڑا بھاری ہوتا۔ تو ضرور وہ جُھکا ہُوا ہوتا۔ اور اب محسُوس ہوتا ہے۔ کہ جُھکا ہُوا نہیں۔ پس معلوم ہُوا کہ وُہ بھاری نہیں۔

مُصنّف۔ یہ تو عقلی قیاس اور رائے ہے۔

رفیق۔ افسوس! یہ ضروری علم یقینی مقدمات سے حاصل ہُوا ہے۔ جن کا یقین تجربہ اور حِس سے ہُوا ہے۔ پھر اسے رائے اور قیاس کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ رائے اور قیاس تو ظنّی اور وہمی ہوتا ہے۔ یہ یقین کو کیونکر رد کر سکتے ہیں۔ اور مَیں ایسا کرنے میں یقین کو رد کرتا محسوس کرتا ہوں۔

مُصنّف۔ اگر دلیل سے تمہیں ترازو کی صحت معلوم ہو جائے۔ تو پھر تم بٹّا وغیرہ کی صحت کا اندازہ کیونکر کرو گے؟ ممکن ہے وُہ صحیح بٹّا سے کم و بیش ہوں۔

رفیق۔ اگر مجھے صحیح بٹّا میں شک پڑ جائے تو میں انہیں اس بٹّا سے اندازہ کرونگا۔ جو معیار مانے گئے ہیں۔ اگر وُہ ان کے مساوی ہونگے۔ تو جان لونگا کہ صحیح ہیں۔ اور ان سے جن چیزوں کا وزن کیا جائے گا۔ وُہ بھی درست اور پُورا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک مسلّمہ اور بدیہی امر ہے کہ جو چیزیں ایک چیز کے مساوی ہوں وہ باہم مساوی ہوتی ہیں۔

مُصنّف۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اصل میں پہلے کس شخص نے ترازو کو وضع کیا اور یہ کہ اس سے وزن کرنا کس نے معلوم کیا؟

رفیق۔ نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ مجھے اس کی ضرورت کیوں ہوئی۔ جبکہ ترازو کی صحت مجھے معلوم کرنا آتی ہے۔ جو مَیں مشاہدہ سے کر سکتا ہوں۔ اسی طرح ترازو کو وضع کرنیوالے کی مراد یہ تھی کہ ترازو کی صحت اور اس سے وزن کرنا آ جائے۔ سو مجھے معلوم ہے جیسا کہ مَیں ظاہر کر چکا ہوں۔ اور مَیں اسے پہچان گیا ہوں۔ اب مجھے یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ترازو کا وضع کنندہ کون تھا۔ کیونکہ ہر دفعہ ایسا کرنا محض طوالت ہے اور نہ ہی ہر وقت اس پر غالب آ سکتے ہیں۔ حالانکہ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

مُصنّف۔ یہ تو مَیں جانتا ہوں کہ تجھے ترازو کی واقفیت ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن مَیں اور بھی زیادہ واقفیت کرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے معلومات اس بارے میں زیادہ ہیں۔ مجھے اس کا وضع کنندہ۔ معلّم۔ استعمال کنندہ وغیرہ معلوم ہیں۔ اس کا وضع کنندہ اللہ تعالیٰ اور معلّم جبرائیل اور استعمال کنندہ حضرت خلیلؑ۔ جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلّم اور تمام انبیاء علیہم السّلام ہیں۔ اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے۔ کہ واقعی وُہ اس کے استعمال میں سچّے اور ماہر ہیں۔ کیا تو اس بات کو مان کر سچ جانتا ہے؟

رفیق۔ آہ! کیونکر اسے سچ نہ مانوں۔ جبکہ تم نے اسے مجھ پر ظاہر کر دیا۔

مُصنّف۔ اب مَیں تجھ میں عقل و دانائی کی خصلت بتاتا ہوں۔ میری یہ سچی خواہش ہے کہ تیرے مذہب کی حقیقت تجھے سُلجھا دوں۔ اب مَیں تجھے قرآن مجید میں ذکر کردہ پانچ ترازو بتاتا ہوں۔ تاکہ تمہیں تمام اماموں سے لا یحتاج کر دوں۔ اور صرف تم جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام ماننے تمہارا رہنما قرآن شریف اور معیار مشاہدہ ہو۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں جن ترازوں کا ذکر ہے۔ اصل میں تین ہیں۔ میزان التعادل۔ میزان التلازم۔ میزان التعاند۔ لیکن میزان التعادل کی تین قسمیں ہیں۔ اکبر۔ وسطی اور اصغر +

موازین التعادل میں سے میزان اکبر کا بیان

رفیق۔ موازین التعادل میں سے پہلے مجھے میزان اکبر سمجھاؤ۔ اور یہ جو مختلف ترازوں کے نام رکھے ہیں مثلاً تعادل۔ تلازم۔ تعاند۔ اکبر۔ اوسط اور اصغر۔ ان کی تشریح کرو۔ کیونکہ گو مجھے اس میں تو کلام نہیں۔ کہ ان کی تحت میں دقیق معانی ضرور ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ القاب مجھے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں +

مُصنّف۔ ان القاب کے معنی تو اس وقت تک نہیں سمجھ سکو گے جب تک مَیں ان کی تشریح نہ کرونگا۔ اور تم ان کے معنی نہ سمجھو گے۔ اس کے بعد ان کے حقائق تمہیں معلوم ہونگے۔ پہلے مَیں تمہیں بتاؤنگا۔ کہ یہ ترازو صُورت میں تو ظاہری ترازو سے نہیں ملتا۔

لیکن حقیقت میں دونوں ملتے جلتے ہیں۔ کیونکہ وُہ ترازو جس کا ذکر میں کرنے کو ہوں روحانی ہے۔ پس وُہ جسمانی کے برابر کب ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی ان کا مساوی ہونا لازم آتا ہے جبکہ جسمانی ترازو بھی مختلف شکل و وضع کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض ایک پلڑے والے اور بعض دو والے اور نہایت نازک۔ اصطرلاب حرکات فلکی کی پیمائش کا ترازو ہے اور مسطر سطروں کا بُعد ناپنے کا آلہ۔ شاقول دیواروں کی سدھائی اور کجی معلوم کرنے کا ترازو۔ اگرچہ ان کی صُورتیں مختلف ہیں لیکن ایک بات میں مشترک ہیں۔ وُہ یہ کہ ان میں کمی بیشی معلوم کی جاتی ہے۔ بلکہ علم عروض شعر کا ترازو ہے۔ جس سے شعروں کے وزن معلوم ہوسکتے ہیں۔ اور سالم اور مزحاف میں تمیز ہو سکتی ہے۔ جسمانی ترازوُں سے یہ زیادہ نازک ہے۔ لیکن پھر بھی اجسام کے علائق سے بری نہیں۔ کیونکہ یہ آوازوں کا ترازو ہے۔ اور آواز جسم کے متعلق ہے۔ سب سے نازک اور سخت ترازو قیامت کے دن کا ترازو ہے۔ جس سے بندوں کے اعمال۔ عقائد اور معارف وزن کیئے جائینگے۔ معرفت اور ایمان کا تعلق اجسام سے نہیں بلکہ رُوح سے ہے۔ اور اسی واسطے ان کا ترازو بھی محض رُوحانی ہے۔ اور قرآن شریف کے ترازو بھی رُوحانی معرفت کیلئے نہیں۔ لیکن عالم شہادت میں غلاف سے ڈھپے ہوئے ہیں۔ اس غلاف سے مراد ان کا اجسام سے تعلق ہوتا ہے۔ اگر جسم نہ ہوتا۔ تو اس جہان میں غیر کی تعریف ناممکن تھی۔ صرف آواز سے ہو سکتی۔ سو آواز جسمانی ہے۔ یا لکھ کر اور وُہ رقوم ہیں جو کاغذ وغیرہ کسی جسمانی چیز پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ بمنزلہ غلاف کے ہیں جو اس کے عوارض ہیں۔ لیکن فی نفسہٖ وُہ محض روحانی ہے۔ اسے اجسام سے کوئی علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس سے معرفت الٰہی وزن کی جاتی ہے۔ جو عالم اجسام سے خارج اور جہت وطرف کی نسبتوں سے پاک ہے۔ اور اجسام کے نفس سے بدرجہا افضل ہے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے پھر بھی اس میں عام ترازو کی طرح عمود اور پلڑے برابر موجود ہیں۔ یہ سب کچھ میزان التعادل میں ہے۔ لیکن میزان التلازم ایک پلڑے والے ترازو سے ملتی جلتی ہے۔ کیونکہ اس کا بھی ایک ہی پلڑا ہے۔ اس کی دُوسری طرف گولا ہوتا ہے۔ جس سے فرق مقادیر معلوم ہوتا ہے۔

رفیق۔ آخر اس رام کہانی کا مطلب؟ وعدہ ہی وعدہ ہے۔ وعدہ ایفائی کا نام نہیں۔

مُصنّف۔ جلدی مت کرو۔ صبر سے کام لو۔ قبل از مرگ کیوں واویلا کرتے ہو۔ یہ

کہو میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ جلدی کام شیطان کا اور آہستگی کام رحمان کا۔
سنو! میزان اکبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جیسے آنحضرت نے
نمرود کے معاملہ میں استعمال کیا۔ اس معاملہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترازو ہے۔
لیکن قرآن شریف کے وسیلہ سے۔ اس کی مفصل کیفیت یوں ہے۔ کہ جب نمرود نے خدائی
دعویٰ کیا۔ اور اسے یہ بات معلوم تھی۔ کہ خدا ہر چیز پر قادر ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت
ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا میرا پروردگار معبود حقیقی ہے۔ کیونکہ وہ مارتا اور
زندہ کرتا ہے۔ اور وہ ان دونو باتوں پر قادر ہے۔ لیکن تو ان دونو پر ہی قادر نہیں نمرود
نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ لیکن نمرود کی
مراد زندہ کرنے اور مارنے سے نطفہ کو بچانا اور انسان کو قتل کرنا تھی۔ یہ سنکر حضرت
ابراہیم علیہ السلام تاڑ گئے۔ کہ یہ مسئلہ یوں اس کی سمجھ میں آنے کا نہیں۔ جھٹ پہلو بدلکر
فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سورج مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو واقعی قادر ہے تو مغرب سے
نکال۔ یہ سنکر نمرود جھوٹا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ یہ ہمارے دلائل صحیح ہیں جو ہم نے
ابراہیم کو دئے۔ اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں حجت اور برہان
ہے۔ جب آنحضرت کے ترازو کو دیکھا۔ اور اس کے وزن کی کیفیت پر غور کیا۔ تو جس
طرح تم نے سونا چاندی تولنے والے ترازو میں دو پلڑے دیکھے اسی طرح میں نے اس حجت
میں دو اصول دیکھے۔ جن کے ملنے سے نتیجہ یعنی معرفت نکلا۔ جو قرآن شریف میں بسبب
ایجاز حذف کیا گیا ہے۔ اس میزان کی پوری صورت شکل یوں ہے۔ جو شخص سورج
کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ وہ معبود حقیقی ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ میرا معبود طلوع
کرنے پر قادر ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونو کے ملنے سے یہ ضروری نتیجہ برآمد ہوتا
ہے کہ اے نمرود! میرا معبود تو نہیں بلکہ اور ہے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ دونو
اصولوں کا اعتراف کرے اور نتیجہ پر شک کرے یا ان دونو اصولوں پر شک کرے
یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارا یہ قول کہ معبود سورج کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ بالکل ٹھیک ہے
اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک معبود وہ ہے۔ جو ہر شئے پر
قادر ہو۔ اور سورج کا نکلنا بھی ایک شئے ہے۔ یہ اصل بوضع و اتفاق سے معلوم ہے۔

ہمارا دوسرا قول کہ جو سورج نکالنے پر قادر ہے وہ تیرے علاوہ اور معبود ہے۔ یہ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ کیونکہ نمرود اور ہر ذی روح کی عاجزی سورج کے متحرک کرنے کے بارے میں ایک حسّی امر ہے۔ معبود سے مراد وہ ذات ہے جو سورج کو حرکت دیتی ہے اور اسے نکالتی ہے۔ پس ہمارے دو نو قولوں سے جن میں سے ایک وضع سے معلوم اور متفق علیہ ہے۔ اور دوسرا مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ نمرود حرکت دینے پر قادر نہیں۔ ان دونو اصولوں کی واقفیت کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ نمرود معبود نہیں۔ اور یہ کہ معبود حقیقی صرف ذات الٰہی ہے۔ اب تم غور کرو۔ اور بتاؤ کہ کیا یہ اصول ان مقدمات تجربی اور حسّی سے جن پر سونے چاندی کے ترازو کی بنا رکھی تھی۔ زیادہ واضح ہیں یا نہیں ؟

رفیق ۔ یہ پہچان لازمی اور ضروری ہے۔ اب میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ ان دونو اصولوں پر شک کروں۔ یا ان سے برآمدہ لازمی نتیجہ پر شبہ کروں۔ لیکن اتنی بات ضروری ہے۔ کہ یہ ترازو صرف ایسے ہی موقع پر اور ایسے ہی طریقہ پر جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے استعمال کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ نمرود کی خدائی کی تردید اور معبود حقیقی کی خدائی کی تائید میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ اس سے باقی کے مشکل معارف کا کیونکر اندازہ کر سکتا ہوں۔ اور حق و باطل میں کیونکر تمیز کر سکتا ہوں۔

مصنف ۔ جو شخص ترازو سے سونا تول سکتا ہے۔ وہ اس ترازو سے چاندی اور جواہرات کا بھی وزن کر سکتا ہے۔ کیونکہ وزن دار چیز کا وزن کرتا ہے۔ خواہ سونا ہو خواہ چاندی اسی طرح اس دلیل سے ہم پر نہ صرف اس کے عین کی شناخت ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ بہت سے حقائق میں سے ایک حقیقت اور بہت سے معانی میں سے ایک معنی اب ہم غور کرتے ہیں۔ کہ جب اس سے یہ نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے۔ اور ہم اس کی روح کو لیتے ہیں اور اس خاص مثال سے علیحدہ کر کے اس سے جہاں چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ لازم آتا ہے۔ صفت کا حکم موصوف پر ضروری ہوتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ میرا پروردگار نکالنے والا ہے۔ اور نکالنے والا معبود ہے۔ پس ان سے لازم آتا ہے۔ کہ میرا پروردگار معبود ہے۔ نکالنے والا پروردگار کی صفت ہے۔ نکالنے والا ہونا معبود ہونے کی علامت ہے۔ اس واسطے میرا پروردگار معبود ہے۔ اسی طرح ہر ایک موقع پر

مجھے شے کی صفت اور اس سے اس کی شناخت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس سے موصوف کی شناخت بآسانی ہو سکتی ہے۔

رفیق۔ اس کا سمجھنا میری سمجھ کے لئے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر بالفرض مجھے اس میں شک پڑ جائے۔ تو پھر میں اس شک کو کیونکر رفع کروں؟

مصنف۔ اس کا مقررہ معیار سے مقابلہ کرو۔ جیسا کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صورت میں کرتے ہو۔

رفیق۔ میں کہاں سے مقررہ معیار لوں۔ اور اس فن میں مقررہ بٹا کونسا ہے؟

مصنف۔ اس میں مقررہ بٹا وہ ضروری یقینیات ہیں۔ جو یا حسی ہیں یا تجربی یا عقلی یقینیات میں دیکھو۔ کیا تم خیال کرتے ہو۔ کہ صفت سے موصوف مدلول نہیں ہو سکتا ہو سکتا ہے۔ مثلاً جب تمہارے سامنے سے ایک پھولے ہوئے پیٹ والا حیوان (خچر) گذرے۔ اور پاس سے ایک شخص کہہ دے۔ کہ یہ خچر حاملہ ہے۔ تو کیا تم اسے یہ نہیں کہو گے کہ خچر بانجھ ہوا کرتی ہے۔ یہ بچہ نہیں جنتی۔ تو وہ کہیگا کہ یہ تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ مجھے اس بات کا تجربہ ہے۔ کہ خچر بچہ نہیں جنتی۔ پھر تم اس سے پوچھ سکتے ہو کہ کیا یہ خچر نہیں۔ وہ کہیگا ہاں یہ خچر ہے۔ کیونکہ اس کے خچر ہونے کا علم مجھے بذریعہ حس حاصل ہے۔ پھر تم پوچھ سکتے ہو۔ کہ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ یہ حاملہ نہیں۔ تو وہ بالضرور کہیگا۔ کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ جبکہ دو اصول معلوم ہیں۔ جن میں سے ایک حسی ہے دوسرا تجربی۔ پھر خچر کا بانجھ ہونا ان سے بطور ایک ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ جس طرح کہ ترازو کے بارے میں اس کی صحت کا اندازہ ایک تجربی یعنی بھاری چیز جھک جاتی ہے۔ اور حسی یہ کہ کوئی پلڑا ایک دوسرے سے بھاری نہیں۔

رفیق۔ اب میں واضح طور پر سمجھ گیا ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ صفت کے حکم سے موصوف کا حکم لازم آتا ہے۔

مصنف۔ ذرا سوچو۔ تمہارا یہ قول کہ یہ خچر ہے وصف ہے۔ اور صفت خچر ہے۔ اور تمہارا یہ قول تمام خچر بانجھ ہیں حکم ہے۔ اس خچر پر جس کی صفت بانجھ ہونا ہے۔ پس خچر سے موصوف تم ہونے سے اس کا بانجھ ہونا لازم آتا ہے۔ اسی طرح اور مثال لو۔ تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ کیڑے بھی حیوان ہیں۔ جب ان دو باتوں میں تمہیں کسی

قسم کا شبہ نہیں۔ تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ کیڑے بھی صاحب حس ہیں۔ اس میں کیونکر شبہ ہو سکتا ہے۔ اس (قیاس اقترانی) کا طریق یوں ہے۔ تمام کیڑے حیوان ہیں۔ تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ پس تمام کیڑے صاحب حس ہیں۔ کیونکہ تمہارا یہ قول کہ تمام کیڑے حیوان ہیں کیڑوں کی صفت ہے۔ اس واسطے کہ وُہ حیوان ہیں۔ اور حیوان ہونا ان کی صفت ہے۔ جب حیوانات پر احساس کا حکم لگا چکے ہو۔ خواہ وہ احساس جسمانی ہو یا غیر جسمانی۔ تو اس میں کیڑے ضرور داخل ہیں۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہاں یہ شرط ضروری ہے۔ کہ صفت موصوف کے مساوی ہو یا اس سے عام۔ حتیٰ کہ حکم موصوف پر مشتمل ہو۔ ایک اور مثال سُنو۔ جس شخص نے اس نظر فقہی کو تسلیم کیا ہے۔ کہ ہر قسم کی شراب منشی ہوتی ہے اور ہر ایک منشی شے حرام ہے۔ پھر کوئی وجہ ہے کہ ہر قسم کی شراب کے حرام ہونے میں شک کرے۔ کیونکہ منشی ہونا شراب کی صفت ہے اور اس پر تحریم کا حکم ہے۔ جو شراب پئے گا اس میں موصوف بھی ضروری داخل ہو گا۔ اسی طرح تمام نظریات کا حال ہے۔

رفیق۔ اب میں سمجھ گیا ہوں۔ کہ یہ ضروری ہے کہ دو اصُولوں کے مناسب طور سے ملنے سے ایک ضروری اور لازمی نتیجہ بر آمد ہوتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ کی برہان صحیح اور آنحضرت کا ترازو درست ہے۔ نیز یہ بھی آپ نے سکھلا دیا۔ کہ اس ترازو کی حد۔ حقیقت۔ معیار کیا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے۔ کہ میں مشکل اور ظنی امور میں اس ترازو کا استعمال سیکھ جاؤں۔ کیونکہ جو مثال آپ نے دی ہے۔ یہ بنفسہٖ واضح ہے۔ اس کو ترازو اور برہان کی ضرورت نہیں۔

مصنف۔ افسوس! بعض مثالیں بنفسہٖ معلوم نہیں بلکہ وُہ دو اصُولوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ حیوان بانجھ ہے۔ اس وقت تک معلوم نہیں ہوتا۔ جب تک بذریعہ حس یہ نہ جانتا ہو کہ یہ خچر ہے۔ اور بذریعہ تجربہ اسے معلوم نہ ہو۔ کہ خچر نہیں جنتی ان دو باتوں میں سے پہلی بنفسہٖ واضح ہے۔ لیکن اس کا دو اصُولوں ماں اور باپ سے پیدا ہونا ضروری ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ بھی بنفسہٖ واضح نہیں بلکہ بذریعہ غیر واضح ہے۔ حس کے دو لو اصُول واضح ہیں۔ لیکن پھر بھی تجربے اور مشاہدے کے بعد۔ اسی طرح شراب کا حرام ہونا بنفسہٖ واضح نہیں۔ بلکہ یہ بھی دو اصُول کا نتیجہ ہے۔ جس میں

ایک یہ ہے: شراب منشی شے ہے، اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے۔ دوسری یہ ہے، ہر منشی شے حرام ہے، اور یہ بات شارع صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی ہے پس یہ ہے اس ترازو سے وزن کرنے کی کیفیت۔ اگر تم اس سے بھی زیادہ نازک مثال لینا چاہو۔ تو بے شمار مل سکتی ہیں۔ ہم نے اس ترازو سے بیشمار غوامض کا وزن کیا ہے۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ انسان بنفسہ حادث نہیں کیونکہ اس کا سبب اور صانع ہے اور عالم ہے۔ اور وہ صانع عالم بھی ہے۔ میں کہتا ہوں، ہر ایک جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے، عالم یا انسان کا اختصاص اسی قدر ہوتا ہے جس قدر وہ جائز ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی سبب ہے۔ اس نتیجہ پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ جس نے کہ دونوں اصولوں کو تسلیم کر لیا ہے اور ان دونوں کو پہچان لیا ہے لیکن اگر دونوں اصولوں پر شک ہے۔ تو وہ دونوں اصول الگ الگ کسی دو اصولوں کا نتیجہ ہیں۔ حتیٰ کہ اس طرح کرتے کرتے یقینیات تک پہنچ جائیں گے۔ جن میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ علوم خفی اولیہ علوم غامضہ جلیلہ کے اصول ہیں۔ وہ بمنزلہ بیج ہیں۔ ان سے پھل وہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو انہیں بوئے۔ پرورش کرے اور دو دو کو ملا کر ان سے نتیجہ پیدا کرے۔

اگر تم یہ کہو کہ مجھے ان دونوں اصولوں پر شک ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا۔ کہ ہر ایک جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ اور یہ کہ انسان کا اختصاص مقدار مخصوص سے جائز ہے۔ لیکن واجب نہیں تو میں کہونگا کہ میرا یہ قول کہ، ہر ایک جائز کا سبب ہوتا ہے، بالکل واضح ہو جائے گا۔ جب تم جائز کے معنی سمجھ لوگے۔ جائز سے میری مراد یہ ہے کہ جو مساوی دو قسموں میں مشترک ہو۔ جب دو چیزیں مساوی ہوں۔ تو پھر ان میں سے ایک عدم و وجود دونوں سے مخصوص نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو ایک چیز کے لئے ثابت ہوگا۔ وہ دوسرے کے لئے ضرور ہوگا۔ اور یہ ایک یقینی امر ہے۔ اور میرا یہ قول کہ اس قدر انسان کا اختصاص جائز ہے واجب نہیں، ایسا ہی ہے جیسے میں کہوں کہ خط جسے کاتب نے لکھا ہے اور اس کی مقدار مخصوص ہے جائز ہے۔ کیونکہ خط بحیثیت خط ہونے کے اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں۔ بلکہ اس سے چھوٹا اور بڑا خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خاص مقدار سے مخصوص ہونا نہ وہ لمبا ہو نہ چھوٹا اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ ضروری

اس کا فاعل کوئی ہے۔ کیونکہ اس کی مقادیر مساوی ہیں۔ اور یہ ضروری ہے۔ جیسے انسانی شکل میں مقادیر کا تناسب۔ اس کی اطراف کا مساوی ہونا۔ پس ضروری ہے کہ انسان کا بنانے والا کوئی ہو۔ اس سے ترقی کرکے میں یہ کہوں کہ اس کا فاعل عالم بھی ہے۔ تو درست ہے۔ کیونکہ جو فعل مرتب اور محکم ہو اس کا فاعل ضرور عالم ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی وجود کی بنا مرتب و محکم ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب اور تدبیر کو ضرور فاعل کے علم سے منسوب کیا جائیگا۔ یہ دونوں اصول ہیں۔ جب ان میں تمہیں شک نہیں۔ تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ ضرور ہے کہ اس میں شک و شبہ نہ ہوگا۔ ان دو اصولوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ انسانی بنیاد مرتب و محکم ہے۔ یہ بات اعضا کے تناسب اور ہر ایک عضو کا کسی خاص مطلب کے لئے بنائے جانے مثلاً ہاتھ پکڑنے کے لئے۔ پاؤں چلنے کے لئے۔ وغیرہ۔ اور اعضاء کی تشریح سے معلوم ہوتی ہے۔ مرتب اور منظوم کا علم کی طرف محتاج ہونا بھی واضح ہے۔ اس میں شک و شبہ نہیں۔ عقلمند آدمی اس بات پر شک نہیں کرتا کہ با قاعدہ خط اسی کا ہوتا ہے جو علم کتابت کا عالم ہو۔ گو وہ قلم کے ذریعے لکھا جاتا ہے جیسے وہ نہیں جانتا۔ اسی طرح عمارات مفیدہ مثلاً گھر۔ حمام وغیرہ وہی شخص بنا سکتا ہے جو تعمیر کے کام کا عالم ہو۔ پس اگر کسی شے میں شبہ پڑ بھی جائے تو اس کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ان سے جو زیادہ واضح اصول ہیں انکی طرف چلو۔ حتیٰ کہ یقینیات اور بدیہیات تک پہنچ جاؤ۔ اس کی تشریح ہماری علت غائی نہیں۔ بلکہ ہماری غرض تو یہ ہے کہ یقینیات کو اس طرح ملا کر ان سے نتائج نکالیں جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نکالا۔ اور یہ ترازو حقیقت کی پہچان کیلئے مفید ہو سکے۔ اس کا بطلان گویا اس تعلیم کا بطلان ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو دی اور نیز اس تعریف کا جھٹلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کی "تلک حجتنا اتینٰھا ابراھیم علی قومہ" گو رائے سچی ہو یا نہ ہو لیکن تعلیم ضرور سچی ہے اس کے جھٹلانے میں سراسر رائے اور تعلیم دونوں کا جھٹلانا ہے۔

میزان اوسط کے بیان میں

رفیق۔ میں میزان اکبر۔ اس کی حد۔ اس کا معیار۔ اس کی حقیقت اور اس کا استعمال سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے بتائیں کہ میزان اوسط کیا شے ہے؟ اس کی تعلیم کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ کس نے اسے وضع کیا؟ اور کس نے اسے استعمال کیا؟

مصنف۔ میزان اوسط بھی حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ نے استعمال کی۔ جبکہ آنحضرت نے فرمایا۔ لا احب الافلین۔ میں غروب ہونے والے سے پیار نہیں کرتا۔ اس ترازو کی مفصل کیفیت یوں ہے چاند غروب ہوتا ہے۔ معبود غروب نہیں ہوتا لیکن قرآن شریف میں ایجاز و اختصار سے کام لیا لیکن معبود کی نفی کا علم چاند سے براہ راست حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک ان دو اصول سے واقف نہ ہو اور وہ یہ ہیں۔ چاند غروب ہونے والا ہے۔ اور معبود غروب نہیں ہوتا۔ جب ان دونوں اصول سے واقف ہو جاؤ گے۔ تو پھر چاند سے معبود کی نفی سمجھ جاؤ گے۔

رفیق۔ اس میں تو مجھے شک نہیں کہ چاند معبود نہیں۔ کیونکہ یہ دو تو مشہور اصولوں سے بطور نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ چاند غروب ہونے والا ہے۔ جو ایک حسی امر ہے۔ لیکن معبود غروب نہیں ہوتا۔ یہ نہ ضروری ہے نہ حسی۔

مصنف۔ اس ترازو کے بیان سے میری یہ غرض نہیں۔ کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ چاند غروب ہونے والا نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ ترازو صحیح اور درست ہے۔ اور اس سے یوں شناخت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو علم اس بارے میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تھا۔ وہ یہ تھا کہ معبود غروب نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ علم اولیات سے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دو اصولوں کا نتیجہ تھا۔ وہ یہ کہ معبود متغیر نہیں ہوتا، ہر ایک متغیر حادث ہوتا ہے، اور غروب ہونے والا متغیر ہوتا ہے، ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ معبود غروب نہیں ہوتا، وزن کی بنا معصوم پر تھی۔ لو تم بھی ترازو لیکر استعمال کرو۔ تاکہ تمہیں بھی دو اصولوں سے علم حاصل ہو۔

رفیق۔ میں بالضرور سمجھ گیا ہوں۔ کہ یہ ترازو سچا ہے۔ اور یہ شناخت دو اصولوں کا

لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تم اس ترازو کی حد اور حقیقت کی شرح کرو۔ اور مشہور و معروف بٹ کے معیار کی تشریح سمجھا دو۔ بعد ازاں مشکوک اور باریک معاملات میں اس کا استعمال بتاؤ۔ کیونکہ چاند کا معبود نہ ہونا ایک واضح امر ہے۔

مصنف۔ اس کی حد یہ ہے۔ کہ ہر ایک شل وصف سے موصوف ہوتی ہے۔ لیکن ایک کا وصف دوسرے سے مسلوب ہوتا ہے۔ اور وہ دو تو الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے وصف کو مسلوب کرتا ہے۔ لیکن خود اس وصف سے موصوف نہیں ہوتا۔ میزان اکبر کی حد یہ تھی۔ کہ جو عام پر صادق آتا ہے وہ خاص پر بھی صادق آتا ہے۔ لیکن میزان اوسط کی حد یہ ہے۔ کہ جو ایک کے لئے نفی ہے وہ دوسرے کو ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ غیر سے الگ ہوتی ہے۔ مثلاً معبود اپنے آپ سے غروب ہونے کی نفی کرتا ہے۔ لیکن چاند غروب ہونے کا اثبات کرتا ہے۔ پس یہ اختلاف معبود اور چاند میں ہے۔ کہ نہ چاند معبود ہے نہ معبود چاند۔ اللہ تعالیٰ نے اس ترازو سے وزن کرنا جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں بہت سے موقعوں پر سکھایا۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھایا تھا۔ میں صرف دو موقعوں پر اکتفا کروں گا۔ باقی قرآن شریف کی آیتوں میں سے معلوم کر لینا۔ ان دو میں سے ایک یہ ہے۔ قولہ تعالیٰ "قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق" اور یہ اس واسطے فرمایا۔ کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے قسطاس المستقیم سے ان کے خطاب کے اظہار کی کیفیت انہیں سکھائی۔ چنانچہ فرمایا "قل فلم یعذبکم بذنوبکم" اس کی مفصل کیفیت یوں ہے۔ کہ بیٹے عذاب نہیں دئے جاتے۔ اور تم عذاب دئے جاتے ہو۔ پس تم بیٹے نہیں۔ یہاں دو اصل ہیں۔ بیٹے عذاب نہیں دئے جاتے، یہ بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے اور تم عذاب دیئے جاتے ہو، بذریعہ مشاہدہ معلوم ہوا ہے۔ ان دونوں سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تم بیٹے نہیں۔ ایک اور موقع پر قرآن مجید میں فرمایا ہے "قل یا ایہا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم" اسے محمد! آپ یہود کو کہہ دو۔ کہ اگر تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا دوست خیال کرتے ہو۔ تو موت کی خواہش کرو بشرطیکہ تم سچے دوست ہو۔ اور اپنے اعمال کا احسان ہرگز اسے نہ جتاؤ

یہ اس واسطے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ ظاہر ہے
کہ دوست دوست کے دیدار کی خواہش کرتا ہے ۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اس موت کے
خواہشمند نہیں۔ جو دوست کے دیدار کا سبب ہے۔ پس اس سے ضروری نتیجہ نکلتا ہے
کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں۔ اس میزان کی مفصل صورت یوں ہے ہر ایک دوست
اپنے دوست کے لقا کی خواہش کرتا ہے، لیکن یہودی اللہ تعالیٰ کے لقا کی خواہش نہیں کرتے
پس ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں، اس ترازو کی حد
یہ ہے۔ کہ دوست تمنا سے موصوف ہوتا ہے۔ اور یہود سے اس وصف کی نفی کی گئی ہے
پس ولی اور یہودی بالکل مختلف ہوئے۔ کیونکہ جو شے ایک میں پائی جاتی ہے دوسرے
میں نہیں۔ پس نہ ولی یہودی ہو سکتا ہے۔ نہ یہودی ولی۔ اس ترازو کے مقررہ بٹ
میرے پاس نہیں۔ جبکہ تم باوجود اس قدر وضاحت کے اس کے محتاج ہو۔ اگر تم بطور
مدد چاہتے ہو۔ تو لو میں بتائے دیتا ہوں۔ دیکھو! جب تمہیں معلوم ہے۔ کہ پتھر جماد
ہے۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ انسان جماد نہیں۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ
"انسان پتھر نہیں"؟ کیونکہ جمادیت پتھر کے لئے ثابت ہے اور انسان سے جمادیت کی نفی
ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسان پتھر سے الگ ہے۔ اور پتھر انسان سے الگ۔
پس کوئی انسان پتھر نہیں۔ اور کوئی پتھر انسان نہیں۔ رہا باریک موقع پر اس کا استعمال
سو اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔ معرفت کا ایک پہلو تقدیس ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بعض
باتوں سے پاک سمجھنا اس قسم کے تمام معارف اسی ترازو سے وزن کئے جاتے ہیں۔
حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس ترازو کو تقدیس کے موقعہ پر استعمال کیا۔ اور
ہمیں بھی اس سے وزن کرنا سکھایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے جسمیت کی نفی کی۔ اور
وہ یوں ہے "اللہ تعالیٰ جوہر متمیز نہیں" کیونکہ اللہ تعالیٰ معلول نہیں۔ اس واسطے کہ ہر ایک
متمیز جو خاص چیز سے مخصوص ہوتا ہے معلول ہے۔ پس اس سے لازمی نتیجہ برآمد ہوتا
ہے۔ کہ "وہ جوہر نہیں" اور یہ کہنا کہ وہ عرض بھی نہیں، یوں ثابت ہوتا ہے کہ عرض حی اور
عالم نہیں ہوتا، لیکن معبود حی اور عالم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں۔ اسی طرح
تقدیس کے تمام معاملات کی شناخت دو اصولوں کو ملا کر ان سے نتیجہ نکال کر ہو سکتی ہے
ان دو اصولوں میں سے ایک سالبہ ہو جس کا مضمون نفی ہو اور دوسرا موجبہ جس کا مضمون

اثبات ہو۔ اور ان سے جو نتیجہ برآمد ہو گا وہ بالضرور نفی اور تقدیس ہو گی۔

میزان اصغر کے بیان میں

رفیق ۔ میزان اوسط و اکبر کو تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے میزان اصغر۔ اسکی حد۔ اس کا معیار۔ اس کا موقع استعمال وغیرہ سمجھائیں۔

مصنّف ۔ میزان اصغر ہم نے اللہ تعالیٰ سے سیکھی ہے۔ جبکہ اس نے جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں یوں سکھایا۔ قولہ تعالیٰ "وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نوراً وھدی للناس" انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہٗ قدر نہ کی۔ جبکہ انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے کونسی ایسی چیز انسان پر نازل کی۔ سولے محمدؐ! ان سے یہ تو پوچھ۔ کہ جو کتاب موسےٰ علیہ السلام لائے اور جو انسانوں کے واسطے سراسر نور اور ہدایت تھی کس نے اُتاری؟ اس ترازو سے وزن کرنے کا طریق یوں ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ انسان پر وحی نازل نہیں ہوتی جھوٹ ہے۔ کیونکہ مندرجہ ذیل دو اصولوں کے نتیجہ سے اس کا بطلان ثابت ہے۔ وہ اصول اور ان کا نتیجہ یہ ہیں موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں، موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی، ان دو سے یہ لازمی اور خاص نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ بعض انسانوں پر کتاب نازل ہوتی ہے، اور اس سے یہ باطل ہو جاتا ہے۔ کہ انسان پر کتاب نازل ہی نہیں ہوتی۔ ان دو اصولوں میں سے پہلا موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں، حس ہے۔ دوسرا موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی، یہ ان کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ توریت کی بعض باتیں چھپاتے تھے۔ اور بعض ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یبدونھا و یخفون کثیرا" یہ معرض مجادلہ میں بطریق احسن فرمایا ہے۔ اور مجادلہ کی خاصیت بھی یہ ہے۔ کہ اس میں دو اصول ہوں جنہیں حریف تسلیم بھی کرتا ہو اور ہوں بھی مشہور۔ اگر ان میں غیر مسلم کے لئے شک کا امکان ہو۔ تو نتیجہ یہ کہ وہ اس کا معترف ہو۔ قرآن شریف کی اکثر دلیلیں اسی قسم کی ہیں۔ اگر تمہارے دل میں بعض اصول اور مقدمات کی نسبت شک پیدا ہو۔ تو یاد رکھو اس کا

اصلی مقصود یہ ہے۔ کہ باہم ایسے دلائل پیش کئے جائیں جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ تمہارا اصلی مقصود یہ ہے۔ کہ اس ترازو سے تمام موقعوں پر وزن کر سکو۔ اس کا معیار یہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا۔ اسے کہو کہ سانپ بھی حیوان ہے جو بغیر پاؤں کے چلتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض حیوان بغیر پاؤں کے چلتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا، باطل ہے۔ اس ترازو کے استعمال کے مواقع بکثرت ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ ہر ایک جھوٹ بُرا ہے تو ہم اسے کہیں گے کہ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی کو ظالم سے چھپا دے۔ اور ظالم اس سے پوچھے کہ کہاں چھپایا ہے۔ اور وہ اسے نہ بتائے۔ اور کہدے کہ مجھے معلوم نہیں۔ یہ ہے تو سراسر جھوٹ لیکن بُرا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ سچ بولتا۔ تو نبی یا ولی مارا جاتا۔ اس کا سچ بولنا بُرا تھا۔ بہ نسبت جھوٹ بولنے کے۔ ہم اسے کہتے ہیں کہ میزان کی طرف دیکھ۔ ایک اصل تو یہ ہے کہ موقع پر چھپا دینا جھوٹ ہے، یہ اصل معلوم ہے۔ دوسرا اصل، بُرا نہیں، ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ایک جھوٹ بُرا نہیں۔ اب سوچ کر کیا تمہیں اس نتیجہ میں شک ہے جبکہ ان دو نو اصولوں کو مانتے ہو۔ اور کیا یہ اس سے زیادہ واضح ہے۔ جو میں نے میزان تقدیس میں مقدمہ تجربی اور حسی بیان کیا تھا۔ اس ترازو کی حد یوں ہے کہ دو صفتیں ایک شے کے لئے تسلیم کی جاتی ہیں بعض ان میں سے ضروری ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام سے موصوف ہو۔ بلکہ بعض احوال میں ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔ مثلاً انسان میں حیوانیت اور جسمانیت دونو ہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ بعض جسم حیوان ہیں۔ لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ تمام جسم حیوان ہیں۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہر حیوان جسم ہے۔ کیونکہ جب ایسی صفت سے موصوف ہو جو ہر حالت میں ضروری نہ ہو۔ اس سے ضروری معرفت حاصل نہیں ہوتی +

رفیق۔ میں یہ تینوں میزان سمجھ گیا ہوں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کو اکبر۔ اوسط اور اصغر سے کیوں موسوم کیا گیا ہے ؟

مصنف۔ اکبر اس واسطے کہ اس سے بہت سی چیزوں کا وزن ہو سکتا ہے۔ اور اصغر اس کے خلاف۔ اوسط دونو کے بین بین میزان اکبر سب سے وسیع ہے۔ کیونکہ اس سے عام و خاص کا اثبات و نفی ہر دو ہو سکتے ہیں۔ یعنی چاروں قسم کے معارف وزن

کیئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے ترازو سے صرف نفی لیکن عام و خاص دونوں کی۔ تیسرے سے صرف خاص خاص معارف جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ کہ جب دو وصف ایک چیز میں ہوں۔ تو جس چیز میں ان میں کا ایک وصف ہو۔ وہ صرف جزئی طور پر اس میں شامل ہوتی ہے۔ اس واسطے اس ترازو کو اصغر کہا گیا ہے۔ اب رہا شیطان کے ترازوں سے حکم عام کا وزن کرنا۔ جس سے اہل تعلیم نے بعض معارف کو وزن کیا۔ اور اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ میں داخل کیا جہاں پر فرماتے ہیں "ھذا ربی ھذا اکبر" انشاء اللہ عنقریب ہی میں ان کا ذکر کروں گا +

میزان التلازم کے بیان میں

رفیق۔ میں میزان تعادل کی تینوں قسموں سے واقف ہو گیا ہوں۔ اب مجھے میزان التلازم کا مطلب سمجھائیے۔

مصنف۔ یہ میزان حسب ذیل اقوال الٰہی سے مستفاد ہے "لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا" "قل لو کان معہ آلھۃ کما تقولون اذا لا بتغوا الیٰ ذی العرش سبیلا" "لو کان ھؤلاء آلھۃ ما وردوھا" اس ترازو کی صورت کی تحقیق یوں ہے "اگر جہان میں دو معبود ہوتے تو بگاڑ ہوتا" یہ ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس میں بگاڑ نہیں، یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں سے یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ دو معبود نہیں بلکہ ایک ہے نیز "اگر صاحب عرش کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا۔ وہ صاحب عرش کی طرف رستہ کی خواہش کرتے" ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہ خواہش نہیں کرتے، پس اس سے اس معبود کی نفی لازم آتی ہے جو صاحب عرش کے سوا ہے۔ اس ترازو کا معیار معلومہ بتوں سے یوں کیا جاتا ہے۔ اگر سورج نکلا ہو تو ستارے چھپ جاتے ہیں۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر اگر تم کہو کہ سورج نکلا ہوا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ستارے چھپے ہوتے ہیں۔ نیز اگر تم یہ مانو کہ فلاں شخص نہیں کھاتا۔ تو سمجھو کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے۔ پھر اگر معلوم ہو جائے۔ کہ اس نے کھانا کھایا ہے۔ یہ حس سے معلوم ہوا ہے۔ تو تجربی اور حسی دو اصولوں سے یہ ضروری نتیجہ

برآمد ہوتا ہے۔ کہ اس کا پیٹ بھرا ہُوا نہیں۔ پوشیدہ اور دیر فہم مقام پر بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب فقیہہ کہتا ہے۔ کہ اگر غائب کا بیع صحیح ہے تو اس سے صریحًا الزام لازم آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے۔ کہ تصریح الزام لازم نہیں۔ تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ صحیح نہیں۔ پہلا اصل استقرا شرعی سے معلوم ہوتا ہے جو ظن کے لئے مفید ہے۔ اگرچہ وُہ علم کے لئے مفید نہیں اور دُوسرا حریف کے تسلیم کرنے اور اس کی مدد سے نظریات میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر جہان کی بناوٹ اور آدمی کی ترکیب مرتب۔ عجیب اور مضبوط ہے۔ تو اس کا بنانے والا ضرور عالم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جہان و انسان کی بناوٹ اور ترکیب عجیب اور مرتب ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے ایسا دیکھتے ہیں۔ پس اس سے لازم آتا ہے۔ کہ ان کا بنانے والا عالم ہے۔ جب اس سے ہم ترقی کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ اگر ان کا بنانے والا عالم ہے۔ تو وُہ زندہ بھی ہے۔ سو چونکہ میزان اوّل سے معلوم ہے کہ وُہ عالم ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ وُہ زندہ ہو۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر وُہ زندہ اور عالم ہے تو ضرور وُہ بذات خود قائم ہے۔ نہ کہ کسی اور کی مدد سے چونکہ پہلی دو میزانوں سے معلوم ہے کہ وُہ زندہ اور عالم ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے وُہ بذات خود قائم ہے۔ اسی طرح ہم آدمی کی ترکیب کی صفت سے اس کے بنانے والی کی صفت تک ترقی کرتے ہیں یعنی معلوم کرتے ہیں۔ کہ اس کا بنانے والا عالم ہے۔ پھر علم سے زندگی اور زندگی سے ذات تک ترقی کرتے ہیں۔ اور یہ رُوحانی ترقی ہے۔ یہ ترازو آسمان پر چڑھنے کے لئے اور آسمان سے خالق آسمان تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ اور یہ اصُول ان سیڑھیوں کے پائے ہیں۔ جسمانی معارج ہر ایک قوت سے نہیں ہوسکتا۔ یہ نبوت کی قوت سے ہی مخصُوص ہے اس ترازو کی حد یہ ہے کہ جو باتیں کسی خاص چیز کے لئے لازم ہیں وُہ ہر حال میں اس کی تابع ہیں۔ اس واسطے لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم آتی ہے۔ اور ملزوم کے وجود سے لازم کا وجود واجب آتا ہے۔ لیکن ملزوم کی نفی اور لازم کے وجود سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس سے بعض اہل علم اپنی معرفت کو وزن کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ نماز کی درستی کے لئے نمازی کا پاک ہونا لازم ہے۔ پس تمہارا یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر زید کی نماز صحیح ہے تو وُہ پاک ہے۔ لیکن اگر معلوم ہو۔ کہ وُہ پاک نہیں جو لازم کی نفی ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اس کی نماز درست نہیں۔ جو ملزوم کی نفی ہے

اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست ہے۔ جو ملزوم کا وجود ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ جو لازم کا وجود ہے۔ یہ تو درست ہے۔ لیکن اگر تم یہ کہو کہ چونکہ وہ پاک ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز درست ہو۔ ایسا کہنا غلطی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی نماز کسی اور وجہ سے باطل ہوگئی ہو۔ اور یہ لازم کا وجود ہے۔ یہ ملزوم کے وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر تم کہو۔ کہ چونکہ اس کی نماز درست نہیں اس لئے وہ پاک نہیں۔ یہ بھی غیر لازمی خطا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کسی اور شرط کی کمی سے نماز درست نہ رہی ہو۔ یہ ملزوم کی نفی ہے۔ لیکن اس سے لازم کی نفی لازم نہیں آتی۔

میزان التعاند کا بیان

رفیق۔ اب مجھے بتاؤ کہ میزان التعاند کیا چیز ہے۔ اور قرآن شریف میں سے اس کا مقام۔ اس کا پرکھنا اور موقع استعمال سمجھاؤ۔

مصنف۔ قرآن شریف میں اس کا مقام یہ قول الٰہی ہے۔ قولہ تعالیٰ "قل من یرزقکم من السموٰت والارض قل اللہ" جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے محمد کہدے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق پہنچاتا ہے، اور کہدے کہ اللہ تعالیٰ اور میں یا تم ہدایت پر ہو یا گمراہی میں۔ لیکن انا و ایاکم کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں تسویہ اور تشکیک ہے۔ بلکہ اس میں دوسرا اصل چھپا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قول "بے شک اللہ تعالیٰ ہی تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے" گمراہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے مینہ اُتار کر اور زمین میں سے نباتات اُگا کر تمہیں رزق دیتا ہے۔ سو تم اس بات سے انکار کر کے گمراہ بنتے ہو۔ اس میزان کے کمال کی صورت یوں ہے، انا او ایاکم لعلی ضلال مبین، میں یا تم گمراہ ہو، یہ ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہم گمراہ نہیں، دوسرا اصل ہے۔ ان دونو کے ملانے سے ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ کہ تم گمراہی میں ہو۔ مشہور بتوں سے اس کا پرکھنا اس طرح پر ہے۔ فرض کرو ایک شخص ایسے مکان میں داخل ہوتا ہے۔ جس میں دو کوٹھڑیاں ہیں۔ اگر ہمیں ایک کوٹھری میں وہ نہ ملے۔ تو ہم جانتے ہیں کہ وہ دوسری میں ضرور ہوگا۔ یہ نتیجہ بھی دو اصولوں سے

ملکر بنا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ وُہ ایک کوٹھڑی میں ضرور ہے، اور دوسرا یہ کہ اس کوٹھڑی میں بالکل نہیں، ان دونو سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وُہ ضرور دوسری کوٹھڑی میں ہے، اس واسطے کہ جب ہمیں ایک کوٹھڑی میں نہیں ملتا۔ تو دُوسری میں ہم اپنی آنکھوں دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر دوسری میں جاکر آنکھوں سے نہ بھی دیکھیں تو بھی ہمیں اس میزان سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وُہ ضرور دُوسری کوٹھڑی میں ہے۔ یہ علم میزانی ہوگا۔ جو بمنزلہ آنکھوں سے دیکھنے کے ہوگا۔ اس میزان کی حد یہ ہے۔ اگر کوئی چیز دو قسموں پر منحصر ہے تو ایک میں ہونے سے دُوسری میں نفی لازم آتی ہے۔ اور ایک کی نفی سے دُوسری کا اثبات لازم آتا ہے۔ لیکن یہ ضروری شرط ہے کہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر۔ کیونکہ قسم منتشر سے وزن کرنا شیطانی فعل ہے۔ بعض اہل قلم ایسے موقعوں پر اپنے کلام کو اسی سے وزن کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہم قول اصح میں فصل الخلاف کے جواب اور کتاب مستظہری وغیرہ بھی کر دیا ہے۔ پوشیدہ اور دیرفہم موقعوں پر اس کے استعمال کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اور شائید نظریات کا اکثر حصّہ اسی سے وزن کیا جاتا ہے۔ مثلاً موجودات ہی کو لو۔ یا تو تمام موجودات حادث ہے۔ یا اس کا بعض حصّہ حادث ہے اور بعض قدیم۔ اور یہ قاصر ہے۔ کیونکہ یہ نفی اور اثبات کے مابین دائر ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ تمام موجودات حادث نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس میں کچھ حصّہ قدیم ہے۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہم نے یہ کیوں کہا کہ تمام موجودات حادث نہیں تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ اگر تمام موجودات حادث ہو۔ تو اس کا حدوث بنفسہٖ ہوتا اور اس میں اس بات کا حل نہ ہوتا۔ پس یہ کہنا کہ تمام موجودات حادث ہے باطل ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ اس میں موجود قدیم بھی ہے۔ اس میزان کے استعمال کی مثالیں بیشمار ہیں۔

رفیق ۔ اب میں سمجھ گیا کہ حقیقت میں یہ پانچوں ترازو سچے ہیں۔ لیکن صرف اتنی خواہش باقی ہے۔ کہ میں ان کے القاب کے معانی سمجھ جاؤں۔ اور یہ کہ آپ نے پہلی کو میزان التعادل دُوسری کو میزان التلازم اور تیسری کو میزان التعاند کے نام سے کیوں مخصُوص کیا؟

مُصنّف ۔ پہلی کا نام اس واسطے میزان التعادل رکھا۔ کہ اس میں دو اصُول بمنزلہ دو پلڑوں کے ہیں۔ جو ایک دُوسرے کے محاذی ہیں۔ دُوسری کا میزان التلازم اس واسطے

رکھا۔ کہ دو اصُول ہیں ایک اصل کے دو جز ہیں۔ جن میں سے ایک لازم ہے اور دوسرا لزوم مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وکان فیھما آلھتہ الا اللہ لفسدتا" لفسدتا لازم ہے اور لوکان فیھما آلھتہ الا اللہ، ملزوم ہے۔ اس کا نتیجہ لازم کی نفی ہے۔ تیسری کا نام میزان التعاند اس واسطے رکھا۔ کہ نفی اور اثبات پر دو قسمیں منحصر ہیں۔ ایک کے اثبات سے دُوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دُوسرے کا اثبات لازم آتا ہے۔ ان دو قسموں میں تعاند اور تضاد ہے۔

رفیق۔ کیا یہ نام آپ ہی نے رکھے ہیں۔ اور ان کا استخراج بھی آپ ہی نے کیا ہے یا کہیں سے سیکھے ہیں؟

مصنف۔ نام تو میں نے ہی رکھے ہیں۔ رہے ترازو سو انہیں میں نے قرآن شریف سے استخراج کیا ہے۔ ان کے اصُول پہلے ہی سے استخراج کئے ہوئے ہیں متاخرین نے ان کے نام کچھ اور ہی مقرر کئے ہیں۔ اور جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے کی اُمتوں نے کچھ اور ہی نام مقرر کر رکھے تھے۔ اور اُنہوں نے یہ ترازو حضرت ابراہیم اور حضرت موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صحیفوں سے نکالے تھے میں نے ان کے نام و لباس اس واسطے تبدیل کر دیئے ہیں۔ کہ مجھے معلوم تھا کہ تم طبیعت کے کمزور ہو۔ اور تمہارا نفس وہم پرست ہے۔ اور یہ کہ تم ظاہر پر دھوکا کھاتے ہو۔ حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر میں سُرخ شہد پچھنے لگانیوالے کے شیشے میں ڈال کر تمہیں پلاؤں تو تم کبھی نہیں پیو گے۔ کیونکہ تمہاری طبیعت اس سے متنفر ہے۔ تمہاری عقل اس قدر کمزور ہے۔ کہ تم اتنا بھی تمیز نہیں کر سکتے کہ پاک شہد خواہ کسی شیشے میں ہو۔ اسی طرح اگر تم کسی ترک کو گودڑی یا جبّہ وغیرہ پہنے ہوئے دیکھو تو تم اسے صوفی یا فقیہہ خیال کرو گے۔ اور اگر کوئی صُوفی مرد قبا اور کلاہ پہنے ہُوئے ہو تو اُسے ترک خیال کرو گے۔ تمہارا وہم صرف چیزوں کے غلاف اور چھلکے تک ہی رہتا ہے۔ اصل مغز تک نہیں پہنچتا۔ اسی طرح تم بات کو اس کے نفس اور ذات کے لحاظ سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ اس کے حسن صنعت کو اور اس کے قائل کے حسن ظن کو دیکھتے ہو جو اس کی طرف سے تمہارے دل میں بیٹھا ہُوا ہے۔ اگر کسی شخص کے حق میں تمہارا ظن درست ہے تو خواہ اس کی عبارت مکروہ ہی کیوں نہ ہو۔ تمہیں پسند آئے گی۔ لیکن اگر تمہارے نزدیک کہنے والا بُرا ہے تو خواہ وُہ اچھی

بات بھی کرے۔ تم فوراً اس کی بات رد کردو گے۔ اگر تم سے کہا جائے کہ تم "لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ" کہو۔ تو تمہاری طبیعت اس کے کہنے سے نفرت کرے گی۔ اور تم کہہ دوگے۔ کہ یہ تو نصاریٰ کا قول ہے۔ میں اسے کیونکر کہوں۔ اتنا نہیں سمجھوگے کہ یہ قول فی نفسہٖ سچا ہے۔ نصرانی سے نہ اس کلمہ کے لئے ناراض ہونا چاہیئے۔ بلکہ صرف دو کلموں کے لئے ایک یہ خدا تین ہیں اور دُوسرا یہ کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ نہیں۔ اِن دو کے سوا باقی اس کے تمام کلمات سچے ہیں۔ پس جب میں نے دیکھا۔ کہ تم اور تمہارے اہل تعلیم رفیق صرف چیز کے ظاہر پر ہی دھوکا کھاتے ہو۔ اصل حقیقت تک نہیں پہنچتے اس واسطے تمہیں دوائی پانی کے کوزے میں پلائی۔ جس سے تمہیں شفا ہوئی۔ اور تمہارے ساتھ میں نے ویسی نرمی اور مہربانی کی جیسی ایک طبیب مریض کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اگر میں تمہیں کہہ دیتا کہ یہ دوائی ہے اور اسے دوائی کے پیالے میں تمہیں دیتا۔ تو تمہاری طبیعت اس سے نفرت کر جاتی۔ اگر قبول بھی کرتی تو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتے۔ اور شائد نہ بھی پیتے۔ یہ وجہ تھی کہ میں نے ان ترازوؤں کے نام بدل دیئے۔ اسے جو سمجھ گیا سمجھ گیا اور جو جاہل رہا جاہل رہا۔ اور جس نے انکار کیا انکار کیا۔

رفیق۔ یہ تو میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ لیکن تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس ترازو کے دو پلڑے بھی ہوتے ہیں اور ایک عمود بھی جس سے وُہ لٹکتے ہیں۔ لیکن مجھے تو اس ترازو میں پلڑے اور عمود دکھائی نہیں دیتے۔ اور وُہ کیسا ترازو ہے۔ جو ایک پلڑے والے سے مشابہ ہے۔

مصنف۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس ترازو میں دو اصل ہیں۔ یہی دو اصل بمنزلہ دو پلڑوں کے ہیں۔ اور ان دونوں اصلوں میں جو جزو مشترک ہے وُہ بمنزلہ عمود ہے۔ اور ان دونوں میں داخل ہے۔ اب میں فقہیات میں سے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ تاکہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤ۔ وُہ یہ کہ ہمارا یہ کہنا کہ "ہر نشیلی چیز حرام ہے" ایک پلڑا ہے۔ اور "ہر نبیذ نشیلی ہے" دُوسرا پلڑا ہے۔ اور نتیجہ یہ کہ ہر ایک نبیذ حرام ہے۔ اس مقام پر دو اصلوں میں صرف تین امور ہیں۔ نبیذ، نشیلی اور حرام۔ نبیذ صرف ایک اصل میں پائی جاتی ہے وُہ ایک پلڑا ہے۔ اور حرام صرف دُوسرے اصل میں جو دُوسرا پلڑا ہے لیکن نشیلی، دونوں اصلوں میں مذکور ہے۔ اور دونوں میں مشترک ہے یہی عمود ہے۔ دونوں

پلڑے اس سے لٹکے ہوئے ہیں۔ اور موصوف صفت کے متعلق ہے۔ یہاں پر موصوف "ہر ایک نبیذ نشیلی ہے" ہے۔ کیونکہ نبیذ نشے سے موصوف ہے۔ دوسرا صفت موصوف کے متعلق ہے۔ یعنی تمام نشیلی چیزیں حرام ہیں۔ اس پر غور کرکے سمجھ لو۔ اگر اس میزان میں کسی قسم کا بگاڑ آجائے۔ تو یا دونوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں ہوگا یا عمود میں۔ یہ بات میں عنقریب ہی میزان الشیطان کے بیان میں سمجھاؤنگا۔ رہا ایک پلڑے والے ترازو کے مشابہ ترازو یعنی میزان التلازم۔ اس میں ایک بازو دوسرے کی نسبت بہت زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ مثلاً تمہارا یہ کہنا کہ "اگر غائب کا بیع صحیح ہے تو صریح الزام لازم آتا ہے"۔ ایک لمبا اصل ہے جس میں دو جزو لازم اور ملزوم ہیں۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ صریح الزام لازم نہیں آتا" دوسرا اصل ہے۔ جو پہلے کی نسبت چھوٹا ہے جو ایک پلڑے والے ترازو کے چھوٹے بٹ کے مشابہ ہے لیکن میزان التعادل میں دونوں پلڑے ہموزن اور دونوں بازو یکساں لمبے اور ہموزن ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پلڑے میں صرف صفت موصوف ہوتے ہیں۔ یہ بھی سمجھ لو کہ روحانی ترازو جسمانی ترازو کی سی نہیں ہوتی۔ صرف ان میں مناسبت ہوتی ہے۔ اور اسی واسطے اس سے نتیجہ نکلنے کو دو اصلوں کے ازدواج سے تشبیہ دینا ممکن ہے۔ کیونکہ دو اصلوں میں ایک چیز داخل ہوتی ہے۔ اور وہ اس مثال میں نشیلی چیز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اصلوں میں ہے تبھی ان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ لیکن اگر ایک اصل کا کوئی جزو دوسرے اصل میں داخل نہ ہو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ مثلاً ہر نشیلی چیز حرام ہے۔ اور ہر ایک چھپی ہوئی بری ہے، اسے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ گو یہ دونوں بجائے خود اصل ہیں۔ لیکن ان سے نتیجہ کوئی نہیں نکلتا۔ اس واسطے کہ ان میں کوئی جزو مشترک نہیں۔ اسی جزو مشترک کو عمود کہتے ہیں۔ اگر تمہیں محسوس اور معلوم کا وزن کرنا آجائے۔ تو تمام ملک اور عالم شہادت اور عالم غیب اور عالم ملکوت کے مابین وزن کرنے کی واقفیت بھی حاصل ہوجائے۔ اس میں بڑے بڑے بھید پوشیدہ ہیں۔ جس شخص کو مذکورہ بالا چیزوں کا وزن کرنا نہیں آتا۔ وہ قرآنی انوار کا اقتباس نہیں کرسکتا اور اس سے کچھ سیکھ نہیں سکتا۔ اور اس کا علم صرف چھلکوں تک ہی محدود رہتا ہے۔ قرآن شریف میں تو تمام علوم کے ترازو اور تمام علوم کی چابیاں ہیں۔ جیسا کہ میں جواہر القرآن، میں اشارتاً بیان کرچکا ہوں۔ اس کتاب

سے دیکھ لو۔ عالم ملک و عالم شہادت اور عالم غیب و عالم ملکوت کے درمیان موادِ نہ نہیں البتہ بعض کو خواب کے اندر کچھ معنوی حقائق بطور خیالی مثالوں کے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ سچا خواب نبوت کا ایک جزو ہوا کرتا ہے۔ اور عالم نبوت میں ملک اور ملکوت سارے کا سارا منجلی ہوتا ہے۔ خواب میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا۔ کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری ہے۔ جس سے وہ مردوں کے منہ اور عورتوں کی فروج پر مُہریں لگا رہا ہے۔ جب اس نے اپنا یہ خواب ابن سیرینؒ سے بیان کیا۔ تو آپ نے اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ تم مؤذن ہو اور ماہ رمضان میں تم صبح سے پہلے اذان دیتے ہو۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ اب غور کرو کہ ابن سیرینؒ کو عالم غیب میں اس کی حالت کیونکر معلوم ہوئی۔ اور اس مثال اور ماہ رمضان میں قبل از صبح اذان دینے کا موازنہ کرو۔ یہی مؤذن اکثر خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ کہ قیامت کا دن ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں آگ کی انگوٹھی ہے۔ اور اس سے کہا جاتا تھا کہ یہ وہی انگوٹھی ہے جس سے تم مردوں کے منہ اور عورتوں کے فروج پر مہریں لگایا کرتے تھے۔ وہ کہتا تھا۔ کہ بخدا میں تو ایسا نہیں کیا کرتا تھا۔ اسے کہا جاتا۔ کہ نہیں تم بالضرور ایسا کیا کرتے تھے۔ لیکن تم بھول گئے ہو۔ کیونکہ یہ تمہارے فعل کی رُوح ہے۔ اشیاء کی حقیقت اور ان کی رُوح صرف عالم ارواح میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس عالم حس اور عالم خیال کے اندر عالم تلبیس میں رُوح صورتوں کے پردوں میں ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جب آنکھوں پر سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے تو اصل حقیقت کھلتی ہے۔ اور اسی طرح جس نے کوئی شرعی حد ترک کی ہو اس کی حقیقت بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ اگر تم اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو احیاء العلوم کے باب حقیقۃ الموت یا کتاب جواہر القرآن کا مطالعہ کرو۔ اس میں تمہیں عجیب و غریب باتیں معلوم ہونگی۔ اس پر غور کرنے سے شاید تمہار لئے عالم ملکوت کی رویت کا دروازہ کھل جائے اور تم کچھ سُن سکو لیکن ایسی حالت میں میں نہیں کہ تمہارے لئے دروازہ کھلے۔ کیونکہ تم معلم غائب سے معرفت حقائق کے منتظر ہو۔ جسے تم دیکھ نہیں رہے۔ اور اگر اسے دیکھ لو۔ تو بہت سے معارف میں اسے اپنے سے بھی کمزور پاؤ گے۔ سو تم معارف و حقائق ایسے شخص سے معلوم کرو جس کی وہاں تک رسائی ہے۔ اور جسے خود ان کی شناخت حاصل ہے۔

اس کا یہ نتیجہ غلط ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا بڑا ہے اور سورج بڑا ہے۔ پس سورج خدا ہے، غلط ہے۔ کیونکہ یہ متضاد کو ایک صفت سے موصوف کرنا ہے۔ اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آیا کہ دو نو ایک ہیں۔ لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دو نو صفتوں میں اتصال ہو سکتا ہے۔ ہر وُہ شخص جوان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں۔ وُہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے۔

رفیق۔ یہ تو مجھے واضح ہو گیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ لیکن اہل تعلیم کب اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں۔

مصنّف۔ وُہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں۔ لیکن میں بہت مثالیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سُنا ہوگا، حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے، اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے۔ اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو۔

رفیق۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفعہ سُنا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے۔ کہ یہ برہان قاطع ہے۔ اس میں مجھے کسی قسم شک وشبہ نہیں۔

مصنّف۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس کے استعمال میں انہوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے۔ اور دیکھو کس طرح انہوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترازو اور دوسرے ترازوؤں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے۔

رفیق۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا۔ اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجیگا۔

مصنّف۔ واقعی شیطان بہ سبب کثرت کلام مختلف ترازوؤں کو اس طرح گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقع پر خلط ملط ہو گئے ہیں۔ اس کلام کثیر کا ماحاصل یوں ہے۔ کہ حق وحدت سے موصوف ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونو سے لازم آتا۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو۔ لیکن اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں۔ کہ ان

رفیق ۔ اب اور بات بیچ میں آ گئی ہے ۔ جس کے سبب مجھ میں اور تم میں جھگڑا بڑھ جائیگا کیونکہ معلم غائب کو اگرچہ میں نے بچشم خود تو نہیں دیکھا ۔ لیکن میں نے اس کی خبر تو سنی ہے ۔ مثلاً شیر کو میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اس کی علامات تو دیکھی ہیں ۔ اور یہ بھی دیکھا ہے ۔ کہ میری والدہ صاحبہ اور مولانا صاحب قلعہ الموت دو نو ہی اس کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے ۔ اور یہاں تک کہا کرتے تھے ۔ کہ وہ معلم غیب جہان کی ہر ایک کارروائی سے خواہ وہ ہزار فرسنگ کے فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو ۔ واقف ہے ۔ کیا میری والدہ اس بارے میں جھوٹ بولتی ہیں ۔ جو کہ بڑھیا اور پاکدامن ہے ۔ یا مولانا صاحب قلعہ الموت جھوٹ بولتے ہیں ۔ جو حسن سیرت و صورت کے امام ہیں ۔ نہیں نہیں وہ دو تو چشم دید سچے گواہ ہیں ۔ علاوہ بریں دامغان اور اصبہان میں جس قدر میرے رفیق ہیں ۔ وہ سب اس معاملہ میں متفق الرائے ہیں ۔ اور ان کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے ۔ اور مختلف قلعوں کے باشندے انہیں کے فرمان پذیر ہیں ۔ یہ کہنا کہ انہوں نے دھوکا کھایا محض افترا ہے ۔ کیونکہ وہ سب کے سب ذکی ہیں ۔ اور یہ کہنا کہ وہ مکار ہیں سراسر بہتان ہے ۔ کیونکہ وہ سارے متقی ہیں ۔ افسوس افسوس یہ غیبت کرنا چھوڑ دو ۔ کیونکہ جو کچھ ہمارے درمیان گفتگو ہو رہی ہے ۔ مولانا اس سے بخوبی واقف ہیں ۔ اس واسطے کہ زمین اور آسمان کا ذرہ ذرہ حال انہیں معلوم ہے ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں ان کی بے عزتی سنتے ہی تم سے سر نہ پڑوں ۔ سو یہ فضول گوئی کا طومار لپیٹ لو اور میزان الشیطان اور اس سے اہل تعلیم کے وزن کرنے کی کیفیت سمجھاؤ ۔

شیطانی ترازوؤں اور ان سے اہل تعلیم کا وزن کرنے کا بیان

مصنف ۔ بیچارے اب اپنے رفیقوں کے ترازوؤں کا حال سن ۔ تو تو نہایت غلو سے کام لیتا ہے ۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں سے جن ترازوؤں کا ذکر میں نے کیا ہے ۔ ان کے مقابل شیطانی ترازو بھی ہیں ۔ جن سے وزن کیا جاتا ہے ۔ ان کے ذریعے شیطان غلطی میں ڈالتا ہے ۔ لیکن صرف اسی مقام سے داخل ہو سکتا ہے ۔ جہاں کہیں کوئی

رخنہ ہے۔ وہ شخص جو ان رخنوں کو بند کر لیتا ہے۔ وہ شیطان سے بے کھٹکے ہو جاتا ہے
رخنہ اندازی کے کل موقعے دس ہیں۔ جو سب کے سب مع شرح کتاب محک النظر
اور کتاب معیار العلم میں بیان کر دئیے ہیں۔ ترازوؤں کی شرائط کی باریکیاں اس واسطے بیان
نہیں کیں۔ کہ تم اس وقت بآسانی سمجھ نہیں سکتے۔ اگر تم ان کی مشکلات کا حل سمجھنا چاہتے
ہو۔ تو کتاب محک النظر میں دیکھ لو۔ اور اگر ان کی مفصل کیفیت سے واقف ہونا
چاہتے ہو تو کتاب للمعیار العلم کا مطالعہ کرو۔ اب میں صرف ایک مثال بیان کرتا ہوں
جو شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اس وقت ڈالی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا تھا۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ " ہم نے تجھ سے
پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا۔ مگر جب خواہش کی، شیطان نے انہیں خواہش میں
ڈالا۔ سو اللہ تعالےٰ نے وہ بات منسوخ کر دی جو شیطان نے آنحضرت کے دل میں
ڈالی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیت کو مضبوط کیا۔ اور یہ سورج کی طرف مبادرت کرنا
تھا۔ آپ کا یہ قول کہ ھذا ربی ھذا اکبر، یہی میرا خدا ہے کیونکہ یہی بڑا ہے، شیطان
نے آپ کو دھوکے میں ڈالنا چاہا۔ اس سے وزن کرنے کی کیفیت یوں ہے۔ اللہ
تعالیٰ بڑا ہے، یہ اصل متفق علیہ ہے، سورج ستاروں سے بڑا ہے، یہ اصل حسی ہے
پس ان دو تو سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سورج خدا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اور یہ میزان ہے جسے
شیطان نے میزان التعادل کے میزان اصغر سے ملایا ہے۔ کیونکہ بڑائی ایک وصف ہے
جو خدا میں بھی پایا جاتا ہے اور سورج میں بھی۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے
سے موصوف ہے۔ لیکن یہ میزان اصغر کا عکس ہے۔ اس میزان کی حد یہ ہے کہ ایک
شے میں دو وصف پائے جائیں تو ان میں سے ایک کے بعض حصے دوسرے سے
موصوف ہونگے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جب دو چیزوں میں ایک
وصف پایا جائے۔ تو ایک چیز دوسری کی صفت نہیں ہو سکتی۔ لیکن دیکھو شیطان
نے اسے عکس کے ساتھ کس طرح خلط ملط کیا ہے۔ اس میزان باطل کی پرکھ ظاہری
بتوں سے رنگ کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ سیاہ اور سفید دونوں رنگ ہیں۔ لیکن اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ سفید سیاہ ہے۔ یا سیاہ سفید ہے۔ اگر کہنے والا کہے کہ سفید بھی
رنگ ہے اور سیاہ بھی رنگ ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ سیاہ سفید ہے

اس کا یہ نتیجہ غلط ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا بڑا ہے اور سورج بڑا ہے۔ پس سورج خدا ہے، غلط ہے۔ کیونکہ یہ متضاد کو ایک صفت سے موصوف کرنا ہے۔ اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آیا کہ دونو ایک ہیں۔ لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دونو صفتوں میں اتصال ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جوان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں۔ وہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے +

رفیق۔ یہ تو مجھے واضح ہو گیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ لیکن اہل تعلیم کب اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں +

مصنف۔ وہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں۔ لیکن میں بہت مثالیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سنا ہوگا "حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے، اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے۔ اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو +

رفیق۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفعہ سنا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے۔ کہ یہ برہان قاطع ہے۔ اس میں مجھے کسی قسم شک وشبہ نہیں +

مصنف۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس کے استعمال میں انہوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے۔ اور دیکھو کس طرح انہوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترازو اور دوسرے ترازوؤں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے +

رفیق۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا۔ اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجیئگا +

مصنف۔ واقعی شیطان بسبب کثرت کلام مختلف ترازوؤں کو اس طرح گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقع پر خلط ملط ہو گئے ہیں۔ اس کلام کثیر کا ماحاصل یوں ہے۔ کہ حق وحدت سے موصوف ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونو سے لازم آتا۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو۔ لیکن اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں۔ کہ ان

دونوں چیزوں میں اتصال ہو۔ جیسے کوئی کہے سفید اور سیاہ دونوں رنگ ہیں۔ اس لئے سفید سیاہ ہے یا سیاہ سفید ہے۔ یا شیطانی قول کی طرح کہ خدا اور سورج دونوں میں بڑائی ہے اس لئے خدا سورج ہے یا سورج خدا ہے۔ ان تینوں ترازوؤں میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی سیاہ و سفید کا رنگ ہونا۔ سورج اور خدا کا بڑا ہونا اور تعلیم اور حق میں وحدت کا ہونا۔ سوان پر غور کر کے سمجھو۔

رفیق۔ میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ لیکن میں ایک مثال پر قناعت نہیں کرتا میرے رفیقوں کی ترازوؤں کی کوئی اور مثال بیان کریں تاکہ میرے دل کو تسلی ہو۔ کہ واقعی وہ شیطانی ترازو سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں اور اوروں کو دھوکا دیتے ہیں۔

مصنف۔ کیا تم نے ان کا یہ قول سنا ہے۔ کہ حق یا تو محض رائے سے پہچانا جاتا ہے یا محض تعلیم سے۔ اور یہ کہ جب ان میں سے ایک باطل ہو تو دوسرا ثابت ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ باطل ہے کہ محض عقلی رائے سے معلوم ہو۔ کیونکہ عقلیں اور مذاہب متعارض ہوا کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حق تعلیم سے پہچانا جاتا ہے۔

رفیق۔ بخدا میں نے ان کی اس قسم کی باتیں بہت سنی ہیں۔ اور یہی ان کے دعووں اور ان کی دلیلوں کے عنوانوں کی چابی ہوا کرتی ہے۔

مصنف۔ یہ شیطانی اس ترازو سے وزن کرتے ہیں جو میزان التعاند سے ملتی جلتی ہے۔ کیونکہ دو قسموں میں سے ایک کے بطلان سے دوسرے کا اثبات ہوتا ہے۔ لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے۔ کہ وہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر۔ شیطان منتشر اور منحصر کو خلط ملط کر دیتا ہے۔ اور یہ منتشر ہے۔ کیونکہ نفی اور اثبات کے درمیان دائر نہیں۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین تیسری قسم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عقل اور تعلیم دونوں کی رو مدرک ہو۔ اور معلوم سب بٹوں سے اس کا بطلان یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ رنگ آنکھوں سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم پوچھیں کیوں؟ تو کہے کہ یا تو آنکھ سے نظر آتے ہیں یا سورج کی روشنی سے آنکھوں سے ان کا معلوم ہونا اس واسطے باطل ہے کہ رات کو نظر نہیں آتے۔ پس ثابت ہوا کہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک تیسری قسم بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ گو آنکھوں سے معلوم

ہوتے ہیں۔ لیکن سورج کی روشنی ہیں۔

رفیق۔ میں اسے بھی سمجھ گیا ہوں۔ لیکن اب چاہتا ہوں کہ آپ ذرا اس غلطی کی زیادہ تشریح کر دیں۔ جو پہلی مثال یعنی حق اور وحدت میں واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں غلطی ایسی ہے۔ جو بہت سوچ کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔

مصنف۔ اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ انسان ان دو باتوں میں مغالطہ کھاتا ہے۔ ایک چیز کا دو اوصاف سے متصف ہونا۔ اور دو چیزوں کا ایک وصف سے متصف ہونا یہ غلطی عکس کے نہ سمجھنے سے واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص جانتا ہے۔ کہ ہر ایک حق واحد ہے۔ لیکن یہ عکس لازمی نہیں۔ بلکہ خاص عکس لازمی ہے۔ اور وہ یہ کہ بعض واحد حق ہیں۔ مثلاً اگر کہیں کہ ہر انسان حیوان ہے۔ تو اس کا عکس کہ ہر حیوان انسان ہے، غلط ہے۔ البتہ اس کا اس قدر عکس ٹھیک ہے۔ کہ بعض حیوان انسان ہیں شیطان بھی کم عقل انسانوں پر غالب آتا ہے۔ وہ ایک لطیف حیلہ سے جسے عوام الناس بآسانی نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کوئی فاش غلطی نہیں کرتا۔ جسے ہر ایک بآسانی سمجھ سکے۔ وہ عکس کے شبہ میں ڈالتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شبہ محسوسات میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی شخص چمکدار سیاہ رنگ کی رسی دیکھ لیتا ہے تو اسے سانپ خیال کر کے اس سے ڈرنے لگتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ ہر ایک سانپ لمبا اور چمکیلا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا وہم اس کے عکس عام یعنی "ہر لمبی چمکیلی چیز سانپ ہے" کو صحیح مانتا ہے۔ لیکن عکس عام لازم نہیں آتا۔ بلکہ عکس خاص یعنی "بعض لمبی چمکیلی چیزیں سانپ ہوتی ہیں" لازم آتا ہے۔ عکس اور نقیض میں بہت سی باریک باتیں ہیں۔ جو تم صرف کتاب محک النظر اور معیار العلم کے مطالعہ سے سمجھ سکو گے۔

رفیق۔ آپ جو مثال بیان کرتے ہیں۔ مجھے یقین آجاتا ہے کہ واقعی شیطانی ترازو غلط ہیں۔ اس لئے ایک اور مثال کے لئے التجا کرتا ہوں۔ تاکہ شیطانی ترازوؤں کی ماہیت سے بخوبی واقف ہو جاؤں۔

مصنف۔ شیطانی ترازو کی غلطی حسب ذیل اقسام کی ہوا کرتی ہے۔ کبھی تو اس کی ترکیب غلط ہوتی ہے۔ یعنی اس کے دونوں پلڑے عمود سے ٹھیک طور پر آویزاں نہیں ہوتے۔ اور کبھی پلڑے کی طینت میں غلطی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کبھی تو لوہے

پیتل یا چمڑے کا ہوتا ہے یا روئی اور برف کا۔ موخرالذکر سے وزن ٹھیک نہیں ہو سکتا اور کبھی اس کی شکل بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ عصا کی طرح غیر معترض ہوتا ہے۔ کبھی اس کی طینت اور مادہ میں بگاڑ ہوتا ہے۔ جس سے وُہ بنایا گیا ہے۔ مثلاً لکڑی یا مٹی سے سو جو بگاڑ اس کی ترکیب سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال سُورج کی بڑائی اور وحدت حق ہے۔ کیونکہ ان کی صُورتیں مختلف اور معکوس ہیں۔ یعنی ان میں پلڑے عمُود سے اُوپر کی طرف ہیں (ترازو کے لئے ضروری ہے کہ موازنہ مستقل کی صورت کا ہو کہ غیر مستقل کی صُورت کا مترجم) ایسی صورت میں وزن میں ضرور غلطی ہوگی۔ اور مادے کے بگاڑ کی مثال شیطان کا یہ قول ہے۔ کہ میں اس سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ یہ اس نے اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس بات نے آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرنے سے روکا۔ جبکہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ آیا تو نے اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا۔ یا تو بڑائی کرنے لگا شیطان نے اس وقت دو جھوٹے ترازو استعمال کئے۔ ایک تو یہ کہ آدم علیہ السّلام سے اچھا ہونے کو سجدہ نہ کرنے کی علّت قرار دیا اور دُوسرا یہ کہہ کر اپنی اچھائی ثابت کی کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں۔ شیطان کو اپنا ترازو ٹھیک ترکیب کا معلوم ہوا۔ لیکن دراصل اس کے مادے میں بگاڑ تھا۔ جس کی اصلی کیفیت یوں ہے۔ کہ جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے وُہ اچھا ہے۔ اور اچھا سجدہ نہیں کرتا۔ اس لئے میں سجدہ نہیں کرتا۔ لیکن اس قیاس کے دونو اصُول ممنوع ہیں۔ کیونکہ دونو غیر معلوم ہیں۔ علوم خفیہ علوم جلیہ سے وزن کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وُہ غیر جلی ہے اور تسلیم کرنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ اگر ہم یہ مان بھی لیں وہ آدم علیہ السّلام سے اچھا ہے۔ جو پہلے اور آخری اصُول کا مانع ہے۔ تو بھی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اچھے کو سجدہ لازم نہیں۔ کیونکہ سجدہ کا لزوم اور استحقاق امر الٰہی پر منحصر تھا۔ نہ کہ اچھائی پر۔ لیکن شیطان دُوسرے اصُول یعنی "سجدہ کا لزوم و استحقاق امر پر تھا نہ اچھائی پر" کو چھوڑ گیا۔ بلکہ وُہ اپنی اچھائی کی دلیل پر کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وُہ مٹی سے ڈٹا رہا۔ اچھائی کا دعویٰ نسبی ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اور ترازو کی مکمل صُورت یوں ہے۔ جو اچھائی کی طرف منسُوب ہے وُہ اچھا ہے۔ میں اچھائی کی طرف منسُوب ہوں اس لئے اچھا ہوں۔

لیکن یہ دونوں پڑے بذاتہ غلط ہیں۔ کیونکہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کہ جو اچھائی سے منسوب ہو وُہ اچھا ہے۔ اس واسطے کہ اچھائی ذاتی صفت ہے نہ اضافی۔ یہ کہنا جائز ہے کہ لوہا شیشے سے اچھا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کاریگری سے شیشے کی کوئی ایسی چیز بنائی جائے جو لوہے کی بنی ہوئی چیز سے اچھی ہو۔ جیسا کہ ہم کہہ دیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام حضرت نوح علیہ السّلام کے بیٹے سے اچھے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام آذر کے بیٹے تھے جو ایک کافر تھا۔ اور حضرت نوح علیہ السّلام کے بیٹے ایک نبی کے بیٹے تھے۔ اور اس کا دُوسرا اصل بھی کہ ئیں اچھی چیز سے پیدا کیا گیا ہوں۔ یعنی آگ سے جو کہ مٹی سے بہتر ہے ماننے کے قابل نہیں۔ بلکہ مٹی آگ سے بہتر ہے۔ کیونکہ مٹی اور پانی کی آمیزش سے حیوانات اور نباتات کا قوام ہے۔ اور اسی سے دونوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے آگ ان میں بگاڑ پیدا کرتی ہے اور ان دونوں کو ہلاک کرتی ہے۔ اس سے شیطان کا یہ کہنا کہ آگ مٹی سے اچھی ہے۔ غلط ثابت ہُوا۔ یہ ترازو شکل و صُورت میں صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بلحاظ مادہ خراب ہیں۔ اُن کی مثال لکڑی کی تلوار کی سی ہے۔ کہ شکل و صُورت تلوار کی سی ہے لیکن کام تلوار کا نہیں دیتی۔ بلکہ یہ ترازو بمنزلہ سراب ہیں۔ کہ پیاسا انہیں پانی کا قطعہ خیال کر کے جب قریب آتا ہے۔ تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ یہی حال قیامت کے ن اہل تعلیم کا ہوگا۔ جبکہ ان کے ترازوؤں کی حقیقت ان پر منکشف ہو گی۔ یہ بھی ب رستہ ہے جس سے شیطان داخل ہوتا ہے ضروری ہے۔ کہ اس راہ کو بند جائے۔ بلکہ صحیح مادہ جو نظری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل قطعی طور علوم ہونا چاہیئے۔ خواہ حس سے خواہ تجربہ سے خواہ تواتر کامل سے یا عقل سے یا ان تمام کے نتیجہ سے۔ لیکن جو محاجہ و مجادلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ حریف اس کا اعتراف کرتا ہے اور اسے تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ فی نفسہٖ معلوم نہ ہو تو اس کے لئے حجت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کی بعض دلیلیں ہیں۔ اگر تمہیں قرآن شریف کی بعض دلیلوں کے اصُول میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ وُہ ان لوگوں پر وارد ہوئیں جو ان کا اعتراف کرتے تھے۔

اِس بارے میں کہ جناب سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کی اُمّت کے علماء کے ہوتے امام معصُوم کی ضرورت نہیں۔ اور یہ کہ معجزات کے لحاظ سے جو آنحضرت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ اِس سے زیادہ واضح اور واثق طریق سے آنحضرت نبی برحق ہیں۔ اور یہ عارفوں کا طریقہ ہے۔

رفیق۔ آپ نے شفا مکمل طور پر کی ہے۔ پردہ اُٹھا دیا ہے۔ اور ید بیضا کر دکھلایا ہے لیکن شہر برباد کر کے محل بنایا ہے۔ اب تک تو آپ سے میں اُمید کرتا تھا۔ کہ میں آپ سے بذریعہ ترازو وزن کرنا سیکھوں۔ اور آپ کے اور قرآن شریف کے ذریعہ امام معصُوم سے بے پرواہ ہو جاؤں۔ لیکن اب جب آپ نے غلطی کے دقیق موقعوں کو بیان فرمایا۔ تو مجھے اس پر مستقل رہنے سے نااُمیدی ہو گئی ہے۔ کیونکہ اگر میں وزن کرنے لگوں تو ضروری ہے۔ کہ کہیں غلطی کھا جاؤں۔ اب مجھ پر واضح ہو گیا ہے۔ کہ ان مذاہب میں انسانوں کا کیوں اختلاف ہے۔ وُہ اس واسطے مختلف الرائے ہیں کہ وُہ ان باریکیوں کو ایسی اچھی طرح نہیں سمجھے جیسا آپ سمجھے ہیں۔ اس لئے بعض درستی پر ہیں اور بعض غلطی پر۔ اب میرے لئے سب سے نزدیک رستہ یہ ہے۔ کہ میں امام معصوم کا سہارا لوں۔ تا کہ میں ان دقائق سے بچ جاؤں۔

مصنف۔ بھائی۔ امام صادق کی شناخت تمہارے لئے ضروری نہیں۔ کیونکہ وُہ یا تو والدین کی تقلید پر منحصر ہے یا ان ترازوؤں میں سے وزن کی گئی ہے۔ کیونکہ ہر ایک علم اولیہ نہیں ہوتا۔ وُہ صاحب علم کے نفس میں ان ترازوؤں سے وزن کیا ہُوا ہوتا ہے اگرچہ اسے معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمہیں میزان تقدیر کی صحت اپنے ذہن میں دو اصُولوں کے انتظام سے معلوم ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک تجربی ہے۔ دُوسرا حِسّی۔ یہی حالت عام لوگوں کی ہے۔ کہ وُہ اسے جانتے نہیں۔ مثلاً جو شخص جانتا ہے

کہ یہ جانور حاملہ نہیں۔ کیونکہ وُہ نجر ہے۔ یہ بات اسے دو اصُولوں سے معلوم ہوئی ہے جو ہم نے صدر کتاب میں بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسے اس علم کے نکلنے کی جگہ معلوم نہیں۔ اسی طرح جہان میں تمام علوم انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اگر تم نے امام صادق بلکہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں عصمت کا اعتقاد اخذ کیا ہے۔ تو محض والدین اور رفیقوں کی تقلید سے۔ یہود۔ نصاریٰ اور مجوس سے تمیز نہیں کیا۔ کیونکہ وُہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اگر ان ترازوؤں سے وزن کرکے عصمت کا اعتقاد حاصل کرنا چاہو۔ تو شائد کسی دقیق بات کے دریافت کرنے میں تم نے غلطی کھائی ہو۔ ضروری ہے کہ تم اپنے زعم پر یقین نہ کرو۔

رفیق۔ آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اب مجھے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ نے دونوں طریقے یعنی تعلیم اور وزن بند کر دئیے ہیں۔

مصنّف۔ افسوس! تم قرآن شریف کی طرف رجوع کرو۔ اس نے تمہیں طریقہ سکھایا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون" جو لوگ پرہیزگار ہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال انکو چھو بھی جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں یعنی پردۂ غفلت انکی آنکھوں سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اسی دم راہ ثواب دیکھنے میں یہ نہیں کہ امام معصوم کی طرف جاؤ۔ کیونکہ وہ خود مبصر ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ معارف بکثرت ہیں۔ اگر تم ہر مشکل کے وقت امام معصوم کی طرف سفر کرو۔ تو تمہارا رنج بڑھ جائے گا۔ اور علم کم ہو جائیگا۔ تمہارا طریقہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ تم مجھ سے وزن کرنے کی کیفیت سمجھ لو۔ اور ان شرائط کو پورا کرو۔ اگر کوئی مشکل بات پیش آجائے تو اسے ترازو سے تو لو۔ اور شرائط کی بابت سوچ بچار کرو۔ تو تمہیں سیدھی راہ ہاتھ آجائے گی اور تم مبصر ہو جاؤ گے۔ اس کی مثال یوں ہے۔ کہ اگر بالفرض دُکاندار سے تم نے یا تم سے دُکاندار نے کچھ لینا ہے۔ یا فرائض کا کوئی مسئلہ تقسیم ہے اور تمہیں اس کے درست یا غلط ہونے میں احتمال ہے۔ تو اس صُورت میں اگر تم امام صادق کی طرف سفر کرو۔ تو محض تکلیف کا باعث ہو گا۔ اس کا فیصلہ علم حساب کا جاننے والا بخوبی کر سکتا ہے۔ جب اس سے بار بار پوچھو گے۔ اور وہ تمہیں سکھائیگا تو تمہیں پُورا یقین ہو جائے گا۔ کہ واقعی یہ غلطی تھی لیکن یہ بات وُہی شخص کر سکتا ہے جو علم حساب سے بخوبی واقف ہو۔ اور ایسا ہی وُہ

شخص جو اس سے وزن کرنا جانتا ہے۔ جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ بار بار اس سے ذکر کرنے۔ سوچنے اور یکے بعد دیگرے غور کرنے سے ضروری یقین آجائے گا۔ کہ واقعی اس میں یہ غلطی تھی۔ لیکن اگر یہ طریقہ نہ برتو گے تو یاد رکھو کبھی تمہاری بہتری نہ ہوگی۔ اور شاید اور ممکن ہے کہ کہ شک و شبہ میں رہو گے۔ شائد تم نے امام بلکہ نبی جس پر ایمان لائے ہو کی تقلید کرنے میں غلطی کی ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی شناخت ضروری نہیں۔

رفیق۔ آپ نے اس بات کے سمجھانے میں میری مدد کی۔ کہ تعلیم حق ہے۔ اور یہ کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم امام ہیں۔ اور میں مان گیا ہوں کہ ہر ایک کے لئے یہ ضروری نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے علم حاصل کرے۔ اس بات کو ترازو کی پہچان سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ تمام ترازوؤں کی شناخت آپ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ گویا آپ امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو امام خاص ہونے کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ اور آپ کا معجزہ کیا ہے۔ کیونکہ میرے امام کو یا تو معجزہ حاصل ہے یا اپنے آباو اجداد سے نص۔ سو آپ کا معجزہ یا نص کہاں ہے؟

مصنف۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ میں خواہش کرتا ہوں۔ کہ اس معرفت میں کوئی اور شخص میرا شریک بناؤ۔ ممکن ہے کہ اس سے بھی ایسی باتیں سیکھو جو مجھ سے سیکھی ہیں۔ میں تعلیم کو اپنے لئے وقف نہیں کرتا۔ اور یہ جو تم نے کہا کہ میں امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ سو واضح رہے کہ امام سے ہماری مراد وہ شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام تعلیم حاصل کرے۔ اور یہ بات مجھ میں نہیں پائی جاتی اور نہ میں اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر امام سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر تعلیم حاصل کرے یا جبرائیل علیہ السلام سے بوسیلہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو امام کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سیکھا ہے نہ کہ جبرائیل سے۔ ان معنوں کے لحاظ سے میں بھی امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اس بارے میں میری برہان نص سے زیادہ واضح ہے۔ اور تم جو معجزے کے معتقد ہو۔ ان میں سے تین بہت عمدہ ہیں۔ اگر وہ

تیرے نزدیک دعویٰ کریں۔ کہ وہ قرآن شریف حفظ کرتے ہیں۔ جب میں نے پوچھا کہ تمہاری دلیل۔ تو ان میں سے ایک نے کہا۔ میری دلیل یہ ہے۔ کہ وہ مقرئین کے استاد علی الکسائی کا نص ہے۔ اور وہ میرے استاد کا۔ اور میرا استاد میرے لئے نص ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے عصا کو سانپ بنایا۔ سو عصا سانپ بن گیا تیسرے نے کہا میری برہان یہ ہے۔ کہ میں تمہارے روبرو بغیر قرآن شریف دیکھے سارا قرآن سنا سکتا ہوں۔ ان تینوں میں سے کونسی برہان زیادہ واضح ہے۔ اور آپ کس کو زیادہ سچی مانتے ہیں۔ اس نے کہا جو قرآن شریف پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ برہان کی غایت ہے کیونکہ اس میں مجھے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن استاد کا اس پر نص ہونا اور علی الکسائی کا اس کے استاد پر نص ہونا ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی غلطی ہو خصوصاً جبکہ زمانہ بہت گذر چکا ہے۔ آیا عصا کو سانپ میں تبدیل کرنا ممکن ہے۔ کہ اس نے حیلہ اور فریب سے کیا ہو۔ اگر حیلہ و فریب نہ ہو۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس نے عجیب کام کیا۔ لیکن یہ کہاں سے لازم آتا ہے۔ کہ جو فعل عجیب پر قادر ہو وہ قرآن شریف کا حافظ ہو +

مصنف۔ میری برہان بھی ایسی ہی ہے۔ میں نے ان ترازوں کو پہچانا۔ تم نے بھی پہچانا۔ سمجھا اور تمہارے دل سے شک رفع ہوا۔ اس لئے اب تمہیں میرے امام چھنے پر ایمان لانا چاہیئے۔ جیسا کہ جب تم استاد سے علم حساب سیکھتے ہو۔ تو تمہیں علم حساب آجاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تمہارا استاد حساب دان ہے۔ اسی طرح مجھے بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی برحق ہونے کا ایمان ہے۔ لیکن یہ ایمان شق القمر اور عصا کا سانپ بنا دینے پر مبنی نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سوں کا شبہ پڑتا ہے۔ سو اس پر یقین نہیں ہو سکتا بلکہ جو عصا کا سانپ میں تبدیل ہونا یقین کرتا ہے۔ وہ بچھڑے کی آواز کا قائل نہیں۔ کیونکہ عالم حس اور عالم شہادت میں تعارض بکثرت ہیں۔ بلکہ میرا یہ ایمان ترازوں کے استعمال پر مبنی ہے۔ میں نے قرآن شریف سے ان ترازوں کو اخذ کیا۔ اور پھر ان سے تمام معارف الٰہی کا وزن کیا۔ نہ صرف معارف الٰہی کا بلکہ معاد کے اصول۔ عذاب قبر۔ بدکاروں کے عذاب۔ فرمانبرداروں کے ثواب وغیرہ کا وزن کیا

جیسا کہ میں نے جواہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ سو یہ تمام باتیں مجھے ٹھیک اسی طرح معلوم ہوئیں جیسی قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں۔ یا جیسی اخبار ہیں۔ اس لئے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ واقعی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف دونو سچے ہیں اور میں نے ویسا ہی کیا۔ جیسا حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا ہے۔ انسانوں سے حق نہیں پہچانا جاتا۔ وہی حق کو پہچانتا ہے جو اس کے اہل کو پہچانتا ہو۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی شناخت جو میں نے کی ہے۔ وُہ ایسی ہی ضروری ہے۔ جیسی کہ تم کسی بدوی کو فقہ کے کسی مسئلہ کے بارے میں مناظرہ کرتے ہُوئے دیکھو جو اسے بخوبی سرانجام دے رہا ہو۔ اور صحیح اور صریح فقہ بیان کرتا ہو۔ تو تمہیں اس کے فقیہہ ہونے میں شک نہیں ہوگا۔ اور جو یقین اس کے فقیہہ ہونے کا تمہیں اس طرح حاصل ہوگا۔ وُہ ہزار عصا، کو سانپ میں بدلنے سے بھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ مؤخر الذکر میں جادو۔ مکر۔ طلسم اور ہاتھ کی صفائی وغیرہ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ان میں اور ان چیزوں میں کا علم اور ان کے معجزہ ہونے کا علم قرآن شریف سے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر بڑی غور اور بحث کے بعد۔ اور اس سے ایمان ضعیف حاصل ہوتا ہے وُہ عوام اور متکلمین کا ایمان ہے۔ لیکن صاحب مشاہدہ جو مشکوۃ ربوبیت سے دیکھتے ہیں۔ ان کا ایمان اُن جیسا نہیں ہوتا۔

رفیق۔ اب میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ میں بھی آپ کی طرح جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانوں۔ یہ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک معارف الٰہی کو ان ترازوں سے وزن نہ کیا جائے۔ اور مجھے یہ واضح نہیں ہُوا۔ کہ کیا تمام دینی معارف بھی اس سے وزن کئے جا سکتے ہیں۔ میں اسے کس طرح معلوم کروں؟

مصنّف۔ افسوس! میں نے یہ کب دعویٰ کیا ہے۔ کہ میں ان سے صرف دینی معارف کا وزن کر سکتا ہوں۔ بلکہ ان سے میں علوم حسابیہ۔ ہندسہ۔ طبیعیہ۔ فقہیہ۔ کلامیہ بلکہ ہر ایک علم حقیقی غیر وضعی فانی کے حق و باطل کو تمیز کر سکتا ہوں۔ اور کیونکر نہ کروں۔ جبکہ یہ قسطاس المستقیم ہے۔ اور ایسا ترازو ہے۔ جو قرآن اور کتاب کا رفیق ہے۔ قولہٗ تعالیٰ۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان

لیقوم الناس بالقسط۔ ہم نے واقعی اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ مجھے میرا اس پر قادر ہونا نہ نص سے نہ معجزہ سے باور ہو سکتا ہے۔ ہاں تجربہ اور آزمائش سے تمہیں یقین آ سکتا ہے۔ جیسے اگر گھوڑے کی سواری کا مدعی ہو۔ تو اس کی صداقت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں نہ دوڑ لے۔ ہاں علوم دینیہ میں سے اگر چاہتے ہو کہ تمہاری مشکلات حل کر دوں تو میں ایک ایک کر کے حل کر سکتا ہوں۔ اور ان ترازوں سے وزن کر کے دکھا سکتا ہوں۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ وزن صحیح ہے۔ اور اس سے تمہیں جو علم حاصل ہو گا وہ یقینی ہو گا۔ جو شخص آزمائش نہیں کرتا وہ پہچان نہیں سکتا۔

رفیق ۔ کیا آپ کے لئے ممکن ہے۔ کہ آپ تمام الٰہی حقائق و معارف ساری خلقت کو سمجھا دیں۔ تاکہ ان کے باہمی اختلافات اٹھ جائیں۔

مصنّف ۔ آہ! میں اس بات پر قادر نہیں۔ کیا تمہارے امام معصوم نے اب تک خلائق کے باہمی اختلاف اور شکوک کو رفع کیا۔ اور مشکلات کو ان کے دل سے نکالا یہ بات تو انبیاء سے بھی نہیں ہو سکی۔ بلکہ اختلاف خلق تو ایک ازلی اور ضروری حکم ہے۔ اور یہ اختلاف بدستور قائم رہیگا۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ اسی واسطے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور تمہارے پروردگار کا حکم تمام ہوا۔ کیا میں یہ دعوےٰ کر سکتا ہوں۔ کہ قضائے ازلی کو رد کروں۔ یا اس کے رد کرنے کا تمہارا امام معصوم دعویٰ کر سکتا ہے۔ اگر اسے دعویٰ تھا تو پھر اس وقت دنیا میں اختلاف موجود کیوں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا۔ کہ رئیس الامۃ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلقت کے باہمی اختلافات کو رفع کرنے کا سبب ہوتے یا کوئی ایسی بنیاد قائم کرتے۔ کہ ہمیشہ کے لئے اختلاف اٹھ جاتا۔

اختلافات کی تاریکی سے خلقت کو نجات دلانے کا بیان

رفیق ۔ خلقت ان اختلافات سے کیسے نجات پا سکتی ہے؟

مصنف۔ اگر وہ مجھ سے کلام الٰہی سُن لیں۔ تو ان کا باہمی اختلاف جاتا رہے۔ لیکن وہ کسی طرح بھی نہیں سُنتے۔ کیونکہ جب انہوں نے پیغمبروں کی سُنی نہ تمہارے امام کی جب پیغمبر اور امام کی نہ سُنی تو میری کیونکر سُن سکتے ہیں۔ نیز جب ازل سے ہی ان کے حق میں لکھا گیا ہے۔ کہ ان کے مابین اختلاف رہے گا۔ سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ تو پھر کیونکر میری سُن سکتے ہیں۔ ان کے مابین اختلاف کا ہونا ضروری اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم کتاب جواب مفصل الخلاف کا مطالعہ کرو گے۔ اور وہ بارھویں فصل ہے۔

رفیق۔ اچھا اگر بالفرض سنیں بھی تو کس طرح سُناؤ گے؟

مصنف۔ میں انہیں صرف ایک آیت پر عمل کراؤں اور وہ یہ ہے۔ تو الٰہی "وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید ..... الخ" اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اُتاری۔ تاکہ انسان انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے اُتارا لوہا ..... الخ" اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اس واسطے اُتاریں۔ کہ آدمی بھی تین قسم کے ہیں۔ اور کتاب۔ لوہے اور میزان سے ایک ایک قسم کا علاج ہو سکتا ہے۔

رفیق۔ وہ اقسام کونسی ہیں۔ اور ان کا علاج کیا ہے؟

مصنف۔ آدمی تین قسم کے ہیں:۔

اوّل عوام۔ یہ اہل سلامت اور اہل جنّت ہیں۔

دوم خواص۔ اہل ذکا و بصیرت۔ ان کے بین بین ایک گروہ ہے۔ جو اہل جدل ہیں۔ کتاب سے ملتی جلتی چیز کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ فساد برپا ہو۔ جو خواص ہیں ان کا علاج میں اس طرح کر سکتا ہوں۔ کہ ان کو انصاف کے ترازو اور ان سے وزن کرنا بتلاؤں۔ اس طرح کرنے سے ان کا باہمی اختلاف رفع ہو سکتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں تین صفات جمع ہیں۔ ایک طبع رسا اور سرشت قوی ..... اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔ یہ قدرتی اور پیدائشی ہوتی ہے۔ دوسرے ان کے باطن تقلید اور ہٹ دھرمی جو موروثی اور سُنا ہوا ہے سے خالی ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقلد سُنتا ہے۔ اور کند ذہن جو کچھ سنتا ہے سمجھتا نہیں۔ تیسرا یہ یقین کرتے ہیں۔ کہ ہم اہل بصیرت

ہیں۔ میزان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور جس شخص کا تیری نسبت یہ یقین ہے۔ کہ تجھے حساب نہیں آتا۔ تو یہ ممکن ہی نہیں کہ تجھ سے کچھ سیکھ سکے۔ دُوسری قسم سادہ لوح جو عوام الناس ہیں۔ جنہیں حقائق کے سمجھنے کے لئے عقل حاصل نہیں۔ اور اگر قدرتی طور پر ہے بھی تو طلب حقائق کی خواہش نہیں۔ بلکہ وُہ صنعت وحرفت میں مشغول ہیں۔ اور برخلاف ان لوگوں کے جو باوجود علم کو نہ سمجھ سکنے کے کیاست سے کام لیتے ہیں۔ جدل کی خواہش نہیں پائی جاتی۔ ایسے لوگ مختلف رائے نہیں ہوتے البتہ ایسا کرتے ہیں۔ کہ مختلف اماموں میں سے اچھے کو چننا چاہتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کو مَیں اللہ تعالیٰ کی طرف وعظ ونصیحت کے ذریعہ بُلاتا ہوں۔ جیسا کہ اہل بصیرت کو حکمت سے اور اہل شغب کو مجادلہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ایک ہی آیت میں جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ان لوگوں کو مَیں وُہی بات کہوں گا۔ جو جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمائی تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملتمس ہُوا تھا۔ کہ مجھے علم کے عجائب وغرائب سکھائیں۔ اور آنحضرت نے اسے فرمایا تھا۔ کہ ابھی تجھ میں اس بات کی قابلیت نہیں۔ پہلے علم کا سر یعنی ایمان۔ تقوے اور آخرت کی تیاری سیکھ اور اس پر عمل کر۔ تب میرے پاس آنا۔ میں تمہیں عجائبات علم تعلیم کروں گا۔ سو مَیں بھی عوام کو کہوں گا۔ کہ اختلاف میں غور کرنا تمہارا کام نہیں۔ اگر تم اس پر غور و خوض کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کیونکہ جب تم اپنی عمر سُنار کے کام میں صرف کرو گے تو جولاہے کا کام کیونکر کر سکو گے۔ اسی طرح جب تم اپنی عمر علم کے سوا کسی اور کام میں صرف کر ڈالو گے۔ تو اہل علم کیونکر ہو سکتے ہو۔ اور نکات علمی پر کیونکر غور و خوض کر سکتے ہو خبردار ایسا کبھی نہ کرنا۔ ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ عوام الناس سے جو کبیرہ سرزد ہوتے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑی یہ بات ہے۔ کہ علم میں غور کرے اور نہ سمجھ آنے پر انکار کر کے کفر میں شامل ہو۔ اگر وُہ مجھ سے یہ بات کہے کہ ضروری ہے۔ کہ جس دین کا مَیں معتقد ہوں۔ اور جس پر میرا عملدر آمد ہے۔ اس کے ذریعے میں مغفرت حاصل کروں۔ اور لوگ مختلف دینوں کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ مجھے آ کو نسا دین اختیار کرنے کے لئے حکم دیتے ہیں۔ تو مَیں اسے کہونگا۔ کہ دین اصول و فروع

ہے۔ اور ان دونوں میں اختلاف ہے۔ رہا اصول سو جو کچھ قرآن شریف میں ہے۔ صرف اسی پر اعتقاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی صفات اور اپنے اسماء چھپا نہیں رکھے۔ تمہارے لئے لازم ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حی۔ عالم۔ قادر۔ سمیع۔ بصیر۔ جبار۔ متکبر۔ قدوس اور بے مثل وغیرہ وغیرہ جو قرآن شریف میں وارد ہوا ہے اور جس پر اماموں کا اتفاق ہے۔ دین کی صحت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اور اگر شبہ پڑ جائے۔ تو کہدو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اُسے ہم مانتے ہیں۔ اور صفات۔ اثبات اور بسبب غائیت تعظیم ان کی نفی۔ تقدیس مع نفی مماثلت پر ہمارا ایمان ہے۔ اور یہ کہ اس جیسا کوئی نہیں۔ اس قدر اعتقاد کے بعد قیل و قال کی طرف دھیان نہ کرو۔ کیونکہ نہ تو قیل و قال کی طرف متوجہ ہونے کا تمہیں حکم ملا ہے۔ اور نہ ہی تمہاری طاقت میں ہے۔ کہ تم ان معلومات پر غور کر سکو۔ اگر وُہ یہ کہے کہ مجھے قرآن شریف سے اتنا معلوم ہو گیا کہ وُہ عالم ہے۔ لیکن یہ مجھے معلوم نہیں۔ کہ وُہ عالم بالذات ہے یا اس سے زیادہ واقفیت ہے۔ اس میں اشعریہ اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ تو وُہ عوام کی حد سے خارج ہے۔ کیونکہ عامی کا دل ایسی باتوں کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ جب تک شیطان اسے حرکت نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تاوقتیکہ انہیں بدل نہ دے۔ اور ایسا ہی خبر میں بھی ہے۔ اور جب میں اہل جدل سے ملونگا تو ان کے علاج کا بھی عنقریب ذکر کروں گا۔ مَیں انہیں اصول کے بارے میں وعظ و نصیحت نہیں کرونگا بلکہ مَیں انہیں کتاب الٰہی کا حوالہ دونگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب۔ میزان اور لوہا اُتارا ہے۔ رہا فروع۔ سو اس کی نسبت تو مَیں یہ کہونگا۔ کہ جو اختلاف کے مواقع ہیں اُن کی طرف اپنے دل کو اس وقت تک مشغول ہی نہ کرو۔ جب تک تم متفق علیہ باتوں سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ تمام اُمت کا اجماع ہے کہ آخرت کا توشہ تقویٰ اور ورع ہے اور یہ کہ حرام اور مال حرام کا حاصل کرنا۔ غیبت۔ چغلی۔ زنا۔ چوری۔ خیانت وغیرہ ممنوع ہیں۔ اور فرائض سب کے سب واجب ہیں۔ اگر تم ان سب سے فارغ ہو جاؤ۔ تو پھر مَیں تمہیں خلاف سے بچنے کا طریقہ سکھلاؤنگا۔ اگر وُہ ان باتوں سے

فارغ ہونے سے پہلے مجھ سے وہ طریقہ سیکھنا چاہیے جس کے ذریعہ اختلاف سے بچ سکتا ہے۔ تو وہ جدلی ہے۔ نہ کہ عامی۔ عامی ان باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے موقعوں کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا تم نے اپنے رفیقوں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ ان تمام باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے اشکال کی طرف مائل ہوئے ہیں کبھی نہیں اپنے خلاف میں ان کی عقلوں کی کمزوری بعینہ اس مریض کی عقل کی کمزوری سے ملتی ہے۔ جو مرض شدید میں مبتلا ہو۔ اور اس کا علاج وہ چیز ہو جس پر اطبار کا اتفاق ہے۔ اور وہ یہ کہے کہ نہیں کہ بعض دوائوں کے گرم یا سرد ہونے کے بارے میں اطبار مختلف الرائے ہیں۔ میں تو اس وقت تک اپنا علاج نہ کراؤں گا۔ جب تک مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملے۔ جو یہ بتائے کہ یہ اختلاف رائے کیونکر رفع ہو سکتا ہے۔ تقوے کی حدود سے فارغ ہونے کے بغیر اس کی صحت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے +

رفیق۔ اب مجھے بعض مسائل میں مشکل پیش آئی ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں۔ کہ مَیں قے۔ نکسیر اور لمس کے بعد وضو کروں یا نہ کروں۔ اور یہ کہ ماہ رمضان میں روزے کی نیت رات کو کروں یا دن کو وغیرہ وغیرہ +

مصنف۔ اگر تم طریق آخرت میں امن و امان کے خواہشمند ہو تو احتیاط کے طریقہ پر کاربند ہو۔ اور ایسی بات اختیار کرو جس پر سب کا اتفاق رائے ہے۔ تمام مختلف فیہ حالتوں میں وضو کرو۔ کیونکہ ہر چیز جو واجب نہیں مستحب ہے۔ ماہ رمضان میں رات کے وقت روزہ کی نیت کرو۔ کیونکہ جو واجب نہیں مستحب ہے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ احتیاط تمہارے لئے دو بھر ہے۔ اور تمہیں بعض مسائل کی نفی اثبات کا ٹھیک علم نہیں۔ اور یہ کہ صبح کے وقت قنوت پڑھو یا نہ۔ یا بسم اللہ جہر پڑھو یا نہ تو ان سب باتوں کا جواب مَیں یہ دونگا۔ کہ تم ایسی حالت میں اجتہاد سے کام لو اور اماموں کی نسبت غور کرو۔ کہ تمہاری رائے میں کونسا افضل ہے۔ اور تمہاری دانست میں کون زیادہ راستی پر ہے۔ جیسا کہ اگر تم بیمار ہو جاؤ۔ اور شہر میں کئی طبیب رہتے ہوں۔ تو ایسے طبیب کا علاج پسند کرو گے جو تمہارے خیال میں سب سے اچھا ہے۔ ایسی صورت میں تم اجتہاد سے کام لو گے۔ نہ کہ خواہش اور طبع سے سو اسی قسم کا اجتہاد دین کے معاملے میں تمہارے لئے کافی ہے۔ جو تمہارے

خیال میں غالب ہو۔اسی پر کار بند ہو۔کیونکہ اس بارے میں اگر اس کا اجتہاد راستی پر ہو گا۔ تو اُسے دو اجر ورنہ ایک تو ضرور ملے گا۔جیسا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "من اجتھد فاصاب فلہ اجران ومن اجتھد فاخطاء فلہٗ اجر واحد" جس نے اجتہاد سے کام لیا اور درستی پر نکلا تو اُسے دو اجر۔ اور اگر چوک گیا تو اُسے ایک اجر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی تعلیم کے لئے جو نتیجے نکالتے ہیں۔اجتہاد سے کام لینے کو پسند فرمایا ہے۔چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔کہ تم کس کے مطابق حکم کرتے ہو۔تو عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بموجب۔فرمایا اگر تمہیں نہ مل سکے۔عرض کیا سنت نبوی کے مطابق۔ فرمایا اگر یہ بھی میسر نہ ہو۔عرض کیا ایسی صورت میں اجتہاد سے کام لیتا ہوں۔ فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔پھر اجازت عنایت کر کے فرمایا۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسول خدا کے قاصد کو رسول خدا کی مرضی کے مطابق توفیق دی گئی ہے۔اس سے تم اندازہ کر لو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے خوش ہوئے۔جیسا کہ ایک اعرابی نے عرض کیا۔کہ میں خود ہلاک ہوا اور دوسرے کو ہلاک کیا۔میں نے رمضان کو دن کے وقت اپنی بیوی سے مجامعت کی فرمایا۔ایک غلام آزاد کرو۔پس اس سے سمجھ لو۔کہ اگر ترکی یا ہندی سے بھی ایسا ہو جائے۔ تو اُسے بھی غلام آزاد کرنا لازم آتا ہے۔اور یہ اس واسطے ہے۔کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ وہ بالضرور راستی پر ہوں۔کیونکہ ایسا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔اور نہ ہی وہ ایسی بات کے لئے مکلف ہیں۔جس کی برداشت کی ان میں طاقت نہیں۔وہ صرف اس بات کیلئے مکلف ہیں۔جس کی نسبت درست ہونے کا ظن ہوتا ہے۔مثلاً نماز میں اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ کپڑے پاک ہوں۔بلکہ اس بات کے لئے مکلف ہیں۔کہ انہیں خیال ہو کہ کپڑے پاک ہیں۔چنانچہ اگر اثنائے نماز میں انہیں پلیدی یاد دلائی جائے تو نماز کا قضا کرنا لازم نہیں آتا۔جیسا کہ ایک مرتبہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعلین سمیت نماز ادا فرما رہے تھے۔تو آپ نے جبرائیل کی اطلاع کے مطابق کہ

اس پر کچھ پلیدی ہے۔ پائے مبارک سے اُتار دیا۔ لیکن نماز دوبارہ ادا نہ فرمائی۔ اور نہ ازسرِنو شروع کی۔ اسی طرح اس کی تکلیف نہیں دی گئی۔ کہ قبلہ رُو ہو کر نماز ادا کی جائے بلکہ اس طرف رُخ کر کے جس کی نسبت گمان ہو کہ ادھر قبلہ ہے۔ اور وہ بھی پہاڑوں ستاروں اور سُورج کی طرف دیکھ کر۔ اگر ایسی صُورت میں گمان دُرست نکلا تو دو ثواب ورنہ ایک تو ضرور ملیگا۔

ایسا ہی فقیر کو زکوٰۃ کے لئے مکلف نہیں۔ بلکہ وُہ شخص مکلف نہیں جس کی نسبت گمان ہو کہ وُہ فقیر ہے۔ کیونکہ حقیقت میں ان چیزوں کا معلوم کرنا دشوار ہے۔ اسی طرح خون گرانے اور فروج کو حلال قرار دیتے وقت قاضی اس بات کے لئے مکلف نہیں۔ کہ وُہ اس مطلب کے لئے ضرور سچے گواہ لیں۔ بلکہ ان گواہوں کی مظنونہ سچائی کے لئے مکلف ہیں۔ اگر محض گواہوں کی مظنونہ سچائی سے خون گرانے کا حکم دے تو ممکن ہے غلطی پر ہو۔ جبکہ خون گرانا اور فروج کا جائز کرنا اجتہاد سے ہو سکتا ہے۔ تو کیا نماز ہی جائز نہیں ہو سکتی۔ نہیں معلوم تمہارے رفیق اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ وُہ یہ کہیں کہ اگر قبلہ کے بارے میں شُبہ پڑ جائے تو نماز ازسرِنو ادا کرو۔ یا ایسی صُورت میں سفر کر کے امام پاس جانا۔ اس سے پُوچھنا اور اسے اس درستی کی تکلیف دینا جس کی اسے طاقت نہیں جائز ہے۔ یا ایسے شخص سے اجتہاد کرو۔ جس کے لئے اجتہاد ممکن نہیں۔ کیونکہ وُہ قبلہ کی دلیلوں اور ستاروں۔ پہاڑوں اور ہوا سے استدلال نہیں کر سکتا۔

رفیق۔ اس میں شک نہیں۔ کہ وُہ ایسی صُورت میں ضرور اجتہاد کی اجازت دیگا۔ پھر کوئی گناہ نہیں۔ اگر وُہ کنہ مجہُودہ سے کام لے۔ خواہ وُہ اس میں غلطی پر ہو یا قبلہ کے سوا کسی اور طرف رُخ کر کے نماز ادا کرے۔

مصنف۔ جو شخص قبلہ کے بغیر کسی اور طرف نماز ادا کر کے معذور اور ماجور ہو سکتا ہے تو یہ بعید از عقل و قیاس نہیں کہ جو سارے اجتہادات میں غلطی کرے معذور نہ ہو۔ اور اس کے مجتہد اور مقلد سب کے سب معذور ہوں۔ بعض ان میں سے درستی پر اور بعض غلطی پر۔ ایسے اشخاص بلحاظ ثواب قریب قریب ہیں (کیونکہ بعض کو ایک ثواب اور بعض کو دو ثواب ملتے ہیں) انہیں آپس میں جھگڑنا نہیں چاہیئے۔ اگر بعض

آپس میں ہٹ دھرمی سے کام لیں۔ تو یہ تو ضروری ہے کہ ان میں سے ایک غلطی پر ہے اور دوسرا راستی پر۔ مثلاً اگر دو مسافر قبلہ کے بارے میں اجتہاد سے کام لیں اور اس اجتہاد میں اختلاف رائے رکھتے ہوں۔ اور وہ اپنی اپنی مظنونہ جانب رُخ کر کے نماز ادا کریں۔ اور ایک دوسرے پر اعتراض کریں۔ یا آپس میں انکار کریں تو وُہ دونو حق بجانب ہیں۔ کیونکہ وُہ دونو مظنونہ جانب کے لئے مکلف ہیں۔ ٹھیک ٹھیک قبلہ کی طرف رُخ کرنا اللہ ہی کو معلوم ہے۔ دُور کے اشخاص اس بات پر قادر نہیں۔ ایسا ہی معاذ رضی اللہ عنہ یمن میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔ تو اس خیال سے نہیں کہ آپ غلطی پر ہیں۔ بلکہ یہ اعتقاد کر کے کہ اگر مجھ سے خطا بھی ہوئی تو میں معذور سمجھا جاؤنگا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ بعض شرعی وضعی امور ایسے ہیں جن میں شرائع کا اختلاف ہے۔ وُہ اس وجہ سے کہ ان میں ان کا مظنونہ نقیض بھی ہوتا ہے۔ یہی نقیض اختلاف کا باعث ہے۔ اور جن امور میں شرائع کا تغیر نہیں۔ ان میں اختلاف بھی نہیں۔ اتباع سنت کے اسرار میں اس فصل کی حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ جس کو میں نے جواہر القرآن میں اعمال ظاہرہ کا بیان کرتے ہُوئے دسویں اصل میں لکھا ہے۔

رہی تیسری قسم اور وُہ اہل جدل ہیں۔ سو میں انہیں حق کی طرف نرمی سے بلاتا ہوں۔ یہاں نرمی سے میری یہ مراد ہے۔ کہ میں ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتا اور ان پر سختی نہیں کرتا اور نہ جھڑکتا ہوں۔ بلکہ سب سے عمدہ جدل جو ہو سکتا ہے استعمال کرتا ہوں مجادلہ بالاحسن کے یہ معنی ہیں کہ میں ایسے اصُولوں کو لیتا ہوں جنہیں اہل جدل تسلیم کرتے ہیں۔ پھر میں ان سے میزان محقق کے ذریعہ حق نتیجہ اس طرح برآمد کرتا ہوں جیسا کہ میں نے "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں بیان کیا ہے۔ اور اگر اس پر بھی قناعت نہیں کرتے۔ اور زیادہ واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔ تو میں انہیں ترازوں کا استعمال سمجھاتا ہوں۔ اگر پھر بھی کند ذہنی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قناعت نہ کریں۔ اور اپنے تعصب۔ عناد اور جھگڑے پر اڑے رہیں تو پھر ان کا علاج لوہے سے کرتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوہے اور ترازو کا ذکر کتاب کے قریب ہی کیا ہے۔ تاکہ اس سے انسان سمجھ جائے۔ کہ تمام خلقت انصاف پر صرف انہیں تین چیزوں کے ذریعے قائم رہ سکتی ہے۔ کتاب عوام کے لئے ہے۔ جو اس چیز کی پیروی کرتے ہیں۔ جو کتاب

سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور ایسا کرنے میں ان کی خواہش فتنہ وفساد اور تاویل کی ہو۔ اور وُہ جانتے ہیں کہ یہ ان کی شان سے بعید ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کی تاویل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے یا جید عالموں کے اور کوئی نہیں جانتا ۔ اہل جدل سے میری مراد وُہ لوگ ہیں جن میں عقلمندی زیادہ ہے۔ اور جس کی وجہ سے وُہ عوام الناس کی نسبت ترقی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی عقلمندی ناقص ہے۔ گو بلحاظ فطرت کامل ہیں۔ چونکہ ان کے باطن میں خبث۔ عناد۔ تعصب اور تقلید ہوتی ہے۔ اس لئے یہ باتیں حق کے ادراک سے انہیں روکتی ہیں۔ اور یہ صفات ان کے دلوں پر بمنزلہ پردے کے ہیں جو غور وخوض نہیں کرنے دیتا اور ان کے کانوں میں بمنزلہ بہرہ پن ہیں۔ جو انہیں حق بات سننے نہیں دیتا۔ لیکن ان کے حق میں سب سے زیادہ مضر ان کی ناقص ادھوری اور ناتمام عقلمندی ہے کیونکہ ان کی ذہانت غیر مکمل اور عقل ناقص البلہی سے زیادہ بری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اکثر اہل جنت بے وقوف ہونگے۔ اور اہل علیین عقلمند۔ ان دو کے بین بین ایک فرقہ ہے۔ جو آیات الٰہی کے بارے میں جھگڑتے ہیں یہ دوزخی ہونگے۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف کے ذریعے اتنا نہیں روک سکتا جس قدر بادشاہ کے ذریعے۔ ان لوگوں کو جدال سے روکنا بذریعہ تلوار اور نیزہ زیادہ انسب ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دُرّے کے ذریعہ روکا۔ جبکہ اس نے آپ سے قرآن شریف کی دو متشابہ آیتوں کے بارے میں پُوچھا۔ یا جیسا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے کیا جبکہ آپ سے استواء علی العرش کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ استوا حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ اس پر نکتہ چینی کرنا یا نہ ماننا جدال ہے۔ سلف صالحین ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اگر لوگوں سے جدال کیا جائے تو باعث نقصان وتکلیف عظیم ہے۔ یہ ہے میرا طریقہ لوگوں کو حق کی طرف بلانے اور گمراہی اور تاریکی سے نکال نور حق کی طرف لانے کا۔ اور یہ اس طرح پر کہ خواص کو حکمت کی طرف میزان کی تعلیم سے بلاتا ہوں۔ حتیٰ کہ جب وُہ میزان القسط سیکھ جاتے ہیں۔ تو صرف ایک علم پر قادر نہیں ہوسکتے۔ بلکہ بہت سے علوم پر۔ کیونکہ جس کے پاس میزان ہوتی ہے۔ تو وُہ اس سے لاانتہا مقادیر کا اندازہ کر سکتا ہے

ایسا ہی جس کے پاس قسطاس المستقیم ہوتی ہے۔ اس کے پاس حکمت بھی ہوتی ہے۔ جس کی نسبت یہ فرمان الٰہی ہے کہ جسے حکمت دی گئی ہے اُسے بہت خیر و برکت دی گئی ہے۔ جس کی انتہا نہیں۔ اگر ترازوں پہ قرآن شریف کا استعمال نہ ہوتا۔ تو قرآن شریف کو نور کہنا صحیح نہ مانا جاتا۔ کیونکہ نور بذاتِ خود دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں اس کے ذریعے اور چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور یہی ترازو کی تعریف ہے۔ اور جب اس کے اس قول کی تصدیق ہو گئی کہ تمام رطب و یابس اس کتاب مبین میں مندرج ہے۔ تو اب جاننا چاہیئے کہ تمام علوم اس میں مندرج ہیں۔ لیکن بہ صراحت نہیں بلکہ بالقوۃ۔ مثلاً اس میں ان ترازوں کا ذکر ہے۔ جن سے حکمت کے لاانتہا دروازے کھل سکتے ہیں۔ اور انہیں سے میں عوام و خواص کو کتاب کا حوالہ دے کر موعظہ حسنہ کے ذریعے حق کی طرف بُلاتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابتہ کے اقتصاد سے کام لیتا ہوں۔ اور اہل جدال کو مجادلہ بالاحسن کے ذریعے حق کی طرف بُلاتا ہوں۔ اور اگر وُہ اس سے انکار کرے۔ تو میں مخاطبہ کو بند کر اس کی شرارت کی روک تھام غلبہ اور لوہے کے خوف سے کرتا ہوں جس کا ذکر میزان کے ساتھ ہی ہُوا ہے۔

اے میرے رفیق! کاش اب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کا امام ان تین قسم کے لوگوں کا علاج کیونکر کرتا ہے۔ کیا عوام کو وُہ باتیں سکھاتا اور ان باتوں کی تکلیف دیتا ہے۔ جنہیں وُہ سمجھ نہیں سکتے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو وُہ جناب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے۔ یا مجادلین کے دماغوں سے جدال کو بذریعہ حجت نکالتا ہے۔ سو ایسا تو جناب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ کر سکے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے بکثرت حجتیں بیان فرمائیں۔ کیا تمہارے امام کی قدرت اللہ تعالےٰ اور اس کے رسُول صلعم کی قدرت سے بڑھ گئی ہے۔ یا وُہ اہل بصیرت سے اپنی تقلید کرانا چاہتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے تقلید سے قول نبوی کو قبول نہیں کیا اور نہ وُہ عصا کو سانپ میں تبدیل کرنے پر قانع ہوئے۔ بل انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو فعل عجیب ہے۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا فاعل سچّا ہے۔ جہان میں سحر و طلسم کے ایسے عجائب و غرائب کرشمے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ معجزہ اور سحر و طلسم میں وہی شخص تمیز کر سکتا ہے۔ جو ان سب سے بخوبی واقف ہو

اور ان کے اقسام کا ماہر ہو۔ جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی شناخت کی۔ کیونکہ وُہ علم سحر کے ماہرین کے سربرآوردہ تھے۔ اور جو اس کو قوی کر سکے۔ بلکہ اہل بصیرت معجزہ کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ اسی کے قول سے اس کی تصدیق ہو۔ جیسا کہ حساب کا سیکھنے والا حساب سے ہی اپنے اُستاد کے حساب دان ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ وُہ معرفت یقینیہ ہے۔ جس پر عقلمند اور اہل بصیرت قناعت کرتے ہیں۔ اس کے سوا وُہ کسی بات پر قناعت ہی نہیں کرتے جب وُہ اس طریق سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کی صداقت کو مان جائیں اور قرآن شریف میں کی ذکر کردہ ترازوؤں کو سمجھ جائیں جیسا کہ میں نے تم سے بیان کیا ہے۔ اور ان ترازوؤں سے تمام علوم کی چابیاں ان کے ہاتھ آجائیں جیسا کہ میں نے جواہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ تو پھر وُہ کیونکر تمہارے امام معصوم کے محتاج ہو سکتے ہیں اور وُہ کیا ہے۔ جس سے ان کی مشکلات حل ہوئیں۔ اور کس سے اس نے اس کی باریکیوں کو ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:" ھٰذا خلق اللہ فاروني ماذا خلق الذين من دونه"

اب تو علوم کے ترازوؤں میں میرے طریقے کو سُن لیا ہے۔ اب مجھے دکھاؤ۔ کہ تم نے اپنے امام سے علوم کی باریکیوں کی بابت اب تک کیا اقتباس کیا ہے۔ اور وہ کیا چیز ہے جو لوگ اس سے سیکھتے ہیں۔ کاش میں بھی جانتا کہ تم نے اپنے امام معصوم سے کیا کچھ سیکھا ہے۔ جو کچھ تم نے دیکھا ہے مجھے بھی دکھاؤ۔ ۵

مایسد عابہ دفسد ی ادف خوائن وقلب یا سا قوت

دستر خوان کی طرف بلانے کا مطلب محض بلانا ہی نہیں ہوتا بلکہ کھلانا پلانا بھی ہوتا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ تم لوگوں کو امام کی طرف بلاتے ہو۔ لیکن باوجود امام کے پاس آنے کے ان کی سابقہ جہالت بدستور رہتی ہے۔ امام ان کے کسی عقدہ کو حل نہیں کرتا۔ بلکہ اُلٹا حل شدہ کو عقدہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کی استجابت بلحاظ علم انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ بسا اوقات اس سے ان کی سرکشی اور جہالت بڑھ جاتی ہے۔

رفیق۔ میں بہت مدت اپنے رفیقوں کے ساتھ رہا ہوں۔ لیکن اس عرصہ میں ان سے

سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ وُہ کہتے تھے تمہارے لئے مذہب کی تعلیم ضروری ہے اور یہ کہ رائے اور قیاس سے کام لینا۔ حالانکہ یہ دونو متعارض اور مختلف ہیں +

مُصنّف ۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وُہ تعلیم کی طرف بُلاتے تو ہیں۔ لیکن تعلیم میں مشغول نہیں کرتے ۔ انہیں یہ تو کہنا تھا۔ کہ تم نے مجھے تعلیم کی طرف بلایا۔ اور میں نے مان لیا۔ اب مجھے وُہ باتیں تو سکھاؤ جو تمہارے پاس ہیں +

رفیق ۔ مَیں تو نہیں جانتا کہ انھوں نے مجھے اس قسم کی باتیں سکھائی ہوں +

مصنف ۔ مَیں تعلیم اور امام کا قائل ہوں ۔ اور رائے اور قیاس کو جھوٹا سمجھتا ہوں ۔ اگر تم تقلید چھوڑ دو تو میں تمہاری واقفیت کو زیادہ کرسکتا ہوں ۔ اور علوم کے غرائبات اور اسرار قرآنی سکھا سکتا ہوں ۔ اور ان سے علوم کی تمام کنجیاں نکال سکتا ہوں ۔ جیسا کہ مَیں نے اس سے علوم کے ترازؤں کو نکالا ہے۔ جیسا کہ مَیں جواہر القرآن میں علوم کی مختلف شاخوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن میں سوائے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی امام کی طرف نہیں بُلاتا اور سوائے قرآن شریف کے اور کسی کتاب کی طرف رجُوع نہیں دلاتا۔ کیونکہ مَیں اسی سے علوم کے تمام اسرار استخراج کرتا ہوں ۔ اس بات پر میری برہان ۔ میری زبان اور میرا بیان ہے۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم لازم پکڑو اپنے لئے میرا تجربہ اور امتحان ۔ پھر بتاؤ تم مجکو کہ اس بہتر بات کو کوئی مجھ سے تمہارے دوستوں میں سے سیکھتا ہے یا نہیں +

رائے اور قیاس کی تصاویر اور ان کے اظہار حقیقت کے بیان میں

رفیق ۔ رفیقوں سے قطع تعلق کرنا اور آپ سے تعلیم حاصل کرنا مجھے اس نصیحت سے جو میری والدہ محترمہ نے مرتے وقت کی تھی اور جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے۔ روکیں گے ۔ لیکن تاہم مَیں چاہتا ہوں ۔ کہ آپ رائے اور قیاس کے بگاڑ کو مجھ پر زیادہ واضح کردیں ۔ کیونکہ میرا گمان غالب ہے ۔ کہ آپ میری عقل کو کمزور پاتے ہیں ۔ اور

شبہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ قیاس اور رائے کو میزان سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس کے مطابق قرآن شریف پڑھ سُناتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ وہی بعینہٖ وُہ قیاس ہے۔ جس کا آپکے اصحاب دعویٰ کرتے ہیں ۔

مصنّف ۔ افسوس! لو اب مَیں رائے اور قیاس کی نسبت مشرح بیان کرتا ہوں۔ کہ اس سے میری مراد کیا ہے اور ان کی مراد کیا ہے۔ رائے اور قیاس کی مثال معتزلہ کا یہ قول ہے کہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ پر اپنے بندوں کی بہتری کی رعایت واجب ہے۔ اور جب اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو صرف رائے سے کام لیتے ہیں۔ جس کو وُہ اپنی عقلوں کے مطابق بہتر خیال کرتے ہیں۔ جس میں وُہ خالق کو خلقت کے مطابق قیاس کرتے ہیں۔ اور اس کی حکمت کو خلقت کی حکمت سے تشبیہ دیتے ہیں عقلیں جس کو بہتر خیال کرتی ہیں وُہ رائے ہے۔ جس کے لئے کوئی تعویل نہیں دیکھتا کیونکہ اس سے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو قرآن شریف کی ترازوؤں کے مُطابق غلط ہوتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا قیاس میں لیکر میزان التلازم سے اس کا وزن یوں کرتا ہوں کہ اگر بندوں کی بہتری اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی تو وُہ بالضرور کرتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ غیر واجب ہے۔ کیونکہ واجب کی ترک نہیں کرتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کو تو ہم مانتے ہیں۔ کہ اگر واجب ہوتی تو ضرور کرتا۔ لیکن اس کو ہم نہیں مانتے کہ وُہ نہیں کرتا۔ تو مَیں یہ کہوں گا۔ کہ اگر اسے خلقت کی بہتری ہی منظور تھی تو اسے جنّت میں ہی رہنے دیتا۔ کیونکہ اس میں رہنا اس کے لئے بہتر تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے بہتری نہیں کی۔ یہ میزان تلازم کا صریح نتیجہ ہے۔ لیکن اگر فریق مخالف انکار کرے اور کہے کہ اسے جنّت میں چھوڑا اور اس پر جھوٹی گواہی دے یا یہ کہے کہ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ انھیں دُنیا کی طرف جو مصیبتوں کا گھر ہے نکالے اور انہیں خطاؤں کے پیش کرے ۔

جیسا کہ خبر صحیح میں وارد ہُوا ہے۔ اور وُہ خیال کرتا ہے کہ یہ ان کے لئے بہتر ہوتا کہ جنّت میں پیدا کرکے اسی میں رہنے دیئے جاتے۔ کیونکہ ایسی صُورت میں بہشت ان کی کوششوں کا نتیجہ نہ ہوتی اور نہ ان کا استحقاق ہوتا۔ یہ ایک قسم کا احسان تھا اور

احسان ناگوار ہوتا ہے۔ جب وہ سنتے۔ اطاعت کرتے تو جو کچھ انہیں ملتا وہ اس کی جزا
ہوتی۔ اور اجر و مزدوری میں احسان نہیں ہوتا۔ لیکن میں نہیں چاہتا۔ کہ اس قسم کے کلام
یا اس کے جواب سے اپنی زبان اور تمہارے کانوں کو تکلیف دوں۔ تم صرف اس پر
اسی غرض سے غور کرو کہ تمہیں رائے کے نتائج قبیحہ معلوم ہو جائیں۔ تمہیں یہ معلوم ہے۔
کہ جب بچے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بہشت میں بالغ اور مطیع لوگوں کی نسبت گھٹیل
درجہ عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ بچے اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں کہ ہمارے خدا! ہماری بہتری
میں بخل سے کام نہ لو۔ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں بھی بالغوں اور مطیعوں جیسے
درجے عطا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں معتزلہ کے خیال کے بموجب یہ جواب دیگا کہ میں
تمہیں ان کے درجوں پر کیسے پہنچا سکتا ہوں۔ جبکہ وہ بالغ ہوئے انہوں نے تکلیفیں
اور فرمانبرداری کی۔ حالانکہ تم بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ وہ کہیں گے تو نے ہی ہمیں مارا تھا
اور تو نے ہی دنیا میں دیر تک رہنے اور آخرت کے اعلیٰ درجے حاصل کرنے سے محروم رکھا
ہماری بہتری اسی میں ہے۔ کہ ہمیں انہیں جیسے رتبے عطا فرمائے۔ اگر تو ہمیں نہ مارتا تو از خود
کیسے مرتے۔ تب اللہ تعالیٰ معتزلہ کے خیال کے مطابق یہ جواب دیگا۔ کہ یہ مجھے معلوم
تھا کہ اگر تم بالغ ہوتے تو ناشکر گزار ہو کر دوزخ کے مستحق بنتے اور پھر ہمیشہ کے لئے
اسی میں رہتے اور مجھے معلوم تھا کہ تمہاری بہتری اسی میں تھی۔ کہ تم بچپن میں فوت ہو جاتے
تب بالغ کافر دوزخ میں سے پکار اٹھیں گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم تھا کہ ہم بالغ ہو کر
ناشکر گزار ہوں گے۔ تو پھر تو نے ہمیں بچپن ہی میں کیوں نہ مار ڈالا۔ ہم تو لڑکوں کو
عطا کردہ درجوں کے سویں حصے پر بھی راضی ہیں۔ اس وقت معتزلہ لاجواب ہو جائیں گے
اور یہ کفار کی اللہ تعالیٰ پر حجت ہو جائے گی۔ قولہ تعالیٰ و الظالمین علوا کبیرا۔ ہاں
بہتری کا فعل ایک بھید ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قدر میں رکھا ہے۔ لیکن معتزلہ اس اصل
سے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ علم کلام کے سرمایہ سے یہ بھید معلوم نہیں کر سکتا۔ جس کو
اس کے معلوم کرنے کا خبط ہے۔ وہ خبطی ہی ہے۔ اس میں رائیں مضطرب ہو جاتی ہیں۔
پس یہ ہے میری مثال رائے باطل کی۔

اب رہی قیاس کی مثال وہ کسی چیز میں ایک خاص حکم کا اثبات ہے جو اس کے
غیر میں پایا جاتا ہے۔ جیسے معتزلہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے۔ جب ان سے پوچھا

جائے کیوں۔ تو کہتے ہیں کہ وہ فاعل اور صانع ہے۔ اس لئے جسم ہے۔ یہ نتیجہ انہوں نے تمام کاریگروں اور کارکنوں کو دیکھ کر نکالا ہے۔ لیکن یہ قیاس باطل ہے۔ کیونکہ اگر ہم ان سے پوچھیں کہ تم نے یہ کیونکر کہا کہ جو فاعل ہے وہ جسم ہے۔ کیونکہ وہ فاعل ہے۔ وہ قرآن شریف کی ترازؤں سے اس کا وزن کرنا نہیں جانتے۔ اس قیاس کی جانچ کی ترازو موازین التعادل میں سے میزان اکبر ہے۔ اور اس سے وزن کرنے کی یہ صورت ہے۔ کہ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک فاعل جسم ہے اور باری تعالیٰ فاعل ہے اس لئے وہ بھی جسم ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے۔ کہ یہ تو ہم مانتے ہیں۔ کہ باری تعالیٰ فاعل ہے۔ لیکن ہم پہلی اصل کو نہیں مانتے جو یہ ہے کہ ہر فاعل جسم ہے یہ تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ ہر فاعل جسم ہے۔ جب یہ سوال کیا جائے تو پھر ان کیلئے استقرار اور قسمت منتشرہ کے سوا اور کوئی سہارا نہیں رہتا۔ اور یہ دونوں ہی صحت نہیں رکھتے استقراء تو اس واسطے کہ اگر وہ یہ کہیں کہ میں نے حجام۔ درزی۔ نجار وغیرہ کو دیکھا تو سب کو اجسام پایا۔ اس واسطے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام فاعل جسم ہیں۔ اس وقت اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم نے سارے فاعلوں کو دیکھا ہے یا کوئی دیکھنے سے بچ بھی گیا ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ بعض کو دیکھا ہے تو اس سے کُل کے لئے حکم لازم نہیں آتا۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے سب کو دیکھا ہے۔ تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ انہیں تمام فاعلوں کا علم ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ انہوں نے زمین و آسمان کے فاعل کو نہیں دیکھا۔ بعض کو دیکھا ہے۔ تو کُل لازم نہیں آتا۔ اگر سب کو دیکھا ہے تو کیا سب کو جسم پایا ہے۔ اگر وہ کہیں ہاں۔ تو کہو کہ اچھا۔ جب تم نے اپنے قیاس کے مقدمہ میں پایا۔ تو پھر کیسے اس کو اصل قرار دیا۔ جو اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایسی صورت میں نفس وجدان کو ہی دلیل گردانا۔ اور ایسا کرنا غلطی ہے۔ اور ایسی صورت میں تمہاری دیکھ بھال اس شخص کی طرح ہے۔ کہ اونٹ گھوڑے۔ ہاتھی۔ کیڑوں کو ڑوں اور پرندوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان پاؤں سے چلتے ہیں حالانکہ اس نے سانپ اور رینگنے والے کیڑوں کو دیکھا ہی نہیں۔ یا حیوانات کو جگالی کرتے دیکھ کر کہ وہ نچلے جبڑے کو ہلاتے ہیں۔ یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان جگالی کے وقت نچلے جبڑے کو ہلاتے ہیں۔ لیکن اس نے مگرمچھ کو دیکھا ہی نہیں جو اوپر کے جبڑے کو ہلاتا ہے۔ ایسا اس نے اس واسطے کیا۔ کہ وہ اس بات کو جائز

قرار دیتا ہے۔ کہ اگر ہزار شخص جنس واحد میں ایک حکم رکھتا ہو اور ایک میں وُہ بھی نہ پایا جائے۔ تو جائز ہے۔ اس سے برآمد وہ نتیجہ یالیقین رد نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رکھو۔ ایسا قیاس قیاس باطل ہے۔ رہا قسمت منتشر کا سہارا لینا۔ سو اس کی مثال یہ ہے کہ وُہ یہ کہے کہ میں نے فاعلوں کے اوصاف کی اچھی طرح چھان بین کی ہے۔ وُہ سب اجسام تھے۔ کیونکہ وُہ فاعل تھے یا اس واسطے کہ وُہ موجود تھے یا اس واسطے کہ وُہ یہ تھے وُہ وُہ تھے۔ پھر خود ہی تمام اجسام کو باطل کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ پس اس سے لازم آتا ہے۔ وُہ جسم تھے۔ کیونکہ وُہ فاعل تھے۔ اور یہی قسمت منتشرہ ہے۔ جس سے شیطان اپنے قیاسوں کا وزن کرتا ہے۔ سو اس کی بطلان کو میں بیان کر چکا ہوں۔

رفیق۔ میرا گمان ہے کہ جب وُہ تمام اقسام جن سے ان کی مراد ہوتی ہے۔ باطل ہو چکیں حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ اکثر متکلمین اپنے عقائد میں اس پر دارومدار رکھتے ہیں وہ رویت باری تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ وُہ مرئی (دکھائی دینے کے قابل) ہے۔ کیونکہ وُہ صاحب سفیدی ہے اس واسطے کہ تاریکی یا سیاہی دیکھی جاتی ہے۔ اور اس کا دیکھا جانا باطل ہے۔ کیونکہ وُہ جوہر ہے۔ اس واسطے عرض دکھائی دیتا ہے۔ نہ کہ جوہر۔ اور یہ باطل ہے کہ وُہ عرض ہے۔ کیونکہ جوہر دکھائی دیتا ہے۔ جب ساری قسمیں باطل ہو چکیں تو باقی صرف یہ رہ گیا کہ موجود دکھائی دیتا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس ترازو کی خرابی مجھے بالتشریح و بالتوضیح سمجھائیں۔ تاکہ اس میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

مصنف۔ اس بارے میں میں ایک سچی مثال بیان کرونگا۔ جو قیاس باطل سے بطور نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتی۔ اور میں اس پر سے پردہ ہٹا دُونگا۔ وہ یہ کہ ہمارا یہ قول کہ عالم حادث ہے، بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن قائل کا یہ قول کہ وُہ اس واسطے حادث ہے کہ مصوّر ہے۔ محض اس قیاس پر مبنی ہے کہ گھر اور تمام عمارتیں مصوّرہ ہیں۔ لیکن اس کا یہ قول باطل ہے۔ حدوث عالم کے علم کے لئے مفید نہیں پڑتا۔ جب میزان حق سے اس کی جانچ یوں کی جاتی ہے۔ ہر مصوّر حادث ہے۔ اور عالم مصوّر ہے اس واسطے وُہ حادث ہے۔ اس میں دوسرا اصل تو مسلم ہے۔ لیکن پہلا کہ ہر مصوّر حادث ہے۔ ہمکو فریق ثانی نہیں مانتا۔ ایسے موقع پر وُہ استقرار کی لوٹ لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے بطور نتیجہ یہ بات معلوم کی ہے۔ کیونکہ ہر مصوّر کو حادث پایا ہے۔ مثلاً گھر۔

پیالہ قمیص وغیرہ وغیرہ اس کی خرابی تو تم سمجھ گئے ہو۔ اب وہ اور پہلو بدلتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ گھر حادث ہے۔ کیونکہ جب ہم اس کے اوصاف کی چھان بین کرتے ہیں تو اسے ایک جسم پاتے ہیں۔ جو بنفسہٖ قائم۔ موجود اور مصوّر ہے۔ اور یہ چار صفات ہیں۔ اس نے اپنی علّت کو یہ کہہ کر کہ گھر جسم بنفسہٖ موجود ہے، باطل کر دیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ مصوّر ہونے کی وجہ سے معلل ہے اور وہ چوتھی ہے۔ پس اُسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کئی وجوہات کے سبب باطل ہے۔ ان چار میں سے پہلی کو بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر ین کا بطلان ثابت ہو جائے۔ تو وہ علّت ثابت نہیں ہوتی جس کی تجھے طلب ہے۔ شاید حکم معلل بہ علّت قاصرہ۔ غیر عامہ ہو اور متعدی نہ ہو۔ مثلاً گھر اگر گھر کا غیر محدث ہونا ثابت بھی ہو جائے۔ تو شاید حکم معلل حقیقت میں اس سے قاصر ہو جو اس کے حادث ہونے کو ظاہر کرتا ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی وصف خاص جو تمام کو جامع ہو۔ رہ گیا ہو۔ اور دُوسرے تک نہ پہنچتا ہو۔ اس واسطے کہ وہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس درجہ کوشش کی جائے کہ یہ خیال ہی نہ کیا جا سکے کہ کوئی قسم رہ گئی ہوگی اور جب نفی اور اثبات کے مابین حاضر نہ ہو۔ اور یہ خیال کیا جا سکے کہ شاید اس میں سے کوئی قسم باقی رہ گئی ہے تو حکم ٹھیک اور کلیہ نہیں ہو سکتا۔ حصر بدرجہ غایت کوئی آسان کام نہیں۔ غالب اوقات متکلمین اور فقیہہ اس کا پورا پورا اہتمام نہ کر سکنے کے باعث یہ کہتے ہیں کہ اگر اور کوئی قسم ہے تو اُسے ظاہر کرو۔ اور بسا اوقات فریق ثانی یہی کہتا ہے کہ مجھے اس کے ظاہر کرنے کا الزام نہ دو۔ اس طرح جھگڑا بڑھ جاتا ہے۔ اور بسا اوقات قیاس کنندہ استدلال کے وقت یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اور قسم ہوتی تو ضرور ہمیں معلوم ہوتی۔ یا تمہیں معلوم ہوتی۔ پس ہماری اس سے ناواقفیت اور قسم کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ مجلس میں ہاتھی کا نہ دیکھنا اس کی عدم موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس بیچارے کو یہ معلوم ہی نہیں۔ کہ گو اس وقت ہم نے ہاتھی کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس سے پہلے یا بعد تو کئی مرتبہ اور کئی اشخاص نے دیکھا ہے۔ اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ ہم معانی حاضرہ دیکھے اور اس کے ادراک سے عاجز رہے۔ لیکن مدت بعد خود ہی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی اور قسم باقی رہ گئی ہو جس کا علم ہمیں اس وقت نہ ہوا ہو۔ اور بسا اوقات عمر بھر میں بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ تیسرے اگر ہم حصر کو تسلیم بھی کر لیں۔

تو تین کے بطلان سے چوتھی کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ بلکہ چار سے جو ترکیب حاصل ہوتی ہے وہ تیس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ احتمال ہو سکتا ہے۔ کہ علت ان چار میں سے ایک ہو۔ دو ہوں یا تین ہوں پھر دو یا تین کا بھی تعین نہیں۔ بلکہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ علت اس کا موجود ہونا یا جسم ہونا یا موجود اور بنفسہٖ قائم ہونا یا جسم موجود اور قائم بنفسہٖ ہو۔ یا موجود اور گھر ہونا ہو یا گھر اور مصوّر ہو۔ یا گھر اور قائم بنفسہٖ ہو۔ یا گھر اور جسم ہو یا جسم اور مصوّر ہو یا جسم اور قائم بنفسہٖ ہو یا جسم اور موجود ہو۔ یا قائم بنفسہٖ اور موجود ہو۔ یہ دو دو کی بعض ترکیبیں ہیں۔ اسی طرح تین تین کی قیاس کر لو۔ واضح رہے کہ احکام بہت سے اسباب کے یکجا جمع ہونے پر موقوف ہوتے ہیں۔ مثلاً چیز صرف اس واسطے دکھائی نہیں دیتی کہ دیکھنے والے کی آنکھیں ہی ہوں۔ بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ رات نہ ہو۔ بادل نہ گھرے ہوئے ہوں مطلع صاف ہو۔ اور وہ چیز رنگدار ہو وغیرہ وغیرہ اور ان کے علاوہ یہ کہ اس کا وجود ہو۔ آخرت میں رویت ایک الگ بات ہے۔ جو شرائط مذکور ہوئی ہیں وہ دنیا کے لئے ہیں۔

چوتھے یہ کہ اگر بدرجہ غایت کوشش اور حصر کو مان بھی لیا جائے اور ترکیب کو بھی چھوڑ جائیں تو بھی تین کے بطلان سے چوتھی کے حکم کے تعلق کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ممکن ہے حکم کا انحصار چوتھی پر ہو اور ہو سکتا ہے کہ چوتھی کی دو قسمیں ہوں۔ جن میں سے صرف ایک سے حکم کا تعلق ہو۔ اور وہی تم نے نہ دیکھی ہو۔

اس کا جسم یا موجود یا قائم بنفسہٖ یا مصوّر ہونا۔ مثلاً صورت میں مربعہ یا گول ہو تو تین اقسام باطل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حکم محض صورت کے متعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات صورت مخصوصہ سے مخصوص ہوتا ہے۔ متکلمین جو اس قسم کے دقائق سے غفلت کرتے ہیں اس کا باعث ان کا خبط اور کثرت نزاع ہے۔ جس سے وہ رائے اور قیاس کے وقت کام لیتے ہیں۔ یہ یقین کو درد کرنے کے لئے مفید نہیں پڑتا۔ بلکہ فقیہی ظنی قیاسوں کی درستی کرتا ہے۔ عام لوگوں کے دلوں کو راستی اور درستی کی طرف مائل نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے افکار احتمالات بعیدہ کی طرف نہیں دوڑتے۔ بلکہ ان کے اعتقاد کمزور اسباب تک ہی محدود رہتے ہیں۔ جیسا کہ تم ایک عام شخص کو دیکھتے ہو جسے سر درد ہے۔ اسے ایک اور شخص کہتا ہے۔ کہ عرق گلاب استعمال کرو۔ کیونکہ جب مجھے سر درد تھا۔ تو میں نے اسے استعمال کیا تھا۔ اور مجھے فائدہ ہوا تھا۔ چونکہ تمہیں بھی سر درد ہے۔ اس لئے تمہیں

بھی فائدہ دیگا۔ مریض کا دل مائل ہو جاتا ہے کہ مَیں بھی عرق گلاب استعمال کروں لیکن وُہ یہ نہیں پوچھتا کہ پہلے یہ تو ثابت کرلو۔ کہ عرق گلاب ہر قسم کے دردِ سر کو مفید ہے۔ خواہ وُہ سردی سے ہو یا گرمی سے یا معدہ کے ابخرہ سے۔ کیونکہ سر درد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور یہ بھی ثابت کرو کہ میرا دردِ سر تمہارے دردِ سر کی طرح ہے اور میرا مزاج تمہارے مزاج کی طرح ہے۔ اور میری عمر، صناعت اور احوال تجھ جیسے ہیں۔ اور یہ تمام باتیں ضرور مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے ان سب کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کا علاج بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحقیق سے کام لینا نہ عوام کا خاص ہے اور نہ متکلمین کا۔ کیونکہ ان کو اوّل تو اس قسم کا شوق ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر برخلاف عوام کے متکلمین کو ہوتا بھی ہے تو یقین کو رد کرنے کی خاطر مفید راہ کی طرف آتے ہی نہیں۔ کیونکہ ہدایت کی طرف آنا صرف اُن لوگوں کا خاصہ ہے جنہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ راہ ہاتھ آئی ہے۔ اور یہ وُہ لوگ ہیں جنہوں نے نورِ الٰہی سے قرآن شریف کی روشنی کی طرف آکر اس سے میزان بالقسط اور قسطاس المستقیم اخذ کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے وُہ منصف مزاج ہو گئے ہیں ◆

رفیق۔ آپ کے کلام سے مجھے حق کی راہ اور اس کے مواقع خوب واضح ہو گئے ہیں کیا آپ اب اس بات کی اجازت دیتے ہیں۔ کہ مَیں آپ کی پیروی اس واسطے کروں آپ مجھے وُہ سکھائیں۔ جو آپ کو (علم لدنی) سکھایا گیا ہے ◆

مصنّف۔ آہ! تم میرے ساتھ رہکر صبر نہیں کرسکو گے۔ اور ایسی بات پر کیسے صبر کرسکو گے جو تمہارے احاطۂ واقفیت سے باہر ہے ◆

رفیق۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائینگے۔ اور مَیں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کرونگا ◆

مصنّف۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو۔ کہ مَیں اس وعظ و نصیحت کو بھول گیا ہوں۔ جو تمہیں تمہارے رفیقوں اور تمہاری والدہ نے کی تھی۔ اور جس پر تم پرلے درجے کے کاربند ہو۔ جس شخص میں تقلید کی رگ پختہ ہو وُہ میری ہمنشینی کے لائق نہیں۔ اس لئے نہ تم میری ہمنشینی کے لائق ہو نہ مَیں تمہاری کے۔ مجھ سے دُور ہو جاؤ۔ بس اب سے تم میں اور مجھ میں جُدائی ہے۔ کیونکہ مَیں تمہیں سدھاروں یا اپنے نفس کو۔ اور تمہاری تعلیم کا خیال رکھوں یا قرآن کی تعلیم کا۔ آیندہ نہ تم نے مجھے دیکھنا نہ مَیں تمہیں دیکھوں گا۔ اس اصلاح فاسد اور ٹھنڈا لوہا کوٹنے سے میرے وقت کو زیادہ ضائع نہ کرنا۔ مَیں نے تمہیں نصیحت کی ہے لیکن

تا مح نگاہ محبت سے نہیں دیکھے جاتے۔ والحمد للہ رب العالمین والسلام علیٰ محمد نبینا سید المرسلین۔

بھائیو! میں نے اپنا اور اپنے رفیق کا قصہ جیسا رو کھا پھیکا مجھ سے ہو سکا تمہیں کہہ سنایا۔ تاکہ پڑھائیں نے تم پر یہ سارا۔ تاکہ حاصل کرو تم اس عجیب بات اور ان محاورات کو اپنی ذہانت سے ثابت کرنے میں فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ یہی مذہب تعلیم کا سب سے بڑا کام ہے۔ اس سے میری یہ غرض نہ تھی۔

مخلصوں سے میری التماس ہے کہ اسے مطالعہ کرتے وقت میری معذرت کو قبول فرمائینگے کیونکہ میں نے مذاہب میں عقد و تحلیل کو پسند کیا ہے۔ ناموں میں تغیر و تبدل کیا ہے۔ اور معانی میں تخییل و تمثیل سے کام لیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے میں میری ایک خاص غرض صحیح تھی۔ اور ایک بھید تھا جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ اب تمہیں لازم ہے۔ کہ اس نظام کو نہ بدلو۔ اور ان معنوں کو اس لباس سے نہ نکالو۔ میں نے تمہیں سکھا دیا ہے۔ کہ منقول کی سند دیکر معقول کو کیونکر وزن کیا جاتا ہے۔ تاکہ قول کو طبیعتیں جلدی قبول کر لیں اور اس بات کا خیال رکھنا۔ کہ کبھی بھی منقول کو اصل قرار نہ دینا۔ کیونکہ یہ تابع اور ردیف ہے۔ اور ایسا کرنا امر شنیع ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم امر شنیع کو چھوڑ دو۔ اور مجادلہ بالاحسن استعمال کرو۔ خبردار اس امر کی مخالفت نہ کرنا۔ اگر ایسا کروگے تو خود بھی ہلاک ہو جاؤگے اور اوروں کو بھی کروگے۔ خود بھی گمراہ ہوگے اور اوروں کو بھی کروگے۔ میری نصیحت تمہیں کیا نفع دے سکتی ہے۔ جبکہ حق گم ہو گیا ہے اور سرچشمہ سوکھ گیا ہے۔ برائی پھیل گئی ہے اور شہروں میں مضحکہ بن گئی ہے۔ عام لوگوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے اور نبوی تعلیمات کو ملیا میٹ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ساری باتیں جاہلوں کے تصور کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ کیونکہ دراصل وہ کچھ بھی نہیں لیکن وہ عارفوں کے منصب اور دین کی مدد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بہت سے جاہل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ اہل ہدایت کو اچھی طرح جانتا ہے اور تصرف دین کے بارہ میں ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا منصب عالمین کا ہے۔

تمت بالخیر